OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۲۳۳۵ ا   Accession No. ۹۸۰۳

Author قسطنطین، و. فرہمانیان

Title قسطنطین اعظم

This book should be returned on or before the date last marked below.

سلسلۂ مطبوعات دارالترجمہ سلطنتِ عثمانیہ

قسطنطین اعظم

رومانی سلطنت کا نظامِ حکومت بطرزِ نو قائم ہونا

اور کلیسائے مسیحی کی کامیابی۔

مصنفہ

جان۔ بی۔ فرتھ۔ اسکوائر

سابق سکالر کوینز کالج اوکسفورڈ مصنف کتاب "آگسٹس سیزر"

و مترجم خطوط پلینی وغیرہ وغیرہ

مترجمہ

محمد عنایت اللہ۔ بی۔ اے۔ ناظم سررشتۂ تالیف و ترجمہ

۱۳۴۱ھ مطابق ۱۳۳۲ف مطابق ۱۹۲۳ء

دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکارِ عالی حیدرآباد دکن

"یہ کتاب مسز جی۔ پی پٹنیاس سنس لندن کی اجازت
سے جنہیں حقوق کاپی رائٹ حاصل ہیں
اردو میں ترجمہ کر کے طبع کی گئی ہے۔"

سلسلۂ مشاہیر اقوام
جس کو
جے۔ ڈبلیو۔ چارلس ڈیوس اسکوائر
فیلو بیلیل کالج اکسفورڈ
نے
مرتب کیا۔

بہادروں کے کارنامے اور اُن کی
ناموری جو انھوں نے بڑی دشواریوں
سے حاصل کی تھی ہمیشہ زندہ رہیگی۔

قسطنطین اعظم

تقدمہ

اپنے پدر بزرگوار کے نام سے
اس کتاب کو معنون
کرتا ہوں

مُصنّف

دیباچہ

اِس کتاب کے لکھنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ قسطنطین اعظم کی زندگی اور زمانے کی کہانی سناؤں۔ اِس کا فیصلہ خود ناظرین کرسکتے ہیں کہ یہ شہنشاہ "اعظم" کے لقب کا مستحق تھا یا نہیں۔ یہ البتہ یقینی ہے کہ دنیا کے منتخب لوگوں کی فہرست میں جن کا نام ہمیشہ رہیگا اُس کا نام سب سے اوپر کے ناموں میں نہیں ہے۔ اسکا بڑا ہونا مانا جاوے یا نہ مانا جاوے مگر اُسی کے زمانے میں دنیا کی تاریخ میں یہ انقلاب عظیم پیدا ہوا کہ ایک رومانی شہنشاہ نے عیسوی مذہب قبول کیا۔ اور اِس تبدیل مذہب سے جو اہم واقعات پیش آسکتے تھے وہ پیش آئے جنکی وجہ سے رومانی تاریخ کا یہہ زمانہ خاص طور پر مطالعہ اور غور کے قابل ہوگیا۔

میں نے اس کتاب کو بہت بے طرفدار ہو کر لکھا ہے۔ بے طرفی ایک بڑی خوبی ہے اور یہہ خوبی اوسوقت اور بھی تعریف کے قابل ہو جاتی ہے جبکہ پرانے مصنفوں کی کتابوں پر غور کیا جاتا ہے جنکی مدد سے اس زمانہ کے حالات لکھے جاسکتے ہیں۔ انمیں ایک مصنف بھی ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی فریق کا بدرجۂ غایت طرفدار نہو اور جس نے فریق مقابل کے نام کو داغ لگانے میں کوئی کسر رکھی ہو۔ ایسی حالت میں سچی بات کا معلوم کرنا ہمیشہ سہل نہیں ہے تو ماقسطنطین کے بعد بھی سینکڑوں برس تک مذہبی مباحثے ہوتے رہے جنمیں اس شہنشاہ کا ذکر آیا۔ مگر ان مباحثوں کی کیفیتیں پڑھنے سے بھی امرِ حق کی تحقیق میں کسی قسم کی سہولت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان میں قسطنطین کی زندگی کے اُس پہلو کو دکھایا گیا ہے جسکو فی الحقیقت کلیسا کی تاریخ سے تعلق ہوسکتا ہے نہ کہ معمولی تاریخ سے۔ ایریوسی مناظرہ کی کیفیت اور مجلس نیقیہ کی کارروائی لکھنے میں میں نے صرف واقعات پر جو مل سکے اکتفا کیا۔ اور اپنا اصول یہہ رکھا کہ صرف ان باتوں کو جن سے یہ نزاع مذہبی پیدا ہوا بیان کردوں۔ میں نے یہہ نہیں کیا کہ فریقین میں مجوز و حکم بنکر بیٹھتا اور ایک فریق کو درست اور دوسرے فریق کو نادرست بتاتا۔

اِس مناظرہ میں مذہبی و فلسفی مسائل پر نزاع لفظی کی جو بھر مار رہوئی اور اس سے دفتر کے دفتر تیار ہوئے انکو پڑھنے سے میں نے پرہیز کیا البتہ ایسے متقدمین سے ضرور مدد لی جنھوں نے اس مناظرہ کے پیدا ہونے کے اسباب لکھے ہیں۔ اس مضمون کے متعلق میں کینن برائیٹ کا بہت احسانمند ہوں۔ انکی کتاب "تذکرۂ آبائے مسیحی" کے اکثر ابواب میرے پیش نظر رہے۔

ان کے علاوہ جن کتابوں سے مجکو مدد ملی وہ بواسیئے کی کتاب "اختتام عہد بت پرستی" آلارسٹرڈ کی کتاب تصدیعۂ دائیوک لیشن و فتح کلیسا" اور ڈیورووی کی کتاب "تاریخ روما" اور گرووڈنر کی کتاب "قسطنطنیہ" ہیں۔

جے۔ بی۔ فرتھ
لندن اکتوبر ۱۹۰۵ء

دیباچہ مرقومۂ مترجم

طلبائے تاریخ کے لئے یہہ کتاب نہایت مفید اور دلچسپ ہے۔ رومانی سلطنت دنیا میں ایک نہایت عظیم الشان اور اہل یورپ کے نزدیک بالعموم بڑی واجب التعظیم سلطنت گذری ہے۔ صدہا برس تک اسکا صدر مقام اطالیہ کے ملک میں روما کا شہر رہا۔ پھر سلطنت کو مصر و مغربی ایشیا میں اسقدر اقتدار ہوا کہ اُس کے دو بڑے حصے ہوگئے ایک مغربی اور دوسرا مشرقی۔ مغربی حصہ کا دار الحکومت اکثر روما رہا مشرقی حصہ کا پایۂ تخت قدیم یونانی شہر بیزنطیہ کے موقع پر ایک نیا شہر تعمیر کرکے قائم کیا گیا جو آجتک قسطنطنیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس دار الحکومت کو اسقدر رونق ہوئی کہ قدیم روما کی بھی کچھ حقیقت نہ رہی۔ رومانی نظام حکومت نے بھی کبھی کوئی شکل اختیار کی اور کبھی کوئی۔ ابتدا میں جب کہ حکومت کا صدر مقام روما تھا اُسکی شکل مدتوں جمہوری رہی۔ پھر فتوحات نے فوجی سرداروں کو ایسی قوت دی کہ جمہوری طرز کمزور ہوتا گیا تا آنکہ بڑے بڑے سپہ سالار قیصر و امپراطور ہونے لگے اور جسقدر اُنکی قوت بڑھی جمہوری مجالس سیاست کا وقار کم ہوتا گیا۔ سلطنت کی قسمت کا فیصلہ ان ہی امرائے لشکر کے ہاتھ میں زیادہ تر رہا اور یہ ہی لوگ اس کے مالک اور شہنشاہ تسلیم ہونے لگے۔ یہانتک کہ قسطنطین اعظم کا دور آیا۔ یہ قیصری کے درجہ سے اغسطس کے رتبہ پر پہنچا اور رفتہ رفتہ اپنے ہم رتبہ اغاسطہ پر غالب آکر کل سلطنت کا مالک اور شہنشاہ بن بیٹھا۔ اس نے اپنا دربار ایشیا کے سامنے یورپ کے ساحل پر قسطنطنیہ میں جمایا جسکو اسی غرض سے خود اس نے تعمیر کرایا تھا اور بالکل ایشیائی تاجداروں کا سا جاہ و حشم اختیار کیا جو قدیم رومانی مذاق اور طبیعت کے بالکل برعکس تھا۔ اس شہنشاہ نے بڑی بڑی لڑائیاں لڑکر تمام قلمرو پر اپنا قبضہ کیا اور مرنے سے پہلے تمام سلطنت اپنے فرزندوں اور بھتیجوں میں تقسیم کرگیا۔ یہہ بات بھی قدیم اصول سیاست کے خلاف تھی۔ غرض یہ جملہ حالات سلطنت کے طریقے۔ اُس کی تقسیمیں قسطنطین کے سیاسی کارنامے اس کتاب میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں جنکے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

زمانہ قسطنطین سے تقریباً دو سو برس پہلے سے عیسائی مذہب یورپ میں شایع ہو چلا تھا جب رومانی عیسائیوں کی تعداد بڑھی اور ان کے مذہبی سرشتوں کو استحکام ہو چلا تو بت پرستی نے جو سلطنت کا قدیم مذہب تھا نصرانیت کو دبانا چاہا۔ اور عیسائیوں پر طرح طرح کے تشدد قیصروں اور شہنشاہوں اور خود بت پرست رعایا کی طرف سے ہونے لگے۔ عیسائیوں نے ان سختیوں کو بڑے صبر و تحمل سے برداشت کیا اور اپنے دین سے نہ ہٹے۔ قطع اعضاء کی سزائیں اوٹھائیں۔ آنکھیں نکلوائی گئیں۔ پاؤں کی رگیں کاٹی گئیں۔ گرم لوہے سے بدن پر داغ لگائے گئے۔ زندہ آگ میں جلائے گئے۔ سمندر میں غرق کیئے گئے۔ غرض کوئی جسمانی اذیت و روحانی تکلیف باقی نہ تھی جو بت پرستوں کے ہاتھوں انکو نہ پہونچی ہو۔ مگر اپنے دین و اعتقاد سے نہ پھرے اور بے تکلف جانیں دیکر مسیحی شہید کہلائے گئے۔ بلکہ اسطرح جان کھونے میں کسیقدر حد سے گزر گئے۔ نتیجہ اس برداشتِ اذیت اور اپنے اعتقاد پر پختگی کا یہہ ہوا کہ عیسائی مذہب کو اور فروغ ہوا یہانتک کہ بڑے طبقوں میں اسکا اثر پہونچا اور وہ وقت آگیا کہ قسطنطین شہنشاہ روما خود عیسائی ہو جاوے۔ یہہ سب سے پہلا رومانی شہنشاہ تھا جس نے عیسوی مذہب قبول کیا۔ اِس سے پہلے تمام شہنشاہ بت پرست ہوتے تھے۔ قسطنطین کے عیسائی ہونے سے ہزارہا رومانی بت پرستی چھوڑ کر عیسائی مذہب میں داخل ہوگئے۔ سلطنت کے بڑے بڑے شہروں میں عالیشان گرجا بننے لگے اور عیسائی مذہب کی ترقی کے لیئے سلطنت کی طرف سے کثیر مالی امداد ملنے لگی۔ اور اسطرح کلیسا کو بت پرستی پر پوری فتح ہوگئی۔ چونکہ کل یورپ کی قسمت میں آیندہ عیسائی ہونا اور عیسائی ہونے پر بھی بت پرستوں کے تمدن کا قدرشناس بننا لکھا تھا اِس لیئے یورپ کی تاریخ میں قسطنطین کا دورِ حکومت نہایت نتیجہ خیز تصور کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں قسطنطین کے عیسائی ہونے کے حالات اور اس کی کوششوں کا ذکر کہ وہ عیسائیوں میں مذہبی اتحاد رکھنا چاہتا تھا بہت تحقیق و تنقید کے بعد دلچسپ پیرایہ میں لکھے گئے ہیں۔

عیسوی کلیسا کو گو ہر طرح سے ترقی تھی مگر اسمیں اختلافات بھی کثرت سے تھے جو اُس کے نقصان کا باعث متصور ہوتے تھے۔ اس کتاب میں قسطنطین کے زمانہ کے دو مذہبی اختلافات خصوصیت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ ایک اختلافِ دوناتسی

جو کئی سو برس تک افریقہ میں زندہ رہنے کے بعد بالکل مٹ گیا۔ اور دوسرا اختلافِ ایریوسی جو کسی ایک ملک کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ بلکہ مشرقی حصہ سلطنت میں ہر جگہ اسکا چرچا تھا۔ اِس اختلاف نے عیسائیوں کے خیال کے مطابق ایک شدید بدعت کی صورت اختیار کی۔ عیسائیوں کا عام اعتقاد یہہ تھا اور غالباً ابتک ہے کہ (نعوذ باللہ) خدا باپ ہے اور مسیح اسکا فرزند۔ ان دونوں میں پدر و فرزند کا تعلق لازمی ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی باپ اور فرزند یعنی خدا اور مسیح دونوں قدیم ہیں اور جو جوہر باپ کا ہے وہ ہی فرزند کا ہے۔ گویا خدائی کے رتبہ میں دونوں برابر ہیں۔ ایریوس نے جو اسکندریہ کا ایک قسیس تھا پدر و فرزند کے رشتہ کو انسانی رشتہ کے مطابق سمجھکر فرزند کو باپ کے ساتھ قدیم اور ہم جوہر ماننے سے انکار کیا۔ مسیح کو (نعوذ باللہ) خدا تو اس نے بھی مانا مگر ایسا خدا جسکو اصلی خدا یعنی باپ نے خدا بنا دیا تھا۔ مسیح کے افضل ترین مخلوق ہونے سے اسکو انکار نہ تھا مگر درجہ میں اصلی خدا سے اسکو کم مانتا تھا۔ اتنی سی کمی پر بھی مخالفوں نے ایریوس کو اپنے اعتقاد کے مطابق کافر قرار دیکر کلیسا سے خارج کر دیا۔ اس کل بحث کو مصنف نے نہایت احتیاط اور خوبی سے بیان کیا ہے اور بڑی خوبی یہہ ہے کہ اپنا کوئی ذاتی خیال اسکی نسبت ظاہر نہیں ہونے دیا۔ ایریوس کی بدعت پر نیقیہ کی مجلس میں جو مناظرہ قسطنطین کے حکم سے قرار پایا اسکے حالات پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں اس مناظرہ کے وقت یا اس کے بعد جو بحثیں مسیح کی فطرت یا اقنوم کے متعلق فلسفۂ الہیات کی پیدا ہوئیں ان کو سنکر سیدھے اور سچے عیسائی چیختے تھے کہ مذہب میں منطق و فلسفہ کو خواہ مخواہ دخل دیا جاتا ہے۔ اُنکی یہ شکایت ایک طور پر درست بھی تھی کیونکہ عیسائی مذہب میں مسئلۂ تثلیث (ثالوث) جسکے تعلق سے یہہ بحثیں پیدا ہوئیں ایسا مشکل و مبہم مسئلہ تھا کہ نہ فلسفہ کچھ کام دیتا تھا نہ منطق۔ وہ محض ایک اسرار سمجھا جاتا تھا جو عقل کسے نہیں بلکہ صرف ایمان کی قوت سے سمجھ میں آسکتا تھا۔ بہر کیف ان قضیوں کو پڑھکر جو ایریوسی مناظرہ کے ذکر میں جابجا مذکور ہیں ایک مسلمان کے دل میں اپنی اسلامی توحید کی قدر بہت بڑھ جاتی ہے۔ ظہور اسلام میں ابھی کئی صدیاں باقی تھیں۔ اور انسان کی ان مشکلوں کو حل کرنیکے لیئے اوس کا آنا ضروری تھا۔ یہہ اسلام ہی تھا جسنے دنیا میں قدم رکھتے ہی پچھلے مذہبوں کے دشوار اور

ناممکن راستوں سے انسان کی دستگیری کرکے توحید کے سیدھے اور صاف طریقہ پر رہنمائی کی ۔

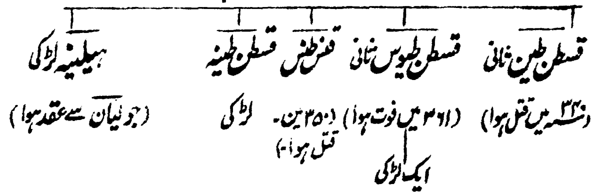
محمد عنایت اللہ

ناظم سررشتہ تالیف و ترجمہ

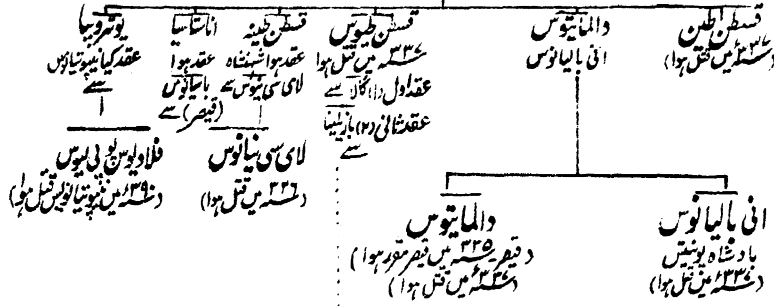
فہرست مضامین

قسطن طین

قسطنطین



(۱) قسطنطیوس = ہیلینہ
قسطنطین اعظم
عقد اول (۱) میزدینا سے
عقد ثانی (۲) فاستہ سے جو شہنشاہ میکسیمیان کی لڑکی تھی۔
(۱) قسطنطین = میز دینا (۲) قسطنطین = فاستہ
کرسپوس
(۳۲۶ سنہ میں قتل کر دیا گیا)
قسطنطین ثانی
(۳۴۰ سنہ میں قتل ہوا)
قسطنطیوس ثانی
(۳۶۱ میں فوت ہوا)
ایک لڑکی
قنسطنس
(۳۵۰ء میں قتل ہوا۔)
قسطنطینہ
لڑکی
ہیلینہ لڑکی
(جولیان سے عقد ہوا)



قسطنطیوس کلورس
عقد اول (۱) ہیلینہ سے
عقد ثانی (۲) تھیو دورا سے جو شہنشاہ میک سیمیان کی لڑکی تھی۔
(۲) قسطنطیوس = تھیو دورا
قسطنطین
(۳۳۷ سنہ میں قتل ہوا)
دالماتیوس
انی بالیانوس
قسطنطیوس
۳۳۷ سنہ میں قتل ہوا
عقد اول (۱) گالا سے
عقد ثانی (۲) بازیلینا سے
قسطنطینہ
عقد ہوا شہنشاہ لای سی نیوس سے
اناستاسیا
عقد ہوا باسیانوس (قیصر) سے
یوتروپیا
عقد کیا نیپوتیانوس سے
لای سی نیانوس
(۳۲۶ سنہ میں قتل ہوا)
فلاویوس یو لی یوس
(۳۵۰ سنہ میں نیپوتیانوس قتل ہوا)
انی بالیانوس
بادشاہ پونٹس
(۳۳۷ سنہ میں قتل ہوا)
دالماتیوس
(قیصر ۳۳۵ سنہ میں قیصر مقرر ہوا)
(۳۳۷ سنہ میں قتل ہوا)
(۱) قسطنطیوس = گالا
ایک لڑکا
(۳۳۷ سنہ میں مارا گیا)
گالوس
(۳۵۴ سنہ میں مارا گیا)
(۲) قسطنطیوس = بازیلینا
جولیان شہنشاہ
۳۶۱ سنہ عیسوی

قسطنطین

(کونسٹین ٹائن)

پہلا باب

امپراطور دائیوکلیشن کے عہد میں رومانی سلطنت کی کیفیت

رومۃ الکبریٰ کے زوال کا سانحہ تقریباً تیسری صدی عیسوی میں خاتمہ کو پہنچ چکا تھا۔ پانچویں صدی عیسوی میں جو شدید واقعات پیش آئے وہ بھی اسی ابتدائی زوال کا نتیجہ تھے۔ ایک بڑا زمانہ اِس وسیع مملکت کی تاریخ میں ایسا گذرا ہے جس میں معلوم ہوتا تھا کہ اب کوئی چیز اوس کو مٹنے سے نہیں بچا سکتی۔ حالت یہ ہوگئی تھی کہ سلطنت کا رعب کم ہوتے ہوتے کچھ نہ رہا تھا۔ اوس کی فوجوں کو اب اتنا بھی یاد نہ تھا کہ باہر کے دشمن پر فتح پانی کس کو کہتے ہیں۔ مدت سے اوس کے قیصر و امپراطور ناکارہ و ناقابل ہوتے تھے۔ اور دشمن ہر طرف سے سرحدیں توڑ توڑ کر ملک میں گھسے چلے آتے تھے۔

اقوامِ فرنک نے علاقہ گال (فرانس) پر قبضہ کر کے ملک ویران کر دیا تھا گال کو برباد کر کے یہ قومیں ہسپانیہ میں پہنچیں طلیطلہ (ٹولیڈو) کے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اور ہسپانی بندرگاہوں میں جس قدر جہاز ملے اُن کو چھین کر افریقہ کے اضلاع موریتانیہ میں جا دھمکیں جنوبی جرمانیہ سے اور بڑے بڑے گروہ وحشی دراز اقوموں کے اوٹھے اور شہنشاہ ہیدریان نے جو دیوار "عشری علاقوں" کی حفاظت کے لیئے بنائی تھی اوس سے گذر کر اوس قدیم راستے پر پڑ لیئے جو پرانے لشکر کشوں نے روما پر حملہ کرنے کے لیئے کوہ البہ (الپس) کے سلسلہ سے

نکال رکھا تھا علاقہ پانونیہ کو سرماتی اور کوادی قوموں نے تاخت و تاراج کیا۔ قوطیوں نے بار بار حملے کر کے صوبہ دیسیا پر تصرف کر لیا۔ اور بحرِ اسود کے ساحلوں پر قابض ہو گئے۔ ان کے چند گروہ جہازوں میں بیٹھ کر مقابل کے ساحلی شہروں میں پہنچے تراپزون اور کیلسیڈون کے شہروں کو لوٹ لیا اور علاقہ بتھینیا میں سے ہوتے ہوئے ایشیائے کوچک کے مشہور شہر ایفی سوس میں پہنچے یہاں سے قوط کے کچھ گروہ یونان اور مقدونیا پر جا چڑھے اور جزیرہ اقریطش (کریٹ) پر قبضہ کرنے کے لیئے رومانی بیڑوں کو للکارا کہ مقابلہ کرنا ہے تو آؤ۔

ایشیا میں آرمینیہ ہی ہاتھ سے نہ گیا تھا بلکہ ایرانیوں نے رود فرات اتر کر رومانی عملداری پر حملہ کیا قیصر ویلیریان کو شکست دے کر قید کر لیا۔ آگے بڑھ کر انطاکیہ میں پہونچے شہر کے لوگ رات کے وقت تماشا گاہوں میں بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے کہ ایرانیوں نے شب خون مارا اور شہر پر قبضہ کر لیا شاپور بادشاہ عجم نے ویلیریان کو قیصری لباس پر قیدیوں کی زنجیریں پہنائیں اور جان سے اس لیئے نہیں مارا کہ شاپورِ عجم قیصر کی گردن پر پاؤں رکھ کر گھوڑے پر سوار ہوا کرے جب ویلیریان حالت اسیری میں مرگیا تو اوس کی کھال میں بھس بھروا کر ایران کے ایک آتشکدہ میں زیبائش کے لیئے رکھ دیا۔ مصر میں یہ نوبت پہونچی کہ حاکمِ وقت نے بغاوت اختیار کی اور دارالسلطنت میں غلہ بھیجنا بند کر دیا۔ یہ مصیبتیں کچھ کم نہ تھیں مگر تقدیر نے ان کو بھی کافی نہ سمجھا چنانچہ شدت سے خوفناک اور غارت کن زلزلے آئے جو مصر اور روما میں تو خفیف طور پر محسوس ہوئے لیکن ایشیا میں انہوں نے قیامت ڈھادی۔ زلزلے تھمے تو طاعون آیا جس نے پندرہ برس تک موت کا بازار گرم رکھا یوتروپیوس مورخ لکھتا ہے کہ شدت مرض کے زمانہ میں اموات کی نوبت پانچ ہزار یومیہ تک پہونچی تھی۔[1]

خلاصہ یہ کہ رومانی سلطنت کا غارت ہونا اب ایک ایسا امر یقینی معلوم ہوتا تھا جس کے حق میں دعائے خیر کرنی بھی گویا فضول تھی۔ فوجوں میں بغاوت کرنے کا مرض عالمگیر ہو گیا تھا۔ علاقوں کے حاکم خود مختار بن بیٹھتے تھے اور کچھ دن گذرنے پر ان کی جگہ دوسرے اختیار کرتے تھے ایک زمانہ میں یہ سلسلہ ایسا بڑھا کہ اوس زمانہ کا نام ہی تاریخ میں "تیس

[1] یوتروپیوس۔ جلد ۴ باب ۹۔

جابر بادشاہوں کا دورِ حکومت ہوگیا۔ اِن بادشاہوں میں بہت سے ایسے تھے کہ فوج ہی نے اُن کو منصب شاہی پر منتخب کیا اور فوج ہی نے اُن کو اپنا خدا بناکر پوجا اور فوج ہی نے آخرکار اُن کو قتل کر ڈالا۔ اور یہ وہ قصے تھے جو چند ہفتوں یا مہینوں کی قلیل مدت ہی میں ختم ہو جایا کرتے تھے۔ ان ہی چند روزہ بادشاہوں میں ایک شخص ساتر نینوس تھا جو بمقابلہ اوروں کے زیادہ صاف گو تھا۔ بادشاہ بنانے کے چند سال بعد جب اہل فوج نے اوس سے فرمائش کی کہ شہنشاہ اوریلیان سے مقابلہ کرکے خود شہنشاہ بنے تو اوس نے فوج کے لوگوں سے کہا کہ "اے دوستو۔ تم نہیں جانتے کہ شہنشاہ بننا کیسی ذلیل چیز ہے۔ شہنشاہ بنتے دیر نہیں ہوتی کہ ہماری گردن پر ننگی تلواریں عَلم ہو جاتی ہیں اور ہم ہر پہلو سے تیر اور برچھی کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ اور اُن ہی سپاہیوں سے جو ہماری جان کی حفاظت یا ہمارے محلوں کی پاسبانی پر مقرر ہوتے ہیں ہم کو ہر وقت جان کا اندیشہ رہتا ہے۔ اور یہ حالت ہوتی ہے کہ جو چیز کھانی چاہیں وہ کھا نہیں سکتے۔ جہاں لڑنا چاہیں وہاں لڑنے کی اجازت نہیں ملتی اور اگر محض تفریح کے لیے بھی ہتیاروں کو ہاتھ لگانا چاہیں تو اس کا بھی کوئی روادار نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ شہنشاہ کی عمر کتنی ہی ہو مگر اس قدر نہیں ہوتی جس قدر کہ ہونی چاہیے۔ اگر داڑھی میں سفید بال ہیں تو عمر ڈھل چکی ہے۔ اگر بالکل ہی جوانی ہے تو جوانی کا بھوت اور سر کا سودا موجود ہے آپ لوگوں کا اصرار ہے کہ میں شہنشاہ بنوں۔ مگر اس میں آپ مجھ کو یقیناً موت کی طرف بُلاتے ہیں مگر۔ خیر مرنے میں مجھ کو ایک بات کی تسلی ضرور رہے گی کہ جب کبھی مروں گا اکیلا نہ مروں گا"۔[1] یہ مشہور تقریر جس میں طنز کوٹ کوٹ کر بھرا ہے تیسری صدی کے واقعات تاریخی کا بالکل صحیح نقشہ دکھاتی ہے۔

مگر رومانی سلطنت کی اس درماندہ حالت میں ایک معمولی کرشمہ حُسنِ تقدیر کا ایسا پیش آیا کہ جس نے روما کو اپنے ہی گلے پر چھری پھیرنے سے روک دیا۔ اتفاق سے عنانِ حکومت کلادیوس کے قبضہ میں گئی۔ اس نے دو برس کے عرصہ میں قوطیون کا زور خشکی و تری میں بالکل توڑ دیا۔ کلادیوس کے بعد اوریلیان شہنشاہ ہوا۔ اس نے جزیرہ برطانیہ اور بلاد گال کو دشمنوں کے قبضہ سے واپس لیا شمالی سرحدیں جہاں جہاں پہلے قائم تھیں پھر وہیں قائم کیں۔ اور دشتِ شام میں تدمور کی ریاست کو جس پر عربی النسل ملکہ زنوبیہ زینب

[1] ووپسکس : ساترنینوس۔ باب (۱۰)

حکومت کرتی تھی نیست و نابود کر دیا کلادیوس اور اوریلیان دونوں علاقہ پانونیہ کے کاشتکار تھے جن سے فوجی خدمتوں میں اعلیٰ درجہ کی لیاقت ظاہر ہوئی تھی۔ روما کی تاریخ میں یہ دوسرا موقع تھا کہ پانونیہ کے دو دہقانوں نے روما کی سلطنت کو غارت ہونے سے بچا دیا۔ ۲۷۵ء عیسوی میں جب شہنشاہ اوریلیان قتل کر دیا گیا تو سات برس تک کوئی دوسرا شہنشاہ مقرر نہیں ہوا۔ اس زمانہ میں رومانی لشکر کو اپنے شہنشاہ اور سالار فوج کے قتل پر سخت ندامت تھی اور اس کی مکافات میں وہ رومانی مجلس سیاست کا بہت لحاظ اور ادب کرنے لگا۔ اس سے مجلس کا دماغ اور بھی چل گیا حالانکہ وہ پہلے ہی سے کچھ زیادہ صحیح نہیں تھا۔ وولپسکوسس نے ایک خط نقل کیا ہے جو ایک رکن مجلس نے دوسرے رکن مجلس کو لکھا ہے اور درخواست کی ہے کہ اب آپ بائی اور پوتیولی کے عیش و آرام کو چھوڑ کر روما کو واپس چلے آئیے۔ خط کی عبارت یہ ہے[1] "ہماری مجلس کو پہلا سا اقتدار پھر حاصل ہو گیا ہے۔ اب ہم ہی لوگ یعنی اراکین مجلس شہنشاہ اور امپراطور مقرر کرتے ہیں اور تمام سرکاری منصبوں کا تقسیم کرنا بھی ہمارے ہی اختیار میں ہے۔ بس مناسب ہے کہ اب آپ روما اور اس کی مجلس سیاست میں واپس چلے آئیں۔ روما اس وقت ترقی پر ہے بلکہ تمام سلطنت کو عروج ہو رہا ہے۔ ہم ہی لوگ اس وقت شہنشاہ بنا بنا کر سلطنت کو پیش کرتے ہیں۔ بادشاہوں اور قیصروں کا بنانا بھی ہمارے ہی سپرد ہے۔ جب بنا بنا کر چلانا ہمارا کام ہے تو چلتوں کو روکنا بھی ہماری ہی قدرت میں ہے۔" لیکن اختیارات اور قوت کا یہ نشہ جو دھوکا ہی دھوکا تھا تھوڑے دن میں اتر گیا۔ عساکر سلطنت نے شاہ سازی کی خدمت پھر اپنے سپرد کر لی۔ تاسی توس مجلس سیاست یعنی سینات کا برگزیدہ رکن جس کو مجلس نے اپنی جماعت سے امپراطور بنایا تھا صرف ایک سال حکومت کر سکا۔ اس کے بعد بہت سے لوگ جن میں بعض کو فوج نے منتخب کیا امپراطور ہوتے رہے۔ ان ہی میں پروبس تھا۔ اس نے چھ برس تک مسلسل لڑائی جاری رکھ کر شہنشاہ اوریلیان کی مثل فتوحات حاصل کیں۔ نواح شمال اور بلاد مشرق و جنوب میں دولت روما کے پرچم خوب خوب اڑائے۔ پروبس کے بعد کاروس نے باوجودیکہ ساٹھ برس کا سن رکھتا تھا رود فرات

---

[1] وولپسکوس۔ "فلوریانوس" باب (۶)

اُتر کر ایران پر چھاپا مارا۔ سفیران عجم مصالحت کے لئے آئے تو کاروس نے ٹوپی اُتار کر اپنا سر دکھایا اور کہا کہ جس طرح اس سر پر ایک بال نہیں ہے اسی طرح ایران کی زمین پر ایک درخت تک سلامت نہ چھوڑوں گا۔ کاروس نے ایک حد تک اس قول کو سچ بھی ثابت کر دیا۔ لیکن اوس کا دورِ حکومت قلیل تھا۔ اوس کے مرنے پر سلطنت اوس کے دو لڑکوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک کا نام کاری نوس تھا اور دوسرے کا نام نومیریان۔ کاری نوس عیش و عشرت کا بندہ تھا۔ اور نومیریان ایک کم آمیز طالب علمانہ مذاق کا نوجوان تھا سپاہیانہ معاشرت کے لئے وضع نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ بعد فوج پریطوریان کے افسر اعلیٰ آریوس اپر نے اوس کو قتل کر دیا مگر عساکر سلطنت نے آپر کو نہیں بلکہ دائیوک لیشن کو امپراطور منتخب کیا۔ دائیوک لیشن نے آپر کو خنجر مار کر ہلاک کیا اور اس طرح ایسے شخص کا کام تمام کر کے جس نے تخت شہنشاہی کا راستہ اوس کے لئے صاف کیا تھا۔ دائیوک لیشن ۲۸۴ء عیسوی کی خریف میں روما کے تخت پر بیٹھا۔ اور ۲۸۵ء عیسوی کے موسم بہار میں علاقہ میسیا میں مارکوس کے مقام پر نومیریان مقتول کے بھائی کاری نوس سے مقابلہ کیا لیکن کاری نوس کو اوس کے ماتحت افسروں نے ہلاک کر دیا اور اب دائیوک لیشن بلا شرکت غیرے سلطنت روما کا امپراطور یا شہنشاہ ہوگیا۔

دائیوک لیشن کو حکومت کرتے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ ہوا تھا کہ نظم و نسق سلطنت اور اوس کی ذمہ داریوں کو بٹانے کے لئے اوس کو ایک برابر کے سہیم و شریک کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ اپنے نائب میک سیمیان کو فوراً خلعت شاہی پہنا کر قیصر کا لقب دیا اور ایک سال کے بعد اغسطس کے جملہ اختیارات و مراتب مثل اپنے عطا کر دیئے۔ اس طریقہ سے ایک ہی سلطنت میں دو ریاستیں پیدا کر دیں۔ ہر ایک ریاست کے عساکر داہل کار۔ دربار و قیصر جدا جدا ہوگئے۔ لیکن جس قدر احکام و فرامین جاری ہوتے تھے وہ دونوں اغسطس مل کر اپنے نام سے جاری کرتے تھے۔ جب انتظام حکومت میں زیادہ تقسیم کی ضرورت ہوئی تو اس شاہی شراکت کے اصول میں اور توسیع کر دی گئی۔ اور یہ قرار پایا کہ ہر ایک اغسطس کے ساتھ بطور مددگار کے ایک ایک قیصر مقرر کیا جاوے۔ چنانچہ اغسطس دائیوک لیشن نے گیلی ریوس کو اور اغسطس

۵

میکسیمیان نے قسطنطیوس کو اپنا اپنا قیصر مقرر کیا اور ہر ایک قیصر نے اپنے اپنے
اغسطس کی لڑکی سے عقد کیا اور یہ امید رکھی کہ اپنے امیر کے مرنے پر وہ خود اغسطس کے
رتبہ کو پہونچ جائے گا۔ یہ انتظام گو ہر پہلو سے درست نہ تھا لیکن دائیوکلیشن کی
حالت پر نظر کرکے اس انتظام کی طرفداری میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ دائیوکلیشن
کو عساکرِ شرقیہ نے منصب شہنشاہی پر منتخب کیا تھا۔ وہ عالی نسب نہ تھا۔ بلکہ دالماطیا
کے ایک غلام کا لڑکا تھا۔ اس لیے مستحق نہ تھا کہ برے وقت میں رعایا کی جانب سے
کوئی جوش ہمدردی قدرتی طور پر اوس کے لیے پیدا ہو۔ ایک معمولی حیثیت سے ترقی
کرتے کرتے اس درجہ کامیابی کو پہونچا تھا۔ اور سمجھے بیٹھا تھا کہ اگر رومانی فوجیں کسی دن اوس کی
مثل کسی اور شخص کی حامی و سرپرست بن گئیں تو اوس کو یہ جگہ خالی کرنی پڑیگی میکسیمیان
کی طرف سے اوس کو خیال تھا کہ عجب نہیں ایک دن حریف مقابل بن کر وہ سامنے
آئے۔ لیکن اس اندیشہ کو اس طرح رفع کیا کہ سلطنت میں اوس کو برابر کا شریک بنالیا۔
سلطنت کی چاروں سرحدوں پر بھی اس بات کی ضرورت سمجھی کہ بہت مضبوط فوجیں
وہاں رکھی جاویں اور جو سپہ سالار اون کے ہوں وہ بھی بہت ہوشیار اور لائق ہوں۔
اس لیے ایک سرحد اپنے لیے مخصوص کرکے باقی تین سرحدوں کے لیے تین معتمد
ایسے پیدا کیے جن میں سے ہر ایک کو یہ سہارا تھا کہ وہ ایک دن درجۂ اول کا اغسطس
ہو جاوے گا۔ غرض اس حسن انتظام سے دائیوکلیشن نے جہاں تک امکان میں
تھا اس بات کی حفاظت کرلی کہ کم از کم رومانی فوجیں اوس سے بغاوت نہ کریں۔

اس میں بھی کلام نہیں کہ اب بجائے ایک مرکز کے چند مرکزوں پر اجتماع قوت سے
نظم حکومت زیادہ چست ہو گیا۔ جس زمانہ میں دائیوکلیشن نے حکومت شروع کی تھی
ہرگز حالت ایسی نہ تھی کہ کوئی آدمی خواہ وہ کیسا ہی لائق ہوتا کل سلطنت کا انتظام کرلیتا۔
اوس وقت علاقہ گال میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک کاشتکاروں نے
بغاوت کی آگ پھونک رکھی تھی۔ ایک باغی حاکم کاراسیوس نے جزیرہ برطانیہ کو سلطنت
سے علیحدہ کرلیا تھا۔ اور آٹھ برس تک خود اوس پر حکومت کی تھی۔ اہل برطانیہ کی بحری
مشاقی سے کاراسیوس کو ایسی قوت ہو گئی کہ دائیوکلیشن اور میکسیمیان
نے تنگ آکر اوس کو اپنی مثل اغسطس مان لیا۔ آخر کار ایک دن ایسا آیا کہ اِس

بحری قزاق کا بھی زور ٹوٹا۔ لیکن اس سے پہلے اوس کا خوف اس درجہ تک پہونچ گیا تھا
کہ جس وقت قیصر قسطنطیوس رائن کا علاقہ چھوڑ کر برطانیہ جاتا تو اسطس میک سیمیان
جہاں کہیں ہوتا وہاں سے ہٹ کر رائن کی سرحد پر حفاظت کرنے چلا آتا۔ میک سیمیان
کی نسبت پڑھنے میں آتا ہے کہ افریقہ کے علاقہ موریتانیہ میں قوم مور سے بھی اوس کو
لڑنا پڑا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطنت کے مغربی علاقوں میں لڑائی کا بازار ہمیشہ گرم
رہتا تھا۔ شرقی علاقوں میں اگسطس دائیوک لیشن نے ۲۸۶ء عیسوی میں رومانی حکومت کا
سکہ آرمینیہ کے ملک پر اس طرح بٹھایا کہ تری دائیز کو اپنے طرف سے وہاں کا بادشاہ
مقرر کیا۔ اور اس کارروائی میں دولت ایران سے کسی قسم کا نقض عہد نہیں ہوا۔ لیکن
جب بادشاہ تری دائیز کو آرمینیہ سے نکال دیا گیا تو پھر رومانیوں اور ایرانیوں میں لڑائی
شروع ہوگئی اور دائیوک لیشن نے فوراً اپنے قیصر گیلی ریوس کو دریائے ڈینیوب کی
سرحد سے طلب کرکے ایرانیوں سے لڑائی پر بھیج دیا لیکن یہاں گیلی ریوس سے وہی
غلطی ہوئی جو ساڑھے تین سو برس پہلے کراسوس سے ہوئی تھی یعنی یہ کہ دجلہ و فرات کے
بیچ ریگستان میں اوس نے اپنا لشکر اُتار دیا اور وہاں اوس کا بڑا حصہ ضایع ہوگیا
جس قدر لشکر بچا اوس کو لے کر انطاکیہ میں آیا۔ لشکر کی خبر سن کر شہنشاہ دائیوک لیشن
رتھ پر سوار ہو کر شہر سے نکلا گیلی ریوس کو دیکھتے ہی چیں بجبیں ہوگیا اور اوس کو اپنے رتھ پر
نہ بٹھایا بلکہ پیدل چلنے دیا حالانکہ گیلی ریوس اس وقت قیصری لباس پہنے ہوئے تھا
بہر کیف دوسرے سال یعنی ۲۹۷ء میں گیلی ریوس نے ایک نیا لشکر فراہم کرکے
ایرانیوں کا مقابلہ کیا۔ اس مرتبہ پہلا راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ کسی قدر چکر کھا کر آرمینیہ
ہوتا ہوا دشمن کے سر پر پہونچا۔ اور رات کے وقت سخت حملہ کرکے ایرانیوں کو بالکل
پس پا کردیا۔ یہ فتح ایسی مختتم تھی کہ تاجدار ایران نارسیز نے صلح چاہی اور صلح کے
عوض میں دجلہ و فرات کا پورا دوآبہ جس کو جزیرہ کہتے ہیں اور وادی دجلہ کے پانچ
اور علاقے رومانیوں کو دیئے اور آرمینیہ کی حکومت سے قطعی دست برداری کرلی۔

شہنشاہ تراجان اور وسپاسیان کی فتوحات کے بعد مشرق میں روما کی یہ
سب سے بڑی فتح تھی اس کے بعد پچاس برس تک بالکل امن رہا اور دوبارہ لڑائی کا

سلسلہ فریقین میں اُس وقت چھڑا جب کہ شہنشاہ قسطنطین کا دور آخر تھا لکٹن تیوس مورخ نے جس کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کی نسبت ہم آگے لکھیں گے گیلی ریوس کی اس فتح کی بہت خاک اڑائی ہے اور لکھا ہے کہ یہ فتح نہایت آسانی سے ہوگئی۔ وجہ یہ تھی کہ دشمن کی سپاہ کے ساتھ اسباب اس قدر تھا کہ وہ بالکل بے بس ہو رہی تھی۔ یہی مورخ لکھتا ہے کہ گیلی ریوس اس فتح سے ایسا مغرور ہو گیا کہ جب دائیوک لیشن نے اپنے خط میں قیصر کا القاب لکھ کر اوس کو مبارکباد دی تو گیلی ریوس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہوگئیں اور وہ بہت ہی گرج کر بولا کہ "آخر میں کب تک قیصر ہی کہلاؤنگا" لیکن سوائے لکٹن تیوس کے اور کسی مورخ سے ان واقعات کی تائید میں شہادت نہیں ملتی۔ بلکہ اس کے برعکس یہ پڑھنے میں آتا ہے کہ دائیوک لیشن اپنے داماد گیلی ریوس سے نہایت اچھے تعلقات رکھتا تھا۔ حالانکہ معاملات کارزار میں اوس کو گیلی ریوس کی طرح دستگاہ نہ تھی بلکہ زیادہ تر سیاست کا ماہر تھا۔ گیلی ریوس کو بھی دائیوک لیشن سے کسی طرح کی رنجش نہ تھی بلکہ وہ اپنے اعطس کا نہایت احترام کرتا تھا۔ اس لڑائی میں بھی دونوں نے مل کر جس طرح معاملات طے کیے وہ کم سے کم اون کی مدت العمر کے لئے سلطنت کے حق میں اطمینان بخش اور اوس کی عزت و آبرو کے شایاں تھے۔ اس لڑائی کے بعد جنوبی سرحد قائم ہوئی اوس کے کنارے کنارے قلعے بنائے گئے اور اس سرحدی انتظام نے ملک کے اندر تجارت کے کاروبار کو سہولت اور سلامتی سے چلتا رکھا۔ اور جس قدر نقصانات گوطیوں اور ایرانیوں کی وجہ سے سلطنت کو پہنچے تھے وہ بہت جلد پورے ہوگئے۔

دائیوک لیشن نے گو سلطنت کو چار با اختیار رئیسوں پر تقسیم کر دیا تھا لیکن دراصل سب کچھ اوسی کے اشاروں پر ہوتا تھا۔ خاص اوس کے حدود اختیارات میں ایشیا۔ شام اور مصر کے ممالک تھے نیکومیدیا کے شہر کو اوس نے اپنا دارالریاست بنایا تھا۔ یہاں بڑے بڑے عالیشان محل و مکانات۔ معبد اور رفاہ عام کی عمارات تیار کرائیں۔ اور اس نئے شہر کو رومۃ الکبریٰ کے مقابلہ کا شہر بنانا چاہا۔ قیصر گیلی ریوس کے تحت میں دریائے ڈینیوب سے ملحق علاقے مع یونان اور الیریکم کے ملکوں کے تھے۔ سرمیوم کا شہر اوس کا دارالریاست تھا۔ میکسیمیان مغربی حصہ سلطنت کا

اغسطس تھا۔ اس کے تحت میں اطالیہ۔ افریقہ اور ہسپانیہ کے ملک تھے اور میلان کا شہر اوس کا دارالحکومت تھا۔ قیصر قسطنطیوس ملک گال اور جزیرہ برطانیہ پر فرمانروائی کرتا تھا۔ اور اوس کا مستقر کبھی ترِیویز اور کبھی یارک کا شہر ہوتا تھا۔ لیکن ڈائیوک لیشن کے احکام کی پابندی جملہ اجزائے سلطنت پر فرض تھی۔ اور اسی وجہ سے اوس نے جوویوس کا ممتاز لقب اختیار کیا تھا۔ اغسطس میک سیمیان نے بھی اپنا لقب ہرکلیوس رکھا تھا۔ اغسطس دائیوک لیشن کے رعب داثر کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ دنیا کے ان چار بڑے فرماں رواؤں میں کبھی کوئی بے لطفی اوس کے جیتے جی نہیں ہوئی۔ ۹

دائیوک لیشن نے رومانی طرز حکومت میں ایک بڑا انقلاب یہ پیدا کیا کہ اوس کو بالکل مشرقی رنگ میں رنگ دیا۔ ہر قسم کے شاہانہ تکلفات اور خسروانی جاہ وحشم کے سامان جو مشرقی درباروں سے مخصوص تھے اور جن کو رومانی مذاق قبول نہ کرتا تھا اختیار کر لیے۔ اب یہ رومانی اغسطس ایک مشرق کا تاجدار بن گیا۔ نہایت زرق برق لباس جواہرات سے مرصع پہنتا تھا۔ جو لوگ اب سامنے آتے تھے وہ فوجی سلام نہ کرتے تھے بلکہ گھٹنے ٹیک کر سر جھکاتے ہوئے آگے بڑھتے تھے۔ اب فوجی حکام ہر وقت گرد وپیش نہ رہتے تھے بلکہ محل کے متعلقین وملازمین کا ہجوم رہتا تھا۔ یہ کہنا شاید درست نہ ہوگا کہ یہ انقلاب محض ظاہر پرستی کے شوق نے پیدا کیا تھا یا ایک کم حوصلہ طبیعت رکھنے کی وجہ سے ظاہر ہوا تھا جو رسمی باتوں میں نمائش اور طمطراق کو دیکھنا پسند کرتی ہے۔ کیونکہ دائیوک لیشن اس پایہ کا آدمی تھا کہ اوس کی طبیعت کو ایسی کمزوریوں سے منسوب کرنا صحیح نہیں۔ ہمارے نزدیک اس انقلاب کی بڑی وجہ غالباً یہ تھی کہ خود قوم نے اپنے قدیم استحقاق سے کہ وہ ایک آزاد اور بذات خود ایک حکمراں قوم کہلائی جاوے دست برداری کر لی اور غلام بننے کے لئے تیار ہوگئی۔ شہنشاہ گیلی نیوس نے جس وقت مجلس سیاست کے جملہ متعلقین کو فوجی خدمات واعزاز سے محروم کر دیا تو مجلس نے دم نہ مارا۔ اور جب ایسے ہی مضمون کا فرمان جاری ہوا تو اراکین مجلس نے بے چون وچرا اوس کو تسلیم کر لیا پس اسی طرح شہنشاہ دائیوک لیشن نے بھی استحکام حکومت کے لئے ضروری سمجھا کہ اپنا تاج وتخت دنیا کی نظروں سے دور رکھے تاکہ عوام کی رسائی اوس تک

مشکل سے ہو اور وہ اثر و اسرار یا ہیبت جو قصرِ شاہی یا کوشک سلطانی کے ساتھ عام
لوگوں کے خیال میں وابستہ ہوتی ہے اوس کو بڑھایا جاوے۔ درباری رسوم
میں طوالت پیدا کی جاوے اور عبادت کے چھوٹے سے چھوٹے موقعوں کو بھی ۱۰
بڑی شان و عظمت بخشی جاوے تاکہ رعایا کے دل مرعوب رہیں ممکن ہے کہ
اِن تبدیلیوں سے قوم کے زورِ شباب نے ضعفِ پیری اور قوم کے پاسِ ناموس
نے ذلت پسندی کا رنگ زیادہ اختیار کرلیا ہو۔ لیکن یہاں دو باتیں نہ بھولنی چاہئیں۔
ایک یہ کہ آج کل بھی یورپ کے شاہی درباروں میں وائیوک لیشن کے درباری
تجملات کا چربہ اُتارا جاتا ہے اور دوسرے یہ کہ جس زمانہ میں یہ تکلفات اختیار کئے گئے
تھے جن کو دورِ سابق کے رومانی موجبِ ذلت و نامردی سمجھتے تھے اوس زمانہ میں
غیر قوموں کے لوگ فوجوں میں بکثرت بھرتی ہونے لگے تھے اور اِس شان و شوکت
سے اون کے دلوں پر بے حد اثر ہوتا تھا جو سلطنت کے لئے مفید تھا۔

نظمِ حکومت کی تبدیل شدہ صورت جس کا موجد ڈائیوک لیشن تھا اور
جس کو آگے چل کر قسطنطین نے بھی بلا تامل اختیار کرلیا ہم آگے کے کسی باب میں بیان
کریں گے۔ یہاں مختصر طور پر اوس تفویض و ترتیب اختیارات کو بیان کئے دیتے ہیں
جس نے مختلف صوبہ جات سلطنت کی حیثیت با اختیار ریاستوں کی سی بنادی۔
لکتن تیوس لکھتا ہے کہ ڈائیوک لیشن نے دنیا کو دہشت میں ڈالنے کے لئے رومانی
قلمرو کو چھوٹے چھوٹے با اختیار صوبوں میں تقسیم کردیا۔ لیکن یہ قول محض ایک
مخالف کا قول ہے۔ جب کوئی دانشمند صاحبِ تدبیر انتظام کی سہولت اور خوبی
کے لئے کسی حکومت کی حدود اراضی کو زیادہ حصوں میں تقسیم کرکے ہر حصہ کا رقبہ کم کردیتا ہے تو دشمن
اسی طرح کا اعتراض کیا کرتے ہیں۔ ڈائیوک لیشن نے سلطنت کو ۱۲ علاقوں میں
تقسیم کیا اور ہر علاقہ کو مختلف صوبوں میں۔ جس وقت یہ شہنشاہ تخت پر بیٹھا تھا
اوس وقت تمام عملداری میں ۵۷ صوبے تھے اور جب تخت چھوڑا ہے تو صوبہ جات کی
تعداد ۹۶ تھی۔ اس انتظام میں بعض نقص بھی تھے سلطنت کی واصلات و خرچ کے متعلق ۱۱
جو قواعد تیار ہوئے تھے وہ ہرگز درست نہ تھے اور اون سے طرح طرح کے
فساد برپا ہوسکتے تھے۔ بہرکیف اِس شہنشاہ کا زمانہ بہت مبارک تھا۔

سلطنت کے جو علاقے دشمنوں کے پاس چلے گئے تھے وہ بہت جلد واپس لے لئے گئے اور یہ دور ایسی اقبالمندی کا ہوا جس کو شاہان انطونیانی کے بعد رومانی دنیا نے اب ہی دیکھا تھا۔

۱۲

دوسرا باب

عیسائیوں پر ظلم و زیادتی

دائیوک لیشن کے عہد حکومت پر ایک داغ ایسا نظر آتا ہے جو کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتا اور جو اوس کی شہرت اور نیک نامی کے حق میں ایک بدقسمتی کا واقعہ ہے ۔ وہ داغ یہ ہے کہ جن فرامین کے بموجب عیسائیوں پر اخیر مرتبہ ظلم ہوئے تھے اور جو بعض علاقوں میں فی الحقیقت شدید تھے اُن پر دائیوک لیشن کے بھی دستخط تھے۔

چونکہ اس کتاب میں آگے چل کر شہنشاہ قسطنطین کی مذہبی پالیسی سے بحث کرنے میں مسیحی کلیسا کے حالات پر زیادہ توجہ کرنی ہوگی اس لئے اوس کی مختصر سی کیفیت یہاں لکھ دینی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ رومانی سلطنت کی مردم شماری تیسری صدی عیسوی میں اندازاً دس کروڑ دریافت ہوتی ہے ۔ اس دس کروڑ میں کس قدر عیسائی تھے یہ صحیح طور پر نہیں بتایا جا سکتا ۔ البتہ اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مشرق میں بہ نسبت مغرب کے اون کی تعداد زیادہ تھی یعنی ایشیا کے یونانی بولنے والے عیسائی بہ نسبت یورپ کے لیٹن بولنے والے عیسائیوں کے زیادہ تھے ۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ جملہ دس کروڑ آبادی کا بارھواں حصہ عیسائی مذہب رکھتا تھا تو اس تخمینہ کو زیادہ نہیں بلکہ کم ہی سمجھنا چاہئے ایشیا

۱۳

اور شام میں عیسائیوں کی تعداد تقریباً بیس فی صدی تھی یہاں شہنشاہ دومیشیان کے زمانہ سے نصرانیت کو بہت فروغ ہوا تھا شہنشاہ دیسیوس کے عہد میں جس کو مورخ لکتن تیوس "ملعون جانور" کے نام سے پکارتا ہے اور شہنشاہ ویلیریان اور اوریلیان کے وقت میں عیسائیوں پر کبھی کبھی ظلم ہوئے ۔ مگر ان میں شہنشاہ اوریلیان کا زمانہ حکومت قلیل تھا ۔ اوس کو لڑائیوں سے اتنی مہلت نہ ملی تھی کہ وہ غیر مذہب والوں پر سختیاں کرتا پھر بھی اختلاف مذہب کی بنا پر مذہبی ایذا رسانی کے طوفان اوٹھتے رہے گو اوٹھ کر جلد فرو ہو جاتے تھے ۔ مگر اُن وقتوں کو چھوڑ کر جن میں عیسائیوں پر ظلم کی وجہ سے خوف کی حالت طاری رہی یہ سمجھنا چاہئے کہ پورے پچاس برس تک نصرانی کلیسا کی

طاقت وجرأت روز بروز بڑھتی گئی۔

عیسائی مذہب کے متعلق رومانی سلطنت کا مسلک اکثر بے پروائی یا تغافل شعاری کا رہا۔ کبھی رعایت ہوئی کبھی سختی۔ شہنشاہ گیلی نیوس پسر ویلیریان ایک نالائق شخص سمجھا جاتا تھا مگر اُس نے اپنے احکام میں عیسائیوں کی رعایت ملحوظ رکھی تھی۔ شہنشاہ اوریلیان کے زمانہ میں جو فرامین جاری ہوئے اُن کی بنا پر البتہ عیسائیون پر زیادتیاں کی گئیں۔ اوران فرامین نے پچھلے احکام کو جن سے رعایت ہوئی تھی منسوخ کردیا پھر بھی حالت یہ تھی کہ دونوں قسم کے احکام موجود تھے۔ اگر سلطنت نے عیسائیوں پر ظلم کرنا پسند کیا تو ایک قسم کے اور اگر نرمی پسند کی تو دوسری قسم کے احکام کی تعمیل شروع ہوجاتی تھی۔ بہرکیف وہ حفاظتِ کامل جو ہر طرح کے خدشہ سے پاک ہو عیسائیوں کو میسر نہ تھی گو اُن کو بت پرستوں کی سلطنت پر بھروسا تھا۔ رومانی فوجوں میں ایک بڑی تعداد عیسائیوں کی بھی تھی۔ اور افسروں کے درجہ سے لے کر پیدل کے درجہ تک عیسائی فوجوں میں ملازم تھے۔ فوج کے علاوہ ملکی محکموں میں بھی بہت سے اہلکار عیسائی تھے۔ دربار اور محل میں بھی وہ موجود تھے۔ خود شہنشاہ دائیوکلیشن کی بیوی پرسکہ اور اس کی بیٹی ویلیریہ عیسائی مذہب رکھتی تھیں۔ اسی طرح شہنشاہ کے بہت سے ملازمین ومعتمدین۔ محل کے نوکر اور خواجہ سرا نصرانی المذہب تھے اگر عیسائی مذہب رکھنا واجب القتل ہوتا یا عیسائیوں کو اس کا یقین ہوتا کہ ہم پر پھر ظلم ٹوٹنے والے ہیں تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ عیسائی خاص دارالحکومت نیکومیدیا میں ایک عالیشان گرجا بنا لیتے اور وہ بھی ناف شہر میں ایک اونچے مقام پر بالکل ایوان قیصری کے سامنے اور پھر عمارت بھی معمولی نہیں بلکہ ایسی رفیع الشان کہ شہر کی ممتاز عمارتوں میں جس کا شمار ہو؟ اس کا جواب نفی میں دینا پڑتا ہے۔ مشرقی حصہ سلطنت میں نصرانیت اپنے تئیں بالکل محفوظ ومصئون جانتی تھی۔ ۲۸۴ روز بروز طاقت حاصل کرتی جاتی تھی۔ اور اس بات کو بھی جانتی تھی کہ اُس کی طاقت بڑھتی جاتی ہے۔ اور یہ کہ شہنشاہ دائیوکلیشن اپنی کشادہ دلی اور منصف مزاجی سے کسی مذہب کی بے جا طرفداری نہیں کرتا۔ سرکاری عہدوں پر جو عیسائی مقرر کئے جاتے تھے اُن کے لئے قانوناً لازمی نہ تھا کہ وہ بتوں کے سامنے دھونی بڑھائیں یا خونی کھیل تماشوں میں جبراً حاضر کئے جاویں۔ اس وقت سلطنت کی نظر کسی اور ہی رخ تھی۔ اور کلیسا بھی ایسے عیسائیوں کو

جو سرکاری ملازمت قبول کر لیتے تھے برائے نام توبہ واستغفار کی ہدایت کر کے چھوڑ دیا کرتا تھا۔ فوجی ملازموں کی نسبت بھی کچھ دقتیں نہ تھیں۔ جو لوگ نئے عیسائی ہوتے تھے وہ خود ہی فوج میں بہت کم بھرتی ہوتے تھے کیونکہ اس مسئلہ میں کہ نئے عیسائی فوجوں میں بھرتی کئے جاویں کلیسا کو سخت اختلاف تھا۔ لیکن اُن لوگوں کے لئے جو فوجوں میں پہلے سے ملازم تھے اور بعد کو عیسائی ہو گئے کلیسا کی یہ ہی ہدایت تھی کہ وہ اپنے سابقہ عہد وپیمان پر ثابت قدم رہیں اور شروع میں جو حلفِ اطاعت لے چکے ہیں اوس کے بدستور پابند رہیں۔ خلاصہ یہ کہ مذہبی اعتبار سے سلطنت میں ہر طرح کا امن وامان موجود تھا۔ خاص کر ایشیا۔ مصر و شام میں جو براہِ راست ڈائیوکلیشن کے زیر نگیں تھے۔

مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس زمانہ میں صرف ڈائیوکلیشن ہی شہنشاہ نہ تھا بلکہ اوس کے شریک حال تین اور فرمانروا بھی تھے جن کی طبیعتیں باہم اختلاف رکھتی تھیں اور اس لئے نصرانیت کے متعلق بھی اون کے خیالات ایک سے نہ تھے پس ممکن ہے کہ مشرق میں عیسائیوں کو راحت وعافیت میسر ہو اور مغرب میں اون پر ظلم ہو رہے ہوں۔ گو یہ ظلم کبھی کبھی ہوتے ہوں مگر بہر حال ظلم ضرور تھے۔ اگسٹس میکسیمیان سنگدل اور جاہ پرست تھا۔ پُرانی رومانی وضع کا ایک اُجڈ سپاہی تھا۔ آدمی اور آدمی میں تمیز کرنی نہیں جانتا تھا اور خون بہانے میں بھی مطلق پس وپیش نہ کرتا تھا۔ مشہور ہے کہ جھیل لیمان کے قریب اگونہ کے مقام پر مصری تھیبس کی ایک پوری فوج کو (جس کی تعداد چھ ہزار بتائی جاتی ہے) اس وجہ سے قتل کر ڈالا کہ اوس کے تمام سپاہی عیسائی تھے اور اُنھوں نے میکسیمیان کی اطاعت پر حلف اوٹھانے سے انکار کیا تھا۔ اس قصہ کو سچ سمجھنے والے آج کل کے مورخوں میں بہت کم ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس فوج کو دو مرتبہ تو اس طرح سزا دی گئی کہ فوج کو صف بستہ کر کے ہر دسویں آدمی کو قتل کر دیا گیا اور دو مرتبہ اس عمل کے بعد جو لوگ بچے اُن کے بھی ٹکڑے اڑا دیئے گئے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ کسی طرح باور نہیں ہو سکتا کہ تھیبس واقع مصر کے لوگوں کی کوئی بڑی فوج یا فوج کا کوئی چھوٹا حصہ بھی ایسا ہو جس کے کل جوان عیسائی ہوں۔ اگر تھوڑی دیر کو یہ مان بھی لیں کہ یہ کل فوج عیسائی مذہب رکھتی تھی تو پھر قصہ کے واقعات پر غور کرنا چاہئے۔ اگر ان واقعات کو جس طرح وہ بیان ہوئے ہیں بالکل صحیح مان لیا جاوے تو بھی اِس قتل عام کا سبب بجز اس کے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ عین

۱۵

لڑائی میں جس وقت میک سیمیان نے اس فوج کو حکم دیا کہ کوچ بول کر بڑے لشکر سے
جا ملے تو فوج نے قطعی انکار کر دیا۔ انکار کرنے پر ظاہر ہے کہ میک سیمیان ایسا آدمی نہ تھا کہ
دشمن کی موجودگی میں اپنی ہی سپاہ عدول حکمی کرے اور وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے۔
لیکن قطع نظر اس قصہ کے اس میں شبہ نہیں کہ میک سیمیان نے جہاں کہیں
قیام کیا خواہ روما اور اکیوئلیا میں اور خواہ مارسیلس کے شہر میں ہر جگہ بہت سے
عیسائی خاص کر فوجی ملازم اس جرم میں کہ انہوں نے بتوں پر نذریں چڑھانے سے
انکار کیا اس شہنشاہ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے نصرانی شہداء کے
ایک واقعہ نگار نے جہاں سنٹ وکٹر شہید کی اذیتوں کا ذکر کیا ہے وہاں میک سیمیان کو
ایک "مہیب اژدہا" لکھا ہے اِس مصنف کے بیانات کو اگر صحیح تسلیم بھی کر لیا جاوے تو بھی یہ
الفاظ میک سیمیان پر صادق نہیں آتے۔ کیونکہ جس وقت وِکٹر پر مقدمہ قائم ہوا اوس وقت
نہ صرف فوج کے سرداروں نے اوس سے التجا کی کہ اپنی حالت پر پھر غور کرے بلکہ خود
میک سیمیان نے اوس کو اپنی جان بچانے کا موقع دیا۔ اور جس وقت وکٹر سامنے
آیا تو پہلے ایک کاہن کو حکم دیا کہ جوپیٹر کی قربانگاہ یعنی دھونی جلانے کی چوکی اجلاس پر لائے۔
جب یہ چوکی آگئی تو وِکٹر سے کہا کہ "محض خدائے جوپیٹر کا غصہ فرو کرنے کے لیئے دو چار
دانے دھونی کے اس چوکی پر ڈال دو اور پھر ہمارے دوست بن جاؤ"۔ اس کا جو کچھ
جواب وکٹر نے دیا وہ یہ تھا کہ کاہن کے ہاتھ سے چوکی لے کر زمین پر پٹک دی اور اوس پر
پاؤں رکھ دیا ہم کو اس کا اعتراف ہے کہ شہید ہونے والے کا صبر و تحمل ضرور قابل تحسین
ہوتا ہے لیکن شہادت کا یہ واقعہ ایسا ہے جس میں صاحب شہادت کو گویا اصرار تھا کہ
جس طرح ہو اپنی جان ضایع کر دے۔ ایسی حالت میں شہنشاہ کے غصے کو بالکل بے جا
نہیں کہہ سکتے۔ میک سیمیان نے یہ کہا تھا کہ "ہمارے دوست بن جاؤ"۔ اس میں
صلح کی صاف تحریک موجود تھی۔ مگر باوجود اس کے وِکٹر کے جواب سے نہایت
حقارت و توہین ظاہر ہوئی۔

اِس قسم کے واقعات پر غور کرنے سے خیال ہوتا ہے کہ ہر طرح کے مذہب
رکھنے والوں میں صرف عیسائیوں کو اذیتیں پہونچنے کا باعث زیادہ تر اُن ہی کا ذوق
خود کشی تھا جس کو وہ شہادت کا درجہ سمجھتے تھے۔ نہ کہ شہنشاہ میک سیمیان کا کوئی سمجھا بوجھا

سیاسی اصول تھا جس کی پابندی میں عیسائیوں پر قصداً ظلم کئے جاتے تھے۔ جب ملت مسیحی کے پیرو سست لاالعقل بن کر حکام وقت کو جبراً اپنی طرف متوجہ کرتے تھے کہ وہ ضابطہ کو کام میں لاویں۔ اُن کے بُتوں اور بادشاہوں کی توہین کرتے تھے۔ حلف اُٹھانے اور رسمیات کے موقعوں پر قربانی کرنے اور دھونی چڑھانے سے انکار کرتے تھے تو پھر نتیجہ یہی ہوسکتا تھا کہ جان دے کر شہید ہو جاویں اور جان دینے کے بعد پھر کوئی نہ پوچھے کہ کیا ہوا۔ کیونکہ اس زمانہ میں انسان کی جان ارزاں تھی۔ ہم پڑھ چکے ہیں کہ شروع میں دائیوک لیشن عیسائیوں پر سخت گیری نہیں بلکہ ایک طرح پر مہربانی کرتا تھا۔ میک سیمیان آننا ضرور چاہتا تھا کہ عیسائیوں پر سختیاں ہوں۔ لیکن وہ اپنے امیر دائیوک لیشن کا میلانِ خاطر دیکھ کر اس معاملہ میں رکا رہتا۔ قسطنطیوس یعنی علاقہ گال کا قیصر البتہ اُن رعایت پسند، ہمدرد انسان اور شائستہ لوگوں میں تھا جن کے نزدیک اختلاف مذہب کی بنیاد پر ظلم کرنا نہایت ہی نازیبا حرکت تھی۔ گیلی ریوس قیصر پانونیہ جو طبقہ شہنشاہی میں سب سے زیادہ متعصب آدمی تھا وہ بھی قیصری پانے کے شروع زمانہ میں اتنی ہمت نہ رکھتا تھا کہ اپنے اُگسطس دائیوک لیشن کی مرضی اور منشاء کے خلاف چل سکے۔

پس سوال یہ ہے کہ وہ کیا چیز تھی جس نے دینِ عیسوی کے متعلق دائیوک لیشن کی طبیعت کو ایک فیاضانہ بے طرفی سے مخاصمانہ غیظ میں تبدیل کر کے نصرانیت کا جانی دشمن بنا دیا؟ مورخ لکتن تیوس لکھتا ہے کہ محض گیلی ریوس کی سرگوشیوں اور اثر صحبت نے اُگسطس کے دل میں یہ زہر بھر دیا تھا۔ اِس مورخ نے گیلی ریوس کی مذمت میں بہت ہی گہری سیاہی استعمال کی ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ "یہ قیصر ایک خونخوار درندہ، غیر نسل اور وحشی قوم کا ایک ظالم اور بے رحم انسان تھا۔ قد بہت ناہنجار رکھتا تھا۔ تمام جسم پھولا اور ابھرا ہوا گوشت و پوست کا ایک پہاڑ نظر آتا تھا۔ کریہ منظر ایسا کہ دیکھنے سے خوف معلوم ہو اور کریہ الصوت اس درجہ کہ آواز سنتے ہی لوگ کانپ اُٹھیں۔ اس بدرُو و زشت خوصورت کے پیچھے پیچھے اوس کی ماں تھی کہ ایک جنگلی قوم کی عورت دریائے ڈینوب کے اوس پار کی رہنے والی تھی۔ اور پہاڑوں کے کسی صحرائی دیوتا کی کاہنہ بھی رہ چکی تھی۔ عیسائیوں سے دشمنی اوس کی رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی۔ اور اپنے لڑکے کو بھی ہر وقت ایسی ہی دشمنی کی تعلیم دیتی رہتی تھی"۔ مورخ کے اِس بیان سے اگر مبالغہ نکال دیا جاوے تو اتنا ضرور ماننا پڑتا ہے کہ

۱۶ مذمت

انما سطہ و قیاصرہ کے گروہ میں گیلی ریوس ایسا شخص تھا جس کی عداوت عیسائیوں کے ساتھ ہمیشہ باعمل تھی اور وقت پر کبھی چوکنا نہ جانتی تھی۔ اس سخت و درشت سردار نے اوریلیان اور پروبس کی صحبت میں تربیت پائی تھی اور یہ دونوں مردان پیکار وہ تھے جو فوجی دستور العمل کی پابندی میں نہایت سختی اور بے رحمی سے کام لیا کرتے تھے۔ پس جس شخص کو ایسی سخت تربیت ملی ہو اوس سے متوقع ہونا کہ وہ کسی سپاہی کے مذہبی خیالات کا لحاظ کرے گا بالکل فضول تھا۔ اپنے ماتحتوں کے ساتھ اوس کا ہمیشہ یہ ہی قاعدہ رہا تھا کہ یا تو حکم کی تعمیل کرو ورنہ موت قبول کرو۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ان دونوں باتوں میں سے ایک بات کے سوا کوئی اور شوشہ نکال سکے۔ ایرانیوں پر فتح پانے کے بعد مشرقی ممالک میں اوس کا ستارۂ اقبال ایسا چمکا تھا کہ کسی کو مقابلہ یا حرف گیری کی طاقت نہ رہی تھی۔ چنانچہ جب اوس کے لشکر کا گذر طارس کے کوہساروں اور جنوبی شام کے علاقوں اور سمو ساتہ کے اضلاع سے ہوا تو فوجی عیسائیوں میں شہادت کے واقعات اکثر پیش آئے۔

قیصر گیلی ریوس نے اپنے لشکر سے عیسائیوں کو خارج کرنا شروع کیا۔ جو عیسائی بتوں کے سامنے قربانی کرنے سے انکار کرتے تھے اگر وہ افسر ہوتے تھے تو افسری سے محروم کر دئے جاتے تھے اور اگر معمولی پیدل یا سوار ہوتے تھے تو اُن کی دیرینہ خدمتوں کا لحاظ تک نہیں کیا جاتا تھا اور فوراً بے عزتی کے ساتھ اُن کو برطرفی کا حکم مل جاتا تھا۔ میسیا کے علاقہ میں جہاں کا حاکم میک سیموس تھا کئی فوجی عیسائی قتل کر دیئے گئے۔ ان میں ایک پُرانا آزمودہ کار سپاہی جولیس تھا جس کی فوجی خدمت چھبیس برس کی تھی اور جو سات لڑائیوں میں لڑ چکا تھا۔ کبھی کسی فوجی جرم یا قصور میں ماخوذ نہ ہوا تھا اور اوس کا اعمال نامہ بالکل بے داغ تھا۔ میک سیموس نے بہت چاہا کہ جولیس کو کسی طرح بچالے۔ چنانچہ اوس نے کہا کہ "اے جولیس تم عاقل و فہیم ہو۔ کسی طرح غور و فکر کرکے ہماری بات مان لو۔ اور بتوں کی نیاز و نذر کر دو۔" جولیس نے اس کا جواب دیا کہ "آپ جو کچھ کہتے ہیں میں اوس پر عمل نہیں کروں گا۔ آپ کے کہنے سے میں ایک گناہ کرکے ہمیشہ کا عذاب اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔ اس پر

میک سیموس نے کہا کہ "گناہ تو میں اپنے اوپر لیتا ہوں۔ جب میں گناہ کے لئے تم پر جبر کرتا ہوں تو ایسے گناہ کے قصداً ارتکاب سے تم بری ہو جاتے ہو۔ ایسی حالت میں تمہارا ایمان بھی قائم رہتا ہے اور تم بسلامتی اپنے گھر کو بھی واپس جاسکتے ہو۔ اگر تم نے یہ مان لیا تو تم کو دس دینار انعام کے دیئے جائیں گے اور پھر کوئی شخص تم کو تنگ نہ کرسکے گا۔" اس تقریر سے ظاہر ہے کہ میک سیموس کو حقیقت میں رنج تھا کہ جولیس ایسا پرانا اور بہادر سپاہی ہو کر اپنی حالت ایسی کرلے جو میک سیموس کے نزدیک بالکل ناقابل عذر تھی۔ لیکن اب جولیس کا جواب سنیئے۔ میک سیموس کے بند ہوتے ہی جولیس بولا کہ "نہ تو آپ کے یہ شیطانی دینار اور نہ آپ کی یہ میٹھی زبان مجکو میرے ازلی خدا سے چھڑا سکتے ہیں۔ میں اپنے خدا سے انکار نہیں کرسکتا۔ پس اس حیثیت سے کہ میں مسیحی ہوں آپ میرے قتل کا فتوے جاری کیجئے" کچھ دیر تک چند اور سوال وجواب ہونے کے بعد میک سیموس نے کہا "مجکو تم پر ترس آتا ہے اور میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ قربانی کرو تاکہ تم ہمارے ساتھ زندہ رہ سکو۔" اس پر جولیس بولا۔ "تمہارے ساتھ زندہ رہنا میرے حق میں موت ہے۔ البتہ اگر تمہارے ہاتھوں مارا گیا تو زندگی پاؤں گا۔" میک سیموس نے پھر کہا کہ "میری بات سُن لو۔ اور قربانی کرو۔ ورنہ مجکو قاعدے کی پابندی کرکے تمہاری موت کا حکم سنانا ہوگا۔" جولیس نے کہا "یہ تو وہ موت ہے جس کے لئے میں نے اکثر دعائیں مانگی ہیں۔" میک سیموس نے کہا "تو کیا تم نے موت ہی کو اپنے حق میں پسند کیا ہے۔" جولیس "ہاں ایک تھوڑی سی دیر کی موت کو پسند کیا ہے جس کے بعد ہمیشہ کی زندگی ہے۔" آخرکار مجبور ہو کر میک سیموس نے موت کا حکم جاری کیا اور قانون کی تعمیل ہوگئی۔

ایسے ہی ارادے کے پکے اور دل کے مضبوط دو عیسائی نیکاندر اور مارکیان تھے۔ ان سے میک سیموس نے کہا کہ "یہ سمجھ لو کہ نہ تو تم اس وقت میرے مقابلہ پر ہو اور نہ میں تمہارے مقابلے میں کسی بات کا دعویدار ہوں۔ میرا دامن تمہارے خون سے پاک ہے۔ اگر تم کو علم ہے کہ دنیا سے آخرت کے اس سفر میں تم پر اچھی گذرے گی تو میں تم کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اچھی بات ہے۔ جو کچھ تمہاری خواہش ہے وہ منظور کی جاتی ہے۔" اس موت کے حکم کو سُن کر دونوں عیسائیوں نے میک سیموس سے

خطاب کرکے بہ آواز بلند کہا "اے عادل رحم دل تجھ پر سلامتی ہو"

معلوم ہوتا ہے کہ اب عیسائیوں میں دین کے لئے جان دینے کا شوق قیصر گیلی ریوس کے ماتحت علاقوں سے اغسطس میک سیمیان کے علاقوں میں بھی پھیل گیا۔ چنانچہ طانجہ کے مقام پر تراجینی فوج کے ایک عیسائی افسر مارسیلوس نے اپنا عصا اور پیٹی اتار کر پھینک دی اور آیندہ ملازمت کرنے سے انکار کیا۔ اور یہ عجیب حرکت ایک مجمع عام میں اوس وقت پیش آئی جبکہ اغسطس میک سیمیان کی سالگرہ کی خوشی میں کل فوجیں ایک میدان میں جمع تھیں۔ ایسا ہی ایک واقعہ ہسپانیہ کے علاقہ قلہرہ میں طراکو کے قریب پیش آیا۔ یہاں دو سپاہیوں نے اپنے ہتیار یہ کہہ کر اتار پھینکے کہ "ہم کو تو عرش سے فرشتوں کی نورانی صفیں آواز دے رہی ہیں کہ آؤ اور ہمارے ساتھ مالک کی خدمت بجا لاؤ۔ یہاں مسیح اپنے سپید نورانی لباس میں فوجوں کا مالک اور سردار ہے اور اپنے اونچے تخت پر بیٹھا تمہارے نجس بتوں کو اور تم کو جو اِن نجس بتوں کی مخلوق ہو ملامت کرتا ہے اور ہمارے نزدیک تو تمہارے یہ بیہودہ بت عفریت و شیاطین ہیں جو ہنسنے اور نفرت کرنے کے قابل ہیں"۔ اس تقریر کے بعد موت کے سوا اور کیا صلہ مل سکتا تھا اِس قسم کے واقعات کو جب بہ نظر انصاف دیکھتے ہیں تو ضرور یہ گمان ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو فوج سے خارج کرنے کا باعث کچھ یہ ہی نہ تھا کہ گیلی ریوس اور میک سیمیان کو عیسائیوں کے خون کا چسکا پڑ گیا تھا بلکہ چند فوجی عیسائیوں کا ذوقِ شہادت بھی کچھ کم باعث اِس نتیجہ کا نہ تھا۔

اب اس بات پر غور کرنا ہے کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں جو ایک عام جوش و خروش تمام سلطنت میں اون کے خلاف عملی کارروائی کا شروع کیا گیا اوس کے کیا اسباب تھے۔ دراصل یہ ہی ہمہ گیر تحریک تھی جس نے ڈائیوکلیشن کو عیسائیوں کی مخالفت پر بہت کچھ تذبذب کے بعد جس کا لکتن تیوس کو بھی اقرار ہے آمادہ کر دیا۔ ایک بڑا سبب اِس عام جوشِ مخالفت کا یہ تھا کہ اِس زمانہ میں جدید فلسفہ افلاطونی کو بہت زور ہو گیا تھا۔ تمام یونانی مذاہبِ حکمیہ کے مٹنے کے بعد یہ ہی ایک فلسفہ تھا جو اِس وقت زندہ تھا۔ جس پر لوگوں کا عمل تھا اور جس میں اصلیت بھی بہت کچھ موجود تھی۔ مگر خرابی یہ تھی کہ

19

وہ نصرانیت کا جانی دشمن تھا۔ اِس فلسفہ کو اسکندریہ میں فروغ ہوا تھا۔ اور اس کا سب سے بڑا معلم فرفوریوس تھا جس نے کچھ عرصہ سے عیسائی مذہب کے مقابلہ کے لئے بڑا اہتمام کیا تھا۔ حالانکہ نصرانیت کے بہت سے اصول بالخصوص رہبانیت کے شدید طریقے جن کا رواج مصر میں ہوگیا تھا اِس حکیم نے اپنے فلسفہ میں اختیار کر رکھے تھے اخلاق کی تعلیم جس قدر یہ حکیم دیتا تھا وہ بہت پاک اور اعلیٰ درجہ کی تھی۔ لیکن اوس کا مذہب مسائل باطنیات سے ایسا مملو تھا کہ بجز ایک ماہر فلسفہ کے اور کسی کو دماغ نہ تھا کہ اوس کے رموز اور تصورات مجردہ کی باریکیوں کو پہونچ سکے۔ بہرکیف حکیم فرفوریوس کو نصرانیت سے ایسا "مذہبی عناد" تھا جس کی تلخی و ترشی حد سے گذر چکی تھی۔ الوہیت مسیح کے رد میں پندرہ جلدوں میں اِس حکیم نے ایک کتاب لکھی اور اِس تصنیف کو وہ شہرت ہوئی کہ ردِّ نصاریٰ میں اِس کے بعد جس قدر کتابیں لکھی گئیں وہ اوسی تصنیف پر وضع ہوئیں لکٹن تیوس عیسائی ایک اور بڑے فلسفی کے ذکر میں لکھتا ہے جس کا نام معلوم نہیں کہ "اوس نے عیسائی مذہب کی تردید میں تین کتابیں (لکھی نہیں بلکہ) استفراغ کیں" اِس فلسفی کو عیسائی مورخ نے انتہا درجہ کا منافق وریاکار لکھا ہے جس سے قیاس ہوتا ہے کہ اوس کی کتابوں کو اس زمانہ میں بہت شہرت وکامیابی ہوئی تھی۔ ایک اور نامی حکیم ہیروک لیز بھی عیسائی مذہب کا مشہور دشمن گذرا ہے۔ یہ کسی زمانہ میں تدمور (بلمائرا) کا حاکم تھا۔ پھر وہاں سے تبدیل ہوکر شاہی علاقہ بتھنیا میں چلا آیا۔ اِس نے ایک کتاب جس میں عیسائیوں سے خطاب ہے "رفیق الحقائق" کے نام سے لکھی۔ اِس کتاب کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مسیح کے معجزات کا مقابلہ حکیم اپولونیوس تیانوی کے معجزات سے کرکے دونوں کی اُلوہیت سے انکار کیا ہے۔ لکٹن تیوس لکھتا ہے کہ عیسائیوں پر جس قدر جور وستم ہوے اون کا بانی ومحرک یہی حکیم تھا۔ پس اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ رومانی بُت پرستوں میں ایک نہایت مضبوط فریق ایسا موجود تھا جو عیسائیوں کا سخت دشمن تھا۔ اور جس نے اِس مذہب سے سخت مقابلہ ومجادلہ پر کمر باندھ رکھی تھی۔ یہی فریق شہنشاہوں کو مشورہ دیا کرتا تھا کہ عیسائیوں کی روک تھام وسرزنش کے لئے سخت تدبیریں اختیار کی جاویں۔

اِس فریق مخالف کے لئے کچھ مشکل بھی نہ تھا کہ مدعی بن کر عیسائیوں سے کے

مقابلہ میں کوئی ایسا مقدمہ تیار کر دے جو بادی النظر میں صحیح اور مضبوط معلوم ہو۔ مدعیوں کو یہ ثابت کرنا مشکل نہ تھا کہ فوج کے متعدد عیسائیوں سے تعصب مذہبی کس درجہ ظاہر ہو چکا ہے۔ کس طرح اُنہوں نے اپنے ہتیار پھینک پھینک دئیے ہیں۔ بتوں کو گالیاں دی ہیں اور شہنشاہوں کی اطاعت سے انکار کیا ہے۔ مدعی یہ بھی دکھا سکتے تھے کہ عیسائیوں نے ترک دنیا اور رہبانیت کو جو معاشرت کے حق میں سخت مضر باتیں ہیں کیسی ترقی دی ہے بالخصوص مصر کے ملک میں جہاں سنت انطونی کی تقلید میں ہزارہا مرد و زن دنیا چھوڑ کر سر بصحرا ہو گئے ہیں۔ کوئی راہب بن کر جنگل کے کسی گوشہ میں تنہائی کی زندگی بسر کرتا ہے اور کوئی کسی مذہبی جماعت میں شریک ہو کر کسی صحرائی خانقاہ میں بستر لگائے ہے۔ دنیا سے کنارہ کشی دونوں صورتوں میں یکساں پیدا تھی۔ مخالفین یہ بھی دکھا سکتے تھے کہ معمولی سے معمولی عیسائی بھی خواہ شہر کا ہو یا گاؤں کا اپنے شہر یا گاؤں والوں سے کیسا غیر اور اجنبی بن کر رہتا ہے۔ اور سرکاری نوکریوں سے یا اُن رسموں سے جن کا ادا کرنا ہر شہری یا دیہاتی پر فرض ہے کیسا بچتا ہے۔ وہ یہ بھی ثابت کر سکتے تھے کہ عیسائیوں میں باہمی اتفاق کیسا مضبوط ہے اور جس قدر انتظامات وہ خاص اپنی جماعت کے متعلق کرتے ہیں وہ کیسے وسیع و مستحکم ہوتے ہیں۔ کس طرح ہر وقت جان و دل سے اپنے افسران کلیسا کی فرمانبرداری پر مستعد رہتے ہیں۔ غرض اس قسم کی مضبوط شہادتیں پیش کر کے مخالفین یہ سوال کر سکتے تھے کہ کیا ایسی خفیہ اور طاقتور جماعت جس کی شاخیں سلطنت کے ہر گوشہ تک پھیلی ہوں حکومت وقت کے لئے فی الواقع خطرناک نہیں ہے؟ گو یہ بت پرست دشمن عیسائیوں پر علانیہ بغاوت کا الزام نہیں لگا سکتے تھے کیونکہ عیسائی عافیت پسند تھے۔ فتنہ و فساد سے دور رہا کرتے تھے۔ مگر پھر بھی اون کی نسبت اور اون کے مذہب کی نسبت شرارت اور بدنیتی سے طرح طرح کے جھوٹے الزام لگاتے رہتے تھے تاکہ عامۂ خلائق کو عیسائیوں سے ایسی ہی عداوت ہو جاوے جو اس زمانہ کے بعد دور متوسطہ میں بنی اسرائیل کے ساتھ ہوئی تھی یا اب تک یورپ کے بعض ملکوں میں یہودیوں کے ساتھ موجود ہے۔ لیکن سچ پوچھئے تو اس کل مقدمہ میں اصل بنائے مخاصمت یہ تھی کہ بت پرستوں کے روشن ضمیر اور تجربہ کار لوگ اس بات کو خوب سمجھ رہے تھے کہ ہماری سوسائٹی کی

۲۲ ترکیب کو مٹانے والی اور اوس کے اجزا کو تحلیل کرکے فنا کر دینے والی اگر کوئی چیز ہوگی تو وہ یہی نصرانیت ہوگی۔ اُن کا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ وہ تقدیر سے عنقریب کچھ ظاہر ہونے والا ہے۔ اور وہ سمجھ رہے تھے کہ بس اب خاتمہ بالکل قریب ہے۔ اور نصرانیت ہی وہ دشمن ہے جو اس خاتمۂ بد کو پہونچائے گی نصرانیت نہ صرف اون کے مذہب اور اون کے خیالات کی جو دنیا یا آخرت کے متعلق وہ رکھتے ہیں دشمن ہے بلکہ ایک دن وہ اُن کی رسمیات و تفریحات اور اون کے علوم و فنون کو بھی مٹا کر چھوڑے گی غرض بُت پرستی اور نصرانیت میں یہ معرکہ عظیم وہ تھا جس میں بت پرستی اپنی پیاری جان بچانے کے لیئے لڑ رہی تھی۔ پھر اگر اس حال میں جو کچھ ہاتھ پڑا وہی دشمن کے کھینچ مارا تو اس میں تعجب کی کیا بات تھی۔

شہنشاہ ڈایوکلیشن کے ذاتی خیالات مذاہب غیر کی بابت اوس فرمان سے بخوبی ظاہر ہوتے ہیں جو ملت مانویہ کے مقابلہ میں اوس نے جاری کیئے تھے۔ اس فرمان کا ٹھیک زمانہ دریافت نہیں ہوتا لیکن عیسائیوں کے خلاف جو فرامین جاری ہوئے وہ اوس کے بعد کے تھے۔ مذہب مانویہ ایران میں پیدا ہوا تھا۔ اور عجائبات و خرق عادات کا ظاہر کرنا اوس کی بڑی خصوصیات سے تھا مشرقی ملکوں میں یہ مذہب جلد شایع ہو گیا۔ ڈایوکلیشن نے اِس دین کے اکابر کی نسبت حکم دیا کہ وہ زندہ جلا دئے جاویں اور اون کے مقلدین اگر اس دین کو نہ چھوڑیں تو بہ ضبطی جائداد قتل کر دیئے جاویں۔ اور ایسے ذی رتبہ لوگ جنہوں نے اس ناپاک اور بے غیرت فرقہ میں شامل ہو کر اپنی عزت خاک میں ملائی ہے ان کو بھی اعزاز و املاک موروثی سے محروم کرکے مختلف کانوں پر محنت و مشقت کے لیئے بھیج دیا جاوے۔ یہ جملہ احکام نہایت وحشیانہ تھے مگر دیکھنا چاہیئے کہ ڈایوکلیشن نے آخر کس بنیاد پر اون کو جائز سمجھ کر جاری کیا۔ خوش قسمتی سے اس فرمان کی عبارت بالکل صاف ہے اور وہ یہ ہے کہ عدل اور کلمۂ حق کی تعریف و تلقین تو ہمارے خداؤں نے کر دی ہے اور مذہب کے اصول دنیا کے دانا ترین لوگ ثابت اور قائم کر گئے ہیں۔ پس یہ جائز نہیں ہے کہ اِن ربانی اور انسانی عقول سے اختلاف کرکے دعوے کیا جاوے کہ ایک نیا دین کسی پرانے دین کی اصلاح کر سکتا ہے۔ اور یہ قصد کہ بزرگانِ سلف کے زمانہ سے

جو عقاید یا رسوم چلے آتے ہیں اون میں رد و بدل کیا جائے ایک جرم ہے جو تمام جرائم میں
سب سے بدتر ہے۔ اِس عبارت سے زیادہ صاف کیا عبارت ہو سکتی ہے۔ مگر یہ ایک
پُرانی درماندہ دلیل ہے جو ملت شاہی یا دینِ ملوکی کی حمایت میں ہمیشہ پیش کی گئی ہے
کہ ہم اپنے باپ دادا سے زیادہ عقل نہیں رکھتے اور موجودہ مذہب میں اگر کوئی تبدیلی
کی گئی تو خداؤں کا قہر نازل ہو جائے گا۔ علاوہ اس کے اِس فرمان کی عبارت میں
اس کا ذکر بھی ہے کہ مذہب مانویہ کی اصل ایران سے ہے اور ایران ہمیشہ سے
روما کا دشمن چلا آتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے نفرت خیز طریقے اور مشرق کے نجس
قوانین رائج کر کے "شرمسار اور عافیت پسند رومانیوں" کی تخریب کرے۔ لیکن
ہمارے نزدیک "شرمساری" اور "عافیت پسندی" کی صفات وہ نہیں ہیں جن کو آیندہ
نسلوں نے رومانیوں کے ساتھ منسوب کیا ہو۔ مگر ڈائیوکلیشن کا جو مطلب ہے وہ
صاف ہے۔ اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ ملت مانویہ دراصل دشمن کی ایجاد ہے۔ پس ضرور
ہے کہ وہ ایک نیک بخت رومانی کے لیئے زہر کا اثر رکھتی ہو۔ لیکن یہ دلیل عقل پر نہیں بلکہ
تعصب پر مبنی ہے۔ اور ہم دیکھیں گے کہ یہی دلیل جس طرح مانویہ کے مقابلہ میں
استعمال کی گئی ہے اسی طرح نصرانیت کے مقابلہ میں بھی پیش ہوئی۔ اور جب نصرانیت کو
عروج ہوا تو خود نصرانیت نے بھی اِسی دلیل کو اہلِ بدعت کے مقابلہ میں جو خود
عیسائیوں میں پیدا ہوئے استعمال کیا۔

سنہ ۳۰۲ عیسوی میں نیکومیدیا کے ایوانِ شاہی میں قیصر گیلیریوس شہنشاہ ڈائیوکلیشن کا
مہمان تھا کہ عیسائیوں کے متعلق ایک سوال پیدا ہوا۔ اور وہ یہ تھا کہ آیا اون کی ترقی مسدود
کرنے کے لیئے سختی و تعدی اختیار کرنی مناسب ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ پر بہت غور اور
احتیاط سے بحث شروع ہوئی۔ لکٹن تیوس لکھتا ہے کہ گیلیریوس نے چیخ چیخ کر
عیسائیوں کا خون طلب کرنا شروع کیا۔ لیکن ڈائیوکلیشن نے کہا کہ عیسائیوں کا خون
بہانے سے دنیا میں ایک تہلکہ مچ جائے گا اور وہ ایک سخت زیاں کاری و ضرر رسانی کا
فعل سمجھا جائے گا پھر اس کا لحاظ رکھنا بھی لازمی ہے کہ عیسائی اپنے دین کے لیئے
جان کھو کر شہید بننا اپنے حق میں کیسا مبارک سمجھتے ہیں اور کس طرح ہر وقت اس
چیز کے آرزومند رہتے ہیں۔ ڈائیوکلیشن کی تجویز یہ تھی کہ صرف دربار اور لشکر سے

۲۳

عیسائیوں کو خارج کر دیا جائے۔ لیکن گیلی ریوس اپنی بات پر اڑا رہا کہ عیسائیوں کا خون بہایا جائے۔ جب اگسطس اور قیصر اپنی اپنی رائے سے نہ ہٹے تو فیصلہ کے لئے ایک مجلس قائم کی گئی۔ اِس مجلس نے گیلی ریوس کی رائے سے زیادہ تر اتفاق کیا۔ مگر تجویز یہ کی کہ ملی تیوس والے دیوتا اپولو سے اِس امر میں استخارہ کیا جاوے۔ اپولو سے استخارہ کرنے پر یہ عجیب جواب ملا کہ "دنیا میں ایسے منصف لوگ موجود ہیں جو ہم کو سچ بات کہنے سے روکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سابق میں جس قدر آیندہ کی خبریں ہم سے لی گئیں وہ سب غلط تھیں" اس جواب میں "منصف لوگوں" سے مراد عیسائی تھے۔ اس پر دائیوک لیشن نے مجبور ہوکر سب کی رائے مان لی مگر یہ شرط کرلی کہ خون ریزی نہ ہونے پاوے۔ گیلی ریوس اِس پر آمادہ ہوگیا کہ کل عیسائی زندہ جلا دیے جاویں۔ یہاں تک کُل بیان لکتن تیوس کا ہے۔ اس سے دائیوک لیشن کی اتنی تعریف ضرور نکلتی ہے کہ اوس نے اِس خیال سے کہ ملک کے اندرونی امن میں جس کو خود اوس نے قائم کیا تھا خلل نہ پڑے گیلی ریوس کی رائے سے اتفاق کرنے میں بہت پس و پیش کیا۔ غرض ۲۳ فروری ۳۰۳ء کی نیک ساعت میں عین ترمی نالیہ کے تہوار کے دن عیسائیوں کے مقابلہ میں جبر و تعدی کا ایک مسلسل معرکہ شروع ہوگیا۔ قیصری فوج نے نیکو میدیا کے گرجا کو گرا کر زمین کے برابر کردیا۔ اِس کے دوسرے ہی دن ایک فرمان جاری ہوا جس کی رُو سے کل عیسائی رعایا بلدی حقوق سے محروم کی گئی۔ اور جملہ عیسائی خواہ کسی درجہ اور حیثیت کے ہوں عذاب و اذیت جسمانی پانے کے قانوناً مستوجب قرار دیئے گئے۔ عیسائیوں کا یہ حق بھی سلب کرلیا گیا کہ اگر کوئی اون کو مارے پیٹے یا اون کی عورتوں کے ساتھ زنا کرے یا اون کا مال سرقہ کرے تو وہ مستغیث بن کر عدالت سے انصاف کے خواہاں نہیں ہوسکتے ہیں لکتن تیوس نے اتنی بات ٹھیک لکھی ہے کہ کل عیسائی آزادی ہی سے محروم نہیں ہوئے بلکہ زبان کھولنے اور فریاد کرنے کا حق بھی اُن کو نہ رہا۔ اسی قسم کی سزائیں عیسائی غلاموں کے لئے فرمان میں تجویز ہوئیں۔ یعنی اگر کوئی عیسائی غلام اپنا دین چھوڑنے سے انکار کرے تو پھر وہ کبھی آزاد نہ کیا جاوے۔ گرجاؤں کے

منہدم کیئے جانے کا بھی حکم ہوا۔ اور عیسائیوں کو مجمع کرنے کی ممانعت کردی گئی۔
ایسی سزائیں جن میں خونریزی ہو البتہ تجویز نہیں کی گئیں۔ کیونکہ یہ شرط دائیوکلیشن نے
پہلے ہی کرلی تھی کہ خونریزی نہ کی جائے گی۔ لیکن عیسائیوں کی حالت انتہا درجہ کی
ذلت وخواری تک پہونچ گئی۔ جب یہ فرمان شارع عام پر ایک جگہ چسپاں کیاگیا تو ۲۵
ایک غیرتمند عیسائی نے قیصروں کی سفاہت پر قہقہہ لگاکر اور اون کی بے انصافیوں پر غصے سے
مجنون ہوکر اس فرمان کو جہاں وہ چسپاں تھا نوچ لیا اور اوس کی چتیاں چتیاں کرکے
پھینک دیں۔ یہ عیسائی اوسی وقت گرفتار کرلیا گیا۔ پہلے شکنجہ میں کھینچا گیا۔ پھر ایک
آہنی سلاخ سے باندھ کر اوس کو زندہ جلادیا گیا۔ دیکھیئے۔ دائیوکلیشن کا خیال کیسا صحیح
نکلا کہ عیسائی جام شہادت پینے کو ہر وقت خوشی سے تیار ہوجاویں گے۔
اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد شہنشاہ کے محل میں آگ لگی۔ لکتن تیوس لکھتا ہے
کہ یہ آگ گیلی ریوس نے لگوائی تھی تاکہ عیسائیوں کو اس جرم سے متہم کرے۔ یہ بھی مورخ
لکھتا ہے کہ گیلی ریوس نے دائیوکلیشن کو نہایت خوف زدہ کردیا تھا یہاں تک کہ
اوس نے ملازمین محل کو حکم دیا کہ جرم کی تفتیش میں جس کسی پر شبہ ہو اوس کو شکنجہ میں
کھینچا جاوے۔ مگر باوجود اس سختی کے مجرم کا سراغ نہ لا۔ پندرہ دن کے بعد پھر محل میں
آگ لگی۔ اور گیلی ریوس یہ کہتا ہوا کہ میں زندہ جلنے کے لیئے یہاں نہیں آیا ہوں قصر شاہی سے
رخصت ہوا۔ لکتن تیوس کا بیان ہے کہ اب دائیوکلیشن پر اور زیادہ خوف
طاری ہوا اور عیسائیوں پر خوب زور شور سے ستم ٹوٹنے لگے۔ شہنشاہ نے اپنی بیوی
اور بیٹی کو عیسائی مذہب ترک کرنے پر مجبور کیا۔ کل عیسائی جو محل میں رہتے تھے محل سے
باہر کردیئے گئے۔ اور بڑے بڑے صاحب اختیار خواجہ سراؤں میں سے بعض کی گردن
اڑادی گئی۔ نیکومیدیا کے اسقف کو قتل کیا گیا۔ اور معمولی درجے کے عیسائیوں سے
قید خانے بھر دیئے گئے۔ مگر آج تک تحقیق نہیں ہوا کہ آگ واقعی کس نے لگائی تھی
یوسی بیوس لکھتا ہے کہ اس واقعہ کے کئی سال بعد شہنشاہ قسطنطین نے مجلس نیقیہ کے
اساقفہ کے سامنے بیان کیا کہ "جس روز آگ لگی ہے میں قصر شاہی میں موجود تھا۔
اور میں نے بچشم خود دیکھا کہ دفعتاً آسمان سے بجلی گری اور اس ناخدا ترس شہنشاہ کے
کمروں میں آگ لگ گئی۔" ہمارا خیال یہ ہے کہ جہاں زمین وآسمان میں کسی غرض تو

۲۶ واقعہ کے پیش آنے کا ذکر ہو وہاں شہنشاہ قسطنطین ہو یا یوسی بیوشس دونوں ساقط الاعتبار ہیں۔ پر دو مرتبہ آگ لگنے سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ کام کسی دشمن کا تھا۔ امر اتفاقیہ نہ تھا۔ لیکن گیبلی ریوس یا دائیوک لیشن کی نسبت خیال کرنا کہ یہ کام اُن کا تھا درست نہیں۔ کیونکہ مطلق العنان بادشاہوں میں خواہ اُن کو کسی فریق سے کیسی ہی عداوت ہو اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ جس گھر میں خود موجود ہوں اوسی کو آگ لگا دیں۔

چند ماہ گذرنے کے بعد دائیوک لیشن نے ایک فرمان اِس مضمون کا مشتہر کیا کہ گرجاؤں کے کُل اساقفہ و قسوس اپنی "کتب مقدسہ" حکام کے سپرد کر دیں اور اگر انکار کریں تو گرفتار کر لیئے جائیں۔ اِس حکم کے دوسرے برس ایک اور فرمان نافذ ہوا کہ جس قدر عیسائی قید خانوں میں پڑے ہیں اُن کو اِس شرط سے رہائی دی جاوے کہ وہ بتوں کے سامنے قربانی کریں اور مجسٹریٹوں (عمال) کو ہدایت ہو کہ جو عیسائی اپنا دین چھوڑنے پر راضی نہ ہوں اُن کو جبراً اِس دین سے علیحدہ کیا جاوے۔ ان فرمانوں کی وجہ سے عیسائیوں پر ظلم کرنے کا جنون بُت پرستوں میں ہر جگہ ایسا بڑھا کہ بلادِ گال و برطانیہ کے سوا جہاں سختیوں میں کمی رہی اور کوئی حصہ سلطنت کا اِن ظلموں سے نہ بچا۔ گال اور برطانیہ میں قسطنطیوس قیصر تھا۔ یہ تو اس سے بھی نہ ہوا کہ اِن سخت حکموں کی تعمیل سے قطعی اغماض کرتا مگر اوس نے اتنی احتیاط کی کہ تعمیل احکام میں ضرورت سے زیادہ سختی نہ ہونے دی۔ چنانچہ لکتن تیوس اپنی ایک مشہور عبارت میں لکھتا ہے کہ قسطنطیوس نے یہ حکم البتہ دیا کہ عیسائیوں کے عبادت خانے جو لکڑی اور پتھر کے ہوتے تھے اور گرنے کے بعد دوبارہ آسانی سے بن سکتے تھے گرا دیئے جاویں لیکن اوس نے خدا کے اُن سچے گھروں کو یعنی اوس کے پرستش کرنے والوں کے جسموں کو بالکل گزند نہ پہونچنے دی۔ اور اُن کو سالم و قائم رکھا۔ سلطنت کے باقی حصوں میں یعنی تمام صوبوں کے شہروں میں جو جو ظلم عیسائیوں پر ہوئے وہ "مسیحی شہداء کے اذیت ناموں" کو پڑھ کر بخوبی معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہ تمام صحیفے حقیقت میں نہایت درد انگیز و الم ناک ہیں۔ ہمارے نزدیک اِن ظلموں کی کمی یا زیادتی کا حصر مقامی خصوصیات اور مجسٹریٹوں کے ذاتی خیالات اور میلانِ طبیعت پر

۲۷ تھا۔ جن مقاموں کے بت پرست عیسائیوں کے جانی دشمن تھے اور اون کے کاہن مذہبی حیثیت رکھتے تھے وہاں عیسائیوں کو بہت اذیتیں اوٹھانی پڑیں۔ اون کے گرجا گرا دیئے گئے اور خود اون سے قید خانوں کو بھر دیا۔ کمزور بھائیوں میں سے کسی کسی نے عیسائی مذہب چھوڑ دیا۔ کوئی دشمنوں سے چھپ گیا اور کوئی گھر بار چھوڑ کر کہیں نکل گیا۔ لیکن اور بھائی ایسے تھے جنہوں نے دین کی راہ میں شہادت پانی قبول کی۔ بعض اضلاع ایسے بھی تھے جہاں کی رعایا عام طور پر عیسائیوں کی حامی و مددگار رہی۔ وہاں گرجا نہیں گرائے گئے گو وہ مدتوں خالی اور خاموش کھڑے رہے۔

سب سے زیادہ ظلم عیسائیوں پر ایشیا، کوچک میں ہوئے۔ انطاکیہ میں اتفاق سے فوج نے بغاوت کی۔ مگر وہ ایسی خفیف تھی کہ خود انطاکیہ کے لوگوں نے اوس کو فرو کر دیا۔ اِس بغاوت کو بھی ڈائیوکلیشن نے کسی طرح عیسائیوں سے منسوب کر کے اون پر ظلم و زیادتی کا ہاتھ بڑھایا۔ آرمینیہ میں اِس وقت شنت جرجیس جس کا لقب "افروزندہ" تھا نہایت کامیابی سے انجیل کا درس دے رہا تھا مگر آرمینیہ کے حاکم اِس درس و تدریس سے سخت پریشان تھے۔ چنانچہ اسی پریشانی کا نتیجہ تھا کہ کپادوسیہ کے متوطن عیسائیوں کو جو آرمینیہ کی سرحد پر رہتے تھے تکلیفیں و سزائیں اُٹھانی پڑیں۔ علاقہ فریجیا میں عیسائیوں کی ایک پوری بستی ہلاک کر دی گئی۔ یہاں کی رعایا اور مجسٹریٹ اور مجلس کے اراکین سب ہی نے عیسائی مذہب قبول کر رکھا تھا۔ جب حالت خطرے کی ہوئی تو سب نے ایک گرجا میں پناہ لی۔ مگر فوج والے وہاں پہونچ گئے چاروں طرف سے گرجا کو آگ لگا دی۔ جس قدر لوگ گرجا میں تھے سب جل کر خاک ہو گئے۔ یوسی بیز نے اپنی کتاب "تاریخ کلیسائے نصرانیہ"[۱] میں اُن ظلموں کا ذکر کیا ہے جو اوس نے بچشم خود فلسطین اور شام میں دیکھے تھے۔ اِسی مصنف نے اپنی کتاب "سوانح قسطنطین" میں لکھا ہے کہ عیسائیوں کی تکلیفوں کو دیکھ کر سرحد کے غیر لوگ بھی اِس قدر متاثر ۲۸ ہوتے تھے کہ اُن کو بلا تکلف اپنے گھروں میں پناہ دے دیتے تھے۔ اثاناشیوس نے بھی لکھا ہے کہ جو عیسائی اِن ظلموں سے بچ گئے اون کی زبانی اکثر سنا گیا کہ بہت سے

[۱] جلد ۲ صفحہ ۵۳۔

بُت پرستوں نے اپنے مال واسباب کی ضبطی یا خود قید خانے جانے کی مطلق پروا نہ کی اور عیسائیوں کو برابر اپنے گھروں میں چھپاتے رہے تاکہ عدالت کے اہل کار اُن کو گرفتار نہ کرسکیں یہاں مبالغہ خارج از بحث ہے۔ کیونکہ کسی کو کلام نہیں کہ نہایت خوفناک طریقے اور سخت وحشیانہ اور ذلت کو پہونچانے والی سزائیں اختیار کی گئیں تھیں۔ ڈبونے جانے یا تن سے سر جدا کئے جانے کی سزا جس کو ملتی تھی۔ گویا اوس پر بہت مہربانی کی جاتی تھی۔ اکثر مقدمات میں سزائے موت دینے میں جہاں تک ممکن تھا التوا کیا جاتا تھا شکنجے میں کھینچنے یا ہاتھ پاؤں یا زبان کاٹنے یا آنکھیں نکالنے کے بعد مجرم قید خانے بھیج دیا جاتا تھا اور کچھ عرصے کے بعد پھر سوال وجواب کے لیئے عدالت میں حاضر کیا جاتا تھا۔

انتقام کشی کا جنون ایسا سوار تھا کہ مرنے کے بعد بھی لاشس پر قانون اپنا عمل کرتا تھا۔ لاش کو کتوں کے سامنے ڈلوا دینا یا اوس کی بوٹیاں کرکے سمندر میں پھکوا دینی یا جلا کر اوس کی راکھ بہتے پانی پر چھڑکوا دینی کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ وہ حاکم نہایت رحم دل سمجھا جاتا تھا جو مقتول کے عزیزوں کو اوس کی لاش اوٹھا لینے دیتا تھا تاکہ تجہیز وتکفین کے بعد اوس کو قبر میں رکھدیں۔ اڈ گز برگ کے مقام پر ایفرا نامی ایک عورت تھی جو پہلے فاحشہ تھی مگر کچھ عرصے سے عیسائی ہوگئی تھی موت کی سزا ملنے پر اوس کی ماں اور تین ملازموں نے اوس کی لاش کو دفن کردیا۔ اس کی اطلاع جس وقت مجسٹریٹ کو ہوئی تو اوس نے ایفرا کی ماں اور اوس کے تینوں نوکروں کو اوسی قبر میں بند کرادیا جس میں ایفرا کو دفن کیا تھا اور حکم دیا کہ قبر کے چاروں طرف آگ لگا کر لاش کے ساتھ اُن چاروں کو بھی زندہ جلا دیا جاوے۔

جو عیسائی اس طرح جان سے گئے اون کی صحیح تعداد دریافت ہونی ممکن نہیں البتہ اِس میں شبہ نہیں کہ وہ ایک بڑی تعداد رکھتے تھے۔ افسران کلیسا یعنی اُسقف وقسیس تو قریب کل مارے گئے۔ اگر قانون کی پوری پابندی کی جاتی تو کل سلطنت ایک قصاب خانہ بنجاتی حقیقت یہ ہے جیسا کہ ہم اوپر بھی لکھ چکے ہیں کہ ظلموں کی زیادتی یا کمی گورنروں اور مقامی مجسٹریٹوں کی طبیعت اور ذاتی خصلتوں پر مبنی تھی بعض شہروں کے حاکموں نے دُھونی کی چوکیاں (قربانگاہیں) عدالتوں میں رکھوادی تھیں تاکہ بے دُھونی چڑھائے

۲۹

یا قربانی کیئے نہ کوئی شخص دعوے دائر کر سکے اور نہ جواب دعوے لگا سکے بعض شہروں میں یہ چوکیاں بازاروں کے چوراہوں پر یا پانی کے چشموں اور فواروں کے قریب جہاں سے لوگ پانی بھرتے تھے رکھ دی گئی تھیں تاکہ جب تک بتوں کی نیاز نذر نہ ہو جاوے نہ کسی قسم کی خرید و فروخت ہو سکے اور نہ کوئی چشموں سے پانی بھر سکے۔ بعض علاقوں کے حاکم مثلاً ہسپانیہ میں داتیانوس۔ گالیشیا میں تھیوتکنوس۔ فلسطین میں اربانوس۔ مصر و بتھی نیا میں ہیروکلیز احکام کی تعمیل میں نہایت ہی سخت تھے۔ برعکس اس کے اکثر مقامات ایسے تھے جہاں کے حاکم اِن دردناک مقدمات کو بادل ناخواستہ سننے بیٹھتے تھے اور تجویز سنانے میں بھی بہت نرمی کرتے تھے۔ جب واقعات کی چھان بین اچھی طرح کی جاتی ہے تو ایسے نیک نفس حکام کی تعداد سخت گیر و جفا کار حاکموں سے بہت زیادہ نکلتی ہے۔ بہت سے سرکاری افسر ایسے تھے کہ عیسائیوں کو اُن کے پُرانے دین یعنے مذہب بُت پرستی کی طرف لانے میں کوشش کا کوئی دقیقہ چھوڑتے تھے۔ کچھ تو رحم دلی کی وجہ سے اور کچھ اس شوق میں کہ اِس قسم کی کوشش اور کامیابی سُن کر افسران بالا دست اون کی قدر افزائی کریں گے۔

ایسے مجسٹریٹوں کا حال بھی پڑھنے میں آتا ہے جنھوں نے عدالت کے ملازموں کو حکم دے رکھا تھا کہ قیدی کے ہاتھ سے تھوڑی سی دھونی چوکی پر زبردستی ڈلوا دیں یا قربانی کا گوشت جبراً اوس کے مُنہ میں ڈال دیں۔ اِس پر قیدی سخت واویلا کرتے تھے کہ ہم کو زبردستی نجس اور پلید بنایا جاتا ہے۔ مگر مجسٹریٹ اپنی تجویز میں لکھ دیتا تھا کہ نیاز و نذر کی رسم قیدی نے ادا کر دی۔ بعض وقت مجسٹریٹ عیسائیوں سے مذہب چھوڑانے کے لیئے اُن کو دنیا کا لالچ دلاتے تھے۔ چنانچہ گالیشیا کے شنت وکتر شہید سے کہا گیا کہ اگر تم حاکم کا حکم مان لوگے تو تم کو "محبِ قیصر" کا خطاب دیا جائے گا۔ اور خاص قصر شاہی میں ملازمت بھی مل جاوے گی یتھیوتکنوس حاکم گالیشیا نے انکایرا کے مقام پر تھیودوتوس سے کہا کہ "اگر عیسوی مذہب ترک کردو گے تو شہنشاہوں کے موجب لطف و کرم ہو جاؤ گے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے ملکی مراتب پاکر اپولو کے ہیکل میں کاہن اول کی خدمت پر مقرر کر دیئے جاؤ گے" یہ رشوت بہت بھاری تھی۔ لیکن تھیودوتوس پر کیا اثر ہو سکتا تھا۔ اِس مستقل مزاج شاہد نصرانیت نے ہر تیر و طعن۔

۳۰

ہر منت وسماجت ۔ ہر رشوت وطمع کے جواب میں زبان سے یہی کہہ کر جلال حاصل کیا کہ "میں مسیحی ہوں"۔ اور یہی بات اون کے نزدیک سب سے قوی اور تنہا دلیل اون کے دعوے کی تھی۔

بعض وقت نرم دل جج بھی یہ دیکھ کر کہ ہمارے کہے کا عیسائیوں پر مطلق اثر نہیں ہوتا برہم ہوجاتے تھے ۔ چنانچہ میک سیموس حاکم سلیسیہ نے ایندرونیکوس سے کہا "غرور اور حماقت کو چھوڑ دو اور جو کچھ کہتا ہوں اوس کو اسی طرح سنو جس طرح اپنے باپ کی کہی ہوئی بات کو سنتے ہو۔ جن لوگوں نے تم سے پہلے مجنونانہ حرکتیں کی تھیں اُن کو کچھ حاصل نہ ہوا ۔ ہمارے قیصروں اور شہنشاہوں اور ہمارے آباواجداد کی عزت کرو اور ہمارے معبودوں کو پوجو" ایندرونیکوس نے اس کا جواب دیا کہ "واقعی یہ کہنا کہ وہ آپ کے آباواجداد تھے بہت درست ہے کیونکہ آپ سب ابنائے ابلیس اور ذریت شیطان ہیں اور شیطان ہی کے کام آپ کرتے بھی ہیں" اس قسم کی دوچار باتیں جب جج اور قیدی میں ہوئیں تو میک سیموس اپنے غصہ کو نہ روک سکا۔ اور کہا کہ "اچھا۔ میں بھی ایک ایک اینچ کر کے تیری جان لوں گا ۔ اور سسکا سسکا کر تجھے مارونگا"۔ ایندرونیکوس نے جواب دیا کہ "میں تیرے اِن ڈراوؤں اور دھمکیوں کو ہیچ سمجھتا ہوں" ایک اور واقعہ ایسا ہی پڑھنے میں آتا ہے ۔ ایک پینسٹھ برس کے بڑھے عیسائی کو جس وقت سپاہی شکنجہ میں کھینچنے کو لئے جاتے تھے تو سپاہیوں کے افسر نے کہا کہ "بڑے میاں اپنے حال پر رحم کرو ۔ اور بتوں پر قربانی چڑھا دو"۔ جواب ملا کہ "دور ہو شیطان کے مشیر" سچ یہ ہے کہ دین مسیحی کے اِن اقرار کرنے والوں میں جو خیال سب سے غالب تھا وہ اس بات کا وجد وسرور تھا کہ خدا نے ہم کو اپنی راہ میں اذیتیں اوٹھانیکے قابل سمجھا ہے ۔ جہاں یہ جوش وسرور ہو وہاں اپنی بات سے پھرنا اور بتوں کے سامنے جھکنا کیونکر ممکن تھا۔

اس بات کا کہیں پتہ نہیں چلتا کہ عیسائی عملی طور پر اپنے شہنشاہ کے بدخواہ تھے۔ لشکروں میں بہت سے مسیحی سپاہی اپنی دیرینہ خدمات اور عزت کے ساتھ ملازمت کرنے پر فخر کرتے تھے ۔ جن عیسائیوں کو ملکی خدمتیں ملی ہوئی تھیں وہ بھی اس مقدس اصول کے پابند تھے کہ قیصر کے حق میں جو کچھ قیصر کا ہے ادا کرتے رہیں ۔ لیکن اون کا

۳۱

حاکمِ حقیقی مسیح ہے۔ الفیوس اور زاکیوس نے قیساریہ کے مقام پر بہ آوازِ بلند کہا کہ "بس خدا ایک ہی ہے۔ اور صرف ایک ہی بادشاہ اور خداوند ہے جو یسوع مسیح ہے۔" اس جملہ سے بُت پرستوں کے نزدیک اُن کے بُتوں کی توہین ہی نہیں نکلتی تھی بلکہ اپنے شہنشاہ کے حق میں بھی اُس کو ایک بدخواہی کا کلمہ سمجھتے تھے بعض وقت ایسا ہوتا تھا گو اس قسم کے واقعات اکثر پیش نہ آتے تھے کہ عیسائی ذوقِ شہادت میں وارفتہ ہو کر امپراطور پر لعنت بھیجتے تھے۔ چنانچہ جس وقت اہلکارانِ عدالت نے صدقہ کی روٹی اور قربانی کا گوشت انیدرونیکوس کے ہونٹوں کو لگا دیا تو وہ چلّایا اور میک سیموس سے کہنے لگا کہ اُے خونی ظالم۔ خدا تجھ کو اس کی سزا دے۔ تجھ کو اور اُن کو جنہوں نے تجھے اختیار دیا ہے کہ خدا کے پاک بندوں کو اپنی ناپاک قربانیوں سے نجس اور پلید کرے۔ ایک دن تجھ کو معلوم ہوگا کہ بندگانِ خدا کے ساتھ تو نے کیسے کیسے ظلم کئے ہیں۔" اتنا سُن کر میک سیموس نے کہا کہ "اے خبیث و ملعون۔ کیا تجھ کو اتنی جرأت ہوگئی کہ شہنشاہوں پر بھی لعنت کرے جنہوں نے دنیا کو اتنی مدت سے امن وامان بخش رکھا ہے"۔ اینڈرونیکوس نے کہا "ہاں میں نے اس وقت بھی شہنشاہوں پر لعنت کی ہے اور اس کے بعد بھی اُن پر لعنت کروں گا۔ وہ مخلوق کے حق میں ایک تازیانہ اور اُس کے خون کے پینے والے ہیں۔ اُنہوں نے دنیا کو سیدھے سے اوندھا کر دیا ہے۔ اے کاش وہ دن جلد آتا کہ خدا کا ازلی ہاتھ اُن کار روا رنہ رہتا۔ اور جن ظلموں کو انہوں نے اپنا کھیل بنایا ہے اون کی سزا پاتے تا کہ اُن کو علم اور آیندہ کو سبق ہوتا کہ بندگانِ خدا کے ساتھ اُنہوں نے کیسی بُرائیاں کی ہیں۔" اس میں شبہ نہیں کہ اینڈرونیکوس کے ان خیالات سے اکثر عیسائی اتفاق رکھتے تھے مگر ان باتوں کو زبان پر نہ لاتے تھے ہیریکلیہ کے اُسقف فلی پوس نے ۳۲ ایک موقع پر کہا کہ "میں نے تمام عمر شہنشاہوں کی حکم برداری کی اور اگر اُن کے احکام انصاف پر مبنی ہوتے ہیں تو ابتک اُن کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کرتا کیونکہ انجیل مقدس میں حکم ہے کہ خدا کو جو کچھ خدا کا ہے اور قیصر کو جو کچھ قیصر کا ہے ادا کرتے رہو۔ میں نے اس ارشاد کی تعمیل میں اب تک سرِمُو کمی نہیں کی ہے۔ اور اب میرے لئے جو کچھ باقی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کی دلفریبیوں پر آسمانی چیزوں کو ترجیح دوں جس بات کو میں بار بار

کہہ چکا ہوں اوس کو یاد رکھو۔ میں مسیحی ہوں۔ اور تمہارے بتوں کو نیاز و نذر دینے سے قطعی انکار کرتا ہوں۔" اس سے زیادہ صاف اور شریفانہ کلام کیا ہو سکتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ عیسائیوں کو شہنشاہ روما کی اطاعت سے انکار نہ تھا بلکہ بتوں کے شہنشاہ جوپیٹر اور اُس کے ہمرجلیس خداؤں سے جن کا مقام اولمپس کا پہاڑ تھا اُن کو قطعی انکار تھا۔ جزیرۂ صقلیہ کے شہر قیطانیہ میں جج کلوپسیانوس نے ایک مقدمہ میں عیسائی ملزم سے کہا کہ "اے ناشاد۔ ہمارے خداؤں کو پوج۔ مارس (مریخ)۔ اپولو (شمس) اور ایسکولاپیوس کی طاعت اختیار کر۔" اس حکم کا برجستہ جواب عیسائی نے یہ دیا کہ "میں خدا اور ابن خدا اور روح القدس کی یعنی ثالوث مقدس کی طاعت بجالاتا ہوں جن کے علاوہ کوئی خدا نہیں۔ غارت ہو جائیں تمہارے وہ خدا جنہوں نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ اُن میں ہے پیدا نہیں کیا۔ یاد رکھو کہ میں مسیحی ہوں۔" از اول تا آخر کیا ہسپانیہ میں اور کیا افریقہ میں۔ کیا ایطالیہ میں اور کیا صقلیہ میں عیسائیوں کے دعوے کی ابتدا اور انتہا اسی جملہ پر تھی کہ "میں مسیحی ہوں۔"

اب سوال یہ ہے کہ اس شہادت اور جان کُشی کو عیسائیوں نے کس حد تک دیدہ و دانستہ اپنے اوپر فرض کر لیا تھا۔ کہاں تک اپنی چتا آپ ہی چُنتے تھے اور کہاں تک جس ستون سے جلائے جانے کے لئے باندھے جاتے تھے اُس کے گرد اپنے ہی ہاتھوں سے لکڑیوں کے ڈھیر لگاتے تھے؟ بعض کلیساؤں نے غیر معمولی سرگرمی اور شہادت کے شوق کو دبانا ضروری سمجھا جس کی وجہ سے عیسائی مرد و زن جان دینے کی تمنا میں بت پرست حاکموں کو خود چھیڑ کر اپنی طرف متوجہ کرتے تھے۔ اور خطرے سے بھاگنے کو ایک مجرمانہ کمزوری جانتے تھے شہادت کی ترغیب دینی تو کیسی ان کلیساؤں نے قطعی حکم دے دیا تھا کہ کوئی عیسائی جوشِ عقیدت کے ثبوت میں بُت پرستوں کی مورتوں یا قربانگاہوں کو نہ توڑے۔ یہ کلیسا عیسائیوں کو بہت سی ایسی باتوں سے روکتے تھے جن پر عمل کرنے سے دشمن انتقام کے درپے ہو، مگر باوجود اس کے اُن کی کوششیں رائیگاں جاتی تھیں۔ اکثر متعصب طبیعتیں جوشِ مذہب میں دیوانہ وار ہو کر شہادت کے واقعات کا سلسلہ نہ ٹوٹنے دیتی تھیں۔ اس کی ایک مثال قابلِ غور ہے۔ پونتس میں اماسیہ کے رہنے والے تھیودوروس نے سیبیلے کا مندر

جو وسطِ شہر میں واقع تھا جلا دیا۔ اور خود ہی سب کے سامنے کہتا پھرا کہ میں نے ایسا کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہید ہونا پڑا۔ اِس قسم کے شہیدوں میں بعض بالکل بچے ہوتے تھے۔ مثلاً ماردہ کی شہروالی یولالیہ محض بارہ برس کی ایک معصوم لڑکی تھی۔ جب اُس کے ماں باپ کو شبہ ہوا کہ لڑکی کا اِرادہ شہید بننے کا ہے تو وہ اُس کو ایک گاؤں میں لے گئے تاکہ خطرے سے محفوظ رہے۔ مگر لڑکی نظر بچا کر شہر میں چلی آئی اور جج کے سامنے عدالت میں آکر کہا کہ "میں مسیحی ہوں"

"علی الصباح یہ مغرور لڑکی عدالت میں آئی اور خدامِ عدالت کے بیچ میں کھڑی ہوگئی"۔

حاکمِ عدالت نے بجائے اِس کے کہ دربانوں سے کہہ کر لڑکی کو عدالت سے باہر کرا دیتا اُس سے بحث کرنی شروع کی۔ بحث کا انجام یہ ہوا کہ یولالیہ نے حاکم کے مُنہ پر تھُوک دیا اور جو مُورتی اُس کے پوجنے کے لیئے منگوائی گئی تھی اُسکو بھی گرا دیا۔ اِس کے بعد جو کچھ ہوا وہ یہ تھا۔ کہ پہلے شکنجے میں کھینچی گئی۔ پھر آگ میں زندہ جلائی گئی۔ پھر چند صدیوں کے بعد اُس کی یادگار میں ایک گرجا بنایا گیا اور پھر اس یادگار پر پھولوں کا ایک میلہ ہونے لگا۔ اور سب سے اخیر میں عیسائی شاعر پرودنتی یوس کے قلم سے یولالیہ کی تعریف میں ایک بہت پاکیزہ نظم لکھی گئی۔ اس شاعر کا کلام بیشک نہایت نفیس ہے مگر طبیعت نہیں قبول کرتی کہ ایسے معصوم بچوں کی شہادت سے جیسے کہ ماردہ کی یولالیہ یا روما کی ایگنیز تھی دین و دنیا کا کچھ بھی فائدہ نکلتا ہو۔ بجز اس کے کہ مفت جان دینے اور اذیت سے مرنے کا حال پڑھ کر افسوس ہو اور کچھ حاصل نہ تھا۔

۴۴ یہی حال ایک اور لڑکی کا ہوا شمالی افریقہ میں تستور کے مقام سے ایک کتبہ اِس عبارت کا نکلا ہے

سنہ ۳ تن کی یادگار میں

میک سیمیا۔

دوناتلا۔

سیکندہ

پیاری لڑکی

یہ کتبہ مقام تھوبربو کی تین عیسائی عورتوں سے جنہوں نے شہادت پائی تعلق رکھتا ہے۔ اِن میں دو عورتوں یعنی میک سیمیا اور دونا تلا کی شکایت جج کے سامنے ایک بُت پرست عورت نے کی۔ اور جج نے اُن کو قید خانے بھیجنے کا حکم دیا۔ سیکندہ بارہ برس کی ایک لڑکی نے اپنے باپ کے گھر سے دیکھا کہ سپاہی اِن دو عورتوں کو قید خانے کی طرف گھسیٹے لئے جاتے ہیں۔ اتنا دیکھتے ہی لڑکی چلّائی اور کہنے لگی کہ اے میری بہنوں تم مجھے کیوں چھوڑ چلیں دونوں عورتوں نے اشارے سے کہا کہ تم ہمارے پاس نہ آؤ۔ مگر لڑکی نے اصرار کیا۔ سب سمجھانے لگے کہ دیکھو ساتھ جانے میں بُری طرح مرنا پڑے گا۔ لیکن سیکندہ نے یہی جواب دیا کہ مجھ کو خدا پر بھروسہ ہے جو کم سنوں کا بھی تسکین و آرام دینے والا ہے۔ آخر کار مجبور ہو کر لڑکی کو بھی دونوں قیدی عورتوں کے ہمراہ لے لیا۔ اور اب جج کا تینوں عورتوں کی نسبت حکم ہوا کہ وہ تماشا گاہ میں درندے جانوروں کے سامنے ڈلوا دی جاویں تاکہ وہ اُن کو پھاڑ کھائیں چنانچہ جب وہ ایسی سخت موت مرنے کے لئے درندے جانوروں کے سامنے آئیں تو ایک جنگلی ریچھ اُن کے قریب آیا مگر بالکل چُپکا آکر اُن کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ جب کسی درندے نے اُن کو نہ مارا تو انولینوس جج نے اُن کے قتل کا حکم دیا۔ اور اس طرح وہ سب شہید ہو گئیں غرض یہی وہ قصہ ہے جس سے کتبے کے اِن سادے اور پُر اثر الفاظ یعنی "سیکندہ پیاری لڑکی" کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔

نوجوان لڑکوں کو بھی شہادت کا شوق کچھ کم نہ تھا۔ یوسی بیوس نے قیساریہ کے آٹھ جوان لڑکوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اربانوس حاکم شہر کا مقابلہ کیا اور اُس کے سامنے سب مل کر چلّائے کہ "ہم مسیحی ہیں" اسی طرح ایک اور جوان لڑکے ایفیانوس کا ذکر ہوا ہے۔ یہ لڑکا اپنے گھر میں بیٹھا انجیل پڑھ رہا تھا کہ باہر سے سرکاری منادوں کا غل سنا کہ بتوں کی نیاز کے لئے لوگوں کو آواز لگاتے ہیں۔ غل سنتے ہی الفیانوس اُٹھا اور سیدھا اربانوس کے گھر پہونچا۔ اربانوس اِس وقت گھر کی مورتیوں پر پانی چڑھا رہا تھا۔ الفیانوس نے جاتے ہی اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اِس بُت پرستی پر اُس کو بہت سخت و سست کہا۔ اِس

حرکت کا نتیجہ ظاہر تھا۔ اِس لڑکے نے اپنی جان اِس طرح ضایع کی جیسی کوئی بھلی چنگی چیز اُٹھا کر پھینک دے۔

اِسی سلسلے میں پانونیہ کے پانچ بُت تراشوں کا ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا۔ پانونیہ کے علاقے میں سنگِ مرمر کی کانیں تھیں جہاں یہ بُت تراش اپنا کام کیا کرتے تھے جس زمانے میں انطاکیہ کے اُسقف سِرِل کو اِن کانوں میں مشقت کرنے کی سزا ملی تھی تو اُس کی ہدایت سے یہ بُت تراش عیسائی ہوگئے تھے۔ اور جس وقت سے عیسائی ہوے تھے اپنے پیشۂ بُت تراشی کی نسبت مشتبہ رہنے لگے تھے۔ چونکہ کتبِ مقدسہ میں حکم تھا کہ جھوٹے خداؤں کے بُت یا اُن کی کندہ مورتیں نہ بناؤ۔ اِس لئے جب اُن سے ایسکولاپیوس کا بُت بنانے کی فرمایش کی گئی۔ تو اُنہوں نے انکار کردیا۔ اِس میں شبہ نہیں کہ عیسائی ہونے کے بعد وہ "وکٹری" (فتح) اور کیوپڈ (عشق کے اندھے خدا) کی مُورتیں تیار کرچکے تھے اور ایک بڑی لوح جس میں ربّ الشمس اپنے رفیقوں کے ساتھ رتھ پر سوار ہے بنا چکے تھے۔ لیکن وہ اِن چیزوں کو محض عمارتوں کی آرایش اور زیبایش کا سامان سمجھتے تھے۔ پرستش سے متعلق نہ جانتے تھے۔ لیکن جب حکم یہ مِلا کہ ایک مندر کے لئے بُت تیار کیا جاوے گو وہ ایسے خدا کا بُت تھا جو بُت پرستوں کے نزدیک بہت نرم دل اور زخموں کا شفا دینے والا تھا تو پھر اُن کی غیرت نے قبول نہ کیا اور انکار کرکے مرنا گوارا کرلیا۔

دائیوکلیشن کے ظلموں کے قصے طبیعت کو بے حد متوجہ کرلیتے ہیں۔ اور یہ ماجرا ایسا ہے کہ جہاں تک اُس کو بڑھانا چاہیں بڑھا بھی سکتے ہیں۔ مسیحی شہیدوں کے تذکروں سے بھی متعدد مثالیں اُن کے صبر و شکیب کی جس کے ذریعے سے دین کے لئے سخت سے سخت اذیتیں اکثر عیسائیوں نے برداشت کیں بیان ہوسکتی ہیں۔ الیسیتریوس ایک نہایت ہی دلیر عیسائی تھا۔ اِس نے حاکمِ بُت پرست سے کہا کہ "مرتے وقت صرف ایک مہربانی کی درخواست ہے اور وہ یہ ہے کہ اِس جسمِ زار کا کوئی حصہ ایسا نہ چھوٹ جاوے جس کے پرخچے نہ اُڑائے گئے ہوں۔" جہاں وفاداری کا یہ جوش بھرا ہو۔ اور ایمان ایسا راسخ اور قوی ہو کہ

کمزوروں میں بھی طاقت اور تکلیفوں کی برداشت پیدا کر دے وہاں اس بات کا سمجھنا مشکل نہیں کہ اس عظیم الشان کفرستان میں مسیحی کلیسا کی فتح و کشایش انجام کار میں کیوں لابدّ و یقینی ہوگئی۔ اور ان ہی باتوں پر غور کرنے سے یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ ان شہیدوں کے تبرکوں اور تبرکات کو عیسائیوں نے کیوں جان سے زیادہ عزیز جان کر ہمیشہ محفوظ رکھا۔ اور کیوں اُن کی قبور و مزارات کو مقدس و متبرک مان کر سمجھا کہ اُن میں بیماریوں کو رفع اور زخموں کو مندمل کرنے کی کرامات موجود ہے۔ اور کیوں اُن جفا کار بُت پرستوں کو جنہوں نے ان شہیدوں کو زندگی میں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں تھیں ہمیشہ قہر و غضب کے ساتھ یاد کیا مگر ان تمام باتوں کے ساتھ یہ یقین نہ رکھنا چاہیئے کہ مسیحی مورخوں نے اُن بُت پرستوں کے ذکر میں ایمانداری کو ملحوظ رکھا ہوگا جنہوں نے جبر و تعدی کے فرامین وضع کیئے یا جنہوں نے ان فرامین کی تعمیل میں سختی و تشدد سے کام لیا۔ مورخانِ کلیسا سے اِس کی توقع کہ وہ ان بُت پرستوں کے ذکر میں سچائی اور ایمانداری کا خیال رکھتے ایک قسم کی زیادتی ہوتی۔ لیکن کم سے کم ہم لوگوں کے لیئے جنہوں نے ان واقعات سے صدہا برس کے بعد دنیا میں قدم رکھا ہے اور جو یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ آگے چل کر خود کلیسائے مسیحی کی جانب سے مذہب کی بناء پر کیسے کیسے ظلم کے طریقے وضع و جاری ہوئے تھے اِس مسئلہ کے دونوں پہلوؤں پر غور کرنے کی کوشش کرنی ضروری ہے۔ اور یہ بھی نہ بھولنا چاہیئے کہ اولاً تو خود نصرانیت نے چُپکے چُپکے بُت پرستی کی جڑیں کھود کر اس کو کھوکلا کر دیا تھا اور پھر جب علانیہ مقابلے کی نوبت آئی تو خفیف سے خفیف مصالحت کو بھی ہرگز گوارا نہ کیا۔

"مسیحی شہداء کے تذکروں" کے پڑھنے سے کوئی کُلیہ ایسا قائم نہیں ہوتا جس سے دریافت ہو کہ عیسائیوں کی ایذاؤں اور قتل کے واقعات کے متعلق بُت پرستوں کا عام طور پر کیا خیال تھا خاص روما کے لوگوں کی بے دردی و خونخواری کا کسی قدر حال اُس وقت کھلتا ہے جبکہ سنہ ۳۰۴ء عیسوی میں اغسطس میکسیمیان ایک رسم ادا کرنے کے لیئے دارالحکومتِ روما میں آیا۔" شنت ساوینوس کے اذیت ناموں" میں بیان ہے کہ جس وقت میکسیموس کے

تماشا گاہ میں خلقت جمع ہوئی تو سب نے یک زبان ہو کر عیسائیوں کا خون طلب کیا۔ اور بارہ مرتبہ یہ آواز لگائی کہ "اِن عیسائیوں کو دور کرو کہ ہماری خوشی پوری ہو۔ تم کو قسم ہے اَغسطس کے سر کی جو ایک عیسائی کو بھی زندہ چھوڑو" ۲۷ جس وقت اِس مجمع میں شہر کا سردار ہر موگی نیانوس داخل ہوا تو اس کو دیکھتے ہی مجمع کے لوگوں نے دس مرتبہ اَغسطس سے مخاطب ہو کر کہا کہ "اے اَغسطس تجھ کو فتح نصیب رہے۔ اِس سردارِ شہر سے پوچھ کہ ہم کس بات پر شور مچاتے ہیں" روما کے تماشا گاہ میں اِس قسم کا شور و شغب ایک قدرتی اور معمولی بات تھی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا تمام سلطنت میں خلقت کا یہ ہی حال تھا؟ اس میں شبہ نہیں کہ بڑے بڑے شہروں میں جیسے کہ اسکندریہ۔ انطاکیہ۔ ایفی سوس۔ قرطاجنہ وغیرہ تھے ادنیٰ طبقے کے لوگ یہی نعرہ لگاتے تھے کہ "عیسائیوں کو دور کرو" لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ بُت پرستوں کے مظالم کی پوری سرگذشت میں ایک مثال بھی ایسے قتلِ عام کی نہیں ملتی جو فرانس میں شنت بارتھولوسیو کے دن اور جزیرۂ صقلیہ میں عشائے سیحی کی رسم کے موقعے پر خود عیسائیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کا ہوا۔ بلکہ اس کے برخلاف یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ گو قید خانے عیسائیوں سے بھرے ہوئے تھے لیکن عیسائی قیدیوں کے رشتہ داروں کو بالعموم اپنے عزیزوں سے قید خانے میں ملنے اور ان کو کھانا پہنچانے کی یا اُن سے پند و نصیحت سُننے کی اجازت تھی قیساریہ کے ممفی لیوس سے جو دو برس تک زندان میں رہا اُس کے دوست و اقارب ہی ملنے نہیں جاتے تھے بلکہ اُس کو اتنا وقت اور اطمینان میسر تھا کہ قید خانے میں بیٹھا انجیل کی نقل لکھا کرے۔

عدالتوں میں بھی ایسا اتفاق کم ہوتا تھا کہ مقدمے کے وقت عیسائیوں کے دشمنوں کا ہجوم ہو۔ یا لوگ غل مچا کر جج کو مجبور کریں کہ وہ خواہ مخواہ موت کا حکم جاری کرے۔ مقدمات کی کیفیتیں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے موقعوں پر عدالتوں میں بہت انتظام ہوتا تھا۔ اور کسی طرح کا شور و غل نہ ہوتا تھا۔ اور ججوں کو سزائے موت تجویز کرنے کی جگہ اس طرف زیادہ توجہ ہوتی تھی کہ وہ عیسائیوں کو سمجھا بجھا کر کسی طرح پھر حلقۂ بُت پرستی میں لے آویں اگر دائیوک لیشن خون بہانے پر

آمادہ ہوتا تو ندیاں چھوڑ خون کے دریا بہا دیتا۔ لیکن اُس نے اِس سے پرہیز کیا۔ اُس کا منشاء جو کچھ تھا وہ یہ تھا کہ جس چیز کو وہ کفر یا بے دینی یا بنائے فساد یا محض حفظِ سلطنت کے خیال سے خطرناک سمجھے اُس کو قطعی مٹا دے۔ اُس کے ذہن میں یہ خیال نہ تھا کہ اہل بدعت کی ارواح کو عذابِ آخرت سے بچانے کے لئے دنیا میں اذیتیں پہنچانی ضروری ہیں۔ اِس افسوس ناک عقیدے کا پتہ اِس زمانے میں نہیں بلکہ آیندہ زمانے میں چلتا ہے جبکہ خود عیسائیوں کے ہاتھوں عیسائیوں پر ظلم و شدائد ہوئے ڈائیوک لیشن نے جس قدر سختیاں کیں وہ سلطنت کی بہتری کے خیال سے کیں اور وہ اتنے دن زندہ بھی رہا کہ اپنی ناکامیابی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے اور جہاں اُس نے اپنے طریقۂ حکومت کو جسے اُس نے بڑی جانفشانی سے قائم کیا تھا مٹتے دیکھا وہاں یہ بھی دیکھنا پڑا کہ عیسائیوں پر ظلم کر کے بنی نوع انسان کے حق میں اُس سے کیسی بڑی خطا ہوئی ہے۔

۳۸

تیسرا باب

سلطنت سے دائیوکلیشن کی دست برداری قسطنطین کا شہنشاہ ہونا

ماہ مئی ۳۰۵ء عیسوی کی پہلی تاریخ تھی کہ دائیوکلیشن نے تختِ شہنشاہی سے خود علحدہ ہوکر معمولی حیثیت کی زندگی اختیار کی۔ تاریخ میں کوئی اور مثال ایسی کسرنفسی کی نہیں ملتی۔ منصبِ شہنشاہی سے دست برداری کا اعلان ایک بڑے دربار میں کیا گیا۔ یہ دربار روما کے شہر میں نہیں ہوا کیونکہ یہ شہر اب سیاسی دنیا کا مرکز نہیں رہا تھا۔ بلکہ علاقہ بیتھی نیا میں نیکومیدیا سے تین میل کے فاصلے پر ایک وسیع میدان میں منعقد کیا گیا۔ نیکومیدیا ہمیشہ سے اِس شہنشاہ کا پسندیدہ مقامِ سکونت رہا تھا۔ اِس میدان کے بیچ میں ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی اور پہاڑی کے اوپر ایک اونچا ستون اور ستون کی چوٹی پر خدائے جیوپیٹر کا ایک بُت بنا تھا۔ برسوں ہوئے تھے کہ اسی مقام پر دائیوکلیشن نے گیلی ریوس کو اپنے ہاتھ سے خلعتِ قیصری پہنا کر اختیارات شاہی عطا فرمائے تھے۔ اور آج اُسی مقام پر دائیوکلیشن منصبِ شاہی کا آخری فرض ادا کر رہا ہے یعنی اُن لوگوں کو نامزد کرتا ہے جو اُس کی جانشینی کے لیئے سب سے زیادہ لائق ہیں۔ میدان میں ایک عالیشان چبوترہ تیار کیا جاتا ہے۔ جملہ اہالیان دربار و عساکر کو حکم ہوتا ہے کہ اِس موقع پر حاضر ہوکر اپنے بادشاہ اور سالارِ لشکر کی رخصتی تقریر سُنیں۔ دربار جمع ہوتا ہے اور دائیوکلیشن مختصر الفاظ میں اتنا مطلب ادا کرکے سب سے رخصت چاہتا ہے کہ اب میں ضعیف و کمزور ہو گیا ہوں محنت و مشقت میں ایک مدت بسر کرکے اب آرام کرنا چاہتا ہوں۔ سلطنت کو بھی ضرورت ہے کہ وہ مجھ سے کم عمر و توانا تر لوگوں کے ہاتھوں میں ہو۔ میں اپنا کام ختم کر چکا ہوں اور اب وقت آگیا ہے کہ آپ سے رخصت چاہوں۔

اودھر نیکومیدیا میں اُغسطس دائیوکلیشن سلطنت کے کام سے سبکدوش ہو رہا تھا

اُدھر میلان کے شہر میں اُغسطس میک سیمیان منصب شہنشاہی سے علیحدگی کا دربار کر رہا تھا۔ دونوں اغاسطہ ایک ہی وقت میں کارِ مملکت سے مستعفی ہو رہے تھے۔ اِن دونوں شہنشاہوں کی خالی جگہ پر اُن کے دونوں قیصروں یعنی گیلی ریوس اور قسطنطیوس کا ترقی پا کر اُغسطس ہونا ایک امر بدیہی تھا۔ اب اِس انتظام سے جو دونوں قیصروں کی جگہ خالی ہوئی اُس کو پُر کرنے کے لیئے دائیوک لیشن کو دو آدمی منتخب کر کے لشکر کے سامنے پیش کرنے تھے تاکہ جملہ رومانی افواج رفاقت و خیر خواہی سے اُن کی ماتحتی قبول کریں۔ مورخوں کا بیان ہے کہ دائیوک لیشن نے یہ دونوں آدمی پہلے سے تجویز کر لیئے تھے مگر اُن کے نام مطلقاً کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیئے تھے۔ اِس وقت تمام لشکر حالتِ انتظار میں دم بخود تھا کہ دفعتاً دائیوک لیشن نے اعلان کیا کہ منصبِ قیصری کے لیئے ایک تو سے ویروس کو جو بہت معتبر و آزمودہ کار سپہ سالار ہے اور دوسرے میک سیمن دازا کو جو گیلی راوس کا بھانجا ہے منتخب کیا جاتا ہے۔ سے ویروس اِس وقت دربار میں حاضر نہ تھا۔ وہ پہلے ہی سے میلان روانہ کر دیا گیا تھا تاکہ میک سیمیان اوس کو سر دربار قیصر مقرر کرے۔ میک سیمن دازا البتہ اِس دربار میں حاضر تھا۔ چنانچہ دائیوک لیشن نے اُس کو خلعتِ قیصری پہنایا جب رسمیں ختم ہولیں تو دائیوک لیشن ایک معمولی شہری کی حیثیت سے گو اُغسطس کا اعزازی خطاب اُس کو حاصل رہا نیکومیڈیا میں واپس آیا اور وہاں سے سلونا کے شہر کو جو بحر ایڈریاٹیک کے کنارے واقع تھا روانہ ہوگیا۔ یہاں اُس نے ایک عالیشان محل تخلیہ و تنہائی میں باقی زندگی بسر کرنے کے لیئے پہلے سے تیار کرا لیا تھا۔

یہ کیفیت جو مختصر طور پر اوپر بیان ہوئی بہت صراحت اور خوبی کے ساتھ ایک ایسے مورخ کے قلم سے بھی نکلی ہے جو واقعات کی تفصیل لکھنے میں بہت شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ جس کتاب میں یہ حالات بصراحت بیان ہوئے ہیں اُس کا نام "مرگِ جفا کاراں" ہے مدت تک یہ خیال رہا کہ اِس کا مصنف لکتن تیوس ہے۔ لیکن اب اِس میں شبہ کیا جاتا ہے۔ اِس وقت ہم بھی سہولتِ بیان کے لیئے لکتن تیوس ہی کو اُس کا مصنف

سمجھے لیتے ہیں بہر کیف مصنف ور اصل کوئی ہو مگر اُس کے غیر معتبر ہونے میں کلام نہیں اور اس میں بھی کلام نہیں کہ زورِ بیان اعلیٰ درجے کا پایا ہے اور اپنے وقت کے بڑے مقبول لکھنے والوں میں ہے موضوع اس کتاب کا یہ ہے کہ جن رومانی شاہان بُت پرست نے مسیحی کلیسا پر جور و ظلم کیئے تھے اُن کا نامۂ اعمال بالکل سیاہ کر کے ناظرین کے سامنے لائے اِس لیئے اِن بادشاہوں کے کاموں کو غلط طور پر بیان کرنے یا اُن کی نیت اور ارادوں کو خواہ وہ بھلے بھی ہوں بُرا ظاہر کرنے میں یا اپنی طرف سے جھوٹے قصے بنا کر اُن سے منسوب کرنے میں مصنف نے ذرا تامل نہیں کیا ہے۔ خبروں پر اس درجے عبور ہے کہ کوئی بات ایسی نہیں جو مصنف کے علم سے باہر ہو محل کے کسی پوشیدہ سے پوشیدہ گوشے میں بھی اگر دو آدمیوں نے کوئی بات کہی ہے تو اُس کی خبر مصنف کو ہے صیغۂ راز کی کسی مجلس میں اگر کوئی معاملہ خفیہ سے خفیہ طریقے پر بھی طے ہوا ہے تو اُس کا کل حال مصنف پر روشن ہے۔ خدا جانے واقعی یہ خبریں اُس کو ملتی تھیں یا اپنی طرف سے ایجاد کر لیتا تھا پھر ان خبروں کو بیان کرنے میں کچھ تفصیلی امور اپنی طرف سے بڑھا کر اور کچھ مقامی رنگ بھر کر وہ اوستادی دکھائی ہے کہ کل بیان بالکل سچ معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ یہی اوستادیاں وہ ہوتی ہیں جو بیان کے غیر معتبر ہونے کا ثبوت دیتی ہیں لکتن تیوس کے نزدیک دائیوک لیشن کا تخت سے علیحدہ ہو جانا ایک ایسے فاتر العقل بڈھے کا فعل تھا جس کی تندرستی و عقل دونوں ایک شدید مرض کی وجہ سے بالکل زائل ہوگئی تھیں۔ اور یہ مرض اُس کے گناہوں اور ظلموں کی سزا میں آسمان سے اُس پر اُترا تھا۔ مصنفِ مذکور دائیوک لیشن کی تصویر اس طرح کھینچتا ہے کہ یہ بڈھا اپنے قیصر گیلی ریوس کے سامنے سر جھکائے بیٹھا ڈر رہا ہے۔ گیلی ریوس کا اندازِ گفتگو بہت تیز و گستاخانہ ہے قیصروں کے تقرر کے متعلق دھمکیاں دیتا ہے کہ اگر میری بات نہ مانی تو ملک میں خانہ جنگی ہو جائے گی۔ پھر گویا دونوں میں مباحثہ شروع ہوتا ہے۔ دائیوک لیشن پوچھتا ہے "تو پھر قیصر کس کس کو مقرر کیا جاوے؟" گیلی ریوس جواب دیتا ہے کہ "ایک تو سیویروس کو"۔ یہ نام سنتے ہی دائیوک لیشن کہتا ہے "کیا اُس شرابی ناچنے والے کو جو رات کو دن اور دن کو رات کیئے رہتا ہے؟" گیلی ریوس

جواب دیتا ہے۔ "مگر وہ اس مرتبے کے لائق ہے۔ سپہ سالاری میں وہ بڑا وفادار ثابت ہو چکا ہے اور میں نے تو میک سمیان کے پاس اُس کو قیصری کے لئے روانہ بھی کر دیا ہے۔" اتنا سُن کر دائیوک لیشن کہتا ہے "اچھا ایک تو سیویروس ہوا۔ اب دوسری جگہ کے لئے کس کو تجویز کرتے ہو۔؟" اس پر گیلی ریوس بولا کہ "وہ یہیں موجود ہے۔" گیلی ریوس کی مراد میک سیمن دازا سے تھی جو ایک وحشی نوجوان یعنی نسباً رومانی نہ تھا۔ مگر رشتے میں گیلی ریوس کا بھانجا ہوتا تھا۔ دائیوک لیشن نے حیرت زدہ ہو کر کہا کہ "یہ کس کو پیش کرتے ہو؟" گیلی ریوس "میں اُس کو پیش کرتا ہوں جو میرا عزیز ہے" اس پر دائیوک لیشن نے ایک آہ سرد بھری اور کہا کہ "یہ لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ سلطنت اُن کے سپرد کی جاوے۔" گیلی ریوس "میں نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ ضرور اس قابل ہیں۔" دائیوک لیشن "اچھا پھر یہی ہے تو تم جانو۔ تمہارے ہی ہاتھوں اب سلطنت کی باگ ہے۔ بُرے بھلے کے ذمہ دار بھی تم ہی ہو۔ میں نے بہت محنت و جانکاہی کر لی۔ جب تک میں نے فرمانروائی کی ہمیشہ سلطنت کی بھلائی اور سلامتی کا خیال رکھا۔ اب اگر اُس کو کوئی نقصان پہنچا تو اس میں میرا قصور نہ ہوگا۔"[1]

لکٹن تیوس کی تحریر کا یہی انداز ہے جس کا نمونہ اوپر دکھایا گیا۔ تخت سے دست برداری کی رسوم کو جہاں بیان کیا ہے وہاں دکھایا ہے کہ دائیوک لیشن کے گرد عمائد و عُمالِ شاہی کا ایک مجمع ہے۔ گیلی ریوس اپنے بھانجے میک سیمن کو اس مجمع سے نکال کر لشکر کے سامنے پیش کرتا ہے۔ لشکر کے لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے نئے قیصر کو دیکھتے ہیں گویا یہ صورت کبھی پہلے دیکھی ہی نہ تھی۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ گیلی ریوس کا نہایت عزیز بھانجا ہو اور نیکومیدیا کا لشکر اُس کی شکل سے ناواقف ہو۔ اس کے بعد مورخ لکھتا ہے کہ گیلی ریوس نے صرف میک سیمن دازا ہی کو مجمع سے باہر نکال کر پیش نہیں کیا بلکہ ایک کام یہ بھی کیا کہ اغسطس قسطنطیوس کے فرزند کو باہر سے مجمع کی طرف دھکا دے کر لشکر کے سامنے سے

[1] لکٹن تیوس: "مرگِ جفاکاران" باب (۱۸)

ہٹا دیا۔ قسطنطیوس اِس وقت اغاسطہ میں سب سے پُرانا تھا اور اُس کا ہی فرزند قسطنطین تھا جو بعد کو شہنشاہی کے درجے پر پہنچا۔ قسطنطین اِس زمانے میں چند سال سے دائیوک لیشن کے ساتھ قصرِ شاہی میں رہا کرتا تھا۔

لکتن تیوس کے اِس بیان کو ہم درست نہیں سمجھ سکتے کہ دائیوک لیشن جس وقت مستعفی ہوا ہے تو وہ کوئی ایسا مسلوب الحواس اور سن رسیدہ آدمی تھا۔ جو مرض کے افاقے سے کبھی ہوش میں اور مرض کی زیادتی سے کبھی مخبوط رہتا ہو۔ دائیوک لیشن کی عمر اِس وقت صرف اُنسٹھ برس کی تھی۔ یہ سچ ہے کہ اِس زمانے میں وہ ایک سخت بیماری سے اُٹھا تھا۔ خود لکتن تیوس لکھتا ہے کہ اُس کی علالت سے محل کے لوگوں پر افسردگی طاری تھی اور فوج خاصہ کے لوگ اپنے آقا کے بیمار ہونے سے بہت فکرمند اور اکثر آبدیدہ رہتے تھے بلکہ تمام قلمرو میں ۴۴ ایک حیرانی و پریشانی چھائی تھی[لے]۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ تندرست ہونے کے بعد جس وقت وہ اپنے لشکر کے لوگوں سے رخصت ہوا ہے اُس وقت اُس کا دماغ ایسا روشن تھا کہ شاید کبھی پہلے بھی ایسا نہ رہا ہو۔ جو مسلک سیاسی اُس نے ابتدا سے اختیار کیا تھا اُس کا لازمی نتیجہ تھا کہ ایک دن وہ تخت سے دست بردار ہو جائے گا۔ آج سے بیس برس پہلے وہ اِس علٰحدگی کا قصد کر چکا تھا۔ اور برابر اِس طول و طویل محنت و مشقت کے زمانۂ حکومت میں اُس نے ہمیشہ اِس خیال کو پیشِ نظر رکھا تھا۔ اور یہ علٰحدگی وہ آخری کام تھا جس نے اُس کے مخترع نظم سیاست کو درجۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ بادشاہوں کو یہ خیال بہت خوشگوار ہوتا ہے کہ سلطنت کا کام چھوڑنے کے بعد تخلیہ و تنہائی میں آرام سے زندگی بسر کریں گے۔ لیکن جہاں تک دیکھا گیا ہے وہ یہی ہے کہ بادشاہ کبھی سلطنت کے کاموں سے علٰحدگی اختیار نہیں کرتے جس طرح جان عزیز ہوتی ہے اُسی طرح حکومت کو بھی عزیز رکھتے ہیں۔ روما کے متعدد شہنشاہوں میں سب سے پہلا شہنشاہ مدت تک اپنے وزیروں و مشیروں سے یہی کہتا رہا کہ اب جمہوری حکومت قائم کر کے

[لے] لکتن تیوس: "مرگ جفاکاران" باب (۱۷)

شہنشاہی سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔ وزرائے سلطنت اس خیال سے خوش ہوتے رہے مگر اُس سے سلطنت نہ چھوٹی اور وہ شہنشاہ ہی مرا۔ اغاسطۂ روما کے سلسلے میں دائیوکلیشن ہی ایک ایسا شہنشاہ تھا جس نے پوری شان و سطوت کی حالت میں عصائے سلطنت ہاتھ سے رکھ دیا اس میں شبہ نہیں کہ یہ ایک بہت خطرناک کام تھا۔ لیکن اُس کو اپنے اصول پر ثابت قدم رہنا تھا اور وہ دنیا کی بہتری اسی میں سمجھتا تھا کہ دنیا کا مالک تخت پر بیٹھے بیٹھے بڈھا اور کمزور نہ ہونے پاوے۔

قسطنطین جس کی ایک جھلک ابھی ابھی دربار کے موقع پر ہم دیکھ چکے ہیں ۲۷۳ یا ۲۷۴ عیسوی میں پیدا ہوا تھا جس طرح اُس کی تاریخ ولادت مشتبہ ہے اسی طرح جائے پیدائش میں بھی اختلاف ہے۔ یہ یقین اب کسی کو نہیں کہ وہ برطانیہ میں پیدا ہوا تھا۔ یہ دل خوش کن قصہ چند انگریزی راہبوں نے تیار کیا تھا اور اس کے ساتھ یہ مضمون بھی تھا کہ اُس کی ماں ہلانہ ایک برطانوی بادشاہ کی بیٹی تھی۔ قصہ بنانے والوں نے قصہ تو تیار کر لیا مگر یہ بن نہ پڑا کہ برطانیہ میں اس بادشاہ کی عملداری کو کس جگہ قائم کیا جاوے۔ مگر اس قصے کی اگر کچھ بنیاد ہے تو وہ لیٹن کے دو چند الفاظ ہیں جن کے معنی یہ ہیں کہ قسطنطین نے برطانیہ کو اپنے نور سے روشن کر دیا لیکن اب یہ الفاظ اُس کے جلوس سے متعلق سمجھے جاتے ہیں نہ اس کی ولادت سے چونکہ اُس کی شہنشاہی کا اعلان سب سے پہلے جزیرۂ برطانیہ میں ہوا تھا اس لئے قیاس کر لیا کہ اُس کی اصل بھی اسی جزیرے سے تھی۔ لیکن جہاں تک تحقیق ہوتا ہے اُس کی پیدائش یا تو شمالی میسیا میں شہر نیسوس کی یا نیکومیدیا کے قریب شہر درسے پانم کی تھی۔ گو کوئی شہادت بھی اتنی صحیح نہیں ہے کہ اُس کا قطعی یقین کیا جائے لیکن زیادہ تر بیان یہی ہے کہ وہ نیسوس میں پیدا ہوا تھا۔

قسطنطین کا باپ قسطنطیوس کلورس تھا جو مدت تک فوج میں ملازمت کے بعد پہلے قیصر اور پھر اگسٹس مقرر ہوا لیکن قسطنطین کی پیدائش کے وقت وہ فوج کا محض ایک افسر نہایت لائق و ہونہار تھا۔ اُس کا خاندان میسیا کے ذی رتبہ خاندانوں میں شمار ہوا ہے۔ اُس کی ماں کلادیوس کی بھتیجی تھی اور کلادیوس وہ شہنشاہ تھا جس نے اقوامِ گوط کو مسخر کیا تھا۔ قسطنطین کی پیدائش سے

چار برس پہلے شہنشاہ کلادیوس کا انتقال ہو چکا تھا۔ ممکن ہے کہ قسطنطین کے باپ قسطنطیوس کو جس قدر جلد جلد ترقی ملی اُس کا باعث کلادیوس ہو۔ قسطنطیوس نے ہلانہ نامی ایک عورت سے اپنا تعلق کر لیا تھا جو نسب کے اعتبار سے شوہر سے کم درجہ رکھتی تھی۔ مگر رومانی قانون میں اس قسم کا تعلق عقد جائز سمجھا گیا ہے۔ ہلانہ دراصل درے پانم کے ایک سرائے والے کی لڑکی تھی قسطنطین کے دشمنوں نے ماں کی طرف سے اُس کا مجہول النسب ہونا ثابت کرنے میں کوئی کسر نہیں رکھی۔ بہرکیف ماں کا نسب کیسا ہی کم درجے کا ہو مگر قسطنطین حمل جائز سے پیدا ہوا تھا۔ اگر قسطنطیوس اور ہلانہ کا تعلق بے قاعدہ ہوتا تو جس وقت مکسمیان نے قسطنطیوس کو قیصر بنا کر اپنی لڑکی تھیوڈورا سے اُس کا عقد کیا تھا اُس وقت ہلانہ کو طلاق دلوانے کی ضرورت نہ پڑتی۔

قسطنطین کے حالات اوائلِ زندگی کے کچھ نہیں دریافت ہو سکتے۔ قیاس یہ ہے کہ اُس کا یہ زمانہ سلطنت کے مشرقی حصے میں زیادہ تر گذرا۔ دائیوک لیشن ۲۸۵ء عیسوی میں تخت نشین ہوا۔ اِس سے پہلے مشرق میں جو لڑائیاں ہوئیں اُن میں قسطنطین کا باپ قسطنطیوس شریک تھا۔ قسطنطین بھی سب سے پہلے دائیوک لیشن کے زمرۂ لواحقین میں ایک نوجوان افسر کی شکل میں نظر آتا ہے۔ یوسی بیوس قیساریہ کا اسقف لکھتا ہے کہ میں نے قسطنطین کو جس کی قسمت میں حامیِ دینِ نصرانیت ہونے کی عزت لکھی تھی سب سے پہلے اُس وقت دیکھا تھا جبکہ ایک مرتبہ شہنشاہ دائیوک لیشن کے ساتھ وہ فلسطین میں آیا تھا[1]۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ شہنشاہ کی داہنی طرف یہ نوجوان شہزادہ کھڑا تھا۔ اور تمام حاضرین اُس کے حُسن وجمال متانت و ہوشمندی کو دیکھ کر عش عش کرتے تھے چہرے سے یہ بات ٹپک رہی تھی کہ اُس کو اپنی بزرگی کا علم ہے اور جانتا ہے کہ دنیا میں حکومت کرنے کے لئے آیا ہوں۔ یہی اسقف لکھتا ہے کہ حاضرین میں جس قدر جوانانِ شہ زور تھے وہ تو اُس کی

۴۵

---

[1] "حیات قسطنطین" جلد ۱ صفحہ ۱۹۔

طاقتِ جسمانی کے معترف و مداح تھے اور جس قدر اربابِ دانش تھے وہ اُس کی دانائی و فرزانگی پر رشک و خوف کی حالت رکھتے تھے مگر اسقف قیساریہ اصل واقعے سے پچاس برس کے بعد اس دیدار کا حال لکھنے بیٹھا تھا۔ ممکن ہے حافظے نے پوری یاری نہ کی ہو۔ بہرکیف جس شخص کو حُسنِ عقیدت کے جوش میں خوبی و رعنائی۔ طاقت و دانائی کا نمونۂ کامل بتایا گیا ہے وہ صرف ایک ہوشیار و ذی شعور اچھی صورت کا نوجوان شہزادہ ضرور تھا۔ رہا یہ امر کہ اربابِ دانش میں دائیوک لیشن بھی اُس سے خوف زدہ رہتا تھا تو اُس کی تردید میں کہہ سکتے ہیں کہ درجۂ اول کے منصب تراٸیبون پر قسطنطین کا تقرر اور اُس کا بہت سی لڑائیوں میں شریک ہونا سب دائیوک لیشن ہی کے طفیل سے تھا۔ اگر دائیوک لیشن کو اُس کا خوف ہوتا تو اِس طرح ترقی نہ دیتا۔ بے بنا معقول قصے کہ دائیوک لیشن یا قسطنطین کے بالا دستوں نے ایک دیو ہیکل سرماتی پہلوان سے اُس کو اکیلا لڑوایا تھا۔ یا ایک شیر ببر سے اُس کی کشتی کرائی تھی تاکہ اپنی طاقت اور دلیری پر جو کچھ زعم ہے وہ ہی اُس کا کام تمام کر دے اور جو کچھ خوف اُس کی جوانمردی اور طاقت کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے وہ رفع ہو ہرگز توجہ کے قابل نہیں آگر دائیوک لیشن کو قسطنطین کا خوف ہوتا تو قصرِ شاہی میں سکونت کے بعد پھر وہاں سے زندہ نکلنا مشکل تھا۔

یہ یقینی تعجب کی بات ہے کہ قسطنطین کی اوائلِ عمری یا پوری جوانی کے حالات بہت کم دریافت ہوتے ہیں۔ حالانکہ جس وقت دائیوک لیشن تخت سے علیحدہ ہوا ہے تو قسطنطین کو کم از کم اکتیسواں سال تھا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس کی عمر کا حصہ مشرق میں کیوں بسر ہوا۔ اور اپنے باپ قسطنطیوس کی ہمراہی میں گال اور برطانیہ کی لڑائیوں میں وہ کیوں شریک نہیں ہوا کہ جو عزت باپ کو حاصل ہوئی تھی اُس سے بیٹے کو بھی حصہ ملتا؟ اِس کا جواب یقیناً یہ ہے کہ دائیوک لیشن کے انتظامِ حکومت میں یہ نہ تھا کہ بیٹا باپ کا جانشین یا اُس کی ہر چیز میں شریک و سہیم رہے۔ دائیوک لیشن کے ساتھ قسطنطیوس کی وفاداری میں کسی کو شبہ نہیں لیکن اُس کے لڑکے قسطنطین کو اگر مورخ زوسیموس[1] کا اعتبار

---

[1] زوسیموس جلد (۲)، صفحہ (۸)

کیا جاوے تو قیصر یا شہنشاہ بننے کا بہت شوق تھا۔ بہرکیف جس وقت گیلی ریوس شہنشاہ دائیوک لیشن کی جگہ نیکومیدیا میں قصر شاہی کا مالک بن کر بیٹھا تو قسطنطین کی حالت ضرور خطرے و اندیشے کی ہوگئی۔ اور گیلی ریوس کے دل میں یہ خلش رہنے لگی کہ کہیں یہ شہزادہ جو ایک ہی چھت کے نیچے اُس کے ساتھ رہتا ہے کسی دن اُس کی راہ میں مخل نہ ہو۔ اور قسطنطیوس کو بھی یہ تردد رہنے لگا کہ لڑکے کی صورت برسوں سے نہیں دیکھی ہے اگر وہ پاس ہوتا تو بہتر تھا۔ قسطنطین بھی اس فکر میں بے چین رہتا کہ کسی طرح ایسی جگہ سے نکلنا چاہیئے جہاں رہ کر ترقی کے ارمان پورے نہیں ہو سکتے۔ غرض اس امر میں شبہ کی ضرورت نہیں رہتی کہ قسطنطیوس فی الحقیقت گیلی ریوس کو بار بار لکھتا تھا کہ قسطنطین کو اُس کے پاس بھیج دیا جاوے۔ اور قسطنطین بھی اسی کوشش میں رہتا تھا کہ کسی طرح باپ کے پاس پہنچ جاوے۔ ۷۴

لکتن تیوس[1] جو تاریخ کو ہمیشہ ایک حیرت خیز داستان بنانا چاہتا ہے نیکومیدیا سے قسطنطین کی روانگی کا حال اپنی کتاب کے ایک دلچسپ حصے میں اس طرح لکھتا ہے کہ جس وقت محل شاہی میں پروانۂ راہداری اس مضمون کا تیار ہوا کہ قائد یورپ سے گذرنے کے لیئے ہر منزل پر قسطنطین کے لیئے گھوڑے تیار رہیں تو گیلی ریوس نے بہت ہی پس و پیش کے بعد اس پروانہ پر دستخط کیئے قسطنطین کو رخصت کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اب اُس کو زیادہ روکنے کے لیئے کوئی حیلہ باقی نہ رہا تھا۔ غرض دستخط کے بعد سہ پہر کے وقت گیلی ریوس نے یہ پروانہ قسطنطین کو اس شرط سے دیا کہ دوسرے دن صبح حاضر ہوکر آخری ہدایتیں سُن لے۔ گیلی ریوس نے دستخط کر کے پروانہ دیتے تو دے دیا لیکن فکر یہ ہی رہی کہ کوئی ترکیب ایسی نکلتی کہ قسطنطین نیکومیدیا سے باہر نہ جانے پاتا۔ شب کو کھانے کے وقت سوچنے لگا کہ اگر سیویروس کے پاس قاصد اس حکم سے بھیجا جاوے کہ شمالی سرحد ایطالیہ پر جس وقت قسطنطین پہنچے تو اُس کو آگے نہ بڑھنے دے تو پھر اس میں کیا قباحت ہو سکتی ہے۔ کھانا ختم کرنے کے بعد

[1] باب (۲۴)

خوابگاہ میں گیا اور وہاں قصداً ایسا سویا کہ دوسرے دن دوپہر سے پہلے نہ اُٹھا۔ اُٹھتے ہی قسطنطین کو اپنے کمرے میں طلب کیا۔ لیکن قسطنطین پروانہ پاتے ہی اُسی دن شام کو روانہ ہو چکا تھا۔ اور اس وقت جہاں تک گھوڑوں کی طاقت میں تھا بہت تیزی سے منزلیں طے کر رہا تھا۔ اور گیلی ریوس سے اپنی دُوری بڑھانے میں ایسا مضطرب تھا کہ منزل پر پہنچ کر جن گھوڑوں سے اُترتا تھا اُن کی کونچیں کٹوا دیتا تھا تا کہ اُن پر سوار ہو کر کوئی پیچھا نہ کر سکے۔ سہ پہر کو پروانہ ملتے ہی اُس کو یہ خوف ہوا تھا کہ گیلی ریوس کی نیت کا ٹھیک نہیں ہے کہیں اپنے حکم سے پھر نہ جائے۔ اس لئے موقعے کا منتظر رہا اور جو ہیں آفتاب غروب ہوا اور شہنشاہ خلوت میں گیا قسطنطین گھوڑے پر سوار ہو چلتا بنا۔ غرض گیلی ریوس کو جس وقت روانگی کا حال معلوم ہوا تو سمجھ گیا کہ یہ شہزادہ چال چل گیا۔ اور اس طرح چلے جانے پر سخت برہم ہو کر فوراً ملازموں کو حکم دیا کہ تعاقب کریں۔ ملازمین روانہ ہوئے مگر تھوڑی دیر میں واپس آ کر عرض کیا کہ قسطنطین شاہی اصطبل کو بالکل خالی کر گیا ہے۔ ایک گھوڑا بھی اس وقت وہاں موجود نہیں۔ اس پر گیلی ریوس کو اس قدر غصہ آیا کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

اِس قصے کو پڑھ کر لکتن تیوس کی داد دینی پڑتی ہے کہ داستان گوئی میں کیا خوب کمال پیدا کیا ہے قصے کے تمام اجزاء کو نہایت خوبی سے جوڑ کر کسی حصے کو بیان کرنے میں ذرا کور کسر نہیں چھوڑی ہے۔ آفتاب کا غروب ہونا۔ شام کے کھانے پر ایک بادشاہ ظالم کا یہ سوچنا کہ انتقام کیونکر لیا جاوے۔ پھر یہ قصہ کہ شب کو سو کر صبح کو دیر میں اُٹھنا چاہئے۔ اخیر میں مایوسی اور اس مایوسی پر برہمی۔ اُدھر بھاگنے میں مفرور کی تیزی اور ہر منزل پر پہنچ کر گھوڑوں کی کونچیں کٹوا دینی۔ یہ تمام تفصیلی امور قصے میں اپنی اپنی جگہ بہت خوبصورتی سے بیان کیئے گئے ہیں۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ بجز ایک تھوڑی سی بات کے اور کوئی بات بھی اس قصے کی صحیح سمجھی جا سکتی ہے۔ مثلاً اگر پہلے ہی دن گیلی ریوس کا یہ قصد تھا کہ دوسرے دن صبح ہوتے ہی پروانۂ راہداری قسطنطین سے واپس لے لیگا تو ایک دن پہلے اُس کے دینے ہی کی کیا ضرورت تھی؟ اور اگر روکنا ہی منظور تھا تو محل کے پہرے داروں یا دروازۂ شہر کے حاکم کو ایک اشارہ

کافی تھا۔ پھر قسطنطین نیکومیدیا سے قدم باہر نہیں نکال سکتا تھا۔ علاوہ ازیں کیا قیصری چاپارخانے میں گھوڑوں کی ایسی کمی تھی کہ محض ایک مفرور کے تعاقب کے لیئے سرکاری ملازموں کو گھوڑا نہ مل سکا۔ یہ سب باتیں کسی طرح قرین قیاس نہیں معلوم ہوتیں۔ البتہ اتنا ضرور سمجھ میں آتا ہے کہ قسطنطین کی روانگی پر گیلی ریوس پورے طور پر رضامند نہ تھا۔ اس لیئے جب وہ روانہ ہوگیا تو راہ طے کرنے میں اُس نے جلدی کی تاکہ اُس کو واپس بلانے کا موقع جہاں تک ممکن ہو کم ہوتا جاوے لیکن محض اتنی سی بات کے لیئے اس درجہ بھیانک صورتیں قائم کرنے کی نسبت اُس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ غالباً وہ سب مورخ کے تخیل و تصور کا نتیجہ تھیں۔

قسطنطین اپنے باپ قسطنطیوس سے گیسوریاکم (بولون) کے مقام پر ملا۔ قسطنطیوس اس وقت یہاں اس انتظار میں ٹھہرا ہوا تھا کہ ہوا موافق ہو جاوے تو جہاز پر سوار ہو کر برطانیہ کا قصد کرے۔ اس زمانے میں اُس کی طبیعت ناساز تھی۔ بیٹے کو دیکھ کر جس کی صورت برسوں سے نہیں دیکھی تھی بہت خوش ہوا۔ یہ تحقیق نہیں ہوتا کہ اس ملاقات کے کتنے عرصے کے بعد اُس کا انتقال برطانیہ کے شہر یارک میں ہوا غالباً اُس کی موت کا واقعہ اسکاٹ لینڈ کی لڑائی ختم ہونے کے بعد پیش آیا۔ مرنے سے پہلے اُس نے اپنی دوسری بیوی کی اولاد یعنی قسطنطین کے سوتیلے بھائی بہنوں کو جن میں سب سے بڑے لڑکے کی عمر اس وقت ۱۲ برس کی تھی قسطنطین کے سپرد کیا اور قسطنطین کی سفارش اہل لشکر سے کی اور کہا کہ جس طرح میرے خیرخواہ رہے ہو اسی طرح میرے فرزند کے بھی خیرخواہ و وفادار رہنا۔ ساتویں مدح نامے کا مصنف[۱] لکھتا ہے کہ قسطنطیوس کو موت کے وقت مطلق فکر و پریشانی نہ تھی کیونکہ اُس کا وارث و جانشین اُس کے بالین پر موجود تھا۔ بلکہ یہ بت پرست مصنف لکھتا ہے کہ جس وقت قسطنطین کی روح نے اس کالبد خاکی کو چھوڑا ہے تو خود جوپیٹر رب الارباب نے اپنا سیدھا ہاتھ بڑھایا کہ خداؤں کے حلقے میں اُس کو مبارکباد کہہ کر جگہ دے۔ قسطنطیوس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے فرزند کے لیئے ایسا پختہ بندوبست کر دیا تھا کہ ادھر اُس کا دم نکلا اور اُدھر تمام لشکر نے قسطنطین کو اغسطس کے لقب سے پکار کر سلامی دی۔ اور یلیوس وکٹر نے اِن واقعہ

[۱] قدیم قصائد مدحیہ۔ جلد، صفحہ،

کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ایرد کوس جرمانیہ کا ایک بادشاہ جو بڑے دبدبے کا آدمی تھا اور اس وقت رومانی لشکر میں کمک لیکر آیا ہوا تھا قسطنطین کا بڑا دوست و مددگار ہو گیا۔ قسطنطین بھی اغسطس کا رتبہ حاصل کرنے میں سست قدم نہ تھا۔ گو بظاہر جیسا کہ اکثر ایسے موقعوں پر ہوتا ہے اُس نے پہلے انکار کیا مگر یہ انکار دل سے نہ تھا اُس کا مدح خواں مورخ لکھتا ہے کہ جس وقت ردائے شہنشاہی فوج کے لوگوں نے اُس کے کندھے پر ڈالی تو اُس نے گھوڑے کو ایڑ دے کر آگے بڑھایا کہ چادر کندھے سے گر جائے۔ اِسی مورخ کا خیال ہے کہ اِس تقرر سے پہلے قسطنطین کی خواہش تھی کہ "والیانِ دولت" سے پہلے دریافت کر لیا جاوے کہ تخت پر اُس کے باپ کا جانشین کون ہو۔ لیکن اگر اتنا توقف کیا جاتا تو گیلی ریوس کی نسبت تو قسطنطین خود ہی جانتا تھا کہ وہ خبر پاتے ہی کسی معتبر شخص کو برطانیہ کی حکومت پر فوراً روانہ کر دے گا۔ اور قسطنطین کو حکم دے گا کہ فوراً نیکومیدیا کو واپس چلا آوے۔ بہرکیف بجائے کسی قسم کے استصواب کے قسطنطین نے خود ہی شہنشاہی قبول کر لی اور گیلی ریوس کو اپنی اس ترقی کی بابت اطلاع کر دی اس کا تو ہم کو بھی یقین ہے کہ یہ خبر سُن کر گیلی ریوس کو غصہ ضرور آیا ہوگا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ ایک عرصے تک وہ اسی شش و پنج میں رہا کہ اِس معاملے میں کیا کرنا چاہئے۔ ذاتیات کی بحث کو اگر چھوڑ دیا جاوے تو اِس وقت لشکر کی جانب سے قسطنطین کے انتخاب کے یہ معنی تھے کہ سلطنت پھر اپنے پُرانے غیر مطبوع فوجی طرزِ حکومت کی طرف عود کر رہی ہے جس کے پنجۂ غضب سے ڈائیوکلیشن نے اُس کو آزاد کیا تھا۔ اِس انتخاب نے سب کو ہوشیار کر دیا کہ فی الواقع جدید طرزِ حکومت کو ابھی استحکام نہیں ہوا ہے۔ گیلی ریوس کو بجز لڑنے یا اِس انتخاب کو منظور کرنے کے دوسرا چارہ نہ تھا۔ لڑائی کے لئے وہ تیار نہ تھا۔ اِس کے علاوہ اِس بات کا بھی جواب نہ رکھتا تھا کہ قسطنطیوس سب میں پرانا اغسطس تھا۔ اور اِس لئے مستحق تھا کہ جانشینی کے معاملے میں اُس کی رائے تسلیم کی جاوے۔ آخرکار بدرجۂ مجبوری گیلی ریوس نے قسطنطین کے تقرر کو تسلیم کر لیا۔ اور قسطنطین نے قاصد کے ہاتھ پھولوں کا ہار ڈال کر جو اپنا مجسمہ بطور تحفے کے بھیجا تھا اُس کو قبول کیا گو لکٹن تیوس

لکھتا ہے کہ شروع میں جس وقت یہ تحفہ آیا ہے تو گیلی ریوس نے اِس تحفے اور تحفہ لانے والے کو زندہ آگ میں ڈلوا دینے کا قصد کیا۔ مگر اب قاصد کو خلعت شاہی دے کر اُس کے آقا کے پاس روانہ کیا اور یہ علامت تھی کہ اُس نے ابطیب خاطر سلطنت میں قسطنطین کی شرکت قبول و منظور کی۔

لیکن گیلی ریوس نے قسطنطین کو محض ایک قیصر تسلیم کیا۔ یہ نہیں مانا کہ وہ اغسطس کے لقب کا مستحق ہے۔ اغسطس کا لقب اُس نے سیویروس کو عطا کیا جو قسطنطیوس کا قیصر بلادِ مغرب میں تھا۔ اِس واقعے کو محض رنجش کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ ڈائیوک لیشن کے دستورالعمل کے مطابق ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ جس شخص کو سب سے آخر میں شہنشاہی کا مرتبہ ملا ہو وہ سب سے اخیر یعنی چوتھے درجے پر ہی سمجھا جا سکتا تھا۔ قسطنطین نے اِس معاملے میں چون و چرا کرنی فضول سمجھی کیونکہ مدتوں ڈائیوک لیشن اور گیلی ریوس کے ساتھ لڑائیوں میں رہ کر وہ اِس بات کو خوب سمجھ گیا تھا کہ لقب چاہے قیصر ہو یا اغسطس لڑائی میں وہی جیتا کرتا ہے اور پسندیدۂ خلائق رہتا ہے جس کے پاس سب سے بہتر لشکر ہو۔ غرض ۳۰۶ عیسوی کی جولائی میں قسطنطین نے دیارِ مغرب میں گال، ہسپانیہ و برطانیہ کی فرمانروائی اور اُس کے لشکروں کی سپہ سالاری قبول کر کے قیصرِ مغرب کے لقب سے اپنا مشہور اور پُر از واقعات دورِ حکومت شروع کیا۔ اور چھ برس تک یعنی سالِ جلوس سے لے کر ۳۱۲ عیسوی تک کہ ایطالیہ پر لشکر کشی کرے اپنا زیادہ تر وقت ملک گال کے حصوں میں صرف کیا اور یہاں اُس نے ایک لائق مردمیدان اور فیاض فرمانروا ہونے کی شہرت و نیک نامی حاصل کی۔

ملک گال کچھ عرصے سے بدنظمی و تباہی کی بلاؤں سے نکل کر رفتہ رفتہ امن و آسودگی کی حالت اختیار کر رہا تھا ڈائیوک لیشن کے دورِ حکومت سے پہلے بدعملی کے زمانہ میں جرمانیہ کی قومیں جو دریائے رائن کے اُس پار آباد تھیں اُسے تاخت و تاراج کیا کرتی تھیں۔ دریا کے کنارے جو رومانی فوجیں حفاظت کے لئے مقرر تھیں وہ مدت سے اُٹھالی گئی تھیں اور جہاں جہاں

قلعوں میں کچھ فوجیں باقی تھیں وہ بھی اس قدر کمزور تھیں کہ جرمانی فوج کشوں کو قتل و غارت سے نہ روک سکتی تھیں۔ مورخ لکھتا ہے کہ "سابق کی بدنظمی اور نقصانات نے گال کے تمام اضلاع کو بدحواس کر رکھا تھا"[۱] اِسی حالت میں قوم بیگادی کے کاشتکاروں نے تمام ملک میں بغاوت کر دی تھی جس کو مُسطس میک سیمیان نے نہایت سختی سے ۲۸۵ء عیسوی میں فرو کیا تھا۔ ملک کی خراب و خستہ حالت کا اندازہ اِس سے بھی ہو سکتا ہے کہ کاراسیوس قزاق و باغی نے جس وقت برطانیہ کی بادشاہی کا دعوے کیا تو اغاسطوئے وقت یعنی وائیوک لیشن و میک سیمیان نے مجبور ہو کر اُس کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور کئی برس تک برطانیہ سلطنت روما کی حدود سے خارج رہا۔ جس زمانہ میں میک سیمیان گال میں امن و امان پیدا کرنے کی کوشش کرتا تھا اُس وقت بھی دریائے رائن کی سمت سے جرمانیہ کی قومیں دھاوے مارتی تھیں۔ مامرطینوس ۵۲ ستائش نامے میں ایک عبارت ہے جس کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ دریائے رائن کی نسبت رومانیوں کے کیا خیالات تھے۔ اِس مصنف نے جہاں میک سیمیان کی خوش انتظامی کی تعریف کی ہے وہاں بہت جوش کے ساتھ لکھا ہے کہ "کیا کبھی ہمارے زمانہ سے پہلے کوئی شہنشاہ ایسا ہوا ہے جو دریائے راین کے اِس احسان کا معترف نہ رہا ہو کہ اُس نے گال کے علاقوں کو دشمن سے پناہ دے رکھی ہے۔ کیا کبھی پہلے ایسا ہوا تھا کہ مدت کی کشش باران سے راین خشک ہو گیا ہو اور ہم پر خوف سے لرزہ طاری نہ ہوا ہو۔ کیا کبھی پہلے ایسا ہوا تھا کہ راین طغیانی پر آیا ہو اور ہم اِس بات سے خوش نہ ہوئے ہوں کہ اب دشمن سے محفوظ ہیں"[۲]۔ مختصر الفاظ میں یہ سمجھنا چاہئے کہ دشمن کی فوج کشی دریا کے اترنے چڑھنے پر منحصر تھی۔ اِس کے بعد مامرطینوس کہتا ہے "لیکن اب شہنشاہ میک سیمیان کا شکر کرنا چاہئے کہ ہمارا خوف دور ہوا۔ دریا اب چاہے کتنا ہی اُتر جاوے خواہ پانی اتنا کم ہو جاوے کہ اُس کی شفاف سطح سے

[۱] قدیم تصانیف — جلد ۹ صفحہ ۸۔ [۲] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۷۔

زمین کی چکنی چکنی کنکریاں تک دکھائی دینے لگیں مگر اب ہم کو دشمنوں کا خوف نہیں ہے۔ اور اب جہاں تک میری نظر کام کرتی ہے دریا کے اس طرف جو کچھ ہے وہ رومانیوں کا ہے" اس بیان کو پڑھ کر کہنا پڑتا ہے کہ کوئی خوش بیان مورخِ شاہی اتنا جھوٹ نہ بولا ہوگا جیسا کہ مامرطینوس بولا ہے۔

ملکِ گال میں امن و عافیت کو دوام نہ تھا۔ فتنہ و فساد ذرا تھمے تھے کہ میک سیمیان کو برطانیہ پر پھر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا لیکن ۳۰۱ء عیسوی میں پھر جرمانیہ کی فوج کش قوموں سے ہاتھاپائی کرنی پڑی۔ اس سال اور اس سے آگے کے سال میں گال کی فوجوں کو اکثر دشمن پر فتوحات حاصل ہوئیں۔ لڑائیوں میں دشمن کے جتنے آدمی قید کئے گئے وہ ایسے اضلاع میں بھیج دئے گئے جہاں عام غارتگری کی وجہ سے مزدوروں کی بالکل کمی ہوگئی تھی۔ پانچویں مدح نامے میں مصنف کے قلم سے ایک عجیب عبارت نکلی ہے۔ اس میں لڑائی کے قیدیوں کا ذکر ہے کہ کس طرح تمام ملک میں وحشی مردوں عورتوں اور بچوں کے گروہ رات دن ایسے مقامات کو کوچ کرتے نظر آتے تھے جو اُن کی سکونت کے لئے اس وقت مقرر کئے گئے تھے اور یہ مقامات وہ تھے جن کو آزادی کے زمانے میں ان ہی وحشیوں نے لوٹا اور تاراج کیا تھا۔ اب یہ لوگ وہاں اس لئے بھیجے جاتے تھے کہ غلاموں کی طرح محنت و مشقت کر کے پھر اُن کو آباد و سیرحاصل بنائیں۔ مصنف اُن وحشی صورتوں کو بیان کرتا ہے جن سے نظر خوب آشنا ہو چکی تھی۔ اور لکھتا ہے کہ یہ جنگلی درندے اب رام ہو کر بہت مسکین اور حکم بردار ہو گئے ہیں۔ ایدوائی کے شہروں میں سرِ بازار اُن کے غول کھڑے رہتے ہیں کہ بطور غلاموں کے مختلف آقاؤں پر تقسیم کر دیئے جاویں۔ باشندگان گال نے اِن وحشی آوارہ گرد لٹیروں سے جو رائن اتر کر رات دن لوٹ مار کرتے تھے نہایت تکلیفیں اور نقصان اُٹھائے تھے۔ چنانچہ مصنف اس موقع پر بہت ہی فخریہ لکھتا ہے کہ وہی کاماوی یا فریزی قوم کا جرمن نژاد جس کی صورت دیکھتے ہی دم فنا ہوتا تھا اب ہماری املاک پر کسانی اور ہل جوتنے کی محنت میں سر کا پسینہ ایڑی پر لاتا ہے اور وہ ہرجائی قزاق اور رہزن جن سے دنیا چیخ اُٹھی تھی اب سیدھے سادے

کاشتکار اور غریب مزدور رہو گئے ہیں جو کھیتوں کی پیداوار شہروں میں بیچنے لاتے ہیں اور پیداوار ایسی بڑھی ہے کہ چیزوں کی قیمت کم ہو گئی ہے۔

پُرانے مورخوں کی تحریروں میں مبالغے سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے جن قوموں کی نسبت لکھا گیا ہے کہ وہ بالکل نیست و نابود کر دی گئی تھیں وہی قومیں اُسی تعداد میں جو پہلے رکھتی تھیں آیندہ زمانہ میں ظاہر ہو کر قتل و غارت میں معروف نظر آتی ہیں۔ اصل یہ ہے کہ کوئی مقام ہو رعایا کو حفاظت اُسی وقت تک میسر تھی جب تک کہ شہنشاہ اور اُس کی فوجیں موقع پر موجود ہوں جس وقت قسطنطیوس سمندر اُتر کر برطانیہ میں پہنچا ہے اور وہ معرکہ پیش آیا ہے جس کے بعد وہ مر گیا تو قوم فرنک پھر گال میں گھس پڑی اور بقول مورخ "پھر امن خلائق میں اُس کو خلل ڈالنے کا موقع مل گیا"[1] اس جملے سے گمان ہوتا ہے کہ شاہان فرنک اسکاریکوس اور ریگائی سوس سے قسطنطیوس کا کوئی عہد و پیمان ہو چکا تھا۔ مگر باوجود اس کے ان بادشاہوں نے رائن اُتر کر گال پر چڑھائی کر دی قسطنطین جو حال میں باپ کا جانشین ہوا تھا فوراً اُن کے مقابلے کے لئے برطانیہ سے واپس آیا۔ یہ نہیں معلوم کہ لڑائی کہاں ہوئی۔ لیکن یہ دونوں فرنگی بادشاہ مع بہت سے ہمراہیوں کے گرفتار ہو گئے۔ اور قسطنطین کے حکم سے تری ویز کی تماشا گاہ میں درندوں کے سامنے ڈال دئے گئے جہاں ان جانوروں نے اُن کو پھاڑ کھایا۔ ذرا خیال کیجئے کہ یہ بے رحمی کی سزا اُس شخص کی تجویز کی ہوئی تھی جس کو ناز تھا کہ وہ روما کے دشمنوں پر بھی رحم کرتا ہے اور اگر کوئی بد سے بد دشمن بھی جان سے مارا جاتا ہے تو اُس کی روح کو صدمہ ہوتا ہے[2]۔ ساتویں مدح نامے میں مصنف کتاب نے حسب ذیل عبارت لکھی ہے:۔

"دشمن جو لڑائیوں میں قتل ہوئے بے شمار تھے۔ بہت سے گرفتار بھی ہوئے اُن کے گلّے اور مویشی یا تو ہم اپنے گھروں کو ہانک لائے یا اُن کو وہیں ذبح کر دیا۔ اُن کے دیہات آگ لگا کر خاک کر دئے گئے۔ اُن کے ایسے جوانوں کو جو مکار و دغا باز تھے اور اس کی صلاحیت اُن میں نہ تھی کہ رومانی فوجوں میں بھرتی ہو سکیں

۵۴

---

[1] قدیم قصائد جلد ۷ صفحہ ۱۴ [2] ایضاً جلد ۱۰ صفحہ ۸

یا ایسے وحشی تھے کہ غلامی بھی نہ کرسکتے تھے اُن کو صحرائی درندوں کے سامنے ڈال دیا اور درندوں نے اُن کو پھاڑ ڈالا۔ یہ لوگ اِس کثرت سے تھے کہ جانور بھی اُن کو مارتے مارتے اور کھاتے کھاتے تھک جاتے تھے۔"[1]

اِس سنگدلی و بے رحمی کے بیان کو پڑھ کر جو الزام کی نظر سے نہیں بلکہ تعریف میں لکھا گیا ہے سمجھ میں آسکتا ہے کہ اقوام فرنگ کے دلوں میں خواہ رائن کے اِس پار کی ہوں یا اُس پار کی "کس درجہ عداوت کا زہر اور بغض و عناد کی نہ بجھنے والی آگ بھری تھی"۔ یہ بھی فصیح مدح خوان لکھتا ہے کہ وحشیوں کی وہ کثرت تھی کہ صدہا قتل کیئے جاتے تھے مگر اِن کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ اِس خبر کے ساتھ یہ اصول بھی بیان فرماتا ہے کہ "دشمن کی جس قوم پر فتح حاصل کرنی ہو اُس کے سربرآوردہ لوگوں کو قتل کردینا چاہیئے[2]۔ اس میں وقت اور تکلیف کی بچت ہو جاتی ہے"۔ ہمارے نزدیک دشمن کو اس طرح قتل کرنے سے محض چند روزہ امن رعایا کو ضرور میسر ہو جاتا تھا۔ لیکن حفاظت کا مستقل ذریعہ وہ قلعے ہو سکتے تھے جو رائن کے کنارے تھوڑے تھوڑے فصل سے بنائے گئے تھے۔ ہم کو مورخ کے اِس قول سے انکار ہے کہ اب یہ قلعے حفاظت کا ذریعہ نہیں رہے تھے بلکہ محض سرحد کی زیبائش کے لئے تھے کولون کے مقام پر قسطنطین نے جو پل بنایا تھا وہ بھی دشمن سے حفاظت ملنے کی غرض سے بنایا تھا۔ مورخ کا یہ خیال غلط ہے کہ سلطنت کی شان یا موقع کی خوبصورتی بڑھانے کے لیئے وہ تیار ہوا تھا۔ جس وقت جنگی کشتیوں کا حال پڑھتے ہیں جو دریائے رائن پر پہرا دیا کرتی تھیں اور یہ بھی پڑھتے ہیں کہ دریا کے منبع سے لے کر دہانے تک فوجیں بٹھادی گئی تھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی حفاظت و پاسبانی میں کس درجہ کوشش کی جاتی تھی۔ اور مغرب کے قیصر یا اغسطس سرحد کی حفاظت میں کیسے سرگرم رہتے تھے۔ اور ایک آزاد جرمانی جس کو جنگلی و وحشی کہا جاتا تھا قیصر یا اغسطس کی نظر میں حقیر و بیچارہ نہ تھا بلکہ بہت وقیع اور قابل لحاظ تھا۔

۵۵

[1] قدیم قصائد۔ جلد ۷ صفحہ ۱۲ + [2] ایضاً جلد ۷ صفحہ ۱۱ +

چوتھا باب

قسطنطین اور اُس کے معاصر

جس زمانے میں قسطنطین ممالک گال۔ ہسپانیہ اور برطانیہ کا حاکم بہ صلح و آشتی مقرر ہوا تھا۔ ایطالیہ کا ملک فتنہ و فساد کا دنگل بن رہا تھا۔ اور ایک غاصب نے اُس پر قبضہ پانے میں پوری کامیابی حاصل کی تھی۔ اوپر آچکا ہے کہ میکسیمیان کی علیحدگی پر عساکر شرقیہ کا ایک افسر یعنی گیلی ریوس کا نہایت معتبر دوست سیویروس عہدۂ قیصری پر منتخب کیا گیا تھا۔ اور جو لشکر پہلے میکسیمیان کی ماتحتی میں تھا اب وہ سیویروس کے تحت میں آگیا تھا۔ میکسیمیان اپنی جگہ سے بطیب خاطر علیحدہ نہیں ہوا تھا۔ علیحدگی سے پہلے جو ملک اُس کے تحت میں تھے اب اُن میں سے ایطالیہ اور افریقہ کا کل انتظام قیصر ہونے کی حیثیت سے سیویروس کے سپرد کر دیا گیا تھا لیکن اُس نے ایطالیہ میں رومۃ الکبریٰ کو اپنا مستقر قرار دینے کی جگہ ایلیریہ کی سرحد پر رہنا اختیار کیا۔ روما کو اس طرح نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ میکسیمیان کے ایک لڑکے ماکسن تیوس نے اس قدیم شہر میں اپنی حق تلفی کی شکایتیں ظاہر کر کے باپ کے منصب حکومت کا دعوےٰ کیا۔

ماکسن تیوس کی نسبت کسی مورخ نے ایک کلمہ بھی تعریف کا نہیں لکھا ہے لکتن تیوس کا بیان ہے کہ وہ اخلاق کا فاسد اور طبیعت کا پست تھا مغرور و متمرد اس درجہ تھا کہ اپنے باپ یا اپنی بیوی کے باپ کا بھی مطلق لحاظ نہ کرتا تھا۔ اور یہ دونوں اُس سے متنفر رہتے تھے[1]۔ اُس کا عقد گیلی ریوس کی ایک لڑکی سے ہوا تھا۔

[1] لکتن تیوس۔ باب ۱۸

باوجود اس قرابت کے جب نئے قیصر مقرر ہونے لگے تو مکسن تیوس کا خیال نہ کیا گیا
اور سیویروس اور میکسیمن دازا کو اُس پر ترجیح دی گئی گو اُس وقت وہ
بادشاہی سے محروم رہا لیکن فوج پریطوریہ کی بغاوت اور باشندگانِ روما کی
عام ناراضی نے جو موجودہ انتظام سے اُن میں پیدا ہوگئی تھی اُس کو بادشاہی کے درجے تک
پہنچا دیا۔ ایک عرصے سے روما کا پرانا اور مقدس شہر رنجیدہ و رشک آمیز نظروں سے
دیکھ رہا تھا کہ اُس کے قدیم السلطنت ہونے کے اعزاز کو کس طرح خاک میں ملایا جاتا ہے
اب رومن شہنشاہوں نے پالاٹین کی پہاڑی پر جو شہر کی حدود میں تھی رہنا چھوڑ دیا تھا
اور ایسے شہر سے غفلت و نفرت اختیار کی تھی جو مقدس دریائے ٹائبر کے کنارے
قدامت سے آباد چلا آتا تھا۔ شہنشاہ دائیوکلیشن نے نیکومیدیا کو اُس پر ترجیح دی تھی
اور شہنشاہ میکسیمیان نے میلان کو اپنا دار الحکومت بنایا تھا۔ روما کا قدیم سامانِ جاہ
وحشم اب تمسخر و استہزاء کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اس غفلت و بے توجہی کے علاوہ
حال میں ایک فرمان اس مضمون کا جاری ہوا تھا کہ آیندہ سے ایطالیہ کا ملک بھی
مردم شماری کے قاعدے سے مستثنٰی نہ رہے گا۔ اور وہ کیوانی زمین بھی باج گیروں کے
مطالبے سے آزاد نہ رہے گی جو تقدس میں فلک ہفتم کی ہم رتبہ تھی۔

لکتن تیوس کا یہ اعتراض کہ روما سے مردم شماری کا قاعدہ متعلق کرنے میں
گیلی ریوس کے لالچ و بخل کی سب سے واضح مثال ملتی ہے بناوٹ سے
خالی نہیں۔ یہ مورخ اس شخص کی نسبت لکھتا ہے کہ "وہ دنیا کو نگلے جاتا تھا"
اور حرص ایسی دامنگیر تھی کہ خالص رومانیوں کی گردن میں بھی طوقِ غلامی ڈالنے سے
نہ چوکا لیکن ہمارے نزدیک ایطالیہ کے لوگوں پر اس قاعدے کے لگانے میں
اُس نے ہرگز انصاف کا خون نہیں کیا۔ روما کو محصولوں سے بری رکھنا سرکاری
مالیئے کے حق میں نہایت غلط کارروائی تھی۔ اس کے معنی یہ تھے کہ باقی دنیا کے ساتھ
سخت بے انصافی کی جاتی ہے۔ اس طرح بری رکھنے کی غرض محض یہ تھی کہ
ایطالیہ والوں کو خواہ مخواہ سب میں بزرگ و مفتخر مانا جاوے۔ اور اُن کی دولت کو
بے جا طریقوں سے ترقی دی جاوے محصولات کا قانون جاری کرنے کے علاوہ
گیلی ریوس نے فوج پریطوریہ کے بہت سے حصے کو برطرف کر دیا۔ یہ فوج

خاص شاہان روما کے گھر کی فوج سمجھی جاتی تھی۔ اور اُس کا مقام ہمیشہ روما کا شہر تھا جہاں روما کے شہنشاہ رہا کرتے تھے۔ اب چونکہ شہنشاہوں کے دربار روما سے اُٹھ گئے تھے اِس لئے پریطوریان کے قائم رکھنے کی ضرورت بھی رخصت ہوئی تھی۔ اور جو صرف کثیر اِس فوج کی تنخواہ اور اُس کی سکونت کی عمارات پر ہوتا تھا وہ بھی بالکل فضول ہو گیا۔ اِن ہی وجوہ سے گیلی ریوس نے اِس فوج کے بہت سے دستے برخاست کر دیئے۔ اِس برخاستگی سے یہ ثابت ہو گیا کہ روما سے شہنشاہ کی غیر حاضری چند روزہ نہیں ہے۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے اور یہ کہ دارالحکومت کا بدل دینا کسی شہنشاہ کے ذاتی شوق و رغبت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ سیاسی ضرورتوں کی وجہ سے وہ پیش آیا ہے۔

اِس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ فوج پریطوری اِن حکموں کو سن کر اور تبدیلیوں کو دیکھ کر کسی قدر برہم ہوئی ہوگی۔ تین سو برس سے وہ تمام رومانی لشکر میں فوجوں کی سرتاج سمجھی جاتی تھی۔ اُس کے جوانوں کی تنخواہیں بھی اور سپاہیوں سے زیادہ تھیں۔ اور بہت سی رعایتیں بھی خصوصیت کے ساتھ اُس کو حاصل تھیں۔ شہنشاہوں کو تخت پر بٹھانا اور تخت سے اتار دینا بھی مدتوں اسی کا کام رہا تھا۔ سلطنت کی قسمت کا فیصلہ بھی بار بار اُسی کے ہاتھوں رہا۔ اُس کی حکایات ماضیہ جو اُس کے ساتھ ہمیشہ سے منسوب چلی آتی تھیں ایسی تھیں جن کے سننے سے غرور اور نخوت کو ترقی ہو۔ مگر اِس مدت مدید میں ایک مرتبہ بھی اِس فوج کو کسی جنگی معرکے میں شرکت کی نوبت نہیں آئی تھی۔ زیادہ سے زیادہ معرکہ آرائی اُسکی یہ رہ گئی تھی کہ شہر میں اگر کوئی ہنگامہ ہو تو اُس کو فرو کر دے مگر اب حالت ایسی زبوں ہوئی تھی کہ محض قلم کی ایک حرکت سے اُس کے تمام حقوق دیرینہ پر پانی پھر گیا۔ ایسی حالت میں بغاوت پر اشتعال دینے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ سب کے دلوں کی حالت ایک سی ہو رہی تھی۔ پس جب ماکسن تیوس کی شکایتیں سنی گئیں تو سب نے مل کر اُس کو ارغوانی لباس شاہی پیش کیا جسے اُس نے نہایت خوشی سے قبول کر لیا۔ یہ بھی کہیں پڑھنے میں نہیں آتا کہ پریطوریون کے علاوہ جو لوگ شہر میں رہتے تھے اُن کو ماکسن تیوس سے کچھ اختلاف تھا۔ پس جب

پریٹوریوں کا افسراعلیٰ ابی لیوس مرگیا تو ماکسن تیوس بلاجنگ وجدال رومانکا مالک بن بیٹھا مگر باوجود اس کے اُس کی حالت خطرے سے خالی نہ تھی۔ اولاً یہ کہ کوئی لشکر اُس وقت تک اُس کے پاس نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ جانتا تھا کہ گیلی ریوس یا سیویروس کبھی اُس کی حکومت تسلیم نہ کریں گے میک سیمیان یعنی اُس کے باپ کے لشکر پر سیویروس نے قیصر ہوتے ہی افسری حاصل کرلی تھی۔ سیویروس کو منصب قیصری گیلی ریوس کی بدولت ملا تھا اس لئے یہ دونوں بڑے دوست تھے چنانچہ جب ماکسن تیوس نے روما پر قبضہ پایا تو گیلی ریوس نے اپنے دوست کو لکھا کہ فوراً روما پر چڑھائی کردو۔ ماکسن تیوس نے سوچا کہ اب خیر اسی میں ہے کہ باپ کے لشکر کو جو سیویروس کی ماتحتی میں چلا گیا ہے کسی طرح لالچ دے کر توڑ لیا جاوے چنانچہ اسی قصد سے اُس نے ایک خلعت شاہی اپنے باپ میک سیمیان کو بھیجا کہ آپ اپنی جگہ پر آکر اغسطس کے اختیارات قبول فرماویں میک سیمیان نے فوراً یہ درخواست منظور کرلی۔ یہ اپنے دوست دائیوک لیشن کی طرح سلونہ کے محل میں بیٹھا باغبانی میں مصروف نہیں رہتا تھا بلکہ کمپانیہ کے ایک مکان میں اپنی گذری ہوئی شان وشوکت پر غم وغصہ کھایا کرتا تھا۔ پس جب اُس کے لڑکے نے اُس کو طلب کیا تو اُس نے فوراً بہت شوق سے روما کی شہنشاہی قبول کرلی۔ کچھ اس نیت سے نہیں کہ لڑکے کی مدد کریگا۔ بلکہ اس لیئے کہ ایک قائم مقام اغسطس درجہ اول کی حیثیت قائم ہوجائیگی۔

سیویروس یہ خبر پاتے ہی کہ میک سیمیان روما میں شہنشاہ بن بیٹھا ہے جزیرہ نمائے ایطالیہ کے شمالی حصے میں داخل ہوا اور وہاں سے سیدھا روما کی طرف جنوب میں بڑھا۔ اور روما پہنچ کر شہر کا محاصرہ کرلیا۔ مگر یہاں یہ مشکل پیش آئی کہ اُس کی فوج کے لوگ اُس کو چھوڑ چھوڑ کر اپنے گھروں کو چلنے شروع ہوئے۔ زوسیموس مورخ لکھتا ہے کہ سب سے پہلی فوج جس نے اُس کا ساتھ چھوڑا موری تانیہ والوں کی تھی جو ابھی افریقہ سے تازہ دم آئی تھی۔ جب تمام لشکر میں یہی وبا پھیلنی شروع ہوئی تو سیویروس

۵۹

حصار اُٹھا کر راوینہ کے علاقے میں چلا آیا تاکہ گیلی ریوس سے جو ایلیریا میں رہتا تھا نزدیک ہو جاوے۔ مگر میکسیمیان اور ماکسن تیوس نے بڑھ کر راوینہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور اب سیویروس سے یہ غلطی ہوئی کہ حریفوں کے فقرے میں آکر جلد حصار سے باہر نکل آیا۔ اگر چند روز اور انتظار کر لیتا تو گیلی ریوس ضرور اُس کو کمک بھیجتا یا خود اُس کی مدد کو آتا کیونکہ سیویروس کے ساتھ اُس کا اقبال بھی معرض خطر میں تھا حصار سے نکل کر دشمنوں کے کہنے سے وہ پھر روما کی طرف اس قصد سے چلا کہ اگر اُس کی عزت و آبرو قائم رکھنے کا وعدہ کیا گیا تو وہ قیصر کے عہدے سے دست بردار ہو جاویگا۔ لیکن جب اپیا کی سڑک پر چلتے چلتے اُس مقام پر پہنچا جس کو "ترتبنتی" کہتے تھے تو وہاں دشمنوں نے گرفتار کر کے اُس کو پابہ زنجیر کر دیا۔ اور اب ماکسن تیوس و میکسیمیان نے صرف اتنی رعایت اُس کے ساتھ منظور کی کہ اپنی موت کے لئے جو طریقہ پسند کرنا چاہئے وہ پسند کرے سیویروس دشمن کے قبضے میں تھا مجبور ہو کر خود ہی نشتر سے اپنے ہاتھ پاؤں کی رگیں کھول دیں اور اسی طرح ختم ہو گیا۔ موت کا یہ سہل طریقہ اس سخت زمانے میں بہت اچھی موت سمجھا جاتا تھا[1]۔

اس آسان فتح سے جو سیویروس پر حاصل ہوئی ظاہر ہوتا ہے کہ اب تک لشکر میں اپنے آقائے سابق یعنی میکسیمیان کی وفاداری کا خیال قائم تھا اب گیلی ریوس نے اس شکست اور اپنے دوست کی موت کا بدلا لینے کے لیئے ایک بڑا لشکر لے کر ایطالیہ پر چڑھائی کی سیویروس کی طرح یہ بھی سمت شمال سے ایطالیہ میں داخل ہوا۔ لیکن جس وقت روما سے ساٹھ میل ادھر نارینا کے مقام پر پہنچا تو مع لشکر کے قیام کر دیا۔ حالانکہ آگے بڑھنے میں اب تک کوئی مزاحم نہیں ہوا تھا اس قیام کی وجہ یقینی یہی تھی کہ گال سے قسطنطین کے ارادے کا حال معلوم کرنا ضروری تھا کیونکہ اس زمانے میں اُس نے گال کی سرحد پر ایک بڑا لشکر فراہم کر لیا تھا اور آگے بڑھنے نہ بڑھنے کے لئے واقعات کا منتظر تھا۔

---

[1] لکتن تیوس۔ باب ۲۶ ۔

قسطنطین اور گیلی ریوس بھی کچھ دوستی کا دم نہ بھرتے تھے۔ اگر قسطنطین نے کوہسار البہ سے اتر کر ایطالیہ پر لشکر کشی کردی اور گیلی ریوس کی طرف اپنی فوجیں بڑھائیں تو پھر گیلی ریوس دو دشمنوں کے بیچ میں آجاتا تھا۔ مورخ زوسیموس لکھتا ہے کہ گیلی ریوس کو اپنی فوج کی خیرخواہی میں بھی شبہ تھا۔ لیکن زیادہ تر قیاس یہ ہے کہ گیلی ریوس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ میک سیمیان اور ماکسن تیوس سے قسطنطین کا ملاپ ہوتے ہی وہ ایطالیہ سے نکل کھڑا ہوگا میک سیمیان اس وقت تمام اطراف و جوانب میں اپنے لیئے اور اپنے لڑکے کے لیئے دوستی کے عہد و پیمان لینے کی کوشش کر رہا تھا سلونہ کے گوشہ نشین شہنشاہِ سابق یعنی دائیوک لیشن سے بھی میل ملاپ کی تحریک کر رکھی تھی مگر اُس نے مطلق توجہ نہ کی۔ دائیوک لیشن کو اگر صاحبِ حکومت بننے کی تمنا بھی ہوتی تو بھی گیلی ریوس سے مخالفت کرنی مشکل تھی کیونکہ دائیوک لیشن ایلیریا کے ایک شہر میں رہتا تھا اور ایلیریا کا علاقہ براہ راست گیلی ریوس کی ماتحتی میں تھا۔ غرض دائیوک لیشن سے تو کچھ کام نہ چلا لیکن قسطنطین سے معاملہ کرنے میں میک سیمیان کو بخوبی کامیابی ہوگئی۔ چنانچہ پہلے اپنی لڑکی فاستہ کا عقد قسطنطین سے کردیا اور پھر داماد کو گیلی ریوس پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ جس وقت گیلی ریوس کو ان نئے تعلقات کی خبر لگی فوراً ایطالیہ سے لشکر اُٹھا کر ایلیریا کو واپس آیا اور راستے میں اُن اضلاع کو جو دریائے پو کے پار واقع تھے آگ اور تلوار سے جی کھول کر تباہ کیا۔

گیلی ریوس کی اس مہم کے متعلق عجیب عجیب قصے بیان ہوئے ہیں۔ لکتن تیوس لکھتا ہے کہ اُس نے ایطالیہ پر چڑھائی اِس غرض سے کی تھی کہ مجلس روما یعنی سینات کو فنا اور روما کے لوگوں کو قتل کرڈالے لیکن ایطالیہ کے جس شہر کے سامنے پہنچا شہر والوں نے شہر کے دروازے بند کرلیئے۔ اب اُس کو یہ بھی خیال ہوا کہ جس قدر فوج ساتھ آئی ہے وہ روما کے محاصرے کے لئے کافی نہیں ہے۔ لکتن تیوس ایک مقام پر بہت سادہ لوح بن کر کہتا ہے کہ "گیلی ریوس نے روما کا شہر کبھی سے پہلے

دیکھا نہ تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ جس قدر اور شہر نظر سے گذرے ہیں شاید روما اُن سے
کچھ بڑا ہو۔ یہ سچ ہے کہ گیلی ریوس کورا سپاہی تھا مگر اس کو اتنا ناواقف بھی
نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ روما کے قلعوں اور فصیلوں سے یا گرد وپیش کے مقامات سے
بالکل لاعلم تھا۔ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ گیلی ریوس کی فوجوں کو اس میں تردد ہوا کہ
خسر کا ساتھ دے کر داماد سے لڑنا درست ہے یا نہیں۔ گویا عداوتوں میں بھی
اریسٹ کا قانون چلتا تھا کہ ایک کے ہوتے دوسرا ترکے سے محروم رہ جاوے۔
اس کے علاوہ یہ پس وپیش بھی تھا کہ روما کے ارباب سیف سے ہو کر کیونکر
غیرت قبول کرے کہ خود روما پر جو اُن کا مایۂ ناز ہے حملہ آور ہوں۔ اور اب لکٹن تیوس
زور بیان میں آکر اس تختۂ تصویر پر اپنے موقلم سے کور کسر پوری کرنے کے لیئے
ایک تصویر اور نقش کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ گیلی ریوس اپنے سپاہیوں کے
قدموں کے قریب آکر گھٹنوں پر جھک کر کہتا ہے کہ دیکھو وقت پر دھوکا نہ دینا
وفادار رہے تو بڑے انعام واکرام دوں گا۔ لیکن ہم گیلی ریوس کی اِس
تصویر کو صحیح نہیں مان سکتے۔ ایک مورخ نے جس کا نام تحقیق نہیں یہ بھی
لکھا ہے کہ نارنیا میں پہنچ کر گیلی ریوس نے میک سیمیان سے صلح کی ۶۲
گفتگو کرنی چاہی۔ مگر میک سیمیان نے التفات نہ کیا۔ اِس بیان سے
احتمالات کا خون اِس درجہ نہیں ہوتا جس درجہ لکٹن تیوس کے خُبثِ باطن سے
ہوتا ہے کہ جوشِ عداوت میں بے پروا ہو کر جو چاہا لکھ مارا۔ بہرکیف گیلی ریوس کی
واپسی کی صاف صاف وجہ وہ ہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی یعنے یہ کہ
قسطنطین نے میک سیمیان سے سازش کر کے اُس کی لڑکی سے
عقد کر لیا اور گال کی سرحد پر ایک بڑا لشکر لے کر اِس تاک میں بیٹھ گیا کہ
موقع پاتے ہی ایطالیہ میں داخل ہو گیلی ریوس سے دست وگریباں
ہو جاوے۔ گیلی ریوس نے اِس مقابلے کو مناسب نہ سمجھا۔ اور اِس لیئے
اپنی فوجیں ایطالیہ سے باہر نکال لایا۔ اور واپسی کے وقت کسی نے
اُس کا تعاقب نہیں کیا۔
جب میدان خالی ہو گیا تو میک سیمیان اور ماکسن تیوس ایطالیہ

مطلقاً قابض ہو گئے۔ اِن دونوں سے قسطنطین کے مراسم بالکل صاف تھے لیکن باپ اور بیٹے کے تعلقات میں صفائی نہ تھی۔ مورخوں نے اِن دونوں کو نفرین کیا ہے۔ یوتروپیوس باپ کی نسبت لکھتا ہے کہ "وہ بدخو و بدعہد جفاکار و مفسد تھا۔ تہذیب نام کو نہ رکھتا تھا" اور ریلیوس وکٹر لڑکے کی نسبت لکھتا ہے کہ "اُس کو کبھی کسی نے اچھا نہ سمجھا یہاں تک کہ اُس کے باپ نے بھی اُس کو اچھا نہ جانا"۔ زمانے کے رسوا کرنے والوں نے یہاں تک ثابت کرنا چاہا کہ وہ میک سیمیان کا لڑکا ہی نہ تھا بلکہ ایک ذلیل شامی کی اولاد سے تھا۔ میک سیمیان کی بیوی نے اس کو اپنا بچہ بتا کر خاوند کے سر تھوپ دیا تھا۔ کثرت رائے اسی طرف تھی کہ باپ بیٹے میں جو نزاع جلد شروع ہو گیا۔ درحقیقت اُس میں زیادتی باپ کی طرف سے ہوئی تھی جو ایک بڑا سازشی فتنہ جو بیقرار اور اور شریر طبیعت کا آدمی تھا۔ کم سے کم روما کے شہر میں لشکر کے لوگ ماکسن تیوس ہی کو اپنا سردار مانتے تھے۔ مگر لشکر فی الواقع ایک ہی تھا اِس لئے شہر میں دو شہنشاہوں کی گنجائش نہ تھی۔ لکتن تیوس لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ میک سیمیان نے تمام لشکر اور روما کے باشندوں کو ایک جلسے میں بلا کر موجودہ خرابیوں کے متعلق ایک طولانی تقریر کی اور اپنے لڑکے ماکسن تیوس کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ اتنا کہکر ارغوانی چادر جو شہنشاہی کی علامت تھی ماکسن تیوس کے کندھے سے گھسیٹ لی۔ مگر با وجود اس حرکت کے میک سیمیان کو یہی دیکھنا پڑا کہ ماکسن تیوس کو فوج والوں نے قتل نہیں کیا بلکہ اُس کو اپنے دامن عاطفت میں لے لیا۔ اور اُلٹا میک سیمیان کو ذلیل و خوار ہو کر روما سے اس طرح نکلنا پڑا جیسے کسی زمانے میں مغرور تارکوئین کو روما سے شہر بدر ہونا پڑا تھا۔

اِن حالات کے تفصیلی اسباب چاہے قابل یقین ہوں یا نہ ہوں مگر اس نتیجے میں شبہ نہیں کہ میک سیمیان شہر روما سے بلکہ جزیرہ نمائے ایطالیہ سے نکلوا دیا گیا۔ اس کے بعد وہ مدتوں آوارہ گرد رہا۔ یہاں تک کہ موت نے خاتمے کو پہنچا دیا۔ اِس آوارہ گردی میں معلوم ہوتا ہے کہ

۶۳

وہ سب سے پہلے گال پہنچا۔ اور اپنے داماد قسطنطین سے پناہ کا طلبگار ہوا
یہاں کے قیام میں اُس نے گیلی ریوس سے خط و کتابت کی۔
گیلی ریوس اِس وقت اِس کوشش میں تھا کہ سلطنت میں جس قدر
اغسطس پیدا ہو گئے ہیں اُن میں مل کر کام کرنے کا کوئی طریقہ
جس کے سب یکساں پابند ہوں نکالنا چاہیئے۔ چنانچہ اُس نے
دریائے ڈینیوب کے کنارے کارنن تم کے شہر میں ایک عظیم الشان
جلسہ کیا اور دائیوک لیشن کو بھی اُس میں مدعو کیا۔ میک سیمیان بھی
اِس جلسے میں حاضر ہوا اور گیلی ریوس کا ایک پرانا دوست لائی سی نیوس
جو لڑائی کے میدان میں مدتوں اُس کے ساتھ رہا تھا اور اب اُس کی
نیابت بھی کرتا تھا جلسے میں شریک ہوا۔ اِس جلسے میں جن امور پر بحث
ہوئی اُن کا حال ہم تک مطلق نہیں پہنچا۔ لیکن دائیوک لیشن کے
مدعو کیئے جانے سے یہ بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ گیلی ریوس اپنے
اغسطس سابق کا بہت پاس و لحاظ رکھتا تھا۔ چونکہ جس سیاسی انتظام میں
بالفعل مشکلیں پیدا ہوئی تھیں وہ دائیوک لیشن کا ایجاد کردہ تھا۔ اِس لیئے
گیلی ریوس نے چاہا کہ وہی اِن مشکلوں کو آسان کرنے کی کوئی راہ
بتائے اور کوئی صورت ایسی نکالے کہ یہ گرتی ہوئی عمارت تھم جاوے۔
دائیوک لیشن باوجود اِس کے کہ سلطنت کے کاموں سے علیحدہ ہو کر
گوشہ نشیں ہو گیا تھا پھر بھی سب لوگ اُس کی دانائی اور تجربہ کاری کے
بہت معترف تھے۔ اُس کی تعریف اکثر لوگوں کی زبان پر تھی حتےٰ کہ
سیاتوس ستایش نامے کے مصنف نے بھی اِس جلسے کے تین برس بعد
قسطنطین کے دربار میں جبکہ وہ شہنشاہی کے رتبے کو پہنچ چکا تھا
دائیوک لیشن کی تعریف و توصیف کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ
قسطنطین کے تعلقات دائیوک لیشن سے دوستانہ تھے ورنہ درباری
مدح خواں بجائے تعریف کے یا تو مذمت کرتا یا بالکل خاموش رہتا
اور یہ خاموشی بھی بے معنی نہ ہوتی۔ جس عبارت میں تعریف کی گئی ہے

۶۴

وہ یہاں نقل کرنے کے قابل ہے۔
"اُس مدبّر ربّانی صفات کو جس نے سب سے پہلے سلطنت میں دوسروں کو برابر کا شریک بنایا اور جس نے سب سے پہلے خود اپنے سلطنت ہاتھ سے رکھ دیا مطلق افسوس نہ تھا کہ اُس نے ایسا کیوں کیا۔ اور نہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ جس چیز سے خود ہاتھ کھینچ لیا گیا ہو اُس کو ضایع یا تلف کرنا کہ سکتے ہیں۔ فی الحقیقت وہ بڑا مبارک اور سعید شہنشاہ تھا جس کو عزلت گزینی کے زمانے میں بھی تم سے شاہان ذی وقار تعظیم کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ بہت سی سلطنتیں اُس کی معاون و مددگار ہیں اور تمھارے ظلِ حمایت میں وہ خوشی سے زندگی بسر کرتا ہے۔"[۱]

ظاہر ہے کہ اگر معاملاتِ بحث طلب اہم اور نتیجہ خیز نہ ہوتے تو دائیوک لیشن کو کارکنِ تم کی مجلس میں آنے کی تکلیف نہ دی جاتی۔ اور اگر بلایا بھی جاتا تو وہ خود اِس ضعیفی کے عالم میں ایسا دشوار سفر اختیار کرنا گوارا نہ کرتا۔ شہنشاہوں کی اس عجیب مجلس کا صرف ایک یقینی نتیجہ ضرور تحقیق ہوتا ہے اور وہ یہ کہ گیلی ریوس نے ایک اغسطس جس نے قیصر کے درمیانی منصب پر کام نہیں کیا تھا اور مقرر کر دیا۔ یہ شخص لائی سی نیوس تھا۔ اِس کے سپرد ایلریا کی حکومت اور ڈینیوب والی فوجوں کی افسری کی گئی اور طبقۂ اغاسطہ میں جو واقعی حکومت کرتا تھا اُس کو دوسرے درجے پر رکھا گیا۔ یہ بھی خیال ہو سکتا ہے کہ گیلی ریوس کو اب اپنی تندرستی پر بھروسہ نہ تھا اور وہ چاہتا تھا کہ اُس کے اُٹھتے ہی لائی سی نیوس اُس کی جگہ پر اغسطس ہو جاوے۔ اس میں صاف کوشش یہ تھی کہ نظم سیاست جس کا موجد دائیوک لیشن تھا اپنے ابتدائی طرز پر آجاوے۔ خلاصہ کارروائی اِس مجلس کی اگر یہ سمجھی جاوے تو دور از قیاس نہ ہوگا کہ دائیوک لیشن اور میک سیمیان بدستور مستعفی اغاسطہ میں شمار کیے جاویں اور گیلی ریوس اور لائی سی نیوس دونوں اغاسطۂ کارکن

۶۵

[۱] "قدیم قصائد" ۷۔ ۱۵۔

اور قسطنطین اور میک سیمین دا ازا درجۂ قیصری پر رہیں۔ اِس میں ذرا شبہ نہیں کہ مجلسِ کارنن تم میں میک سیمیان کی شرکت اِسی نیت سے تھی کہ اس وقت دریا چڑھاؤ پر ہے اپنا جال بھی پھینکنا چاہئے شاید کچھ ہاتھ لگ جاوے۔ لکتن تیوس[1] تو یہاں تک لکھتا ہے کہ اِس موقع پر میک سیمیان نے گیلی ریوس کو ہلاک کرنے کی ایک تدبیر سوچی تھی۔ بہرکیف جب کوئی بات نہ چلی تو وہ مایوسی اور غصے سے مجبور ہو کر جلسے سے رخصت ہوا۔ حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے اِس دائمی فتنہ پرداز اور رجاء پرست بڈھے کی اِس امید کو سہارا نہیں دیا کہ وہ بھی سلطنت کے کسی حصے میں صاحبِ حکومت ہو جاویگا۔

اب ماکسن تیوس کا حال معلوم کرنا ہے جو ایطالیہ اور افریقہ پر قابض ہو گیا تھا۔ اگر مجلس کارنن تم کے مجوزہ انتظام کی شکل وہی تھی جو ہم نے اوپر بیان کی ہے تو حاضرینِ مجلس نے قصداً ماکسن تیوس کی طرف توجہ نہیں کی ہوگی۔ اور اس کو غاصبِ سلطنت سمجھ کر یہی سوچ لیا ہوگا کہ کاراسیوس کی طرح ایک دن موقع پاتے ہی اُس کو بھی نکال دیا جائے گا۔ لکتن تیوس کی ایک عبارت سے بھی اِس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ یہ مصنف لکھتا ہے کہ میک سیمین دا ازا کو جو گیلی ریوس کا پرانا آوردہ اور اِس وقت مصر و شام کا قیصر تھا جب معلوم ہوا کہ اِس انتظام میں اُس کو نظر انداز کر کے لائی سی نیوس کو درجۂ شہنشاہی پر ترقی دی گئی ہے اور اب لائی سی نیوس اغاسطہ کے طبقے میں دوسرے درجے تک پہنچ گیا ہے تو میک سیمین دا ازا سخت رنجیدہ خاطر ہوا اور اُس نے بہت غصے سے اِس حق تلفی کی شکایت گیلی ریوس سے کی۔ لیکن گیلی ریوس نے نرمی سے جواب دیا۔ میک سیمین نے اور زیادہ سختی سے کام لیا۔ اور تحکمانہ طریقے سے اپنے حقوق کی برتری کا دعوے کر کے گیلی ریوس کے احکام یا عاجزانہ تحریروں کی مطلق پرواہ نہ کی۔ اِس کے آگے لکتن تیوس لکھتا ہے کہ جب میک سیمین کے اصرار اور خود رائی سے وہ تنگ آگیا تو اِس طرح مصالحت

[1] لکتن تیوس۔ باب ۲۹۔

کرنی چاہی کہ اپنے تئیں اور لائی سی نیوس کو بدستور اغسطس رکھ کر میک سیمین اور قسطنطین کو بجائے قیصر کے فرزندانِ اغسطس کا لقب دیا +

لیکن میک سیمن پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اور گیلی ریوس کو لکھا کہ اُس کی سپاہ نے قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور اس کو اغسطس پکار کر سلامی دی ہے۔ جب یہ حال معلوم ہوا تو گیلی ریوس نے نہ صرف میک سیمن کو بلکہ قسطنطین کو بھی پورا اغسطس تسلیم کر لیا۔ یہ کل قصہ لکتن تیوس کا رقم کردہ ہے۔ اس میں یہ امر قابل توجہ ہے کہ ماکسن تیوس کا نام کہیں نہیں آیا ہے۔ گویا اُس کا وجود ہی کسی نے نہیں مانا ہے۔ دائیوک لیشن اور میک سیمیان کا بھی کچھ ذکر نہیں ہے۔ ان دونوں کے نام نہ ہونے پر کچھ تعجب نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں مستعفی شہنشاہ تھے اور اغسطس کا لقب محض اعزازی طور پر اُن کے نام کے ساتھ لیا جاتا تھا۔ البتہ اگر ماکسن تیوس کا نام کارنن تم کی مجلس میں زمرۂ اغاسطہ میں شمار ہوتا اور لکتن تیوس اُس کو چھوڑ جاتا تو تعجب کی بات ہوتی۔ مگر جہاں تک غور کیا جاتا ہے اِس مورخ کے بیان کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ مجلسِ کارنن تم کا فیصلہ سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ دائیوک لیشن کے چہار شاہی طریقۂ حکومت کو پھر جاری کر کے گیلی ریوس۔ لائی سی نیوس۔ میک سیمن اور قسطنطین کو درجاتِ حکومت میں اُسی ترتیب سے جس طرح یہ نام لئے گئے ہیں سلطنت کا فرماں روا سمجھا جاوے۔ لیکن جب میک سیمن نے قیصر کے پرانے خطاب یا فرزند اغسطس کے نئے لقب سے نارضامندی ظاہر کی اور اصرار کیا کہ اُس کو اغسطس مانا جاوے اور اُس کا یہ اصرار مان لیا گیا تو چہار شاہی انتظام سابقہ پھر شکست ہو گیا۔ ۳۰۸ء عیسوی کے شروع میں سلطنت میں سات فرماں روا ایسے تھے جن کا لقب اغسطس تھا اور اُن میں صرف دائیوک لیشن ایسا تھا جو اغسطس کے کام سے سبکدوش ہونے کے بعد زندہ رہا +

کارنن تم سے میک سیمیان گال کو واپس آیا۔ یہاں قسطنطین نے نہایت خوش ہو کر اُس کا استقبال کیا۔ چونکہ کارنن تم کی مجلس نے اُس کو بدستور

۶۷

مستعفی شہنشاہوں میں قائم رکھا تھا اِس لئے مجبور ہوکر وہ اپنے دعووں سے دست بردار ہوا۔ لکٹن تیوس جس کو اپنے دشمنوں کی نیت میں ہمیشہ فساد نظر آتا ہے لکھتا ہے کہ میک سیمیان نے یہ دست برداری اِس لئے کی تھی کہ قسطنطین کو زیادہ آسانی سے دھوکا دے سکے۔ لیکن ہم اِس بات کو نہیں مان سکتے۔ میک سیمیان اب محض ایک بلدی کی حیثیت سے زندگی بسر کرتا تھا۔ نہ اُس کے پاس کوئی لشکر تھا اور نہ کوئی شاہی منصب بجز اِس نام کے کہ وہ شہنشاہ رہ چکا تھا اور کسی طرح کی عزت نہ رکھتا تھا۔ اِس میں مطلق شبہ نہیں کہ یہ دوسری مرتبہ کی دست برداری بھی پہلی مرتبہ کے استعفے سے کچھ کم تذبذب کے بعد اختیار نہیں کی گئی۔ مگر حالت مجبوری کی تھی۔ سوائے اِس کے کوئی چارہ نہ تھا۔ قسطنطین کے پاس جاکر رہنے کا باعث یہ نہ تھا کہ اُس کو دھوکا دینے کی نیت پہلے ہی سے کر لی ہو بلکہ چونکہ اپنے لڑکے ماکسن تیوس سے دشمنی ہوگئی تھی اِس لئے داماد کے گھر رہنا شروع کیا کہ وہاں پناہ بھی ملیگی اور بسر اوقات بھی ہوتی رہے گی۔ ساتویں ستائش نامے کا مصنف لکھتا ہے کہ قسطنطین نے اُس کو تمام وہ اعزاز دیئے جو اُس کے مرتبے کے شایاں تھے۔ اصطبل شاہی پر اُس کو مطلقاً اختیار دے دیا۔ اپنے تمام ملازموں کو ہدایت کردی کہ میک سیمیان کی عزت بھی اُسی طرح کریں جیسے اپنے اُسطس کی کرتے ہیں یہ مصنف لکھتا ہے کہ اِس وقت عام شہرت یہ تھی کہ ارغوانی لباسِ شاہی تو قسطنطین پہنتا ہے لیکن شاہی اختیارات بالکل میک سیمیان کے قبضے میں ہیں۔ پس اِس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطین کو میک سیمیان کا اعتبار تھا اور مطلق خوف نہ تھا کہ وہ اُس کو کبھی دھوکا دیگا +

لیکن اِس اعتبار کو جاتے دیر نہ لگی۔ اقوامِ فرنک نے اِس زمانے میں پھر سر اُٹھایا اور گال پر چڑھائی کی دھمکی دی۔ قسطنطین اس وقت آرل میں تھا۔ فوراً فوج لے کر شمال کی جانب بڑھا۔ اور آرل میں میک سیمیان کو نظمِ حکومت کے لیئے چھوڑ گیا۔ اس وقت قسطنطین کے ساتھ اُس کی پوری فوج نہ تھی چلتے وقت

۶۸ اُس کا بڑا حصہ آرل کے قرب و جوار یعنی جنوبی گال میں چھوڑ دیا تھا تا کہ ماکسن تیوس کے مقابلے میں سرحد کی حفاظت کرتا رہے۔ لکتن تیوس کو اِس واقعے سے انکار معلوم ہوتا ہے۔ بہرکیف میک سیمیان نے اتنا توقف کر کے کہ قسطنطین دریائے رائن سے پار اُتر جاوے۔ یہ خبر مشہور کر دی کہ اُس نے فرنک سے شکست کھائی اور لڑائی میں مارا گیا۔ اِس ترکیب سے میک سیمیان نے گویا اب تیسرے بار حکومت حاصل کر لی۔ سرکاری خزانوں پر قبضہ کر لیا اور جس قدر فوجیں جنوبی گال میں موجود تھیں اُن کی سپہ سالاری اختیار کی۔ اور اُن کو پُرانی خیرخواہیاں یاد دلا کر انعام و اکرام دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن اِس غصب حکومت میں جو بڑی کامیابی اِس وقت ہوئی تھی وہ محض چند روزہ ثابت ہوئی۔ جُوں ہی اِس دغا بازی کی خبر قسطنطین کو ہوئی فوراً سرحد کے معاملات جس حال میں وہ تھے اُسی حال میں چھوڑ کر آرل کو واپس آیا۔

فوج کو نقل و حرکت میں رکھنے کی قدر و قیمت قسطنطین کو معلوم تھی کہ ہر وقت کی معیت سے اہل فوج میں اپنے سردار کے ساتھ کس قدر جوش وفاداری برقرار رہتا ہے۔ چنانچہ اِس موقع پر کُل فوج نے سالارِ فوج کے معاملے کو اپنا ذاتی معاملہ تصور کر لیا۔ اِس وفاداری کا حال ساتویں ستایش نامے کی ایک عبارت[1] سے معلوم ہوتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب رائن سے آرل کی طرف کوچ ہونے لگا تو سفر خرچ کی ایک خاص رقم سپاہیوں کو پیش کی گئی مگر اُنھوں نے یہ کہہ کر اُس کے لینے سے انکار کیا کہ "اِس سے ہماری رفتار میں فرق پڑے گا۔ جو تنخواہ ہم کو مل رہی ہے وہ بھی ہماری ضرورتوں سے زیادہ ہے"۔ اِس سے پہلے کبھی پڑھنے میں نہیں آیا تھا کہ رومانی فوج کو روپیہ دیا گیا ہو اور اُس نے روپیہ لینے سے اس وجہ سے انکار کیا ہو کہ اُن کی رفتار میں خلل پڑیگا۔ یہی مصنف آگے لکھتا ہے کہ دریائے رائن سے اتر کر آرل تک

[1] باب ۱۸۔

پہنچنے میں فوجوں نے کہیں دم نہیں لیا۔ اور ایسی کڑی منزل مارنے پر بھی آگے چلنے کو تازہ دم تھیں۔ جس وقت شالون (کابیلونم) کے مقام سے فوج کے لوگ کشتیوں پر سوار ہوئے تو اس اضطراب میں کہ جلد پہنچ کر اس دغاباز میک سیمیان کی خبر لیں اُن کو دریا کی موج اور کشتیوں کی رفتار بہت سست معلوم ہوئی۔ اور گھبرا گھبرا کر کہنے لگے کہ ہم تو جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے ہیں۔ آگے بڑھتے نہیں معلوم ہوتے۔ جب رون کے تیز رفتار دریا میں کشتیاں پہنچیں تو بھی اُن کی بے صبری کا یہ حال تھا کہ سست رفتاری کی شکایت ہر وقت زبان پر تھی۔ غرض اس خوش بیان مصنف کے نزدیک قسطنطین کے ساتھ اُس کی فوجوں کا جوش وفاداری ایسا کچھ تھا جو اوپر بیان ہوا۔ آخر کار جب یہ فوجیں آرل میں پہنچیں تو معلوم ہوا کہ میک سیمیان بھاگ کر مارسیلس کے متحصن شہر میں قلعہ بند ہو گیا ہے۔ اب اُس کے قبضے سے وہ حکومت نکل گئی جس کو دغابازی سے لیا تھا۔ اور اُن فوجوں نے بھی جنھوں نے اُس کی اطاعت پر حلف اُٹھائے تھے یہ سنتے ہی کہ قسطنطین کے مرنے کی خبر جھوٹ سنائی گئی تھی اپنے حلف توڑ دیئے۔ اور سب لوگ میک سیمیان سے منحرف ہو گئے۔ یہاں تک کہ جو فوجیں اس وقت مارسیلس میں تھیں وہ بھی قسطنطین کی منتظر ہو گئیں کہ اُس کے آتے ہی شہر کے دروازے کھول دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لکتن تیوس پھر یہاں رنگیں بیانی سے لکھتا ہے کہ ”قسطنطین فصیل کے نیچے کھڑا میک سیمیان کو اُس کی ناحسانمندی پر سخت وسست کہتا ہے اور فصیل کے اوپر سے میک سیمیان قسطنطین پر نفریں و ملامت کی بوچھار کرتا ہے“۔ ایک اور خوش بیان مورخ جس کا نام دریافت نہیں ہو سکا لکھتا ہے کہ ”جب سیڑھیاں لگائی گئیں اور وہ فصیل کی چوٹی تک نہ پہنچیں تو ایک سپاہی دوسرے سپاہی کے کندھوں پر چڑھ کر اوپر پہنچا“۔ یہ سب بیان بہت صاف اور دلکش ہیں۔ لیکن یقین کے قابل نہیں۔ جو صحیح واقعات اِن مشکوک بیانات سے نکلتے ہیں وہ صرف اس قدر ہیں کہ مارسیلس کا شہر بغیر محاصرے کے فتح ہو گیا اور جب میک سیمیان قسطنطین کے قبضے میں آ گیا تو اُس کو ہر قسم کے اعزازی خطابات اور حقوق سے محروم کر دیا گیا۔

۶۹

مگر اُس کی جان کو سلامتی بخشی گئی۔

اب یہاں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ کیا اِس غصبِ حکومت میں میکسیمیان اور ماکسن تیوس نے باہمی سازش کر لی تھی؟ کیا اِن دونوں باپ بیٹوں نے اپنے پرانے جھگڑے اِس لیئے طے کر لیئے تھے کہ دونوں مل کر اپنی فوجیں قسطنطین کے مقابلے پر لائیں؟ اُس زمانے کے بعض لوگوں کا خیال یہی تھا کہ اِس کارروائی میں باپ بیٹے دونوں مل گئے تھے۔ چنانچہ للکتن تیوس لکھتا ہے[1] کہ یہ خیال عام تھا کہ ماکسن تیوس سے میکسیمیان کی عداوت ایک ظاہری اور بناوٹ کی بات تھی۔ اُس کی غرض یہ تھی کہ جو مکر و کید کی تدبیریں قسطنطین یا اور قیاصرہ سے مقابلہ کرنے کی میکسیمیان نے سوچ رکھی ہیں اُن میں بخوبی کامیابی ہو سکے۔

اِس عام خیال سے جو اوپر بیان ہوا للکتن تیوس نے پہلے تو بالکل اختلاف کیا ہے لیکن آگے چل کر کہتا ہے کہ میکسیمیان کی اصلی غرض یہ تھی کہ ماکسن تیوس اور دیگر قیصروں و شہنشاہوں کو ختم کر کے خود اور دائیوک لیشن کو شہنشاہ بنائے۔ لیکن للکتن تیوس کا یہ خیال ایسا ہے جو اُس کے لیئے بھی غیر معمولی کہا جا سکتا ہے۔ اولاً تو یہ کہ خانہ نشینی کے زمانے میں دائیوک لیشن کی جس قدر خواہشوں کا علم ہم کو ہو سکا ہے وہ اِس قیاس کے خلاف پڑتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ ماکسن تیوس اور دیگر قیصروں و شہنشاہوں کو ختم کر دینے کا خیال اِس طرح بیان ہوا ہے کہ گویا وہ ایک ایسا آسان کام تھا جو ایک سپاہی کو اشارہ کر دینے سے فوراً نکل سکتا تھا۔ غرض یہ خیال کہ پھر خود اور دائیوک لیشن شہنشاہ بن کر بیٹھیں درست نہیں معلوم ہوتا۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ میکسیمیان نے ماکسن تیوس سے اِس مضمون کی خط و کتابت شروع کر دی تھی کہ اب باہمی مصالحت ہو جانی چاہیئے اور اِس مصالحت کے صلے میں میکسیمیان اُن فوجوں سے ماکسن تیوس کی مدد کرنے کو تیار ہے جس کو اُس نے قسطنطین سے دھوکا دے کر توڑ لیا ہے لیکن قسطنطین کی واپسی نے کل معاملہ درہم برہم کر دیا۔ ورنہ میکسیمیان نے صورت بہت خطرناک پیدا کر دی تھی۔ رائن سے آرل تک

[1] "مرگِ جفاکاران" باب ۲۹

قسطنطین کا ایسی تیزی سے واپس آنا بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ صورت نہایت نازک پیدا ہو چلی تھی۔
میک سیمیان اب اِس ذلت و خواری کے بعد زیادہ زندہ نہیں رہا۔ یہ امر یقینی ہے کہ اُس کی موت سخت ہوئی۔ لیکن جن واقعات کے ساتھ یہ موت پیش آئی وہ مشکوک ہیں۔ لکتن تیوس نے اُس کی موت کے حالات بہ تفصیل بیان کیئے ہیں۔ لیکن اگر یہ تفصیل مشرقی مورخوں کے انداز پر نہ کی گئی ہوتی تو زیادہ یقین کے قابل ہوتی۔ وہ لکھتا ہے کہ میک سیمیان جب اپنی حقیر و ذلیل حالت سے بالکل ہی بیزار ہو گیا تو اُس نے قسطنطین کو ہلاک کرنا چاہا۔ اور اپنی بیٹی فاستہ کو سمجھایا کہ اگر ایک کام میں مدد کرے گی تو قسطنطین سے بھی اچھا شوہر اُسکو کرا دیا جائے گا۔ اور وہ کام یہ ہے کہ قسطنطین کی خوابگاہ پر رات کے وقت جو لوگ پہرا دیتے ہیں اُن کو کسی حیلے سے وہاں سے ہٹا دیا جاوے۔ فاستہ نے یہ سب کچھ سُن تو لیا مگر کل حال قسطنطین سے کہدیا۔ قسطنطین نے فوراً ایک خواجہ سرا کو حکم دیا کہ رات کو ہمارے پلنگ پر جا کر سوئے۔ جب رات زیادہ گئی تو میک سیمیان اُٹھا اور پہرا داروں سے یہ کہکر اندر جانے کی اجازت حاصل کر لی کہ ابھی میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس کو قسطنطین سے اِسی وقت بیان کرنا ضروری ہے۔ جس وقت قسطنطین کے پلنگ کے پاس پہنچا تو تلوار کھینچ کر سونے والے کا سر تن سے جُدا کر دیا۔ اور کمرے سے باہر آکر فخریہ کہنا شروع کیا کہ میں نے قسطنطین کو جان سے مار دیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں دیکھا کہ قسطنطین ایک مسلح جمیعت لیئے مقابلے کو آرہا ہے۔ موقع پر پہنچتے ہی مقتول خواجہ سرا کی لاش باہر نکلوائی گئی۔ اور میک سیمیان اقراری مجرم کی طرح دم بخود جیسے ماؔرپیسیوس پہاڑ کا چٹان ہو سب کے سامنے سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔ آخر کار قسطنطین نے اُس کی دغابازی پر اُس کو بہت سخت و سست کہا اور اجازت دی کہ اپنی موت کا طریقہ جو پسند کرنا ہو وہ پسند کر لے۔ یہ حکم سن کر میک سیمیان جیسا کہ ورجل نے اپنے ایک شعر میں لکھا ہے "ایک اونچے شہتیر سے شرمناک موت کا پھندا گلے میں ڈال کر کُودا" اور اِس طرح پھانسی دے کر اپنا خاتمہ کیا۔
لکتن تیوس نے میک سیمیان کی موت کا قصہ جس طرح بیان

کیا ہے اِس سے زیادہ کسی واقعے کی شرح کرنی ممکن نہیں لیکن اگر موت اِسی طریقے سے ہوئی تھی تو یہ ممکن نہ تھا کہ اور مورخ بھی اِس واقعے کو اِسی طرح بیان نہ کرتے۔ یوسی بیوس اپنی کتاب "تاریخ کلیسا" میں صرف اتنا لکھتا ہے کہ میک سیمیان اپنا گلا گھونٹ کر مر گیا۔ اور یلیوس وکٹر لکھتا ہے کہ اُس کا ہلاک ہونا انصافاً درست تھا۔ ساتویں ستائش نامے کا مصنف بیان کرتا ہے کہ قسطنطین نے اُس کی جان بخش دی تھی مگر اُس نے خود اپنے تئیں اِس رعایت اور مہربانی کا مستحق نہ سمجھا اور خودکشی کر لی[1]۔ مورخ یوترو پیوس جس نے بہت کچھ لکتن تیوس سے اخذ کیا ہے لکھتا ہے کہ میک سیمیان اپنے جرائم کی سزا کو پہنچا۔ پس ہم کو اِس میں شبہ نہیں کہ قسطنطین نے اُس کی موت کا حکم ضرور سنایا اور جس طرح ماکسن تیوس نے سیویرس کو حکم دیا تھا اسی طرح قسطنطین نے میک سیمیان کو حکم دیا کہ طریقۂ موت جو پسند ہو اُس کو اختیار کرے۔ میک سیمیان نے جس طرح بھی مرنا قبول کیا ہو مگر سرکاری طور پر یہی شائع کیا گیا ہوگا کہ اُس نے خودکشی کی۔ اُس زمانے کے لوگوں کو اُس کی موت پر جس طریقے سے وہ پیش آئی سُن کر ضرور صدمہ ہوا ہوگا۔ لیکن بالعموم لوگوں کو یہی تسلیم کرنا پڑا ہوگا کہ سزائے موت اُس کے حق میں انصافاً درست تھی۔

۷۴

[1] قدیم تصانیف ـــ ۷ ، ۲۰ ۔

۷۳

پانچواں باب

ایطالیہ پر فوج کشی

دائیوک لیشن کو اپنے پرانے ہم جلیس میک سیمیان کی سخت موت پر ضرور تشویش و پریشانی ہوئی ہوگی۔ کچھ عرصے سے اس کو یہ خیال رہنے لگا تھا کہ آج کل کے قیصروں اور شہنشاہوں کا ٹھیک نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی میری فکر میں ہو کہ یہ بڈھا بہت دن جی چکا۔ اب اس پر بھی ہاتھ صاف کرنا چاہیئے۔ مگر جب تک گیلی ریوس کا اقبال سامنے تھا دائیوک لیشن کو اپنی جان کا اندیشہ نہ تھا۔ لیکن ۳۱۱ عیسوی میں گیلی ریوس بھی دنیا سے چل بسا۔ جلوس کا اٹھارواں برس تھا کہ ایک کریہہ و لاعلاج مرض میں مبتلا ہوا۔ لکتن تیوس نے مرض کی تفصیل بہت خوش ہو ہو کر لکھی ہے اور دکھایا ہے کہ مرض الموت میں اس شہنشاہ کی تکلیفیں درحقیقت عتاب الٰہی کی نشانیاں تھیں۔ سرطان کی ترقی کو درجہ بدرجہ بیان کر کے لکھا ہے کہ "اس سڑے ہوئے زخم کی بدبو نہ صرف محل میں بلکہ محل سے نکل کر شہر میں بھی پھوٹ نکلی تھی۔ شدت تکلیف میں مریض کی چیخیں کانوں کے پار ہوتی تھیں۔ بار بار عیسائیوں کے خدا کو پکارتا تھا کہ بس اب رحم کر۔ مگر جس خدا کو پکارتا تھا وہ اُن کا خدا تھا جن پر اُس نے بڑے بڑے ظلم کیئے تھے۔ کرب کی حالت جب بہت بڑھتی تھی تو عہد کرتا تھا کہ جس قدر جور و ستم کیئے ہیں اب اُن کے بدلے لطف و کرم کروں گا۔ چنانچہ جب دم نکلنے کو ہوا تو ایک فرمان لکھوایا جس سے عیسائیوں پر ظلم ہونے رُک گئے اور اُن کو اپنے دین پر رہنے کی بالکل آزادی مل گئی۔ اس فرمان کی نسبت جو میلان والے فرمان کا پیش خیمہ تھا ہم آگے بحث کریں گے۔

۷۴

اس وقت یہ بتا دینا کافی ہوگا کہ اپریل ۳۱۱ عیسوی میں یہ حالت نزع والا فرمان جاری ہوا جس کے چند روز بعد خود موت کو مریض پر رحم آیا اور اُس نے ہمیشہ کی

تکلیف سے اُس کو نجات دی۔

گیلی ریوس کے مرنے سے دائیوک لیشن کے طویل حکومت کو جس کی عمارت پہلے ہی سے بوسیدہ ہو رہی تھی اور بھی صدمہ پہنچا۔ گیلی ریوس کا قصد تھا کہ بیس برس سلطنت کرکے وہ بھی دائیوک لیشن کی طرح مستعفی ہو جائے۔ اور اپنے سے کسی کم عمر آدمی کے لیئے جگہ خالی کردے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اگر زندگی وفا کرتی تو وہ ایسا ہی کرتا۔ کتب تواریخ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والی نسلوں نے اُس کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ لکٹن تیوس جو اُس کا بڑا ہی مُوذی دشمن تھا لکھتا ہے کہ گیلی ریوس ایک بڑا بے درد و بے رحم خونی جلّاد تھا۔ زیر دستوں کو ہر وقت خوف و بیم کی حالت میں رکھتا تھا اُس کے قول و فعل۔ صورت و شکل سے رعایا پر ہمیشہ ایک ہیبت چھائی رہتی تھی۔ بادشاہِ عجم نارسیز پر جو فتح اُس کو ہوئی تھی وہ لکٹن تیوس کے نزدیک ہرگز قابل وقعت نہ تھی کیونکہ ایرانی سپاہیوں پر سامان اِس قدر لدا ہوا تھا کہ وہ لڑ نہیں سکتے تھے۔ اور اسی وجہ سے اُن پر آسانی سے فتح ہوگئی۔ اِس مورخ نے عیسائیوں پر جس قدر ظلم ہوئے تھے اُن کا بڑا باعث بھی گیلی ریوس ہی کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے کہ یہی وہ شخص تھا جس نے دائیوک لیشن کو غصہ دِلا کر اُن ظالمانہ فرامین پر دستخط کروا دیئے جو عیسائیوں کے خلاف جاری ہوئے۔ ایک الزام یہ بھی لگاتا ہے کہ گیلی ریوس ہی نے نیکومیدیا کے شاہی محل میں آگ لگائی تھی تاکہ دائیوک لیشن کے دل میں عیسائیوں کی طرف سے خوف پیدا ہو۔ اُسی نے اذیتیں پہنچانے کے لیئے طرح طرح کے طریقے اور آلات ایجاد کیئے تھے لکٹن تیوس نے یہاں تک لکھا ہے کہ گیلی ریوس جب تک آدمی کا خون دیکھ کر اپنی بھوک تیز نہ کرلیتا تھا کھانا کھانے نہ بیٹھتا تھا۔ غرض کہ اِس عیسائی مورخ نے گیلی ریوس کی جو تصویر کھینچی ہے اُس سے کوئی شخص یہ خیال نہیں کرسکتا کہ وہ ایک وجیہہ مرد میدان اور ایک لائق و جفاکش شہنشاہ تھا جو ایک نہایت روشن ضمیر اسپراطور کا جانشین ہوا تھا اور جو جیتے جی اپنے شہنشاہِ مورث کا ہمیشہ دل سے خیرخواہ رہا۔ یوتروپیوس نے یہ بات بڑے انصاف کی کہی ہے۔ کہ گیلی ریوس ایک پابندِ اصول

مدبر اور ہر معرکے کو انجام تک پہنچانے والا سپہ سالار تھا۔ اس پر اوریلیوس نے عیب و صواب کو زیادہ واضح کرکے تصویر کے خط و خال کو اس طرح مکمل کیا ہے کہ گیلی ریوس ہر قسم کی تعریف و توصیف کا مستحق تھا۔ گو ناتراشیدہ و غیر تعلیم یافتہ تھا مگر طبیعت میں انصاف رکھتا تھا۔ وجیہ و خوبصورت تھا اور فنون جنگ کا نہایت قابل اور خوش قسمت ماہر تھا۔ معمولی پیدل کی حیثیت سے وہ اس بلند مرتبے پر پہنچا تھا۔ لڑکپن میں مویشی چرایا کرتا تھا اور اسی وجہ سے آرمن تاریوس کا لقب تمام عمر اس کے نام کے ساتھ لگا رہا۔ اس ناتراشیدہ مگر چست و ہوشیار پانونی کی زندگی ایسے سخت و دشوار کاموں میں بسر ہوئی تھی کہ اس کو تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا وقت نہ ملا تھا۔ وہ پانونیہ کا رہنے والا تھا اور یہ ملک وہ تھا جس کی نسبت ایک شاہی مؤرخ سرانے لکھا ہے کہ " وہاں زندگی سے مراد صرف لڑنا اور مرنا۔ سر توڑنا اور تڑوانا تھا "۔

مرنے سے پہلے لائی سی نیوس کو اس نے اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ لیکن جب گیلی ریوس کا دم نکلا ہے تو لائی سی نیوس علاقہ پانونیہ میں سرحد کے کسی دور دراز مقام پر تھا۔ اس وقت گیلی ریوس کا لشکر ایشیا میں پڑا تھا۔ اس وجہ سے لشکر کی افسری فوراً اختیار نہ کر سکا۔ کیونکہ پانونیہ کو چھوڑنا اس وقت مصلحت نہ تھا۔ اس اثنا میں میک سیمین داز ا یعنی شام و مصر کے اغسطس نے گیلی ریوس کی موت کی خبر پاتے ہی نیکومیدیا کا قصد کیا تاکہ سب چیزوں کو اپنے اختیار میں کر لے۔ قدامت ملازمت کے لحاظ سے اغسطس درجۂ اول ہونیکا حق میک سیمین کو بہ نسبت لائی سی نیوس کے زیادہ حاصل تھا۔ غرض لائی سی نیوس ابھی یورپ ہی میں تھا کہ میک سیمین شام سے چل کر جبل طارس کو طے کرتا ہوا بتھی نیا میں داخل ہوا۔ اور رعایا کا دل رکھنے کے لیئے اس علاقے سے مردم شماری کا قاعدہ اٹھا دیا۔ خیال ۷۷ یہ تھا کہ یہ دونوں شہنشاہ بغیر لڑے اپنے معاملے کا تصفیہ نہ کریں گے۔ لیکن ان میں مصالحت ہوگئی۔ اور یہ قرار پایا کہ ان کی عملداریوں میں دردانیال (ہیلس پونٹ) اور بحر مارمورہ حد فاصل سمجھے جاویں۔ اس طرح میک سیمین نے تیزی اور ہوشیاری سے کام لے کر اپنی عملداری کی حدود وسیع کرلیں۔ اور ۳۱۲ عیسوی کے شروع میں سلطنت کا

مشرقی حصہ جو کل سلطنت کا نصف تھا لائی سی نیوس اور میک سیمن میں تقسیم ہو گیا۔ اور مغربی حصے میں برطانیہ عظمیٰ۔ ہسپانیہ اور گال پر قسطنطین اور ایطالیہ اور افریقیہ پر ماکسن تیوس حکمراں رہے۔

مجلس کارنن تم میں اغاسطہ نے چاہے ماکسن تیوس کو فرمانروا تسلیم کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر جس زمانے میں کہ گیلی ریوس نارنیا سے اپنی فوجیں ہٹا کر ایطالیہ سے باہر آ گیا ہے اُس زمانے سے اب تک ماکسن تیوس بدستور ایطالیہ کا مالک رہا۔ افریقیہ میں البتہ ایک سپہ سالار نے جس کا نام اسکندر تھا اور جو بقول زوسیموس ایک بُزدل پیر کہن سال فریجیا کا رہنے والا تھا ماکسن تیوس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ ماکسن تیوس نے فوراً اپنے ایک نائب کو لکھا کہ اس باغی کی سرکوبی کی جاوے۔ چنانچہ اسکندر پر حملہ کیا گیا اور وہ گرفتار ہو گیا۔ اور گرفتار ہوتے ہی اُس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ یہ بغاوت بذات خود ایسی نہ تھی کہ اُس کو اور بغاوتوں میں ممتاز سمجھا جاتا لیکن اُس کو شہرت اس وجہ سے حاصل ہو گئی کہ اس موقعے پر افریقیہ کے شہروں کو غارت کرنے میں نہایت سختی اور بے دردی سے کام لیا گیا تھا۔ قرطاجنہ اور قرطہ کے شہروں کو لُوٹ کر برباد کر دیا۔ دیہات ویران کر دیئے۔ شہروں کے بہت سے رئیس قتل ہو گئے اور اِن مقتولوں سے کہیں زیادہ ایسے لوگوں کا شمار تھا جن کی نوبت گداگری تک پہنچا دی گئی تھی۔ افریقیہ کی بربادی اس موقعے پر ایسی سخت ہوئی کہ تمام رومانی دنیا میں ماکسن تیوس کے خلاف ایک غُل پڑ گیا۔ تم کو یاد ہوگا کہ پریطوریوں کی سرپرستی اور رومۃ الکبریٰ کے قدیم حقوق کی حفاظت کا دم بھر کر ماکسن تیوس نے ایطالیہ کی حکومت شروع کی تھی۔ شروع میں جو شہرت یا نیک نامی اُس کو حاصل ہوئی وہ تھوڑے ہی عرصے میں جاتی رہی۔ اور وہ بہت جلد ایک ظالم و خونریز خودسر حاکم بن گیا۔ پرانا زمانہ ایسا تھا جس میں بہت سی ناصواب باتیں عیب میں داخل نہ تھیں مگر باوجود اس کے ماکسن تیوس کی سیہ کاریاں نہایت شرمناک اور حد سے گذری ہوئی تھیں۔ یوسی بیوس نے سفرونیہ کا قصہ لکھا ہے کہ یہ ایک عیسائی کی نیک بخت بیوی تھی۔ جس وقت ماکسن تیوس کے دربان اُس کے گھر آئے کہ اِس عفیفہ کو محل میں لے چلیں تو وہ خنجر مار کر مر گئی تاکہ اِس بدکار بادشاہ سے

اپنی آبرو بچالے۔

اگر ماکسن تیوس کی نسبت اوباشی و بدکاری کا الزام محض عیسائی مصنف یا قسطنطین کے درباری مدح نویس لگاتے تو اُن کے بیان کو شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا کیونکہ ایک بُت پرست رومانی بادشاہ کا جس کے پاس تخت رہا ہو نہ تاج کون دوست رہ سکتا تھا۔ لیکن زوسیموس نے بھی جو خود بُت پرست تھا لکھتن تیوس کی طرح اِس بادشاہ پر سختی سے اعتراض کیئے ہیں۔ جولیان نے اپنی کتاب "ضیافتِ قیاصرہ" میں جہاں اور مشاہیر عالم کو ایک ضیافت میں شریک کیا ہے ماکسن تیوس کو اِس وجہ سے شریک نہیں کیا کہ وہ ذی عزت لوگوں کے قریب بیٹھنے کے لائق نہ سمجھا جاتا تھا۔ اور ریلیوس وِکٹر لکھتا ہے کہ یہ پہلا فرمانروا تھا جس نے اراکینِ مجلس روما سے بڑی بڑی رقمیں مُلکی ضرورتوں یا عطائے منصب و خطابات کے حیلے سے نذرانے میں وصول کیں۔ اور اِس خیال سے کہ کسی نہ کسی اغنسطس سے ایک نہ ایک دن لڑنا پڑیگا اُس نے بہت سا غلہ اور زرِ نقد جمع کیا۔ مگر باقی باتوں میں آج کے سوا کل کی فکر نہ کی کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ آج کے بعد دوسرا دن دیکھنا کسے معلوم ہے۔ نویں ستایش نامہ کا مصنف لکھتا ہے کہ بُت خانوں کا مال و متاع بھی یہ بادشاہ چھین کر رکھا گیا سینات یعنے مجلسِ روما کے اراکین کو قتل کیا اور روما کے لوگوں کو ایسا تنگ دست کر دیا کہ اُن پر فاقہ کشی کی نوبت پہنچ گئی۔ پریطوری فوج جس نے اُس کو تخت پر بٹھا کر اُس کی حکومت کو برقرار رکھا اب شہر پر فرمانروائی کرتی تھی۔ زوسیموس لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ شہر میں آگ لگی تو بخت و دولت کی دیبی کا مندر جل گیا۔ ایک پریطوری سپاہی نے جو مندر کے جلنے کا تماشا دیکھ رہا تھا اِس دیبی کی شان میں کوئی بے ادبی کا لفظ کہا۔ لوگ جو پاس کھڑے تھے اُنھوں نے بُرا مانا اور سپاہی پر حملہ کیا۔ وہاں اور فوجی بھی موجود تھے اُنھوں نے اپنے ساتھی کی مدد کی۔ اور اِس طرح بڑھتے بڑھتے شہر کے لوگوں اور پریطوریوں میں ایک سخت ہنگامہ برپا ہو گیا۔ پریطوری شاید شہر کے ایک آدمی کو بھی زندہ نہ چھوڑتے لیکن بہت مشکل سے کسی طرح بیچ بچاؤ کر دیا گیا۔ اِس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ

۳۰۷ء

ماکسن تیوس کے زمانے میں پریطوریوں کا کیسا زور ہو گیا تھا۔ تمام مورخ یک زبان ہیں کہ جس دن سے افریقہ میں اسکندر فریجیانی کی بغاوت فرو کی گئی تھی۔ روما کے شہر پر بھی نہایت سختی سے حکومت کی جاتی تھی۔ اور شہر کے لوگ نہایت خوف زدہ رہتے تھے۔ اور ماکسن تیوس کو اب پرانے ظالم شاہانِ روما کمودوس اور نیرو سے تشبیہ دی جاتی تھی +

نویں ستائشنامے میں اس ظالم بادشاہ کا خاکہ خوب کھینچا گیا ہے۔ مصنف لکھتا ہے کہ ماکسن تیوس ایک بے عقل اور بے مصرف وحشی درندہ تھا جو محل کی چار دیواری میں کہیں دبکا بیٹھا رہتا تھا۔ ذرا اُس محل نشین شہنشاہ کا تصور کیجیئے جو دولتکدۂ قیصری سے اُٹھ کر سالست کے باغات تک اگر کبھی چلا جائے تو سمجھے کہ آج بڑا سفر کر کے کوئی معرکہ سر کیا ہے مگر جب کبھی سپاہ سے گفتگو کا موقع آئے تو یہ الفاظ فخریہ زبان پر ہوں کہ "سلطنت میں گو میرے شریک اور بھی ہیں لیکن شہنشاہ حقیقت میں مَیں ہی ہوں"۔ باقی جس قدر لوگ ہیں اُن کو میں نے خود ہی سرحد کے انتظام یا لڑائیاں لڑنے کے لیئے مقرر کر دیا ہے۔ پھر فوج کے سامنے اس قسم کی لاف زنی وخودستائی کے بعد یہ تین ہدایتیں کر کے اُسے رخصت کر دے کہ "خوب کھاؤ۔ عیش کرو اور جو کچھ ہو سب اُڑا دو"۔ حقیقت یہ ہے کہ شراب خواری۔ فتنہ پردازی اور بدکاری کے لیئے یہ صلائے عام فوج پریطوری کے اکڑے اینٹھے جوانوں یا اُن سپاہیوں کو بہت بھلی معلوم ہوئی ہوگی جن کو ماکسن تیوس نے دنیا کے ہر گوشے سے بلا بلا کر اپنے پاس نوکر رکھا تھا +

لیکن ان شکایتوں کو حرفاً حرفاً درست نہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ ماکسن تیوس خواہ کتنے ہی عیب رکھتا ہو مگر وہ اس درجہ نالائق اور بدکار نہ تھا جیسا کہ مصنف نے بیان کیا ہے۔ بہرکیف یہاں اتنا ضرور بتا دینا چاہیئے کہ یہی شہنشاہ جس کے لیئے کسی نے ایک کلمۂ خیر بھی نہیں لکھا ہے وہ تھا جس نے عیسائیوں کے گرجا اور عیسائیوں کا مال و اسباب جو دائیوک لیشن اور گیلی ریوس کے فرامین کے مطابق ضبط ہوا تھا۔ عیسائیوں کو واپس کر دیا۔ اس کا ذکر نہ یوسی بیوس نے کچھ لکھا ہے اور نہ لکتن تیوس نے۔ البتہ شنت اُگسطین کی ایک عبارت سے

۷۹

صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائیوں کی جایداد واگذاشت کی گئی تھی۔ سنٹ آگسٹین لکھتا ہے کہ روما کے عیسائیوں کو جس وقت اُن کا قبرستان واپس ملا تو پہلا کام اُنھوں نے یہ کیا کہ اسقف یوسی بیوس کی لاش جزیرۂ صقلیہ سے لاکر اُس میں دفن کی۔ یہ اسقف حالتِ جلا وطنی میں جزیرۂ صقلیہ میں مرا تھا۔ مُلکی معاملات میں بھی ماکسن تیوس کے تعلقات دیگر اغاسطہ سے ایسے نہ تھے جن سے اُس کی بدلیاقتی یا پست ہمتی ثابت ہوتی ہو۔ یہ امر کہ وہ طامع و جاہ طلب تھا تو یہ خصوصیت اکثر رومانی شہنشاہوں اور بالخصوص اُس کے ہمعصر فرمانرواؤں میں ہمیشہ سے موجود تھی۔ اِس وقت سلطنت میں چار شہنشاہ تھے مگر باہم اتحاد نہ رکھتے تھے۔ اور اُن میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو اثر و اقبال میں دوسروں سے کچھ بہت فضیلت رکھتا ہو۔ مغرب میں قسطنطین اور ماکسن تیوس ایک دوسرے سے خائف و بدظن رہتے تھے۔ اسی طرح مشرق میں لائی سی نیوس اور میک سیمن میں باہمی اعتبار نہ تھا۔ جس وقت لائی سی نیوس اور میک سیمن نے دردانیال اور مارمورہ کو اپنی عملداری میں حدِ فاصل قرار دیا تو لائی سی نیوس کے قبضے سے ایشیاء کوچک نکل گیا۔ اِس نقصان کو رفع کرنے کے لیئے اُس نے قسطنطین اعظم گال کو اپنی طرف ملانا چاہا اور یہ فیصلہ ہوا کہ لائی سی نیوس قسطنطین کی بہن قسطنطیہ سے عقد کرلے۔ جب یہ صورت پیش آئی تو میک سیمن داذا نے ماکسن تیوس سے میل ملاپ کی گفتگو کے لیئے ایک سفارت روانہ کی لکتن تیوس نے یہاں ایک عجیب بات یہ لکھی ہے کہ میک سیمن نے ماکسن تیوس کو جو خط لکھا اُس سے معلوم ہوتا تھا کہ اِن دونوں میں بڑی بے تکلفی تھی۔ اور یہ کہ ماکسن تیوس کو مراسمِ دوستانہ قبول کرنے کا ایسا ہی شوق تھا جیسے کہ میک سیمن کو اُن کے پیش کرنے کا۔ ماکسن تیوس اِس سفارت سے بہت خوش ہوا۔ اور سمجھا کہ یہ ایک تائید غیبی ہے۔ کیونکہ قسطنطین کو اُس نے پہلے ہی اشتہار جنگ دے دیا تھا جس کی ظاہری وجہ یہ بیان کی تھی کہ وہ اپنے باپ کے قتل کا بدلا لینا چاہتا ہے۔

جس وقت قسطنطین اور ماکسن تیوس میں لڑائی شروع ہوئی جو دنیا کے

۸۰

آیندہ تمدن کے حق میں نہایت نتیجہ خیز تھی تو سلطنت میں تفریق قوت نے کچھ عجیب شکل پیدا کر رکھی تھی۔ شہنشاہِ اطالیہ و افریقہ یعنے ماکسن تیوس اور شہنشاہِ مصر و شام وایشائے کوچک یعنے میک سیمن متحد ہو کر دریائے ڈینیوب و رائن کے امرائے لشکر یعنے لائی سی نیوس اور قسطنطین سے برسرِ مقابلہ تھے۔ لیکن میک سیمن کا اتحاد ماکسن تیوس سے اور لائی سی نیوس کا اتحاد قسطنطین سے حملے کی مدافعت کی غرض سے تھا نہ کہ خود حملہ کرنے کے لئے۔ لائی سی نیوس اور میک سیمن اپنی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ یہ دونوں برابر کی طاقتیں تھیں۔ اگر طرفین سے ان کو خارج بھی کر دیا جاتا تو بھی اُس طاقت میں فرق نہ آتا تھا جو ماکسن تیوس اور قسطنطین آپس کے جھگڑے میں لڑنے کے لیئے رکھتے تھے۔ پھر بھی قسطنطین اور لائی سی نیوس کا پلہ اس وجہ سے بھاری تھا کہ ماکسن تیوس کو خشکی کی راہ سے کوئی کمک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ماکسن تیوس اور قسطنطین میں لڑائی کے حیلے جو کچھ بھی بیان ہوئے ہوں مگر اصلی سبب لڑائی کا دریافت کرنا کچھ مشکل نہیں۔ ماکسن تیوس کبھی اپنی حکومت کو ایسے باپ کی حمایت میں جس سے اُس کو ہمیشہ نفرت رہی تھی لڑ کر خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ اور نہ قسطنطین محض ایک توہین کا بدلا نکالنے کو اپنا تاج و تخت معرضِ خطر میں ڈالنا گوارا کر سکتا تھا۔ دراصل وجہ لڑائی کی یہ تھی کہ دونوں کو مغربی حصۂ سلطنت پر تنہا حکمرانی کرنے کا دعوے تھا۔ مگر ایک کا دعوے دوسرا کیونکر مان لیتا چنانچہ ایک ہی مقصد کی پیروی میں دونوں کو آمادۂ جنگ ہونا پڑا۔ اور جنگ کا پیش آنا اِس لئے ناگزیر ہو گیا کہ دونوں میں سے ایک نے بھی ایسا مسلک اختیار نہ کیا جس سے لڑائی رُک جاتی۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ قسطنطین اپنے لشکر کا زیادہ تر حصہ جنوبی گال میں صوبۂ آرلات و لگدونم کے قریب سلسلۂ البیہ کے دروں کی حفاظت کے لیئے رکھا کرتا تھا۔ اب یہ دیکھتے ہیں کہ ماکسن تیوس نے بھی اپنا خاص لشکر شمال کے نواح میں سوسہ کے شہر سے لے کر ویرنس کے شہر تک پھیلا رکھا ہے۔ سوسہ میں لشکر اِس لیئے بٹھایا ہے کہ اُس پر قسطنطین حملہ کرنے کو تھا اور ویرنس میں اس لیئے کہ لائی سی نیوس کے حملے کا جواب ہو سکے۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ ماکسن تیوس کا قصد صوبۂ راتیبا کی سمت سے خود گال پر

فوج کشی کرنے کا تھا۔ کیونکہ البہ کے دروں پر قسطنطین نے فوجیں ایسی بٹھا دی تھیں کہ اُن سے گذر کر گال میں داخل ہونا خارج از امکان تھا۔ لکتن تیوس لکھتا ہے کہ ماکسن تیوس نے ایطالیہ میں اس قدر جمیعت فراہم کی تھی کہ افریقیہ میں ایک سپاہی بھی باقی نہ رہا تھا۔

قسطنطین نے اِس موقع پر بہت ہی زود دستی سے کام لیا جس کے لئے وہ ہمیشہ سے مشہور تھا۔ ماکسن تیوس کو اُس کی نقل وحرکت کی پورے طور پر خبر بھی نہ ہوئی اور وہ دریائے رائن سے اپنا لشکر اُٹھا البہ کے دروں سے نکلتا ہوا ایطالیہ میں داخل ہوا اور سوسہ کے شہر پر جس کی شہر پناہ بہت مضبوط تھی حملہ کر دیا۔ قسطنطین اور اُس کے سردار اس بات کو جانتے تھے کہ یہ مہم بہت خطرناک ہے۔ نویں ستائش نامے کا مصنف لکھتا ہے کہ قسطنطین کے افسران لشکر پوشیدہ نہیں بلکہ علانیہ اپنا خوف ظاہر کرتے تھے[1]۔ مشیرانِ دولت۔ رمّال و نجومی جو معیت میں تھے قسطنطین کو روکتے رہے اور کہتے رہے کہ یہ وہی مہم ہے جس میں سیویروس اپنی جان کھو چکا ہے اور گیلی ریوس کو بھی جس سے جان بچا کر ہٹنا پڑا تھا۔ فوج بھی قسطنطین کے پاس زیادہ نہ تھی اور پھر سخت مشکل یہ تھی کہ رائن کی سرحد کو بھی جرمانیہ کی قوموں سے محفوظ رکھنا لوازمات سے تھا۔ اِن کی نسبت خوف تھا کہ میدان خالی دیکھتے ہی دریا اتر کر گال میں پہنچ جائیں گی۔ زوسیموس نے فریقین کی فوجی تعداد کی تفصیل کی ہے[2]۔ وہ لکھتا ہے کہ ماکسن تیوس کے پاس ایک لاکھ ستر ہزار پیدل اور اٹھارہ ہزار سوار تھے۔ جن میں ۸۰ ہزار فوج روما اور اٹلی کی اور ۴۰ ہزار فوج قرطاجنہ اور افریقیہ کی شامل تھی۔ نویں ستائش نامے کا مصنف ایک جگہ اتفاق سے کہہ گیا ہے کہ قسطنطین لشکر گال کا پورا چوتھائی حصہ بھی ماکسن تیوس کی ایک لاکھ فوج کے مقابلے میں نہ لا سکا کیونکہ رائن کی سرحد کی طرف سے وہ مطمئن نہ تھا۔ ہمارے خیال میں جہاں تعداد و شمار کی بحث ہو وہاں پرانے مورخوں کا اعتبار کرنا مشکل ہے۔ صرف اتنا کہنا درست ہوگا کہ ماکسن تیوس کے پاس قسطنطین سے فوج کم تھی۔ اور ایطالیہ پر حملہ کرنے کے لیے قسطنطین کی فوج غالباً چالیس ہزار سے

۸۲

[1] قدیم قصائد۔ ۹/۲ ۔ [2] زوسیموس۔ ۲/۱۵ ۔

کچھ کم تھی۔ ماکسن تیوس کے پاس بلا شبہ فوج زیادہ تھی۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی تھا کہ اگر لائی سی نیوس نے ایطالیہ پر حملہ کر دیا تو اُس کے جواب کی بھی ضرورت ہوگی۔ آیا اِس ضرورت کا لحاظ کرنے پر بھی اُس کے پاس فوج زیادہ تھی اس کے بارے میں کسی مورخ نے غور نہیں کیا۔

قسطنطین کا لشکر پرانی فوجی سڑک سے جو لگدونم سے چل کر کوہستانِ البہ میں درۂ سینس سے نکلتی ہوئی ایطالیہ میں داخل ہوتی ہے کوچ کر کے دفعتاً سوسہ کی شہر پناہ کے سامنے نمودار ہوا۔ شہر کے اندر بہت مضبوط فوج موجود تھی۔ مگر قسطنطین کی فوج شہر کی دیواروں پر سیڑھیاں لگا کر چڑھ گئی اور شہر کے دروازوں کو آگ لگا کر شہر پر قابض ہوگئی۔ جب شہر میں آگ لگی تو قسطنطین نے فوراً آگ بجھانے کا حکم دیا۔ نازاریوس لکھتا ہے کہ اِس آگ کا بجھانا شہر کے فتح کرنے سے بھی زیادہ مشکل نکلا۔ سوسہ کا شہر جب فتح ہو گیا تو قسطنطین نے تیورِن کے شہر پر چڑھائی کر دی۔ یہاں ماکسن تیوس کی فوج سوارہ سے مقابلہ کرنا پڑا۔ جب قسطنطین کے سواروں نے اِس فوج کو میدان سے بھگا دیا تو شہر والوں نے شہر کے دروازے غنیم پر کھول دیئے۔ ماکسن تیوس کے سواروں کا لباس نہایت وزنی تھا۔ گویا سوار اور گھوڑے پر ایک آہنی غلاف چڑھا ہوا تھا۔ صرف بدن کے جوڑوں کے مقابلے میں اِس آہنی پوشش میں چولیں اور قبضے لگے تھے تاکہ مُڑنے میں آسانی ہو۔ اِس کام میں زرہ سازوں نے بڑی کاریگری دکھائی تھی۔ اِن آہن پوش سواروں کا یلغار اِس غضب کا ہوتا تھا کہ سوار یا پیدل جو سامنے آ گئے اُس کا جانبر ہونا ممکن نہ تھا لیکن قسطنطین اپنی فوجوں کو اُن کے مقابلے میں اِس طرح لایا کہ اُن کے دھاوے کا کچھ اثر نہ ہوا اور جب یہ سوار میدان چھوڑ کر تیورن میں پناہ لینے کو بھاگے تو شہر کے دروازے بند ملے۔ یہاں قسطنطین کی فوجیں اُن پر ٹوٹ پڑیں اور ایک کو زندہ نہ چھوڑا۔ جس وقت قسطنطین۔ تیورن کو سر کرکے میلان کے شہر میں پہنچا جو دریائے پو کے پار والے علاقے میں سب سے بڑا شہر تھا تو شہر کے لوگ استقبال کو نکلے۔ ہر طرف سے لوگ خوشی کے نعرے لگاتے تھے۔ میلان کی عورتیں قسطنطین کی صورت

دیکھ کر فریفتہ ہوئی جاتی تھیں۔ لیکن اس فریفتگی میں ان کو اپنی عصمت و آبرو کے نقصان کا اندیشہ نہ تھا جب میلان کے لوگ استقبال کو بڑھے تو اور شہروں نے بھی اپنے وفود فاتح کی خدمت میں روانہ کیئے۔ مورخ زوناروس لکھتا ہے کہ ان وفود سے قبل روما سے بھی چند رئیس یہ درخواست لے کر قسطنطین کے پاس آئے تھے کہ روما چلیئے اور وہاں کے لوگوں کو بھی مصیبت سے نجات دیجیئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دریائے پو کے پار والا علاقہ ہی نہیں بلکہ نواحِ روما بھی قسطنطین نے فتح کر لیئے تھے [1]

بہرکیف ابھی ماژن تیوس کے بڑے لشکر کو جو ایطالیہ کے شمال میں پڑا تھا منہزم کرنا باقی تھا۔ یہ لشکر پومپی اینوس کی ماتحتی میں تھا۔ یہ سپہ سالار جیسا بہادر تھا ویسا ہی آزمودہ کار اور اپنے آقا کا نمک حلال ملازم بھی تھا۔ اس وقت اُس نے ویرونہ کے شہر کے قریب اپنی فوجیں ڈال رکھی تھیں۔ اور ایک بڑا رسالہ سواروں کا پریسنا کی طرف بڑھا دیا تھا۔ تاکہ قسطنطین کے ہراول کو روکے۔ یہ رسالہ قسطنطین سے شکست کھا گیا۔ بہت لوگ مارے گئے۔ جو بچے وہ منتشر ہو کر بھاگے۔ اِس وقت ویرونہ میں پومپی اینوس کی موجودگی کا مطلب اگر یہ سمجھا جاوے کہ شہنشاہِ ایطالیہ کو قسطنطین کے حملے سے بڑھ کر لائی سی نیوس کے حملے کا خوف تھا تو پھر آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ علاقۂ لمبارڈی کو فوجوں سے کیوں خالی رکھا گیا اور علاقۂ وینیشیا میں اس قدر فوجیں کیوں جمع کی گئیں۔ تعجب ہے کہ اس موقعے پر میکسیمین نے اپنے دوست ماکسن تیوس کی مطلق مدد نہیں کی۔ ویرونہ کی شہر پناہ دریائے ادیجے کے کنارے نہایت مضبوط تھی۔ یہ دریا شہر کے تین چوتھائی محیط سے ملا ہوا بہتا تھا۔ قسطنطین نے شہر سے کچھ فاصلے پر اُس کو عبور کیا اور شہر پر پہنچ کر اُس کا باقاعدہ محاصرہ کر لیا۔ پومپی اینوس نے کئی مرتبہ شہر سے نکل کر محاصرین پر ناگاہ حملہ کرنا چاہا مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ آخرکار ایک دن چپکے سے شہر کے باہر نکلا اور دشمن کی

[1] قدیم قصائد — ۹، ۷ ؎

فوجوں میں سے نکلتا ہوا اُس مقام پر پہنچا جہاں کچھ لشکر شہر سے باہر چھوڑ دیا تھا۔ یہاں جس قدر فوجیں ادھر اُدھر پڑی تھیں اُن کو یکجا کیا تاکہ کھلے میدان میں لڑ کر قسطنطین کو محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور کرے۔ اور اب حقیقت میں ایک سخت معرکۂ جنگ برپا ہوا۔ بیان ہوا ہے کہ قسطنطین نے اپنی فوج کو دو صفوں میں آراستہ کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ حریف کی فوج اپنی فوج سے بہت زیادہ ہے اور خوف ہے کہ دونوں پہلوؤں پر حملہ کر کے غلبہ حاصل کرلے تو اُس نے حکم دیا کہ دونوں صفوں کی ایک صف کر دی جاوے تاکہ فوج دور تک پھیلی نظر آوے۔ اور آج لڑائی میں قسطنطین ایسی جگہ جہاں لڑائی شدت سے ہو رہی تھی بار بار اس طرح پہنچتا تھا "جیسے پہاڑ کی ندی زور شور میں پہاڑ سے اُترے اور کنارے کے درختوں کو پھاڑتی چیرتی بڑے بڑے پتھروں اور چٹانوں کو اپنے ساتھ لڑھکاتی بہالے جاوے"۔ جس شخص نے یہ حالات نقل کیے ہیں اُسی نے وہ منظر بھی بیان کیا ہے جبکہ لڑائی ختم کر کے قسطنطین اپنے لشکر میں پہنچتا ہے اور اُس کے سردار استقبال کو دوڑتے ہیں قسطنطین پسینے میں ڈوبا ہوا ہانپ رہا ہے اور خون کی بوندیں اُس کے ہاتھوں سے ٹپک رہی ہیں۔ یہ دیکھتے ہی بڑے بڑے سردار اور افسر آنکھوں میں آنسو بھر لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آقا آپ نے یہ کیا غضب کیا۔ جس کی ذات سے تمام دنیا کی امیدیں وابستہ ہوں اُس کو اِس طرح اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالنی چاہیئے۔ "دشمن کو اپنی تلوار سے ہلاک کرنا یا لڑائی کی محنت سے پسینے پسینے ہو جانا شہنشاہوں کا کام نہیں ہے"[1]۔ اِن رنگین بیانیوں کو چھوڑ کر مختصر اور سیدھی عبارت میں یہ کہنا چاہیئے کہ قسطنطین اپنی فوجوں کا سردار بنا ہوا اُس دن لڑائی میں بڑی بہادری سے لڑا اور لڑائی جیت بھی گیا۔ پومپی اینوس اِس معرکے میں مارا گیا۔ ویرونہ نے اپنے دروازے کھول دیئے۔ فاتح کے ہاتھ آج قیدی اور ہتیار اِس کثرت سے آئے کہ سلح سازوں کو تلواریں گلا کر بیڑیاں اور ہتھکڑیاں بنانے کا حکم دیا گیا۔ مصلحتاً شہر کو لوٹنے کی اجازت نہیں دی۔ اِس مہربانی سے شہر کے لوگ اُس کے

[1] قدیم قصائد۔ ۹۰۹

خیر خواہ ہو گئے۔ ایکوئیلیا اور وینیشیا کے اور شہروں کو بھی اسی طرح پناہ دی گئی اور ان شہروں نے ویرونہ کے فتح ہوتے ہی قسطنطین کی اطاعت قبول کر لی۔

جب ایطالیہ کا پورا شمالی حصہ ماکسن تیوس کے قبضے سے نکل گیا تو قسطنطین روما کی طرف بڑھا۔ راستے میں اس غنیم کا کوئی مزاحم نہیں ہوا۔ کرہ اپی نائن تک پہنچنے پر بھی ماکسن تیوس مقابلے پر نہ آیا۔ امبریا کے درّوں پر مطلق پہرا نہ تھا۔ تمام مورخ اس خیال میں یک زبان ہیں کہ ایطالیہ کے شہنشاہ کو اب سوائے مرنے کے اور کسی بات کا انتظار نہ تھا۔ اور جیسے پہلے کسی زمانے میں ظالم بادشاہ نیرو کا حال گذرا تھا ماکسن تیوس نے بھی اپنے تاج و تخت کو دشمن سے بچانے میں مطلق حس و حرکت نہیں کی۔ نویں ستائش نامے کا مصنف لکھتا ہے کہ ماکسن تیوس بادشاہوں کا لباس پہنے مگر دل میں غلاموں کی طرح ڈرتا اور کانپتا ہوا اپنے محل میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ خوف سے اس کے حواس معطل تھے۔ کیونکہ پروردگار عالم کی حکمت الٰہی اور روما کے "اقبال سرمدی" نے اس سے منہ موڑ کر اب اس کے حریف پر نظر التفات کی تھی۔ مورخ لکھتے ہیں کہ قسطنطین کے آنے سے چھ دن پہلے ماکسن تیوس مع اپنی بیوی اور لڑکے کے محل سے نکلا اور شہر کے ایک معمولی مکان میں جا رہا۔ محل اس لیئے چھوڑ دیا تھا کہ رات کے وقت ان مظلوموں کی روحیں جن کے ساتھ جرائم کیئے گئے تھے محل کے کمروں میں پھرتی چلتی نظر آتی تھیں اور خواب میں یہ صورتیں ایسی ہیبت ناک معلوم ہوتی تھیں کہ وہ ان کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

قسطنطین شمالی ایطالیہ سے فلامینی کی راہ اختیار کر کے اطراف جنوب میں بہت تیزی کے ساتھ بڑھا۔ اور ویرونہ فتح کرنے کے دو مہینے بعد سالسار و برا کے مقام پر پہنچ گیا جو روما سے صرف ۹ میل کے فاصلے پر تھا۔ قسطنطین کی فوجیں لڑائی کے لیئے ہر وقت تیار اور فتح کی طرف سے بالکل مطمئن رہنے کی عادی تھیں۔ اب یہاں ماکسن تیوس کی فوجیں مقابلے کے لیئے صف بستہ ملیں جس موقعے پر یہ فوجیں کھڑی کی گئی تھیں شاید کوئی احمق یا مجنون ہی ایسا موقع لڑائی کے لیئے تجویز کر سکتا تھا۔ قیاس یہ ہے کہ ماکسن تیوس نے روما کے باشندوں کا اعتبار نہیں کیا اور اس لیئے اوریلیان کی شہر پناہ میں محصور ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنا

۸۶

مناسب نہ سمجھا۔ اور یہ سمجھ کر کہ لڑنا ضروری ہے اُس نے فوج کو حکم دیا کہ ٹائیبر اُتر کر لڑنے کے لئے تیار ہو۔ شکست کی صورت میں یہاں سے بھاگ نکلنے کے دو ہی راستے تھے ایک ملویائی کے پل سے تھا اور دوسرا کشتیوں کے پُل سے جو بہت کمزور اور ملویائی کے پُل سے دائیں یا بائیں جانب تھا۔

مورخ لکھتے ہیں کہ لڑائی کی ہار جیت کے وقت ماکسن تیوس کا ارادہ عین موقع پر موجود رہنے کا نہ تھا۔ وہ شہر میں اپنی سالگرہ کا جشن معمولی جلسوں اور کھیل تماشوں کے ساتھ کرتا رہا۔ اور بظاہر کہتا رہا کہ قسطنطین اگر سر پر پہنچ بھی گیا تو کیا پروا ہے۔ مجھ کو اُس کا مطلق خوف نہیں ہے۔ یہ حال دیکھ کر شہر کے لوگوں نے اُس کی نامردی پر لعنت و ملامت شروع کی۔ اور ہر طرف سے یہ نعرہ بدشگونی کا بلند ہونے لگا کہ قسطنطین کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔ جب ان نعروں کا شور زیادہ ہوا تو ماکسن تیوس پر خوف طاری ہوا اور اُس نے ساحرہ سیبلا کی کتابیں طلب کیں اور اُس میں فال دیکھنے کا حکم دیا۔ ان کتابوں سے خبر نکلی کہ آج ہی کے دن روما کا دشمن مارا جائیگا۔ یہ خبر ایسی تھی کہ خبر دینے والا کسی پہلو سے بھی نقصان میں نہ رہتا تھا۔ جو کوئی بھی مارا جاتا وہی روما کا دشمن تصور کیا جا سکتا تھا۔ ایسی خبروں میں اکثر یہی دیکھا گیا تھا کہ فال دیکھنے والا مارا جاتا تھا۔ لیکن لکتن تیوس لکھتا ہے کہ اس فال سے ماکسن تیوس کی ہمت بندھی اور وہ فوراً ہتیار لگا کر گھوڑے پر سوار ہوا اور شہر سے باہر آیا۔

۸۷ لڑائی کا نتیجہ پہلے ہی حملے پر معلوم ہو گیا قسطنطین نے گال کا رسالہ لے کر ماکسن تیوس کے سواروں پر دھاوا کیا۔ گال کے سوار فتح کے عادی تھے اور اُن کو اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ دھاوا ہوتے ہی ماکسن تیوس کے سواروں کی صفیں ٹوٹنے لگیں اور وہ منتشر ہو کر میدان سے بھاگے۔ صرف پریطوریوں نے بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا اور جہاں جمے تھے وہیں لڑ کر کٹ گئے۔ یہ وہ جانتے تھے کہ ہم ہی نے ماکسن تیوس کو تختِ روما کا مالک بنایا تھا۔ اُس کے خاتمے کے ساتھ ہمارا بھی خاتمہ ہے۔ پریطوری تو اس وقت جان سے ہاتھ دھو کر لڑنے میں مصروف تھے مگر باقی سپاہ خوف زدہ ہو کر پُلوں کی طرف

بھاگ رہی تھی۔ بھاگنے والے اِس کثرت سے تھے کہ ملویائی کے پُل پر آدمیوں کی کثرت سے راستہ بالکل رُک گیا۔ نہ کوئی آگے بڑھ سکتا تھا نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا۔ اور اب قسطنطین کی فوجوں نے جو مفرورین کا پیچھا کرتی تھیں قتل کا بازار گرم کیا۔ کشتیوں کا پُل اول تو یوں ہی کمزور تھا مگر اب کسی دغاباز نے اُن سہاروں کو کاٹ دیا جن پر وہ قائم تھا۔ اور جب آدمیوں کی اُس پر کثرت ہوئی تو وہ ٹوٹا۔ تمام مورخ لکھتے ہیں کہ اِس موقعے پر قتل و غارت کی انتہا نہ رہی تھی۔ ہزارہا بھاگنے والے ٹائبر کے دریا میں گر کر ڈوب گئے۔ ان ہی میں شہنشاہ ایطالیہ ماکسن تیوس بھی تھا۔ یا تو خوف زدہ بھاگنے والوں کی ریل پیل میں آ کر یا دوسری طرف کے کنارے پر چڑھنے میں جو بہت اونچا تھا سنبھل نہ سکا اور دریا میں گر گیا۔ چونکہ بہت وزنی زرہ بکتر لگائے تھا اس لئے پانی میں گرتے ہی پھر نہ اُبھرا۔ بعد کو اُس کی لاش دریا سے نکالی گئی اور بادشاہی ستائش خواں اِس واقعے پر خوشی سے ایسے بے خود ہوئے کہ اِس لاش کو بھی اُنھوں نے قسطنطین کے ساتھ روما کا نجات دہندہ اور اُس کی فتوحات میں برابر کا حصہ دار لکھا ہے[1]

قسطنطین اب فاتح کی حیثیت سے روما میں داخل ہوا جس چیز کی تمنا تھی وہ حاصل ہو گئی تھی۔ مغربی حصۂ سلطنت کا اِس وقت وہ مالک ہو گیا تھا۔ اور اب جس طرح پہلے بیسیوں رومانی شہنشاہ فتوحات کے بعد شہر میں جلوس کے ساتھ نکلے تھے قسطنطین بھی روما کے کوچہ و بازار میں بڑے جلوس کے ساتھ نکلا۔ نازاریوس لکھتا ہے کہ اُس کے جلوس میں غیر ملکوں کے رئیس قیدیوں کی شکل میں یا وحشی قوموں کے مغلوب سردار زنجیروں میں جکڑے ہوئے نہیں نکلے۔ بلکہ اُس کے جلوس میں سیاسی مجلسِ سینیٹ کے اراکین ہم رکاب تھے۔ اب اِن بزرگانِ ملت کو بھی مدت مدید کے بعد آزادی کا پھر لطف آیا تھا۔ اراکین مجلس کے علاوہ شہر کے معزز عہدہ داروں کا ایک گروہ تھا جن کو قسطنطین

۸۸

[1] قدیم قصائد — ۱۸،۹ ؛

کی فتح ہوتے ہی قید سے رہائی مل گئی تھی۔ مختصر یہ کہ قسطنطین کے جلوس میں قیدی واسیر نہ تھے بلکہ سواری کے ساتھ ایک آزاد روما تھا کہ دریا کی طرح اُمڈا چلا آتا تھا۔[1] سواری کے پیچھے البتہ ماکسن تیوس کا سر ایک نیزے پر لگا ہوا ساتھ تھا۔ اس حالت میں بھی چہرے سے سختی اور جفاکاری کی علامتیں ظاہر تھیں۔ اور یہ وہ نقش تھے جن کو موت بھی نہ مٹا سکی تھی۔ ایک انبوہ ساتھ ساتھ تھا جو اس مردہ سر پر استہزا اور ملامت کی بوچھاڑ کرتا چلتا تھا۔ نازاریوس کے علاوہ ایک اور مدح نویس نے اُن جوق جوق تماشائیوں کا ذکر بڑی خوش بیانی سے کیا ہے جو مبارکباد کہنے کے لیئے راستوں اور میدانوں میں کھڑے شہنشاہ کی سواری کا انتظار کرتے تھے۔ اور لکھا ہے کہ جلوس کے عقب سے ایوان قیصری بلکہ اُس کی متبرک دہلیز سے صحن تک آدمیوں کا ایک دریا لہریں مار رہا تھا۔ اسی مصنف نے لکھا ہے کہ اس جلوس کے بعد جب قسطنطین کی سواری کئی دن تک نکلتی رہی تو لوگ سواری سے گھوڑے کھول کر خود گاڑی گھسیٹتے تھے۔[2] فتح کے بعد سب سے پہلا کام قسطنطین نے یہ کیا کہ اپنے حریف ہزیمت خوردہ کے خاندان کے کسی متنفس کو زندہ نہ چھوڑا۔ ماکسن تیوس کا بڑا لڑکا رومولوس جس کو تھوڑے دن تک قیصر کا لقب بھی رہا تھا پہلے ہی مر چکا تھا۔ ماکسن تیوس کی بیوی اور چھوٹے لڑکے کا جو اس وقت زندہ تھے چپکے سے کام تمام کر دیا گیا۔ ماسوا اِن کے ایسے لوگ بھی جو ماکسن تیوس سے تعلقات اس قدر قریب کے پیدا کر چکے تھے کہ اُن کا بچنا مشکل تھا قتل کر دیئے گئے۔ نازاریوس لکھتا ہے کہ قسطنطین نے تمام ایسے لوگوں کو جن سے آیندہ فتنے اُٹھنے کا گمان ہو سکتا تھا قتل کر کے روما کو ایک نئی زندگی اور وہ بھی زندگی جاوید بخش دی۔ باوجود اس کے مقتولوں کی تعداد عوام کی نظروں میں اس قدر کم تھی کہ اس فتح کو ایک غیر خونی فتح بیان کیا گیا ہے۔ قسطنطین کے لطف و کرم کا چرچا ہر جگہ تھا۔ اور اُس کی تعریف میں سب کی زبانیں خشک ہوئی جاتی تھیں جب لوگوں نے

[1] قدیم قصائد — ۱۰، ۳۱ ؛ [2] ایضاً۔ ۱۰، ۶ ؛

غل مچایا کہ کچھ اور لوگ بھی قتل کیئے جاویں جن میں زیادہ تر وہ تھے جو ایک زمانے میں ماکسن تیئوس کے ظلموں کا آلہ بنے ہوئے تھے اور مخبروں نے بھی اپنی خونی خدمات پیش کرنے پر اصرار کیا تو قسطنطین نے کسی کی طرف التفات نہ کیا اور گذشتہ را صلواۃ کے مقولے پر عمل کرنے کا مصمم قصد کرلیا۔ فتح کے بعد جو قوانین اُس نے جاری کیئے وہ ضابطہ تھیوڈوسی میں درج ہیں۔ اِن قوانین سے قسطنطین کی نرمی ظاہر ہوتی ہے۔ اِس نرمی کا حال اگر صرف اُس کے مدح نویسوں کی تحریروں میں پڑھتے تو غالباً یقین نہ آتا لیکن ایک سرکاری مجموعۂ قوانین ایسا موجود ہے جس کے دیکھنے سے اُس کے متعلق مطلق شبہ نہیں رہتا۔ اِس مجموعے میں قسطنطین کا جاری کیا ہوا وہ قانون موجود ہے جس میں رعایا کو عام طور پر معافی اور جان کی اماں بخشی گئی تھی۔ اور ماکسن تیوس کا سر افریقہ بھیج دیا تھا کہ وہاں کی رعایا کا خوف دُور ہو اور اُن کو یقین ہو کہ جو شخص اُن پر اب تک ظلم کرتا تھا اب وہ اُن کو آزار نہیں پہنچا سکتا۔ یہ سر غالباً افریقہ ہی میں پھر دفن کردیا گیا۔

دوسری بات جو شروع زمانے میں قسطنطین نے کی وہ فوج پریطوریان کی برطرفی تھی۔ اِس سے قسطنطین نے گیلی ریوس کے منشاء اور احکام کی بھی تکمیل کردی۔ اِس مشہور و معروف فوج کے جو لوگ لڑائی میں کام آنے سے بچ گئے تھے وہ روما سے رخصت کیئے گئے۔ اور اب وہ سرکس کی عالیشان عمارت اور پومپی یوس کے تماشا گاہ اور تائی تس کے حماموں سے جہاں اُن کے جمگھٹ رہا کرتے تھے رخصت ہو کر دریائے ڈینیوب اور رائن کی سرحدوں پر پہرہ دینے کے لیئے مقرر کیئے گئے اور جو خدمت اور فوجوں کو ملی ہوئی تھی اُن میں اُن کو بھی شریک ہونا پڑا۔ ستایش نامے کا مصنف لکھتا ہے کہ اُنھوں نے اِس خدمت کو شوق سے گوارا کیا[1] لیکن یہ امر مشکوک ہے کہ دریائے ڈینیوب اور رائن کی ذلیل چھاؤنیوں میں

[1] قدیم قصائد۔ باب ۹، ۲۱۔

رہکر دارالسلطنت روما کے تکلفات ولذائذ کو جلد بھول گئے ہوں گے۔
بہرکیف وہ روما سے ہمیشہ کو نکال دیئے گئے۔ اور اب فوج پریطوریان کا
وجود معدوم ہوگیا۔ روما کے لوگ اُن کی بارکوں کو خالی دیکھ کر خوش ہوتے ہونگے
کیونکہ وہ اُن سے ہمیشہ ڈرتے اور نفرت کرتے تھے۔ لیکن یہ خالی عمارتیں
گو خاموش تھیں مگر معلوم ہوتا تھا کہ زبانِ حال سے بڑی فصاحت کے ساتھ
کہہ رہی ہیں کہ ہم تو خالی ہوئے مگر روما بھی دنیا کے شہروں میں اب شہروں کا
بادشاہ نہ رہا۔ جب پریطوریاں کا دم نہ ہو تو پھر اس شہر کو "قوموں کا خداوند" اور
"اقلیموں کا مالک" کہنا خیال میں بھی نہ آسکتا تھا۔
قسطنطین نے روما میں صرف دو مہینے قیام کیا۔ لیکن اِس
تھوڑے سے عرصے میں بقول نازاریوس اُس نے اُن تمام امراض شدید کا
علاج کردیا جو پچھلے چھ برس کے زمانے میں ماکسن تیوس کے ظلموں سے
اِس شہر کو لاحق ہوگئے تھے۔ جن لوگوں کے علاقے ضبط ہوگئے تھے یا اُن کا
مال واسباب چھین لیا گیا تھا اُن کو اُن کی چیزیں واپس دی گئیں۔ جن لوگوں
کو جلاوطن کردیا گیا تھا اُن کو پھر وطن میں آباد ہونے کی اجازت دی گئی۔ رعایا
اور شہنشاہ میں ملاقات کرنے کے لیئے آسانی پیدا کی۔ ہر شخص کی شکایت
کو قسطنطین نہایت غور سے سنتا تھا۔ اور کبھی اُن کے عرض ومعروض سننے
سے تھکتا نہ تھا۔ عالی مرتبت ہوکر مہربانی اور اخلاق نیک سے سب کو اپنا
گرویدہ کرلیا۔ سیاسی مجلس (سینات) کا ایسا ادب کرتا تھا کہ اُس سے پہلے
کسی شہنشاہ نے اِس درجے ادب نہ کیا تھا۔ دائیوکلیشن اپنے زمانۂ شہنشاہی
میں صرف ایک مرتبہ روما آیا تھا مگر اراکین مجلس کے ساتھ اُس کا برتاؤ بہت خشک
رہا بلکہ اِن بزرگوں کے مرتبے وعزت کو جس حقارت سے دیکھتا تھا
اُس کو چھپا بھی نہ سکتا تھا۔ نازاریوس لکھتا ہے کہ قسطنطین نے روما
سے باہر کے معزز وپسندیدۂ خلائق لوگوں کو اس مجلس کا رکن مقرر کیا اور
اب چونکہ دنیا کے بہتر سے بہتر لوگ اُس میں شریک ہوگئے تھے اس لیئے
اُس کو نہ صرف اپنی شہرتِ سابقہ کی وجہ سے بلکہ فی الواقع عزت ومرتبے کے

اعتبار سے پہلا سا اقتدار حاصل ہوگیا۔ مگر اس کل بیان کا مطلب ہمارے
نزدیک صرف اتنا نکلتا ہے کہ مجلس میں جو عہدے خالی پڑے تھے
اُس پر قسطنطین نے معزز اور لائق لوگوں کو مقرر کردیا مجلس سے شائستہ
طریقے پر گفتگو کی اور اِس بات پر حلف اُٹھایا کہ اُس کے دیرینہ حقوق و
مراعات کا خیال رکھا جائے گا۔ لیکن قسطنطین کے دل میں کوئی مہمل
خیال اِس قسم کا نہ تھا کہ وہ اِس مجلس کو فی الحقیقت حکومت کرنے کے
اختیارات دے دیگا۔ یا سلطنت کے انتظام میں اُس کو شریک بنالیگا۔
۹۱ مجلس نے بھی اُس کے عطیات کے شکریے میں اُس کو اغسطس اعلیٰ کا
خطاب دیا۔ اور ایک طلائی بُت اُس کا تیار کرایا اور جیسا کہ نویس
ستایش نامے (باب ۲۵) میں مرقوم ہے اِس بُت کو خدائی اوصاف سے
متصف کیا۔ اور ایطالیہ کے باشندوں نے ایک سپر اور تاج کی تیاری
کے لئے اپنا اپنا چندہ دیا۔ اور بہ اتفاق عام ایک عالیشان دروازہ "محراب قسطنطین"
کے نام سے تیار کرایا جو روما کی عبرت انگیز عمارات شکستہ میں اب تک اپنی
پرانی شان دکھاتا ہے مگر اِس حالِ زار میں آثار سلف کے اُن غارتگروں
کی شکایت بھی زبان پر رکھتا ہے جنھوں نے اُس پر ہاتھ صاف کرنے سے
پہلے محرابِ تائی ٹس کی رُوکار سے بھی پتھر کی خوبصورت مورتیں اُکھیڑلی
تھیں تاکہ تائی ٹس کے جانشین کی یادگار میں اُن کو لگائیں۔ اِس
بابِ فتح میں تین محرابیں ہیں۔ بیچ کی محراب کے ایک طرف
یہ عبارت ہے: "اُس کے نام سے جس نے روما کو آزادی بخشی"۔ دوسری طرف
یہ عبارت ہے: "اُس کے نام سے جو ہماری آسایش کا بانی ہوا"۔ اِن دونوں
عبارتوں کے اوپر وہ مشہور عبارت کندہ ہے جس میں ارکینِ مجلس اور
باشندگانِ روما نے اِس بابِ فتح کو قسطنطین کے نام سے معنون
کیا۔ وہ عبارت یہ ہے کہ "ہم معنون کرتے ہیں اُس کو قسطنطین کے نام
سے کیونکہ حکمت الٰہی" کے اشارے اور اپنے دل کی فیاضی سے اُس نے
اور اُس کے لشکر نے بادشاہ جابر و خودسر اور اُس کے حاشیہ نشینوں کا ایک ہی

ضرب میں کام تمام کر کے حکومتِ عمومیۂ روما کی پشتی و حمایت کی"۔ یہ جملہ کہ "حکمت الہٰی" کے اشارے سے ایسا ہوا ہم کو آمادہ کرتا ہے کہ اب قسطنطین کے مسیحی دین میں شامل ہونے کے قصے اور "رویتِ صلیب" کی حکایت سے بحث کریں ؛

۹۲

چھٹا باب

نقش صلیب[1] کا آسمان پر ظاہر ہونا۔ میلان کا فرمان

قسطنطین کی فتوحات ایطالیہ کے زمانے میں جن کا خاتمہ جنگِ ملویائی کے بعد روما پر قبضہ پانے میں ہوا۔ رُویتِ صلیب کا مشہور و معروف واقعہ پیش آیا۔ یہ واقعہ یا تو در اصل وقوع میں آیا یا محض روایت ہی روایت ہے کہ ایسا ہوا یعنے آسمان پر ایک صلیب نظر آئی جس کے گرد ایک حلقے میں یہ الفاظ پڑھے جاتے تھے کہ "اس کی مدد سے فتح کر" جہاں جہاں قسطنطین کا لشکر لڑائیاں سر کرتا ہوا گیا یہ نقش مع ان الفاظ کے آسمان پر ظاہر رہا۔ اس قصے کے دو بڑے راوی ہیں ایک یوسی بیوس اور دوسرا لکتن تیوس۔ یہ دونوں عیسائی تھے۔ اور قسطنطین کے اُن مداحوں میں تھے جو اپنے ممدوح کی تعریف میں سر مُو کمی کرنے کو جائز نہ جانتے تھے۔ اُن کے تعلقات بھی قسطنطین سے ذاتی اور قریب کے تھے۔ تیسرا راوی اس قصے کا نازاریوس ہے جس کی تصنیف سے دسواں ستایش نامہ ہے۔ اس نے اپنے قصے میں صلیب کا مطلق ذکر نہیں کیا۔ ان کے بعد کے مصنفوں نے جس قدر رد و بدل کیا ہے وہ محض قصے کی جزئیات میں ہے یا اصل کو زیادہ

---

[1] حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن شریف میں یہ الفاظ ہیں۔ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبّہ لھم۔ وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللّٰہ الیہ۔ وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ۔ اور مسلمانوں کو پورا یقین ہے کہ آپ نہ قتل ہوئے نہ مصلوب۔
تنقید مولانا مولوی محمد مصطفی الدین صاحب ناظر مذہبی کتب درسیہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی۔

دلکش بنانے کے لئے کہیں کہیں تیز رنگ بھر دیئے ہیں مثلاً فیلوس تورگیوس نے لکھا ہے کہ صلیب کے گرد جو عبارت تھی اُس کے حروف آسمان کے ستاروں سے بنے تھے۔ غرض یہ کہ متاخرین جیسے کہ سوزومن۔ سقراطیس۔ جرجیس نزیان زنی یا نیکوفورس تھے۔ اُن کی تحریروں کی طرف زیادہ توجہ ۹۳
کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف یوسی بیوس اور لکتن تیوس اور نازاریوس کے بیانات غور کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اِن تینوں میں بھی یوسی بیوس اسقف قیساریہ کا بیان سب سے مفصل اور زیادہ قابل لحاظ ہے۔ اِنہوں نے صاف لکھ دیا ہے کہ میں نے قصّے کو بجنسہٖ اُسی طرح بیان کیا ہے جس طرح کہ قسطنطین نے اُس کو میرے سامنے بیان کیا تھا؛

یوسی بیوس لکھتا ہے کہ شہنشاہِ گال سخت متردد تھا کہ ایطالیہ کی خطرناک مہم میں جس قدر فوج لے کر چلا ہے وہ اِس معرکے کے لئے کافی بھی ہوگی یا نہیں۔ ماکسن تیوس کے پاس لشکر بہت بڑا ہے اور اُس نے تمام اعلیٰ و اسفل۔ آسمان و تحت الثرائی قوتوں کو بھی جہاں تک بن پڑا ہے اپنا حامی و مددگار بنا لیا ہے۔ روما سے خبر آچکی ہے کہ اُس نے ہر قسم کے سحر اور طلسم سے مدد لے کر دیوتاؤں کو اپنی طرف کر لیا ہے۔ اِس خبر نے قسطنطین کو اور بھی بے چین اور خوف زدہ کر دیا۔ کیونکہ اُس زمانے میں تاثیر سحر سے کسی کو انکار نہ تھا۔ غرض اُس کو یہ فکر ہوا کہ ماکسن تیوس نے جس طرح دیوتاؤں کو اپنی طرف ملا کر ناجائز نفع حاصل کیا ہے میں بھی اُسکے جواب کے لئے کسی مساوی الدرجہ خدا کی مدد حاصل کروں۔ یوسی بیوس نے جو فقرہ یونانی زبان میں اِس موقعے پر لکھا ہے اُس کے اگر کچھ معنی ہوسکتے ہیں تو یہی ہوسکتے ہیں جو ہم نے اوپر کے فقرے میں بیان کئے۔ یہ خیال اُنیسویں صدی میں عجیب معلوم ہو لیکن چوتھی صدی میں لڑنے کے لئے ایک خدا کے توڑ پر دوسرا خدا ڈھونڈنا کوئی عجیب مضمون نہ تھا۔ اب قسطنطین کو یہ تردد ہوا کہ جس خدا کو اپنا مددگار بنایا جاوے وہ کیسا خدا ہونا چاہئے؟۔ جو بڑے بڑے بادشاہ اُس سے پہلے گذرے تھے وہ متعدد خداؤں کے ماننے والے تھے مگر اُن میں سے اکثر بری طرح

۹۴

دنیا سے غارت ہو گئے۔ جن خداؤں کے حضور اُنھوں نے بڑی بڑی قیمتی نذریں اور قربانیاں چڑھائی تھیں اُنھوں نے عین وقت پر اُن سے مُنہ موڑ لیا۔ اور بالکل بے پروائی سے اُن کی اور اُن کے خاندانوں کی تباہی اور دنیا سے نام و نشان مٹنے کا تماشا دیکھتے رہے۔ اِن خداؤں نے اُن کو دھوکا دیا اور ہمیشہ جھُوٹی خبریں سُنا کر جن سے جھوٹے وعدے نکلتے تھے اُن کو تباہی کے رستے پر ڈال دیا اور آخر الامر صفحۂ ہستی سے اُن کو قطعی نیست و نابود کر دیا۔ لیکن برخلاف اِن شاہانِ مشرک کے اُس کے باپ قسطنطیوس نے محض ایک خدا پر ایمان رکھا اور وہ اپنی زندگی میں ہمیشہ کامیاب رہا۔ اِس خدائے واحد نے اُس کی ہمیشہ مدد کی اور ہر قسم کی آفات سے بچائے رکھا۔ طرح طرح کی نعمتیں بخشیں۔ پس اس غور و فکر سے نتیجہ یہی نکلا کہ جو خدا قسطنطیوس کا تھا وہی خدا اُس کے فرزند کے لیئے بھی سچا معبود تصور ہونا چاہئے۔ غرض اسکا فیصلہ قسطنطین نے قطعی کر لیا کہ ایسے خداؤں کی طرف رجوع کرنا جو کسی مصرف کے نہ ہوں محض دماغ کا بیہودہ پکانا اور وقت کا ضائع کرنا ہے اور سوائے اُس خدا کے جو اُس کے باپ کا خدا تھا کسی خدا کو ماننے کی ضرورت نہیں۔

یوسی بیوس کے قول کے مطابق یہ پہلا قدم تھا جو قسطنطین نے مسیحی دین کی راہ میں رکھا۔ اور اُس کو یقین ہو گیا کہ ایسے خداؤں کو پوجنا جو اپنے بندوں کے لیئے کچھ نہ کر سکیں یا کچھ نہ کرنا چاہیں ایک غلطی ہے۔ مگر اِس غلطی کو ابھی تک وہ گناہ کے درجے تک نہ سمجھا تھا۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ اُس کے باپ کا خدا یعنی وہ خدائے واحد جس کا نام تک معلوم نہ تھا کون تھا؟ کیا وہ رومانی زمرۂ اصنام سے جوپیٹر یا اپولو یا ہرکیولیز تھا جس کی مدد کا قسطنطیوس خواستگار ہوا جیسے کہ اُس سے پہلے آگسٹس سیزر اپولو سے اور ڈائیوکلیشن جوپیٹر سے مدد کے خواستگار ہوئے تھے۔ یا وہ خدا معمولی خداؤں میں سے نہ تھا بلکہ اُن سے برتر کوئی "خدائی جوہر یا وجود" تھا جیسے کہ یونان کے فلسفیوں میں تو تھیون یا روما کے عالموں میں دیوی نتی مانا جاتا تھا جو رومانی دیوتاؤں اور دیبیوں کے مطلقاً انسانی جذبات اور معاملات کو دیکھ کر اُن سے بیزار رہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ قسطنطین کا خدا معمولی خداؤں سے

۹۵ برتر کوئی "خدائے جوہر یا ہستی" تھا۔ یوسی بیوس کہتا ہے کہ قسطنطین نے اُس خدا سے جو اُس کے باپ کا خدا تھا دعا کی کہ "اپنے تئیں ظاہر کر دے کہ وہ کون ہے اور اپنا سیدھا ہاتھ اُس کی طرف بڑھائے کہ اُس کو سہارا ملے"۔ یہ جملہ کہ "اپنے کو ظاہر کر دے کہ وہ کون ہے" غور کے قابل ہے۔ یہ آنکھ سے دیکھ لینے کی تمنا وہ سنگ راہ ہے جو عام مخلوق کو فلاسفہ کے غیر مادی اصول ماننے سے روکے رکھتا ہے۔ قسطنطین کو ایک ایسے خدا کی ضرورت تھی جو کوئی نام بھی رکھتا ہو اور آسمان سے کوئی نشانی بھی ایسی ظاہر ہو جس سے عینی ثبوت اُس کے وجود کا مل جاوے۔ ایسی نشانیاں بہت لوگوں نے بڑے اصرار کے ساتھ طلب کی تھیں۔ مگر کسی پر کچھ ظاہر نہ ہوا۔ قسطنطین پر البتہ وہ نشانی ظاہر ہو گئی ؛

قسطنطین کی دعا قبول ہوئی اور اُس کے سوال کا جواب اس طور پر ملا کہ ایک دن سہ پہر کے وقت جب کہ آفتاب نصف النہار سے ہٹ کر مغرب کی طرف ڈھل رہا تھا قسطنطین نے آسمان کی طرف نظر کی اور نظر اُٹھاتے ہی دیکھا کہ قرصِ آفتاب سے کچھ اوپر ایک صلیب کی صورت بنی ہے اور یہ صلیب نہایت روشن ہے اور نور کی کرنیں اُس سے نکل رہی ہیں۔ اور اُس کے گرد لکھا ہے کہ "اِس کی مدد سے فتح کر"۔ یوسی بیوس لکھتا ہے کہ اگر اس حکایت کا کوئی اور ناقل ہوتا تو یقین کرنا آسان نہ ہوتا۔ لیکن خود شہنشاہ نے یہ قصہ اُس سے بیان کیا اور اخیر میں اپنے بیان کی تصدیق پر قسم کھائی۔ اِس صورت میں شبہ کی گنجائش رہنی کیونکر ممکن ہے ؟ اِس واقعۂ عجیب پر جس کو یوسی بیوس کہتا ہے کہ کل لشکر نے مشاہدہ کیا تھا قسطنطین خوف زدہ ہو گیا اور جس وقت سے نقش کو دیکھا اور اُس کی عبارت کو پڑھا اُس کے سمجھنے کی کوشش کرتا رہا سہ پہر سے شام اور شام سے رات ہو گئی اور یہی سوچتا رہا کہ اس عبارت کا کیا مفہوم ہے۔ جب رات کو سو گیا تو جنابِ مسیح خواب میں نظر آئے اور اُن کے ساتھ وہ نشان بھی تھا جو آسمان پر نورانی ہو کر چمکا تھا۔ آپ نے قسطنطین کو حکم دیا کہ اس نشان کی نقل کر لے اور اُس کو دافعِ بلا سمجھ کر بطور تعویذ کے استعمال کرے۔ جب صبح ہوئی تو قسطنطین نے ۹۶ دوستوں کو بلا کر خواب کا حال بیان کیا اور جو حکم ملا تھا وہ سنایا۔ اِس کے بعد فوراً

بڑے بڑے زرگر اور جوہری بلائے گئے۔ اور اُن کے حلقے میں بیٹھ کر قسطنطین نے نہایت احتیاط سے نقشِ صلیب کو جس طرح دیکھا تھا بیان کیا اور اُن سے کہا کہ اِس بیان کے مطابق سونے اور قیمتی سے قیمتی جواہرات کی ایک صلیب تیار کرو۔ اِس حکم کی تعمیل میں وہ صلیب مرصع کار تیار ہوئی جو لیبارم کے نام سے مشہور ہوئی اُس کی صورت یہ تھی کہ سونے کی ایک لمبی برچھی پر سونے کی ایک سلاخ آڑی لگائی گئی۔ برچھی کے اونچے سرے پر سونے کا ایک تاج تھا اور تاج کے نیچے مسیح کے نام کا طغرا تھا۔ اور طغرے کے گرد جواہرات کی لڑیاں جو تاج میں آویزاں تھیں لگائی گئیں۔ اور آڑی سلاخ سے گہرے سُرخ یا ارغوانی رنگ کی ایک چادر لٹکی ہوئی تھی جس پر زری کا بہت بھاری کام تھا اور اسی چادر پر قسطنطین اور اُس کے لڑکوں کے چہرے طلاکار سے بنائے گئے تھے۔ اِس نشان یا عَلم کی صورت صلیب کی شکل ضرور معلوم ہوتی تھی لیکن ایسی ہی صلیبی صورت رومانی لشکر میں معمولی رسالوں کے نشانوں کی بھی تھی۔ صرف مسیح کا طغرا البتہ ایک نئی چیز تھا جو بتاتا تھا کہ شہنشاہِ قسطنطین کی طبیعت میں اب کونسی بڑی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ اُس سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ قسطنطین نے اپنی دعا میں جو سوال کیا تھا اُس کے جواب میں وہ خدا اُس کو مل گیا جس کی پرستش اُس کا باپ قسطنطیوس کیا کرتا تھا۔ اور وہ کوئی اور خدا بجز مسیح یعنی عیسائیوں کے خدا کے نہ تھا۔

اب قسطنطین کو شوق ہوا کہ صلیب اور مسیح کے کچھ اور حالات معلوم کرے۔ چنانچہ اُس نے دینِ مسیحی کے چند معلموں کو اپنے پاس لشکر میں بلایا اور اُن سے کہا کہ اپنے دین کا حال اُس کے سامنے بیان کریں۔ اِن معلموں نے عرض کیا کہ "مسیح خدا ہے وہ اکلوتا فرزند اکیلے سچے خدا کا ہے اور جو صلیب شہنشاہ نے خواب میں دیکھی ہے وہ علامت ہے بقا کی اور نشانی ہے اُس فتح کی جو مسیح کو فنا پر حاصل ہوئی ہے۔" غرض یوسی بیوس کے قول کے مطابق قسطنطین کے تبدیلِ مذہب اور اُن حالات کی کیفیت جن میں یہ تبدیلِ مذہب پیش آیا یہی ہے جو اوپر بیان ہوئی اور اگر اُس کے زمانے میں رومانی دربار سے کوئی گشتی جریدہ نکلا کرتا تو سرکاری کیفیت بھی اِس واقعے کی شاید اسی طرح بیان کی جاتی ؎

۹۷

لیکن اب سوال یہ ہے کہ یوسی بیوس نے اپنی کتاب "سوانح قسطنطین" جس سے اوپر کے مضامین اقتباس کیئے گئے ہیں کس زمانے میں لکھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کتاب قسطنطین کی موت کے بعد یعنی ۳۳۷ء عیسوی کے بعد جبکہ اصل واقعے کو گذرے ہوئے پورے پچیس[25] برس ہو گئے تھے لکھی گئی تھی۔ یہ سخت قابل غور ہے۔ پچیس[25] برس کا زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر ایک ہی شخص بار بار ایک ہی قصے کو بیان کرے تو اصلی صورت سے اُس کا مشابہ رہنا بہت مشکل ہے۔ اور اس مدت میں اُن تبدیلیوں کا تو کیا ذکر ہے جو دوران شیوع میں مختلف زبانوں پر آنے سے کسی قصے کی جزئیات میں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا رویت صلیب کے قصے کا بھی یہی درجہ ہوا۔ یوسی بیوس کی تصنیفات سے "سوانح قسطنطین" پہلی کتاب نہ تھی جو اس زمانے کے تاریخی حالات کے متعلق لکھی گئی تھی۔ اس سے پہلے وہ اپنی کتاب "تاریخ کلیسا" لکھ چکا تھا جس کی اشاعت ۳۲۶ء عیسوی میں ہوئی تھی۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس تاریخ میں رویت صلیب کا حال کیونکر بیان ہوا ہے۔ مگر اس تاریخ کو شروع سے آخر تک پڑھ جائیے کہیں اس قصے کا مطلق پتا نہ چلیگا۔ ایک لفظ بھی کہیں صلیب روشن کی نسبت یا خواب میں جناب مسیح کے ظہور یا لیبارم کی تیاری کے متعلق نہ ملے گا۔ قسطنطین کے تبدیل مذہب کے بارے میں صرف اس قدر تحریر ہے کہ "شہنشاہ نے خلوص ایمان سے عیسائیوں کے خدا اور اُس کے فرزند یسوع مسیح سے مدد چاہی"۔ غرض اس کتاب میں اتنے بڑے واقعے کو نہ لکھنا ایک عجیب خاموشی ہے۔ اگر آسمان والی صلیب کو لشکر کے سب لوگوں نے دیکھا تھا اور اس قصے کا علم ۳۲۶ء عیسوی میں بھی اسی طرح وجود رکھتا تھا جیسے کہ ۳۳۷ء عیسوی میں تو پھر یہ سمجھنا مشکل ہے کہ یوسی بیوس نے ایک ایسے واقعے کو کس طرح چھوڑ دیا جس کا چرچا اس وقت تمام روحانی دنیا میں پھیلا ہوا ہوگا۔ اور جس کو سُن کر ہر ایک عیسائی کا خون بڑھتا ہوگا۔ اور پھر چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں آسمانی نشانیوں کے ظہور کی کچھ ایسی کثرت بھی نہ تھی کہ ایک کلیسائی مورخ اس کا ذکر کرنا غیر ضروری سمجھتا۔ ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ محض ایک مورخ کے خاموش رہنے سے واقعے کے وجود سے انکار کر دیں لیکن

۹۸

۳۲۶ء عیسوی میں یوسی بیوس کی اس خاموشی سے چاہے وہ تجاہل عارفانہ ہی کیوں نہ ہو اتنا ضرور شبہ ہو جاتا ہے کہ قصے نے ابھی تک ڈھل ڈھلا کر اپنی آخری صورت اختیار نہیں کی تھی ؛

اس سے بھی زیادہ اہم وہ غیر معمولی اختلافات ہیں جو اس قصے کے متعلق یوسی بیوس اور لکتن تیوس کے بیانات میں پائے جاتے ہیں۔ لکتن تیوس نے اپنی کتاب "مرگ جفا کاراں" معرکۂ ملویائی کے تھوڑے ہی دن بعد لکھی تھی۔ اس لیئے اس کتاب کو خاص وقعت اس اعتبار سے ضرور حاصل ہے کہ سب سے پہلا بیان اس قصے کا اُس ہی میں درج ہے۔ لکتن تیوس شہنشاہ قسطنطین کے فرزند کرسپوس کا اتالیق تھا اور قصے کے ضروری حالات معلوم کرنے اُس کو ہرگز دشوار نہوئے ہوں گے کیونکہ شہنشاہ کے متعلقین سے اُس کا ہر وقت کا ملنا جلنا تھا۔ بس ہم کو پوری امید رکھنی چاہیئے کہ جو مصنف دائیوک لیشن اور گیلی ریوس کی گفتگو کو جو نیکومیدیا کے خلوت کدے میں بالکل حالتِ تنہائی میں کی گئی تھی حرفاً حرفاً نقل کر سکتا تھا وہ ایسے واقعے سے جو قسطنطین کے کل لشکر کی آنکھوں کے سامنے پیش آیا ہو ضرور پوری واقفیت رکھتا ہوگا ؛

اب دیکھنا چاہیئے کہ لکتن تیوس کا کیا بیان ہے ؟ وہ لکھتا ہے کہ جنگِ ملویائی سے کچھ ہی پیشتر قسطنطین کو خواب میں ہدایت ہوئی کہ لڑائی پر جانے سے پہلے صلیب کا مقدس نشان اپنے سپاہیوں کی ڈھالوں پر کندہ کرادے۔ قسطنطین نے اس ہدایت پر عمل کیا اور یونانی حروف ہجا کا حرف (×) لے کر اس کے ایک خط کو اوپر سے کسی قدر گولائی دی گئی یعنی یہ شکل ☧ قائم کردی۔ اس شکل سے مسیح کے یونانی نام (کرستوس) کے پہلے دو حرفوں (ک۔ ر) کا طغرا بن گیا اور اس طغرے کو عیسائیوں کی ڈھالوں پر بنا دیا گیا۔ قصے کا سب سے پہلا ذکر محض اسی قدر تھا۔ قسطنطین کی فکر و پریشانی اور تلاشِ حق میں اُس کی مصروفیت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ واقعے کا زمانہ بھی آخری لڑائی سے کچھ پہلے کا بتایا ہے۔ ایطالیہ پر لشکر کشی سے پہلے کا نہیں بتایا جیسا کہ یوسی بیوس کی تحریر سے نکلتا ہے گو صاف نہیں لکھا ہے۔ یہ ذکر بھی کہیں نہیں ہے کہ سہ پہر کو صلیب آسمان پر

چمکتی نظر آئی اور اُس کے گرد کوئی کتبہ اِس مضمون کا تھا کہ "اِس کی مدد سے فتح کر" اور نہ اِس کا کچھ ذکر ہے کہ صلیب اور اُس کے گرد اس کتبے کو تمام لشکر نے دیکھا تھا۔ لکتن تیوس کا بیان صرف اتنا ہے کہ قسطنطین نے خواب دیکھا اور خواب میں ہدایت ہوئی کہ مسیح کے نام کے پہلے حروف کا طغرا سپاہیوں کی ڈھالوں پر بنوا دیا جاوے۔ خواب میں یہ ہدایت کس نے کی تھی اس کے بارے میں بھی کوئی صراحت نہیں ہے۔ اور نہ جیسے کہ یوسی بیوس نے لکھا ہے اس کی طرف کچھ اشارہ ہے کہ خود جناب مسیح نے خواب میں ظاہر ہو کر ایسی ہدایت فرمائی تھی۔ لیبارم کا بھی کچھ ذکر نہیں آیا ہے۔ لکتن تیوس کو اُس جواب کی بھی مطلق خبر نہیں ہے جو قسطنطین کے سوال کا ملا تھا کہ کوئی نشانی خدا کے وجود کی اُس پر ظاہر کی جاوے جیسا کہ یوسی بیوس نے لکھا ہے۔ لکتن تیوس کے بیان کا خلاصہ محض یہ ہے کہ قسطنطین کو خواب میں ہدایت ہوئی تھی کہ اگر مسیح کی خدمت اور نام کے لیئے اُس نے اپنے ہتیار پیش کر دیئے تو اس کے انعام میں اُس کو فتح نصیب ہوگی ؛

اب ہم پھر یوسی بیوس کے بیان کی طرف عود کرتے ہیں گو اُس کی صحت پر ہم کسی قدر مشتبہ ہو چلے ہیں۔ اِس کا خیال بھی رکھنا ضروری ہے کہ اِس واقعے کے زمانے اور موقع کو بھی یوسی بیوس نے مبہم طریقے پر بیان کیا ہے اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ جس زمانے میں دائیوکلیشین اور گیلی ریوس نے عیسائیوں پر ظلم کرنے کے فرمان جاری کیئے تھے تو قسطنطین اُن کے ساتھ رہتا تھا۔ اِس لیئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ عیسائیوں کے دین سے جواب کسی پوشیدہ فرقے کا دین نہ تھا بالکل ناواقف تھا۔ یوسی بیوس کے بیان کا پہلا حصہ جہاں قسطنطین کسی آسمانی قوت سے مدد و حفاظت کی تلاش میں پریشان ہے ایسا ہے جس کے یقین کر لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ بعض ذہین طبیعتوں نے یہ بات بھی نکالی ہے کہ اگر قصہ مصنوعی ہوتا تو اُس میں کہیں خامی نہ چھوڑی جاتی اور اُسکو سچائی اور حقیقت کا نمونۂ کامل بنا دیا جاتا۔ قسطنطین کے دل میں ڈر بیٹھا ہوا تھا کہ اُس نے ایطالیہ پر فوج کشی کرنے میں جلدی کی ہے اور بے سمجھے بوجھے اس

سخت مہم کو شروع کر دیا ہے۔ ماکسن تیوس نے روما کے خداؤں کو اپنا طرفدار کر لیا ہے۔ ماکسن تیوس کی طرح اُس کی کوششوں کا مدعا بھی روما ہے اور روما ایک ایسا مہیب نام ہے جس سے سب ڈرتے ہیں۔ جس کی تعظیم کرنی تمام دنیا اپنا فرض جانتی ہے اور جس قدر لوگ اُس سے زیادہ دور رہتے ہیں اُسی قدر اُس کی عظمت اُن کے دلوں میں زیادہ ہے۔ پس قسطنطین کے لیئے اس بات کا باور کر لینا ایک قدرتی امر تھا کہ اگر روما کے دیوتا انسانی لڑائیوں میں دخل دینا پسند کرتے ہیں تو اس وقت وہ ضرور ماکسن تیوس کی مدد کریں گے کیونکہ وہ روما کا سرپرست بن کر اُس کے تخت پر بیٹھا تھا۔ قسطنطین اُن چند و چیدہ لوگوں میں نہ تھا جو حقیقت کو محض حقیقت کے لیئے بلا کسی جلب منفعت کے دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ مذہب کا تبدیل کرنا اُس کے لیئے ایسی شئے نہ تھا جو یک لخت یا رفتہ رفتہ حیات بشری کا ایک نیا اور خوشنما پہلو اُس کی نظر کے سامنے لے آتا اور اس کی طبیعت و خصائل میں نئے جوہر پیدا کر دیتا۔ اُس کے لیئے مذہب تبدیل کرنے کے معنی صرف یہی تھے کہ ایک مذہب کا دیردحرم نہ سہی دوسرے مذہب کا دیردحرم سہی۔ ایک کا کلمہ نہ پڑھا دوسرے کا پڑھنے لگے۔ اصلی غرض یہی تھی کہ جس طرح ہو دنیا اور دنیا کی بزرگی ہاتھ آئے۔ اور وہ اُس خدا کو پوجنے کے لیئے سب سے پہلے تیار تھا جو لڑائی میں اُس کے سر پر فتح و نصرت کا تاج رکھ دے۔ کسی مذہب کے ساتھ قسطنطین کے حسن عقیدت اور قوت ایمانی کا اندازہ کرنے کے لیئے پہلے اس بات کا معلوم کرنا ضروری تھا کہ یہ مذہب کس حد تک اُس کو لڑائیوں میں کامیاب رکھے گا اور اُس کی سطوت و اقبال کو کس درجہ ترقی تک پہنچا سکے گا اور بس ؟

اب قصے کا دوسرا حصہ رہ جاتا ہے یعنی صلیب درخشاں کا نمودار ہونا۔ ایسے لوگ بھی جو محققانہ تاریخ نویسی میں خلاف عادت سوانح کو جگہ دیتے ہیں اس بات کے مقر ہیں کہ اس واقعے کے بارے میں جس قدر شہادت ملتی ہے وہ ثبوت کے لیئے کافی نہیں۔ اس میں شبہ کی ضرورت نہیں کہ یوسی بیوس نے قصے کو بجنسہ اُسی طرح بیان کیا ہے جس طرح قسطنطین سے سنا تھا۔ اور اس میں بھی کلام نہیں کہ اگر کسی ایک واقعے کے دو بیان ہوتے تو یہ بڈھا پادری اُس بیان کو زیادہ یقین کرتا جس میں کرشمے اور کرامات کی زیادتی ہوتی۔ اس واقعے سے کہ قصہ سنانے کے بعد

۱۰۱

اُس کے سچ ہونے پر قسطنطین نے قسم کھائی تھی ثبوت کو کچھ مدد نہیں پہنچتی۔ قسطنطین
کی عادت تھی کہ جب تقریر میں زور پیدا کرنا چاہتا تھا تو قسمیں کھایا کرتا تھا۔ اب
اِن باتوں کے ہوتے ہوئے کیا یہی سمجھ لیا جاوے کہ کل قصہ قسطنطین ہی کی
ایجادات سے تھا؟ اِس بارے میں اب نازاریوس کا بیان دیکھنا بھی ضروری
ہے۔ یہ اُن خوش بیان خطیبوں میں تھا جس نے قسطنطین کے دسویں سال
جلوس پر سر دربار شہنشاہ کی تعریف پڑھی تھی اور اس تعریف میں ایک نظر
قسطنطین اور مازن تیوس کے معرکۂ عظیم پر بھی ڈالی تھی۔ نازاریوس بُت پرست
تھا۔ پس دیکھنا چاہئے کہ جس واقعے کو یوسی بیوس اور قسطنطین نے ایک معجزے
کی شکل میں بیان کیا ہے اُس کا ذکر ایک بُت پرست کی زبان سے کیونکر ہوا ہے۔
یہاں پہلے ہی یہ سوال ہوتا ہے کہ کیا ایطالیہ کی مہم کے زمانے میں بُت پرست اِس
بات کے قائل تھے کہ قسطنطین کو آسمانی مدد پہنچی تھی؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ
ہاں وہ اِس کے قائل تھے۔ نازاریوس لکھتا ہے[1] کہ گال کے تمام باشندوں کو
اُن عجائبات پر سخت حیرت تھی جو ایطالیہ کی مہم میں پیش آئے تھے اور جن کا
چرچا ہر جگہ تھا۔ کہا جاتا تھا کہ قسطنطین کے سپاہیوں کو آسمان پر آسمانی فوجیں
سامانِ جنگ سے آراستہ نقل و حرکت کرتی نظر آیا کرتی تھیں اور اُن کی
ڈھالوں اور تلواروں کی چمک ایسی تھی کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوئی
جاتی تھیں اور نہ صرف غریب انسان کی آنکھیں ہی آسمانی چمک اور دمک کو
دیکھتی تھیں بلکہ اُس کے کان بھی آسمانی لشکر کا شور و غل اور اِس مضمون کے
نعرے سنتے تھے کہ "کہاں ہے قسطنطین۔ ہم اُس کو تلاش کرتے ہیں۔ ہم
قسطنطین کی مدد کو آئے ہیں۔" اِس سے صاف ظاہر ہوا کہ کیا عیسائی
اور کیا بُت پرست اِس بات کو سب ہی مانتے تھے کہ قسطنطین کو آسمانی
مدد پہنچی ہے۔ لیکن دونوں کے اِس بیان میں کہ مدد کس طرح پہنچی اختلاف
ہے۔ نازاریوس نے اِس بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ صاف ہے۔ ۱۰۲

[1] قدیم قصائد ۱۰ - ۱۴ ؎

اِس مورّخ کے خیال میں قسطنطیوس کلورس وہ شہنشاہ تھا جو مرنے کے بعد خداؤں کے زمرے میں شامل کر لیا گیا تھا۔ اور اب وہی آسمانی لشکر لے کر اپنے لڑکے کی مدد پر لڑنے آیا تھا۔ اور یہ تائیدِ غیبی اِس لیئے پہنچائی گئی تھی کہ قسطنطیوس اپنی زندگی میں نہایت نیک بخت اور نیک نام تھا۔ اور یہی نیکی اور نیک نامی اُس کے لڑکے قسطنطین کو بھی باپ سے پہنچی تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کہیں یہ بیان محض بُت پرستوں کی روایت عیسائیوں کے ایک قصے کی نسبت تو نہیں ہے؟ بُت پرست معجزے کے منکر تو ہو نہ سکتے تھے۔ تو پھر کیا اِس عجیب شہادت سے جو مسیحی دین کی تصدیق کرتی تھی عیسائیوں کو محروم کرنے کے لیئے انہوں نے قسطنطیوس اور آسمانی لشکر کا قصہ اپنی طرف سے ایجاد کر دیا؟ لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اِس طرح قیاس کرنے میں بُت پرستوں کی ایک قدیم عادت سے قطعِ نظر کرنی پڑتی ہے جو درست نہیں ہے۔ یہ کچھ چوتھی صدی عیسوی کے لوگوں ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ اِس سے صدہا برس پہلے اور پیچھے جب کبھی انسان پر کوئی بلا آئی تو اُس نے تائیدِ غیبی پر بھروسا اور ایمان ہی نہیں رکھا بلکہ اِس پر اصرار کرتا رہا کہ فوق العادت امداد اُس کو پہنچائی جاوے۔ جس قدر زیادہ خطرہ ہوا اُسی قدر قرینِ عقل سمجھا گیا کہ کوئی ایک خدا یا کئی خدا مِل کر اپنے اثر قوت سے معاملے کا تصفیہ اِدھر یا اُدھر کرا دیں گے۔ ہر ایک رومانی بُت پرست کا عقیدہ تھا کہ جس وقت روما کو ہنی بال کا سخت مقابلہ پیش آیا تو کیسٹر اور پولکس (دونوں دیوتا ہتیار سجا کر) روما کی طرف سے لڑے تھے شہنشاہ جولیوس کو یقین تھا کہ دیبی وینس نے جو اُس کے خاندان کی خاص طور پر سرپرست تھی فارسیلس کی لڑائی جیتنے میں اُس کی مدد کی تھی۔ اِسی طرح اگستس کو یقین تھا کہ فلی پائی اور ایکتوم کے معرکوں میں اپولو اُس کی طرف سے لڑا تھا۔ ہر ایک بُت پرست فاتح کے لیئے یہ آسان بلکہ مقتضائے شرافت تھا کہ وہ اپنے خاص معبود سرپرست کی قوت پر بھروسا اور ایمان رکھے۔ پس قسطنطیوس کو خدا مان کر اُس کے

لڑکے کی مدد پر لانا ایک بُت پرست کے لیئے کوئی انوکھا خیال نہ تھا۔

۱۰۳ نازاریوس کا ایک جملہ قابلِ غور ہے جس سے مراد ہے کہ قسطنطین کے معاملے میں آسمان کی خاص دست اندازی حقیقت میں اِس بادشاہ کی نیکیوں کا ایک صلہ تھی۔ بلکہ یہ بادشاہ خداؤں پر دعوے رکھتا تھا کہ آسمانی امداد اُن سے حاصل ہو۔ یہ موقع ایسا سخت تھا کہ اگر آسمانوں کے خدا اُس میں دخل نہ دیتے اور کوئی بڑا کام اور اُسی کے مطابق کوئی بڑا کرشمہ نہ دکھاتے تو اُن پر یہ الزام ثابت ہو جاتا کہ وہ معاملاتِ دنیا کو اُن کے ٹھیک تعلقات میں دیکھنے سے قاصر ہیں۔ یہی خیال نازاریوس کے ذہن میں تھا اور یوسی بیوس اور قسطنطین بھی اِس خیال سے خالی نہ تھے۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ جس میں کوئی معجزہ تا وقتیکہ وہ بہت بڑا معجزہ نہ ہو حسن قبول کو نہ پہنچتا تھا۔ ہمارا یہ کہنا بظاہر باطل معلوم ہو لیکن حقیقت میں یہی حال تھا۔ جن لوگوں کو یہ دیکھنے کی عادت تھی کہ پتھر کے بتوں سے خون کا پسینا ٹپک رہا ہے۔ پیتل اور پتھر کی مورتیں میٹھی باتیں کر رہی ہیں اور جو اِس قسم کے واقعات سے آیندہ کے لیئے شگون نکالتے تھے تو ایسے لوگوں کو ایک معمولی معجزہ سنا کر حیرت اور تعجب میں ڈالنا نہایت مشکل کام تھا۔ پس جب کبھی کسی عجیب واقعے کے بعد اس کا ذکر ایک زبان سے دوسری زبان پر آیا ہو گا تو اُسی میں ندرت بڑھتی گئی ہو گی۔ چونکہ کسی حیرت خیز قصے کو ایک ہی طرح سے بار بار بیان کرنے میں وہ چیز اُس سے زائل ہو جاتی ہے جو موجب حیرت ہوا کرتی ہے اِس لیئے ضروری ہوا کہ جب کبھی ایسے قصے کو دوہرایا جاوے تو تعجب بڑھانے کے لیئے اِس میں کوئی نیا اور عجیب واقعہ شامل کر دیا جاوے۔ لیکن سامعین پر اثر کرنے کے لیئے ضروری ہے کہ متکلم بھی پہلے سے متاثر ہو چکا ہو۔ اِسی وجہ سے نازاریوس نے قصے کو جس طرح بیان کیا ہے وہ عجائبات سے زیادہ مرصع ہے۔ یہ خیال کہ آسمان پر جو فوجیں نقل و حرکت میں تھیں ایک

عام خیال تھا۔ آسمان پر ہتیاروں کی چمک بھی کوئی بڑی بات نہ تھی۔ جبوقت سورج کی کرن بادلوں پر پڑتی ہے۔ تو اس کی چمک ہتیاروں کی سی چمک معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ایک پیشہ ور مدح خوان کے لیئے محض اتنی ہی بات کہنی کچھ پرلطف نہوتی۔ اس لیئے اس کو بڑھ چڑھ کر یہ کہنا پڑا کہ ذرا ان آسمانی جنگ آوروں کے چہروں کو تو دیکھو کہ اُن سے کس قدر غرور ٹپک رہا ہے۔ اور ذرا اُن کے نعروں میں تو تمیز کرو کہ کون کسکی طرف ہوکر آواز لگاتا ہے۔ لیکن اگر نازاریوس کا بیان شبہ کے قابل ہے تو یوسی بیوس اور قسطنطین کے بیانات پر کیوں شبہ نہ کیا جاوے۔ اگر بت پرستوں اور عیسائیوں کی خرق عادت حکایتوں کے پرکھنے کے لیئے کسوٹیاں ہی جدا ہوں تو یہ دوسری بات ہے ورنہ ایک ہی معیار سے اگر دونوں کو جانچا جاوے تو جیسا مشکوک ایک کا بیان ہے ویسا ہی دوسرے کا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا حقیقت میں کوئی خلاف عادت سانحہ آسمان پر ایسا ظاہر ہوا تھا جس کو نازاریوس اور یوسی بیوس کے مختلف الکیفیت قصوں کی بنائے مشترک مانا جاوے۔ ایسا فرض کرلینا خلاف عقل نہیں ہے۔

علمائے سائینس کہتے ہیں کہ بعض روشنیوں کے خاص انعکاس سے کرہ آفتاب کے قریب سراچہ شمس کا ظہور ہوتا ہے یعنی اصلی آفتاب کی مثل کئی کئی آفتاب نظر آتے ہیں۔ اور وہ روشنی کی چوڑی پٹیوں یا طنابوں سے جڑے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ روشنی کی پٹیاں بعض وقت صلیب کی سی صورت رکھتی ہیں۔ ڈین اسٹینلی نے اپنی کتاب "خطبات متعلق بہ کلیسائے مشرق" میں نومبر ۱۸۱۲ء کے شہاب قطب شمالی کی نسبت لکھا ہے کہ اس کا عجیب وغریب اثر لوگوں پر ہوا تھا۔ فرانس کے باشندے کہتے تھے کہ ہم نے (ل) لام اور (ن) نون کے حروف آسمان پر لکھے دیکھے جو لوئی نپولین کے نام کے ابتدائی حروف تھے۔ اور ان حروف کو دیکھتے ہی وہ لوئی نپولین کے انتخاب کی نسبت خدا کا منشا سمجھ گئے۔ بلکہ اس منظر عجیب سے اُن کو یقین ہوگیا کہ اب سوائے لوئی نپولین

۱۰۴

کے اور کسی کا انتخاب پریسیڈنٹ کی جگہ پر نہ ہوگا۔ یہ معنی تو اس شہاب کے فرانس میں لئے گئے اب روما کا حال سینئے کہ وہاں لوئی نپولین سے تو کسی کو محبت نہ تھی۔ اس لئے اس کے نام کے حروف بھی وہاں کسیکو نظر نہ آئے۔ یہاں محض آسمان کی سرخی دیکھ کر یہ سمجھا گیا کہ مقتول اوس سی کا خون انتقام لینے کے لئے آسمان پر چڑھا ہے۔ اپورتو کے لوگ جو اپنے گناہوں پر نادم تھے سمجھے کہ اب آسمان سے آگ اترنے کو ہے تاکہ اُن کے برے اعمال کی سزا دے۔ اگر انیسویں صدی کے وسط ۱۰۵ میں ایسے مظاہر قدرت کے معنی جو کبھی کبھی ظاہر ہوتے ہوں اس قدر مختلف قسم کے پیدا ہو سکتے ہیں تو پھر چوتھی صدی میں اس قسم کے ظہور کے جس قدر معنی بیان کئے جاتے وہ کم تھے۔ اس وقت دنیا اوہام پرستی میں مبتلا تھی۔ جب لوگوں کو آسمانی نشانیوں پر ایمان ہوتا ہے تو چاہے وہ ظاہر ہوں یا نہوں لوگ خود انکو دیکھنے لگتے ہیں۔ ہیملٹ کے مشہور ڈراما میں شاہ ڈنمارک کا وزیر پولونیوس بادلوں کی حرکت سے عجیب عجیب دھندلی صورتیں بنتے دیکھا کرتا تھا۔ اگر اس وزیر سے بھی بڑھکر تیز نظر کوئی صاحب پیدا ہوتے تو بادلوں میں دھندلی نہیں بلکہ بہت صاف اور روشن صورتیں اُن کو نظر آنے لگتیں۔ اور جب یہ صورتیں نظر آتیں تو اُن کی خبر پھیلتی اور خبر پھیلتے ہی کوئی عجیب وغریب قصہ تیار ہو جاتا۔ دور کیوں جائیے اسی زمانے کا ذکر ہے کہ جس وقت روس اور جاپان میں لڑائی چھڑی تو سینٹ پٹرزبرگ سے خبر آئی کہ روسی کسانوں نے گاؤں گاؤں مشہور کر رکھا ہے کہ سینٹ جارج آسمان پر مع اپنے لشکر کے مشرق کی طرف جاتے نظر آئے ہیں تاکہ جاپان کے کافروں سے لڑیں پس اگر کہیں روسیوں کو اس لڑائی میں فتح ہو جاتی تو اس سے بڑھکر تائید آسمانی کا اور کیا ثبوت مل سکتا تھا۔ لیکن جب روسیوں کو اس معرکے میں شدید نقصانات پہنچے تو پھر شاید یہ خیال کیا گیا کہ سینٹ جارج اپنا لشکر لیکر چلے تو تھے مگر آدھی دور پہنچ کر خیال آیا کہ انگلستان کی سرپرستی بھی ان ہی بزرگ کے ذمے ہے اور چونکہ انگریزوں اور جاپانیوں میں اتحاد ہو چکا ہے۔ اس کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے۔ پس انھوں نے کسی کا طرفدار ہونا منظور نہ فرمایا۔ اور گھر واپس تشریف لے آئے۔

غرض جن غیر معمولی حالات سے متاثر ہو کر قسطنطین نے اپنا مذہب تبدیل

کیا خواہ وہ کیسے ہی شکوک اور محل اختلاف ہوں مگر یہ امر یقینی ہے کہ اوس میں مذہبی تبدیلی واقع ہوئی۔ ہمکو اس کا یقین نہیں کہ قسطنطین جنگ ملویائی میں عیسائیوں کی حمایت اور سرپرستی کا دعوے کرکے لڑا ہو لیکن قیاس چاہتا ہے کہ اس نے عیسائی ہوجانے کا قصد اسی لڑائی کے زمانے میں کیا تھا۔ آسمان پر صلیب کا ظاہر ہونا یا رات کے سناٹے میں شہنشاہ کے بستر کے قریب جناب مسیح کا تشریف لانا ایسی باتیں ہیں جن کو بشاوہ پیشانی سننا چاہیے۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ لیبارم یعنی اُس متبرک علم کا تیار کیا جانا جسکو صدہا برس تک شاہی نشان سمجھکر واجب التعظیم مانا گیا ہو اور جس کا ذکر نویں صدی عیسوی تک کتابوں میں آیا ہو۔ اِس قصدونیت کا پورا ثبوت تھا کہ وہ عیسائی مذہب قبول کرنا چاہتا ہے۔ اور اپولو کو خیرباد کہکر مسیح پر ایمان لانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ جوانی میں سورج کے دیوتا اپولو سے اگسٹوس سینزر کی طرح اس کو بھی خاص ارادت تھی۔ اگسٹوس سینزر وہ بڑا سپہ سالار تھا جو روما کی شہنشاہی کا بانی ہوا اور جس نے اپولو اور قیصر وقت کی پرستشوں میں ایک قریب کا واسطہ پیدا کیا۔ قسطنطین کو یہہ خیال بھی ضرور آیا ہوگا کہ اپولو کے بہت سے اوصاف مسیح میں موجود ہیں ؎

یہ بات کہ مذہب تبدیل کرنے میں اِس نے سچائی سے کام لیا اس سے بہت جلد ظاہر ہوگئی۔ روما میں چند روزہ قیام کے بعد وہ شمال کی سمت میں میلان گیا اور یہاں اُس نے اپنی بہن قسطنطیہ کا عقد لائی سی نیوس سے کردیا۔ ڈائیوک لیشن کو بھی اِس شادی میں بُلاوا دیا مگر اس نے سفر اختیار کرنے سے انکار کیا۔ قسطنطین اور لائی سی نیوس کی خواہش تھی کہ شہنشاہ مشرق میک سیمن کے مقابلے میں ڈائیوکلیشن کے اثر کو اپنی طرف شامل کرلیں اور اس سے سلطنت کے کاموں میں بھی مشورہ لینے کا فائدہ اوٹھائیں۔ لیکن ڈائیوک لیشن کو اگر باغبانی سے مہلت بھی ملتی اور وہ اپنی گاجر مولیاں چھوڑکر اس شادی یا میلان کے جلسۂ مشورت میں شریک ہونے کا شائق بھی ہوتا تو بھی اتنا اشارہ پاتے ہی کہ قسطنطین اور لائی سی نیوس اِس وقت ایک غیر مذہب کے ساتھہ رعایت یا جبر کے مسئلے کو سوچ رہے ہیں وہ فوراً شرکت سے انکار کردیتا۔ اِس کا اقرار وہ ضرور کرلیتا کہ اِس معاملۂ خاص میں جو سلک اس نے اپنے زمانۂ حکومت میں اختیار کیا تھا اُس میں قطعی کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن باوجود اسکے وہ کسی مذہبی رعایت کا

۱۰۷ اعلان اپنی زبان سے کرنے پر ہرگز آمادہ نہوتا۔ غرض پیشتر اس سے کہ میلان کے جشن اور جلسوں میں میک سیمن کے اعلان جنگ سے خلل پڑے قسطنطین اور لائی سی نیوس نے اپنے نام سے وہ فرمان جاری کر دیا جو "فرمان میلان" کے نام سے مشہور ہے۔ مذہبی آزادی و رعایت کا شریفانہ اصول سب سے پہلے اسی فرمان میں شائع ہوا۔ فرمان کی عبارت گو بہت طویل ہے لیکن اس کے بعض حصے یہاں بجنسہٖ نقل کر دینے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ خوش قسمتی سے یہ فرمان اب تک محفوظ ہے اور لکتن تیوس نے اس کی اصل لیٹن عبارت اپنی کتاب میں نقل کر دی ہے[1]۔ اور یونانی زبان میں وہ یوسی بیوس کی تاریخ کلیسا (۱۰-۵) میں موجود ہے۔ عبارت حسب ذیل ہے۔

"از انکہ ہم یعنی اغسطس قسطنطین اور اغسطس لائی سی نیوس نے میلان میں ایک خوشی کے موقع پر ملاقات کر کے عامۂ خلائق کے نفع و سلامتی کے متعلق جملہ امور پر غور و احتیاط سے بحث کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جو معاملات بنی نوع انسان کے زیادہ تر حصے کو نفع پہنچانے والے ہیں اور جو فوراً ہماری توجہ کے محتاج ہیں ان میں کوئی معاملہ اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ پرستش معبود کے مسئلے کو صاف طور پر بیان کر دیا جاوے۔"

"پس ہم نے تجویز کیا ہے کہ کل عیسائیوں کو اور اسکے علاوہ تمام دوسرے مذہب والوں کو کامل آزادی ایسے مذہب پر عمل کرنے کی دیجاوے جس کو ان میں سے ہر ایک نے اپنے حق میں سب سے بہتر سمجھا ہے تاکہ جو کوئی بھی معبود آسمان پر رہتا ہو وہ ہم سے اور ان سب سے جو ہمارے زیر نگین رکھے گئے ہیں خوش و رضامند رہے۔ پس ہم اس امر کو ایک ایسا مسلک سمجھ کر جو مقتضائے عقل ہے نافذ و مشتہر کرتے ہیں کہ کوئی شخص کسی حیلے یا بہانے سے اس آزادی و اختیار سے محروم نہ کیا جاوے جو اسکو کسی مذہب کے قبول و اختیار کرنے کا حاصل ہے خواہ وہ مذہب عیسائی مذہب ہو یا کوئی ۱۰۸ اور جسکو وہ اپنے حق میں سب سے بہتر سمجھا ہو تاکہ وہ معبود برتر جس کے حکموں کو ہم بطیب خاطر مانتے ہیں ہمکو ہماری ہر بات میں اپنی برکت اور اپنا فیض پہنچاتا رہے۔

"پس آں حاکم عالی قدر کے لیئے ہماری اس تجویز کا جاننا ضروری ہے کہ تمام

[1] مرگ جفاکاران۔ باب ۴۸۔

ایسے احکام و شرائط جو عیسائیوں کے متعلق فرامینِ سابقہ میں درج ہوئے ہیں اور جو فرامین اُس کی طرف ارسال ہو چکے ہیں اِس بنیاد پر منسوخ و کالعدم سمجھے جاویں کہ اب وہ ہم کو عدل و انصاف کے خلاف اور ہمارے التفاتِ خسروانی سے بعید معلوم ہوتے ہیں۔

"آیندہ سے کامل اور قطعی آزادی کے ساتھ ہر ایک شخص جو عیسائی مذہب میں شامل اور اُس کا پابند ہونا پسند کرتا ہے عیسائی مذہب میں شامل اور اُس کا پابند قطعی آزادی کے ساتھ ہو سکتا ہے بلا مزاحمت کے جو کسی شکل و صورت میں ہو۔

"ہم نے مناسب سمجھا کہ اِس معاملے کی توجیہ حتی الامکان صراحت کے ساتھ آں حاکم عالی قدر کے سامنے کر دیں تاکہ اُس کو علم ہو کہ ہم نے عیسائیوں کو بلا قید و شرط اپنے دین پر قائم رہنے کا اختیار عطا کر دیا ہے۔

"اور آں حاکم عالی قدر کو یہ دیکھتے ہی کہ ہم نے عیسائیوں کے ساتھ رعایت منظور فرمائی ہے معلوم ہو جائے گا کہ ایسا ہی بلا قید و شرط اختیار جو ہمارے زمانے کے امن و عافیت کے مطابقِ حال ہو باقی ماندہ لوگوں کو بھی اپنی پسند کے دین پر قائم رہنے کا دیا گیا ہے۔ ہم نے یہ طریقہ اِس لئے اختیار کیا ہے کہ کوئی شخص اور کوئی دین اُس عزت سے جس کا وہ مستحق ہے محروم نہ رہنے پاوے۔"

اِس کے بعد نہایت صریح ہدایتیں عیسائیوں کے بارے میں اُن کی جائداد و مال و اسباب کی واپسی کے متعلق درج ہوئی ہیں جو ظلم و تعدی کے زمانے میں اُن سے چھین لیا گیا تھا اور یہ لوٹ شہنشاہی حکم سے عمل میں آئی تھی۔ اب حکم ہوا کہ ہر قسم کی جائداد اور مال و اسباب جو محض ضبطی میں ہو یا فروخت کر دیا گیا ہو یا کسی کو دے دیا گیا ہو ہر صورت میں وہ بلا کسی قسم کے صرفے کے اصلی مالک کو واپس کر دیا جاوے اور اِس واپسی میں نہ کسی قسم کا التوا ہو اور نہ مبہم شرائط لگا کر کسی قسم کی مشکلات پیدا کی جاویں۔ جن خریداروں نے نیک نیتی سے ایسی جائداد یا مال و اسباب کو خرید لیا ہے اُن کو مراحمِ شاہی

۱۰۹

سرکاری خزانے سے قیمت ادا کردی جاوے ۔

لیکن اس مشہور فرمان کا مستقل فائدہ اُن عام اصولوں میں نظر آتا ہے جو اس فرمان میں بہت صراحت سے بے کم و کاست بیان کردیئے گئے ہیں ۔ ہر کس و ناکس کو بلا امتیاز درجہ و قومیت کے اس بات کا حق حاصل ہوگیا کہ جس دین کو چاہے اور اپنی ضرورتوں کے مناسب سمجھے قبول کرے اور اُس پر قائم رہے ۔ اس مضمون کو فرمان میں بار بار بیان کیا ہے ۔ اور یہ مضمون اس زمانے میں درحقیقت ایک انوکھا اور عجیب مضمون تھا ۔ غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ فرمان کے تحریر کرنے والوں کو اس کی احتیاط بدرجۂ غایت منظور تھی کہ عبارت میں کسی قسم کی غلط فہمی کی گنجائش نہ رہے ۔ اپنی پسند کا مذہب اختیار کرنے میں ہر شخص کو آزاد رکھا گیا ۔ سابق کے جس قدر آئین و قوانین عیسائیوں کے برخلاف جاری ہوئے تھے وہ منسوخ کردیئے گئے اور اذنِ عام ہوگیا کہ عیسائیوں پر ظلم ہونا تو چیز دیگر ہے کوئی اُن کو تھوڑی سی تکلیف بھی نہ دے اور نہ کسی بات پر اُن کو تنگ کرے ۔ اس فرمان میں جو بات نئی تھی وہ یہ نہ تھی کہ عیسائیوں کو اذیتیں پہنچانی بند کی گئی تھیں کیونکہ اس سے دو برس پہلے خود گیلی ریوس اس قسم کے ظلم بند کرنے کا فرمان جاری کرچکا تھا بلکہ جو بات نئی تھی وہ یہ تھی کہ سلطنت نے باضابطہ طور پر دینِ عیسوی کو اپنی رعایا کا ایک مذہب جائز تسلیم کرکے خود بھی اُس کی دعاؤں سے فائدہ اُٹھانا منظور کرلیا ۔

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ مصلحتِ ملکی میں اس غیر معمولی تبدیلی کی جو وجوہ شہنشاہوں نے بیان کی ہیں وہ کیا ہیں ۔ یہ وجہ کہ محض بہ تقاضائے ہمدردیِ انسانی مذہبی آزادی دی گئی ہے کہیں مذکور نہیں ہے ۔ اور نہ اُن ظلموں اور سخت عذابوں کا کہیں ذکر ہے جو عیسائیوں کو اُٹھانے پڑے تھے ۔ فرامینِ سابقہ کی طرف صرف اتنا اشارہ ہے کہ دونوں شہنشاہوں کے نزدیک اب اُن کے احکام عدل و انصاف کے خلاف اور التفاتِ خسروانی سے بعید ثابت ہوچکے ہیں ۔ کسی ملکی ضرورت کو بھی اس تبدیلی کی وجہ قرار نہیں دیا ہے ۔ مثلاً یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ دنیا اب مصیبتیں اور عذاب اُٹھاتے اُٹھاتے ہار گئی ہے اس لیئے اب کوئی دن اُنکو

۱۱۰

آرام دینا چاہیئے۔ اِس قسم کی کوئی وجہ بیان نہیں ہوئی ہے۔ پس غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی و حقیقی وجہ اس فرمان کی خالص طور پر مذہبی تھی۔ یعنی مذہبی رعایت کا حکم صرف اِس نیت سے دیا گیا تھا کہ دونوں شہنشاہوں اور اُن کی رعایا کو اس فرمان کے صلے میں آسمانی برکتوں سے حصہ ملتا رہے۔ ایک شہنشاہ کو تو اِن برکتوں کی قدر ابھی معلوم ہو چکی تھی کہ اطالیہ کی خطرناک مہم سے صحیح وسلامت نکل آیا تھا۔ چنانچہ فرمان میں بھی ایک جگہ آیا ہے کہ "آسمانی مہربانیاں جن کا تجربہ ہم کو سلطنت کے بڑے بڑے کاموں میں ہو چکا ہے"۔ اِس عبارت سے صاف اشارہ جنگ ملویائی اور ماکسن تیوس کی شکست کی طرف نکلتا ہے۔ غرض کہ آسمانی برکتوں کی قدر سب کو تھی اور دونوں شہنشاہ اِس فرمان سے جو کچھ نفع حاصل کرنے کی امید رکھتے تھے وہ یہی تھا کہ معبود برتر کی مہربانیاں اور فیاضیاں اُن کے حال پر جاری رہینگی اور وہ تمام خدا جو آسمان پر خدائی کرتے ہیں اُن کے ہمیشہ مربی اور سرپرست رہیں گے۔ فرمان کی عبارت میں جو اصطلاحات مذہبی استعمال کی گئی ہیں وہ غور کے قابل ہیں کہیں خدا کا نام نہیں لیا۔ بلکہ ایک مبہم لفظ یعنی "معبود برتر" یا "افضل معبودی" لکھا ہے۔ بلکہ اِس سے بھی عجیب تر جملہ جس سے کوئی پابندی خاص عیسائیوں کے خدا کا نام لینے کی نہ ہو یہ لکھا گیا ہے کہ "کوئی معبود جو تخت افلاک پر متمکن ہو"۔ غرض ایسا کوئی لفظ جس سے صاف صاف مراد عیسائیوں کا خدا ہو نہیں تحریر ہوا۔ ایک بت پرست فلسفی جس کو ایک خدائے علیم وحکیم میں شک ہو اِس قسم کے الفاظ یا جملے لکھے تو بے جا نہیں لیکن ایک شاہی فرمان میں ایسے الفاظ یا جملوں کا استعمال ضرور قابل غور ہے۔

مگر مشکل یہ تھی کہ اِس فرمان پر قسطنطین اور لائی سی نیوس دونوں کے دستخطوں کی ضرورت تھی۔ ممکن ہے کہ قسطنطین دل میں عیسائی ہو چکا ہو۔ لیکن لائی سی نیوس بہرکیف اب تک بت پرست تھا۔ وہ قسطنطین کا ماتحت نہ تھا بلکہ برابر کا درجہ رکھتا تھا اور یقینی ایسے فرمان پر دستخط کرنے گوارا نہ کر سکتا تھا جس کی رو سے دین مسیحی کا جواز اُس کو ماننا پڑتا۔ یہ ممکن تھا کہ

فتح کی خوشی میں قسطنطین اس بات پر مصر ہو تا کہ عیسائیوں پر سختیاں بند کر دی جاویں۔ اور عیسائی مذہب سرکاری طور پر تسلیم کر لیا جاوے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ لائی سی نیوس اس پر کوئی اعتراض نہ اُٹھاتا۔ لیکن جب فرمان تحریر کئے جانیکا موقع آیا تو دونوں سمجھ گئے کہ اُن کی طبیعتوں میں جو امورِ دینی مشترک ہیں وہ بہت ہی کم ہیں۔ مگر ایک ظاہری اتحاد رکھنا بھی ضروری ہے اس لئے دونوں نے فرمان کی عبارت میں ایسی مبہم یا وسیع المعنی اصطلاحات مذہبی سے کام لیا کہ ہر ایک اپنے عقائد کے مطابق اُس سے معنی پیدا کر لے۔ اگر پوپ اور خلیفۂ اسلام کو مل کر کسی موقع پر کُل بنی نوع انسان سے کسی بات کے کہنے کا موقع آئے اور اُسمیں کائنات عالم کی سب سے برتر و برگزیدہ طاقت کا ذکر کرنا ضروری ہو تو وہ مجبور ہو کر یوسی بیوس کی طرح کوئی ایسا ہی غیر واضح جملہ جیسا کہ "آسمانی جوہر یا ہستی" یا "کوئی ذات جو معبود کا درجہ رکھتی ہو" استعمال کریں گے۔ پس یہ نہ تھا کہ فرمان لکھنے کے وقت قسطنطین کی طبیعت مذہب کے اعتبار سے ابھی کسی منزل تک نہ پہنچی تھی بلکہ وہ اس تلاش میں تھا کہ اُس کے اور لائی سی نیوس کے عمل کے لیئے کوئی سطحِ مشترک مل جاوے۔

لیکن قسطنطین کی یہ کامیابی بھی کچھ کم نہ تھی کہ اُس نے لائی سی نیوس سے عیسائی مذہب کی نسبت اتنا تسلیم کرا لیا کہ رومانی رعایا کے مذہبوں میں وہ بھی ایک مذہب جائز ہے۔ اور یہ کہ مذہبی رعایت سب کے ساتھ یکساں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ یہ اصول رومانی طبیعت کے لیئے ایک بالکل نیا اصول تھا۔ اس سے پہلے وہ سوائے اپنے شہر اور باپ دادا کے خداؤں کے اور کسی کا ماننا جائز نہ جانتے تھے۔ موسیو گاستون بواسیئے نے اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ افلاطون جیسا رعایت پسند حکیم بھی اپنی خیالی و مثالی سلطنت میں اُن لوگوں کے لیئے جگہ نہ نکال سکا جو اپنے باپ دادا کے خداؤں یا اپنے جنم شہر کے خداؤں کو ماننے سے انکار کرتے تھے۔ افلاطون کے نزدیک اِن لوگوں میں سے وہ لوگ بھی جو اپنے عقیدے کو اپنے ہی تک رکھتے تھے اور دوسرے کے ایمان میں خلل نہ ڈالتے تھے اِس سزا کے مستوجب تھے کہ اُن کو کسی تادیب خانے میں

یا کسی "بیتِ حکمت" میں پانچ برس کے لیئے مقید کردیا جائے اور وہاں روزانہ اصلاح عقائد کی غرض سے اُن کو ایک خطبہ سنایا جائے لیکن اگر ایسے لوگ اپنے مُضر عقیدوں کو پھیلانا چاہیں تو پھر تنگ و تاریک قیدخانوں میں اُن کو بند کردیا جاوے۔ اور جب وہ مرجاویں تو عزت کے ساتھ دفن ہونیکا حق بھی اُن کا چھین لیا جاوے۔ ایسی خیالی و مثالی سلطنت میں خدا جانے حکیم سقراط کا کیا درجہ ہوتا۔ شاید اُس سے بہتر نہ ہوتا جو خاص اُس کے وطنِ مالوف ایتھنز میں ہوا۔ بہرکیف زمانۂ سلف کے تمام واضعانِ قانون نے اِس بات کو ہمیشہ ملحوظ رکھا کہ ایک نیک اور اچھے باشندۂ شہر کے لیئے اپنے وطن کے خداؤں کا ماننا جو اُس کے باپ دادا کے خدا مانے گئے ہوں ضروریات سے تھا۔ اِس ضرورت کے ساتھ یہ بھی لازمی تھا کہ ایک شہر کا آدمی دوسرے شہر کے خداؤں کو پوجنے سے باز رکھا جاوے۔ کیونکہ اِن خداؤں کا خیال بھی اپنی نسبت وہی تھا جیسا کہ توراۃ مقدس میں خدا نے اپنی نسبت فرمایا ہے "یعنی یہ کہ میں تیرا خدا ایک خدائے غیور ہوں" اگر اشوریوں۔ مصریوں۔ یونانیوں اور رومانیوں کے خداؤں کو بھی وہی قوت گویائی ملی ہوتی جو انبیائے بنی اسرائیل کو ملی تھی تو یہ خدا بھی اسرائیل کے خدا سے کچھ کم غیور نہ ہوتے؛

اب سوال یہ ہے کہ روما کے سلطنتی مذہب کے کیا اصول تھے؟

سِسرو نے اپنی کتاب "قوانین" میں ایک جگہ یہ پرانا مقولہ نقل کیا ہے کہ "کسی شخص کو جائز نہیں کہ اپنے دیوتاسب سے الگ تھلگ قائم کرکے اُن کی پرستش کرے۔ اور نہ یہ چاہیئے کہ قوم کو نئے خداؤں یا غیروں کے خداؤں کو اپنے طور پر پوجنے دے تاوقتیکہ علانیہ اُن کی پوجا منظور و تسلیم نہ کرلی گئی ہو۔"[1] اِس مقولے کی عبارت بہت صاف ہے۔ لیکن روما میں قاعدہ اور اُس پر عمل کرنا یہ دونوں چیزیں ایسی تھیں جو رفتہ رفتہ ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دیا کرتی تھیں۔ یہ مشہور بات ہے کہ جب روما کی سلطنت کو وسعت ہوئی اور اُس کے

۱۱۳

[1] "قوانین"۔ ۲ - ۱۸؛

لوگ دُور و دراز ملکوں میں سکونت کے بعد پھر روما میں آئے تو اپنے ساتھ نئے نئے خدا بھی لیتے آئے۔ کلدانی ساحروں اور جادوگروں اور فال گیروں کا بھی ہجوم شہر میں ہوگیا۔ شہر والوں نے اُن کی بڑی آؤبھگت کی اور اُن کو روپیہ بھی خوب پیدا کرا دیا۔ اور اگر کہیں نووارد خداؤں کے ساتھ کوئی بھولی بھٹکی دیبی بھی آگئی اور اُس کی پُوجا سے کچھ پوشیدہ رسوم بھی متعلق ہوئیں تو پھر اُس کو روما کے شہر میں بہت ہی آرام و آسایش کا گھر مل جاتا تھا۔ غرض کوئی نیا طریقہ یا مذہب ہو وہ اِس شہر میں تھوڑے دن کے لئے ایسا ہی مقبول اور منظورِ نظر ہو جاتا تھا جیسا کہ آج کل کے اور بڑے بڑے شہروں میں ہو رہا ہے۔ مگر روما کا کاہنِ اعظم اور دینِ بُت پرستی کے دیگر پیشوا و عمائد اِن نئے طریقوں اور مذاہب کو ہرگز تسلیم نہ کرتے تھے۔ کبھی کبھی وبا آنے کے بعد یا اگر کسی شہنشاہ کو خود کچھ خیال آیا تو یہ غیر مذہب والے ساحر و جادوگر شہر سے نکال دیئے جاتے تھے۔ لیکن پھر جہاں غل کم ہوا یہ لوگ شہر میں پھر چُپکے چُپکے پہنچ جاتے تھے۔ غرض اصول کے اعتبار سے تو روما کے خدا ضرور غیروں کے خداؤں سے رشک کرتے تھے۔ لیکن عملی طور پر ایسے نہ تھے۔ شائستہ مذاق اور تعلیم یافتہ رومانیوں میں شک کا مادہ زیادہ تھا اور اُن کو یہ شوق بھی تھا کہ مختلف مذہبی اور اخلاقی طریقوں سے عمدہ عمدہ اصول منتخب کر کے اپنے لئے دستور العمل بنائیں۔ یہ دونوں باتیں ایسی تھیں جن سے ظاہر تھا کہ قدرتی طور پر اُن کی طبیعت مذہبی رعایت پسند کرتی ہے۔ "پروفلا کو" میں سسرو کا مشہور فقرہ بیان ہوا ہے کہ "اے لیلیوس ہر سلطنت کا ایک مذہب ہوتا ہے۔ ہماری سلطنت کا بھی ایک مذہب ہے۔" اِس فقرے سے ظاہر ہے کہ رومانیوں میں مجنونانہ تعصبِ مذہبی کا مادہ بہت کم تھا۔ بلکہ یہ لوگ تو وہ تھے کہ اپنی مفتوحہ قوموں کے خداؤں کو سرقہ کر کے اپنا بنا لیتے تھے تاکہ اِس خوشامد سے دنیا کی قومیں روما کی ملکی فضیلت کو تسلیم کرتی رہیں۔ رومانی اپنی خانگی زندگی میں دوسروں کے مذہبی عقائد کو ہمیشہ رعایت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ البتہ غیر مذہب والوں سے وہ اِس بات کے ضرور متوقع رہتے تھے کہ جیسا ہم تمھارے دین کا لحاظ کرتے ہیں ایسا ہی تم ہمارے دین کا لحاظ کرو۔ گویہ ہی معاوضہ یا لازم و ملزوم وہ تھا جسکو کوئی عیسائی

۱۱۴

یا کسی "بیتِ حکمت" میں پانچ برس کے لئے مقید کردیا جائے اور وہاں روزانہ اصلاح عقائد کی غرض سے اُن کو ایک خطبہ سنایا جائے لیکن اگر ایسے لوگ اپنے مُضر عقیدوں کو پھیلانا چاہیں تو پھر تنگ وتاریک قید خانوں میں اُن کو بندکردیا جاوے۔ اور جب وہ مرجاویں تو عزت کے ساتھ دفن ہونیکا حق بھی اُن کا چھین لیا جاوے۔ ایسی خیالی ومثالی سلطنت میں خدا جانے حکیم سقراط کا کیا درجہ ہوتا۔ شاید اُس سے بہتر نہ ہوتا جو خاص اُس کے وطنِ مالوف ایتھنز میں ہوا۔ بہرکیف زمانۂ سلف کے تمام واضعانِ قانون نے اِس بات کو ہمیشہ ملحوظ رکھا کہ ایک نیک اور اچھے باشندۂ شہر کے لیئے اپنے وطن کے خداؤں کا ماننا جو اُس کے باپ دادا کے خدا مانے گئے ہوں ضروریات سے تھا۔ اِس ضرورت کے ساتھ یہ بھی لازمی تھا کہ ایک شہر کا آدمی دوسرے شہر کے خداؤں کو پوجنے سے باز رکھا جاوے۔ کیونکہ اِن خداؤں کا خیال بھی اپنی نسبت وہی تھا جیسا کہ توراۃ مقدس میں خدا نے اپنی نسبت فرمایا ہے "یعنی یہ کہ میں تیرا خدا ایک خدائے غیور ہوں" اگر اشوریوں۔ مصریوں۔ یونانیوں اور رومانیوں کے خداؤں کو بھی وہی قوت گویائی ملی ہوتی جو انبیائے بنی اسرائیل کو ملی تھی تو یہ خدا بھی اسرائیل کے خدا سے کچھ کم غیور نہ ہوتے؛

اب سوال یہ ہے کہ روما کے سلطنتی مذہب کے کیا اصول تھے؟

سِسرو نے اپنی کتاب "قوانین" میں ایک جگہ یہ پرانا مقولہ نقل کیا ہے کہ "کسی شخص کو جایز نہیں کہ اپنے دیوتا سب سے الگ تھلگ قائم کرکے اُن کی پرستش کرے۔ اور نہ یہ چاہئے کہ قوم کو نئے خداؤں یا غیروں کے خداؤں کو اپنے طور پر پوجنے دے تاوقتیکہ علانیہ اُن کی پوجا منظور و تسلیم نہ کرلی گئی ہو"[1]۔ اِس مقولے کی عبارت بہت صاف ہے۔ لیکن روما میں قاعدہ اور اُس پر عمل کرنا یہ دونوں چیزیں ایسی تھیں جو رفتہ رفتہ ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دیا کرتی تھیں۔ یہ مشہور بات ہے کہ جب روما کی سلطنت کو وسعت ہوئی اور اُس کے ۱۱۴۳

[1] "قوانین"۔ ۲ - ۱۸؛

لوگ دُور دراز ملکوں میں سکونت کے بعد پھر روما میں آئے تو اپنے ساتھ نئے نئے خدا بھی لیتے آئے۔ کلدانی ساحروں اور جادوگروں اور فال گیروں کا بھی ہجوم شہر میں ہوگیا۔ شہر والوں نے اُن کی بڑی آؤبھگت کی اور اُن کو روپیہ بھی خوب پیدا کرادیا۔ اور اگر کہیں نووارد خداؤں کے ساتھ کوئی بھولی بھٹکی دیبی بھی آگئی اور اُس کی پُوجا سے کچھ پوشیدہ رسوم بھی متعلق ہوئیں تو پھر اُس کو روما کے شہر میں بہت ہی آرام و آسایش کا گھر مِل جاتا تھا۔ غرض کوئی نیا طریقہ یا مذہب ہو وہ اِس شہر میں تھوڑے دن کے لیئے ایسا ہی مقبول اور منظورِ نظر ہوجاتا تھا جیسا کہ آج کل کے اور بڑے بڑے شہروں میں ہورہا ہے۔ مگر روما کا کاہنِ اعظم اور دینِ بُت پرستی کے دیگر پیشوا و عمائد اِن نئے طریقوں اور مذاہب کو ہرگز تسلیم نہ کرتے تھے۔ کبھی کبھی وبا آنے کے بعد یا اگر کسی شہنشاہ کو خود کچھ خیال آیا تو یہ غیر مذہب والے ساحر و جادوگر شہر سے نکال دیئے جاتے تھے۔ لیکن پھر جہاں غل کم ہوا یہ لوگ شہر میں پھر چُپکے چُپکے پہنچ جاتے تھے۔ غرض اصول کے اعتبار سے تو روما کے خدا ضرور غیروں کے خداؤں سے رشک کرتے تھے۔ لیکن عملی طور پر ایسے نہ تھے۔ شائستہ مذاق اور تعلیم یافتہ رومانیوں میں شک کا مادہ زیادہ تھا اور اُن کو یہ شوق بھی تھا کہ مختلف مذہبی اور اخلاقی طریقوں سے عمدہ عمدہ اصول منتخب کرکے اپنے لیئے دستور العمل بنائیں۔ یہ دونوں باتیں ایسی تھیں جن سے ظاہر تھا کہ قدرتی طور پر اُن کی طبیعت مذہبی رعایت پسند کرتی ہے۔ "پروفلاکو" میں سمرو کا مشہور فقرہ بیان ہوا ہے کہ "اے لیلیوس ہر سلطنت کا ایک مذہب ہوتا ہے۔ ہماری سلطنت کا بھی ایک مذہب ہے۔" اِس فقرے سے ظاہر ہے کہ رومانیوں میں مجنونانہ تعصبِ مذہبی کا مادہ بہت کم تھا۔ بلکہ یہ لوگ تو وہ تھے کہ اپنی مفتوحہ قوموں کے خداؤں کو سرقہ کرکے اپنا بنا لیتے تھے تاکہ اِس خوشامد سے دنیا کی قومیں روما کی ملکی فضیلت کو تسلیم کرتی رہیں۔ رومانی اپنی خانگی زندگی میں دوسروں کے مذہبی عقائد کو ہمیشہ رعایت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ البتہ غیر مذہب والوں سے وہ اِس بات کے ضرور متوقع رہتے تھے کہ جیسا ہم تمھارے دین کا لحاظ کرتے ہیں ایسا ہی تم ہمارے دین کا لحاظ کرو۔ مگر یہی مبادلہ یا لازم و ملزوم وہ تھا جس کو کوئی عیسائی

۱۱۴

نہ مانتا تھا اور نہ مان سکتا تھا۔ اگر عیسائی رومانی بتوں کی قربانگاہوں پر قربانی چڑھا دیتے تو کبھی رومانیوں کو اِس بات سے بحث نہ ہوتی کہ عیسائی اپنی تسکین قلب و ایمان کے لئے مسیح کی پرستش کیوں کرتے ہیں۔ غرض اس کو عیسائیوں کا اصرار بے جا کہئے یا راسخ الایمان ہونا کہئے یہی وہ چیز تھی جس نے اُن پر ظلم کرائے۔ اور بت پرستوں کو اُن کا جانی دشمن بنا دیا ؛

قسطنطین اور **لائی سی نیوس** نے نصرانیت تسلیم کرنے اور اُس کے ساتھ رعایت کا جو فرمان جاری کیا اُس کی وجہ سے گویا رومانی عبادات میں عیسائیوں کے خدا کو بھی شامل کرلیا ؛

۱۱۵

ساتواں باب

لائی سی نیوس کی حکومت کا خاتمہ

۳۱۳ سنہ عیسوی میں میلان والا فرمان جاری ہوا۔ اور ۳۲۴ سنہ عیسوی میں قسطنطین نے لائی سی نیوس کی حکومت کا قطعی استیصال کر دیا۔ اس باب میں ہم ۳۱۳ سنہ سے ۳۲۴ سنہ تک کے تاریخی حالات سلسلہ وار لکھتے ہیں کیونکہ اس میں زیادہ سہولت نظر آتی ہے۔ یہ ہم اوپر پڑھ چکے ہیں کہ جب قسطنطین نے ایطالیہ پر چڑھائی کی تو میک سیمن نے اپنے دوست ماکسن تیوس کی کمک پر ایک سپاہی تک نہ بھیجا۔ لیکن لائی سی نیوس کی قلمرو پر جلد حملہ کر کے ثابت کر دیا کہ جو عداوت چلی آتی تھی اُس میں کمی نہیں ہوئی ہے۔ اس حملے کا کسی کو خیال تک نہ تھا۔ لائی سی نیوس ابھی تک میلان میں مقیم تھا۔ جاڑے کا موسم آ گیا تھا اور اُس کی فوجیں چھاؤنیوں میں چلی گئی تھیں جہاں جاڑا بسر کیا کرتی تھیں۔ اس حالت میں خبر آئی کہ کچھ عرصہ ہوا کہ میک سیمن نے پہلے تو شام میں ایک لشکر جرار فراہم کیا اور پھر اس لشکر کو لے کر بتھی نیا میں آیا۔ راستے میں جاڑے کی شدت سے سپاہ اور سپاہ کے افسروں کو جیسی جیسی ہلاکت میں پڑنا پڑا اُس کی مطلق پروا نہیں کی اور اب بتھی نیا سے چل کر کسی طرح آبنائے بوسفورس کو عبور کر لیا ہے۔ غرض معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بوسفورس اترتے ہی وہ شہر بیزنطیہ کے محاصرے میں مصروف ہو گیا حالانکہ لائی سی نیوس اُس کے مقابلے کے لئے ابھی تک ایطالیہ سے باہر نکلنے کا بندوبست بھی نہ کرنے پایا تھا۔

گیارہ دن کے محاصرے کے بعد بیزنطیہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔

۱۱۶

اسی طرح ہیریکلیہ کا شہر بھی محصور ہو کر زیادہ مدت تک مقابلہ نہ کر سکا۔ مگر اس

عرصے میں لائی سی نیوس، اطالیہ سے چل پڑا تھا اور اب غنیم کے قریب آتا جاتا تھا۔ آخر کار فریقین نے کھلے میدان میں جم کر مقابلے کی تیاریاں کیں۔ لائی سی نیوس کا لشکر میک سیمن کے لشکر سے نصف تھا۔ مگر پھر بھی اور یہ نوپل کے قریب سیری نوس کے میدان میں لائی سی نیوس کے لشکر سے شکست کھا گیا۔ میک سیمن لشکر کو اُس کے حال پر چھوڑ کر اپنی جان بچا کر بھاگا۔ لکتن تیوس نے اِس لڑائی کا ذکر اس طرح کیا ہے[1] کہ یہ ملکی لڑائی نہ تھی بلکہ نصرانیت اور بُت پرستی اپنی اپنی جان پر بازی لگا کر میدان میں اتری تھیں کہ آج یہ نہیں یا وہ نہیں۔ میک سیمن نے اِس بات کا بیڑا اُٹھایا تھا کہ اگر جو پیٹر کی نظر لطف شاملِ حال رہی تو دنیا سے عیسائیوں کا نام مٹا دوں گا۔ لائی سی نیوس کے پاس بھی خواب میں خدا کا فرشتہ پیغام لے کر آیا کہ اگر لڑائی میں جیتنا منظور ہے تو لائی سی نیوس اور اُس کا تمام لشکر خدا کے حضور میں ایک دعا پڑھے۔ وہ دعا مجھ کو یاد ہے اگر لکھوانا چاہتے ہو تو لکھوانے کو موجود ہوں۔ لائی سی نیوس نے اتنا سنتے ہی اپنے کاتب کو بلوایا۔ فرشتے نے دعا پڑھنی شروع کی اور کاتب اُس کو بجنسہ لکھتا گیا۔ وہ دعا یہ تھی:-

"اے سب سے برتر خدا ہم تیرا ہی نام پکارتے ہیں۔ اے پاک خدا ہم تجھی کو پکارتے ہیں۔ ہم اپنا انصاف تیرے ہاتھ پر رکھتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے پناہ مانگتے ہیں، اور اپنی سلطنت بھی تجھی کو سونپتے ہیں! تجھ ہی سے ہم نے زندگی پائی۔ ہے اور تیرے ہی طفیل سے ہم کو فتح اور رحمت میسر ہوئی ہے! اے سب سے بالاتر اور پاک خدا۔ ہماری دعا کو سُن لے! ہم تیری طرف ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ ہماری التجا سُن لے! اے سب سے برتر اور پاک خدا!"

یہ دُعا گویا دفع بلا کے لئے ایک طلسم تھی۔ کاتب نے اُس کی بہت سی نقلیں جلد تیار کیں اور اِس حکم کے ساتھ فوج کے سپاہیوں اور افسروں میں تقسیم کرا دیں کہ ہر شخص اُس کو برزبان کرلے۔ چنانچہ جب لڑائی کا وقت آیا

۱۱۷

[1] "مرگ جفاکاران" باب ۴۶۔

اور فریقین کے لشکر آراستہ ہو کر مقابلے پر آنے کو ہوئے تو لائی سی نیوس کی فوجوں نے اپنی سپریں زمین پر ڈالیں اور سروں سے ٹوپیاں اتار کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور سب نے آواز ملا کر اس دعا کو پڑھا جس کے قوافی اور جملوں کی تکرار اور پھر صدہا آوازوں کا مل کر کبھی بڑھنا اور کبھی گھٹنا ایک عجیب کیفیت دلوں پر پیدا کرتا تھا۔ لکتن تیوس لکھتا ہے کہ اس دعا کی گونج دشمن اجل رسیدہ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ دعا ختم ہونے کے بعد فریقین میں کچھ گفتگو ہونے لگی۔ میک سیمن کو امید تھی کہ لائی سی نیوس کی تمام فوج اپنے بادشاہ سے منحرف ہو کر اس کے ساتھ ہو جائے گی۔ اس لیئے اس نے نہ کسی مصالحت کو سنا اور نہ کسی رعایت کو منظور کیا۔ اور اب دونوں لشکر آپس میں بھڑ گئے۔ مگر انجام کار میک سیمن کے علم کو نیچا دیکھنا پڑا۔ یہ قصہ دعا کے متعلق لکتن تیوس نے واقعی عجیب لکھا ہے لائی سی نیوس حال میں قسطنطین سے مل کر آیا تھا اور اس کی زبانی سن چکا تھا کہ کس طرح "معبود اکبر" نے ماکسن تیوس کے مقابلے میں اس کی مدد کی تھی۔ قوت و سطوت معبود کا خیال اس وقت اس کے دل و دماغ میں بسا ہوا تھا۔ پس اس قصے کو پڑھ کر سمجھ میں آسکتا ہے کہ لائی سی نیوس کی طبیعت اس وقت کسی فوق العادت خبر کو کسی فوق العادت وسیلے سے سن کر یقین کر لینے پر کس درجہ آمادہ ہو گی۔ مگر یہاں اس کا خیال بھی رہنا چاہیئے کہ اس دعا میں جس خدا سے خطاب تھا اس کی نسبت یہ امر یقینی نہیں ہے کہ وہ عیسائیوں کا خدا تھا یا بت پرستوں کا۔ لکتن تیوس کو دعوے ہے کہ خدائے برتر اور پاک سے مراد سوائے عیسائیوں کے خدا کے اور کسی خدا سے نہیں ہو سکتی۔ لیکن ہماری رائے میں تو جو پیٹر یا اپولو یا متھرا یا بعل یا بعلینوس کا ماننے والا بھی اس دعا کو پڑھ کر کہہ سکتا ہے کہ میں اپنے ہی خدا کو پکارتا ہوں۔

میک سیمن لڑائی کے خونی منظر سے ایسا بدحواس ہو کر بھاگا کہ گویا اس کی روح قبض کرنے کے لیئے پلا سیجون کے کل خدا اس کے پیچھے دوڑ پڑے ہیں۔ بت پرستوں نے لکتن تیوس کی عداوت کا

۱۱۸

کیا پوچھنا ہے۔ لکھتا ہے کہ میکسیمن نے اپنا شاہی لباس اُتار پھینکا۔ اور غلاموں کے موٹے جھوٹے کپڑے پہن لیئے۔ اور اِس بھیس میں کسی طرح آبنائے بوسفورس اتر کر چوبیس گھنٹے میں میدانِ جنگ سے نیکومیدیا کے ایوانِ شاہی میں پہنچ گیا۔ یہ فاصلہ ۱۶۰ میل کا تھا۔ یہاں سے اہل وعیال کو ساتھ لیا اور کوہستانِ طارس (جبال سلیمہ) کے دروں سے نکل کر شام اور مصر میں جس لشکر کو چھوڑا تھا اُس کو اپنے پاس طلب کرلیا۔ اور یہاں وہ لائی سی نیوس کا منتظر ہوگیا جو اُس کا کھوج لگاتا ہوا آہستہ آہستہ پیچھے آرہا تھا۔ میکسیمن کا آخری وقت اب قریب آن پہنچا تھا۔ اُس کی سپاہ کو اب اِس کا یقین نہ تھا کہ لڑائی میں کامیابی ہو سکتی ہے۔ پس میکسیمن نے اِس خیال سے کہ اب کسی کو اُس کے حال پر رحم نہ آئے گا طرسوس کے مقام پر خودکشی کرلی۔ جو ملک اُس کے قبضے میں تھے اب وہ بلاشور وشر لائی سی نیوس کے قبضے میں چلے گئے۔ لائی سی نیوس نے اب میکسیمن کے خاندان کے جس قدر لوگ زندہ تھے سب کو قتل کروادیا۔

فاتح کی سنگ دلی دیکھیئے کہ شاہی خاندان کی دو مستورات پر بھی اُسکو رحم نہ آیا۔ یہ وہ بیگمات تھیں جن کی بدقسمتیوں اور مصیبتوں کی داستان پر اس سنگدل زمانے میں بھی لوگوں کے دل موم ہو جاتے تھے۔ اِن بیگمات میں ایک شہنشاہ دائیوک لیشن کی بیوی پرسکہ تھی اور دوسری اُس کی لڑکی ویلیریہ یعنی شہنشاہ گیلی ریوس کی بیوہ تھی۔ گیلی ریوس نے اِس خیال سے کہ میکسیمن اُس کے پچھلے احسانات کبھی نہ بھولیگا کہ کس طرح حالتِ گمنامی سے نکال کر اُس کو فرمانروائی کے درجے تک پہنچایا تھا اپنی بیوی کو اُس کے سپرد کردیا تھا۔ میکسیمن نے اِس اعتبار کا انعام یہ دیا کہ ویلیریہ سے شادی کا پیغام دیا اور منظوری کی صورت میں وعدہ کیا کہ اپنی موجودہ بیوی کو طلاق دیدیگا۔ ویلیریہ نے اس درخواست کو بہت برہم ہوکر نامنظور کیا اور کہا کہ جس خاوند کی موت پر اب تک ماتمی لباس پہنے ہوں اور جس کی راکھ بھی ابھی ٹھنڈی نہیں ہوئی ہے ایسی حالت میں شادی کا خیال میرے ذہن میں کیونکر

آسکتا ہے[1] میکسیمین کے لیئے اس سے زیادہ کوئی مذموم حرکت نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ اگر میں نے اس پیغام کو منظور بھی کر لیا تو کیا اس سے یہ خبر نہیں نکلے گی کہ جو درجہ پہلی بیوی کا ہوا وہی میرا بھی ہوگا۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ میں شہنشاہ دائیوکلیشن کی بیٹی اور شہنشاہ گیلی ریوس کی بیوہ ہوں۔ میرے شایان عزت نہیں کہ دوسرا عقد کر کے اپنے ناموس کو بٹا لگاؤں۔ میکسیمین نے اس جواب کا بُری طرح بدلہ نکالا۔ ویلیریہ کو بالکل محتاج اور تنگ دست کر کے اُس کے ہوا خواہوں کا بھی کام تمام کر دیا۔ اور آخر کار اُس کو اُس کی ماں کے ساتھ جلاوطنی کا حکم دیا۔ ماں بیچاری خود محتاج تھی۔ بیٹی کے لیئے سوائے اس کے کچھ نہ کر سکی کہ سخت سے سخت مصیبتوں میں بھی اُس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ لکٹن تیوس لکھتا ہے کہ یہ دونوں بیگمات شاہی صحرائے شام میں اِدھر کی اُدھر ماری ماری پھرتی تھیں۔ دائیوکلیشن اس عالمِ ضعیفی میں میکسیمین کی خوشامدیں کرتا تھا اور بار بار لکھتا تھا کہ اُس کی لڑکی کو سلونہ میں اُس کے پاس رہنے کی اجازت دیدی جاوے۔ لیکن میکسیمین کو اس گوشہ نشین بادشاہ کی درخواستوں کو نامنظور کرنے میں ایک لطف آتا تھا۔ دائیوکلیشن نے ایک بار مجبور ہو کر اپنے ایک عزیز کو بھیجا اور میکسیمین کو یاد دلایا کہ اُس کے ساتھ کیسے کیسے احسانات اُس نے کیئے تھے۔ کیا اُن کا صلہ یہی ہے کہ اُس کی بیوی اور بیٹی پر سختیاں کیجاتی ہیں۔ بہر کیف کسی تدبیر سے بھی ان بیگمات کی مصیبتوں میں کمی نہ ہوئی۔ جب میکسیمین کی قوت کو زوال ہوا اور اُس نے خودکشی کر لی تو ان بیگمات کو خیال ہوا کہ شاید میکسیمین کے ظلم و ستم اب ہمارے حق میں لائی سی نیوس کے لطف و کرم کا باعث ہو جاویں۔ چنانچہ وہ ہمت کر کے دارالحکومت نیکو میڈیا میں چلی آئیں۔ مگر یہاں بھی اُن کی تقدیر میں مایوسی لکھی تھی۔ لائی سی نیوس نے اس حاسدانہ اضطراب میں کہ شاہانِ سابق کے خاندان سے کوئی متنفس زندہ نہ رہ جاوے گیلی ریوس کے غیر صحیح النسب فرزند کو جس کا نام کانڈی ڈیانس تھا اور جس کو

[1] مرگ جفاکاران باب ۳۹ و ۴۰

119

ویلیریہ نے بیٹا بنا کر پالا تھا قتل کروا دیا۔ یہ واقعہ پیش آتے ہی یہ دونوں عورتیں نیکومیدیا سے بھاگیں۔ اور معمولی غریب آدمیوں کا بھیس بدل کر سوا برس تک بے یار و مددگار ایک شہر سے دوسرے شہر میں دربدر پڑی پھریں[1]۔ بدقسمتی سے تھسالونیکا (سلانیک) میں وہ شناخت کر لی گئیں۔ اور وہیں اُن کو فوراً قتل کر دیا گیا۔ اور اُن کی لاشیں سمندر میں پھینک دی گئیں۔ ہزارہا آدمی اِس ظلم کو نہایت افسوس اور رنج کے ساتھ دیکھ رہے تھے مگر کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ مظلوموں کے بچانے کے لیئے ہاتھ اُٹھاتا۔ ۱۲۰

اب رومانی سلطنت کو قسطنطین اور لائی سی نیوس نے باہمی تقسیم کر لیا۔ ابتدا میں اِن دونوں شہنشاہوں میں اتحاد رہا مگر ملک و مال جاہ و منزلت کے دونوں یکساں شائق تھے اس لیئے اُن میں مدت تک اتحاد قائم نہ رہ سکا۔ ہر ایک نے اپنے اپنے دشمن پر آسانی سے فتح پائی تھی۔ اور ہر ایک سمجھتا تھا کہ میرا لشکر ایسا زبردست ہے کہ ایک نہ ایک دن اُس کو کل سلطنت کا مالک بنا دیگا۔ آخر کار باہمی نزاع شروع ہوئی جس کا بڑھتے بڑھتے یہ انجام ہوا کہ ۳۱۶ سنہ عیسوی میں مستقل جنگ چھڑ گئی۔ جن حیلے حوالوں سے یہ نزاع شروع کی گئی تھی اُن کا حال بخوبی معلوم نہیں۔ زوسیموس نے فساد کی ابتدا قسطنطین سے لکھی ہے کہ اُس نے اپنے قول و قرار کی پابندی نہیں کی۔ اور لائی سی نیوس کے بعض علاقے دبا لیئے۔ لیکن زوسیموس کا بیان تسلیم کرنے میں احتیاط شرط ہے۔ وہ خود بُت پرست تھا اور بُت پرستوں کی ہمدردی اُس پر فرض تھی۔ اور یہاں وہ نیت کی خرابی قسطنطین سے منسوب کرتا ہے جو عیسائیوں کا دوست تھا۔ بہرکیف اندازاً یہ سمجھنا چاہیئے کہ دونوں شہنشاہوں میں تقسیم سلطنت پر جھگڑا ہوا اور یہی باعث لڑائی کا ہو گیا۔ قسطنطین نے اپنی سوتیلی بہن اناستاسیہ کا عقد اپنے ایک فوجی افسر باسیانوس سے کر دیا تھا۔ اور اِس رشتے کے بعد اُس کو قیصر بھی کر دیا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد باسیانوس کو قسطنطین سے رنجش ہو گئی۔

[1] مرگ جفا کاراں۔ باب ۵۱۔

اِس کا سبب ٹھیک ٹھیک نہیں معلوم ۔ممکن ہے کہ باسیانوس کو قیصر کے خطاب کے ساتھ کوئی اور چیز یعنی کوئی لشکر یا علاقہ نہ دیا گیا ہو اور اس پر وہ قسطنطین سے برا مان گیا ہو ۔ بہر حال اُس نے لائسی نیوس سے سازش کر لی قسطنطین کو جب یہ حال کھلا تو اُس نے باسیانوس کو قتل کرا دیا ۔ اور لائسی نیوس کو لکھا کہ مقتول کے بھائی سینی سیو کو جو لائسی نیوس کا بھی عزیز ہوتا تھا ہمارے حوالے کر دیا جاوے ۔ لائسی نیوس نے اِس درخواست کو قطعی نامنظور کیا اور ایمونا (لاے باک) کے مقام پر قسطنطین کے بعض مجسموں کو منہدم کرنے کا حکم دیا اور اِس پر جنگ شروع ہو گئی ؛

۱۲۱

۳۱۶ء کے موسم خریف میں علاقہ پانونیہ میں مقام سبالِس کے قریب دریائے درادی اور ساوی کے مابین دونوں فریقوں کے لشکر جمع ہوئے ۔ مگر کوئی فریق بھی اِس لڑائی کے لئے اپنا پورا لشکر ساتھ نہ لایا تھا ۔ لائسی نیوس کے پاس صرف ۳۵۰۰۰ اور قسطنطین کے پاس ۲۰۰۰۰ فوج تھی ۔ زوسیموس نے اِس لڑائی کے حال میں بڑی فصاحت و بلاغت صرف کی ہے[1] ۔ اُس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطین نے اپنے لشکر کے لئے ایک ایسا مقام تجویز کیا تھا جس کے ایک طرف ایک اونچی پہاڑی تھی اور ایک طرف ایک وسیع قطعہ ریگ و دلدل کا تھا جس میں سے گذرنا ممکن نہ تھا ۔ اِس مقام سے اُس نے دشمن کے دھاوے کو روک کر خود دشمن کی فوج کا پیچھا کیا یہاں تک کہ کھلے میدان میں پہنچ گیا ۔ اِس عرصے میں لائسی نیوس کے پاس ایک نئی فوج اور آ گئی تھی ۔ جب یہ فوج مقابلے پر آئی تو قسطنطین نے پہلی فوج کا تعاقب چھوڑ دیا اور اب جانبین کی فوجوں نے جم کر لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ دن چھپ کر اندھیرا ہو گیا اس حالت میں قسطنطین نے بڑی جوانمردی سے یک لخت دشمن پر یلغار کر کے لڑائی کا فیصلہ کر دیا ۔ بیان ہوا ہے کہ لائسی نیوس کے بیس ہزار آدمی اِس معرکے میں مارے گئے یعنی پچاس فی صدی سے زیادہ لشکر غارت ہو گیا ۔

---

[1] زوسیموس ۔ ۲ ۔ ۱۹ ؛

لائی سی نیوس لشکر کو بحال خود چھوڑ کر میدان سے بھاگا۔ قسطنطین کی فوج نے
اُس کا لشکر گاہ لوٹ لیا۔ مگر قسطنطین کا نقصان بھی اِس لڑائی میں بہت ہوا۔
چند ہفتے کے بعد علاقہ تھریس میں ماردیا کے میدان میں پھر لڑائی ہوئی۔
اِس وقت لائی سی نیوس کے پاس ایشیا سے فوجیں آگئی تھیں۔ یہاں بھی
ایک سخت معرکے کے بعد اُس کو شکست ہوگئی۔ مگر ابتری نہیں پڑنے پائی۔
لائی سی نیوس بہت خوش ترتیبی سے اپنی منہزم فوج کو پیچھے ہٹا لایا۔ رومانی
لڑائیوں میں ایسا بہت کم دیکھنے میں آیا ہے کہ شکست کے بعد کوئی انتظام باقی
رہا ہو۔ اُن کے ہاں شکست کے معنی قطعی انہدام کے تھے۔ قسطنطین کی ۱۲۲
نسبت لکھا گیا ہے کہ اِس لڑائی کو سَر کرنا محض اُس کے کمالِ فن کا نتیجہ تھا۔
موقع پاتے ہی اُس نے پانچ ہزار سپاہ سے دشمن کے عقب پر چھاپا مارا۔ یہ
حملہ ایسا سخت تھا کہ دشمن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ لیکن ہم کو اِس کا یقین نہیں آتا
کہ اِس معرکے میں قسطنطین کو قطعی کامیابی ہوئی۔ کیونکہ اگر اِس لڑائی میں
بدرجۂ آخر اُس کو فتح کا یقین ہو جاتا تو وہ دشمن کی پیش کردہ صلح کو ہرگز منظور نہ کرتا۔ بہرکیف
اِن دونوں معرکوں یعنی سبالس اور ماردیا کی لڑائیوں میں جس حد تک کامیابی
ہوئی تھی وہ ایسی نہ تھی کہ دشمن سے شرائطِ صلح جس طرح چاہتا لکھوا لیتا مگر پھر بھی
جب لائی سی نیوس کی طرف سے سفارت آئی تو اُس کو قسطنطین کا کہنا ماننا پڑا۔
اِس سفارت کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ والنس جس کو حال میں لائی سی نیوس نے اپنا
قیصر مقرر کیا تھا اُس کے دن پورے ہوگئے۔ جس وقت لائی سی نیوس کے سفیر
نے کہا کہ اُس کے دو آقا ہیں ایک شہنشاہ لائی سی نیوس اور دوسرا قیصر والنس
تو قسطنطین نے برہم ہو کر کہا کہ ہم صرف ایک کو مانتے ہیں۔ اور خریطے کے مضمون میں
لکھا کہ میں نے یہ دُور دراز کا سفر اختیار کر کے متعدد لڑائیاں اِس لیئے سر نہیں
کی تھیں کہ جو کچھ حاصل کیا ہے اُس میں ایک ذلیل غلام کو شریک کیا جاوے۔
لائی سی نیوس نے اتنا سنتے ہی بلا کسی افسوس یا ندامت کے والنس کی
حکومت اور جان دونوں کو غارت کرا دیا۔ اور ایلیریہ کا علاقہ قسطنطین اور اُسکے
لشکر کے حوالے کر دیا۔ اسی بڑے علاقے میں پانونیہ، دلماطیہ، میسیا اور ڈیسیا

کے علاقے شامل تھے۔ یورپ کے جس قدر ملک مشرقی حصۂ سلطنت میں شامل تھے اُن میں بجز تھریس کے اور سب لائی سی نیوس کے قبضے سے نکل گئے ؛

اِس صلح کے ساتھ ہی دونوں شہنشاہوں نے بہ اتفاقِ رائے تجویز کیا کہ اپنے اپنے فرزندوں کو قیصری کا درجہ دیں۔ قسطنطین نے اپنے لڑکے کرسپوس کو جو اُس کی پہلی بیوی منروینا سے تھا قیصر بنایا۔ کرسپوس اِس وقت پورا جوان تھا اور رحال کی لڑائیوں میں بڑے بڑے کام کر چکا تھا۔ لائی سی نیوس نے اپنے لڑکے لائی سی نیانس کو جس کی عمر صرف ایک برس آٹھ مہینے کی تھی قیصر مقرر کیا۔ یہ تقررات قابلِ غور ہیں۔ اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈائیوک لیشن نے جو طرزِ حکومت پیدا کیا تھا اب وہ بالکل حرفِ غلط ہو گیا۔ اسی طرزِ حکومت کا لحاظ کرکے شہنشاہوں نے قیصر مقرر کرنا اختیار کیا تھا۔ لیکن جب انہوں نے اپنے ہی لڑکوں کو قیصر بنانا شروع کیا تو اِس طرزِ حکومت کے خلافِ منشاء کارروائی کی۔ اور جب لڑکے بھی شیرخوار مقرر ہونے لگے تو قدیم طریقۂ حکومت کو توہین کے ساتھ نقصانات بھی پہنچایا۔ اِس نے دنیا پر روشن کر دیا کہ قسطنطین اور لائی سی نیوس کل قوت اور اختیارات اپنے قبضے میں رکھنے چاہتے ہیں۔ اِس کے بعد جب قسطنطین کے ہاں فاستہ کے بطن سے چند سال کے اندر تین لڑکے پے در پے پیدا ہوئے تو بڑے لڑکے کو جس کا نام باپ کے نام پر قسطنطین تھا قیصر کا لقب دیا گیا۔ ملکہ فاستہ کو یہ دعوےٰ ہوا کہ جب منروینا کا لڑکا قیصر ہو گیا تو میرا لڑکا قیصر کیوں نہ ہو؟ منروینا تو ایک کم اصل عورت تھی۔ میں بڑے گھرانے کی اور شہنشاہ میکسیمیان کی بیٹی ہوں۔ غرض کہ ملکہ فاستہ کا شیرخوار بچہ بھی قیصر ہو گیا۔ مورخوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ قسطنطین نے اپنے لڑکوں کو بڑی بڑی میراثیں اُن علاقوں سے دینی چاہیں جس کو لائی سی نیوس کے قبضے سے نکالا تھا۔ بہرکیف ۳۲۳ء عیسوی تک اِن دونوں بادشاہوں میں کوئی نیا فساد نہیں اُٹھا گو تعلقات میں کشیدگی مدت سے چلی آتی تھی ؛

۳۱۶ء اور ۳۲۳ء عیسوی کے درمیانی حالات کی نسبت ہمارا علم کم ہے۔ لیکن یہ زمانہ ایسا نہ تھا جس میں ہمیشہ امن رہا ہو۔ ڈانیوب اور رائن کے کنارے لڑائیاں ہوتی رہیں۔ قوط اور سرماتی قوموں کی سرکوبی گو شاہان کلادیوس اور

اور یلیان ایسی کر گئے تھے کہ پچاس برس تک انھوں نے سر نہ اُٹھایا لیکن اب پھر ترو تازہ ہو کر وہ میسیا اور پانونیہ کے علاقوں پر سیلاب کی طرح اُمنڈ آئیں۔ دریائے دانیوب کے کنارے کنارے اُن سے سخت معرکے ہوئے۔

۱۲۴ قسطنطین خود اپنا لشکر اُن کے مقابلے پر لے گیا اور اِن علاقوں سے اُن کو نکال کر دانیوب پار تک اُن کا پیچھا نہ چھوڑا اور وہاں بھی ایک لڑائی میں اِن وحشیوں کو شکست دی اور اُن کو ایسا زِچ کیا کہ آخر کار اُنھوں نے اِس شرط پر امان مانگی کہ جب ضرورت ہو گی ہم اپنی قوموں سے چالیس ہزار آدمی رومانی لشکر میں بھرتی ہونے کے لیئے دیں گے۔ اِس لڑائی کے تفصیلی حالات بہت تاریکی میں ہیں اور اِس قابل نہیں کہ اُن کا یقین کیا جاوے۔ قسطنطین کے خوشامدی مورخوں نے لکھا ہے کہ ہمارے شہنشاہ نے اِس کارزار میں وہ وہ جوہر شجاعت دکھائے کہ تراجن کے نام کو پھر زندہ کر دیا۔ جولیان جسے دوسروں کو احمق بنانے میں یدِ طولیٰ حاصل ہے لکھتا ہے کہ قسطنطین فخریہ کہا کرتا تھا کہ میں نے تراجن جیسے زبردست امیرِ لشکر کو مات کیا ہے اور اُن ملکوں پر فتح پائی ہے جو قبضے سے نکل چکے تھے اور یہ کام وہ ہے جو نئے ملک فتح کرنے سے بدرجہا دشوار ہے۔ لیکن واقعہ صرف اتنا سمجھنا چاہیئے کہ وحشی قوموں کے سیلاب جو ہمیشہ آیا کرتے تھے اور جن سے رومانی سلطنت کو کبھی نجات نہیں ہوئی اُن ہی میں سے یہ بھی ایک سیلاب تھا۔ قسطنطین نے اسکو بڑی دلیری و جوانمردی سے روکا۔ اور وحشیوں پر ایسی فتوحات حاصل کیں جو رومانی سلطنت کی سلامتی کیلئے سر دست کافی تھیں۔ مگر یہ فتوحات ایسی نہ تھیں جن سے وحشیوں کا قصہ ہی ختم ہو جاتا کیونکہ یہ قصہ وہ نہ تھا جس کا ختم ہونا ممکن تھا۔ غالباً اِن ہی قوطی اور سرماتی ہنگاموں کی وجہ سے کئی برس تک قسطنطین اور لائی سی نیوس میں صلح رہی اور جب تک وحشی قوموں کے حملوں سے مہلت نہ ملی قسطنطین مجبور تھا کہ شہنشاہِ مشرق سے صلح قائم رکھے۔

اِدھر قسطنطین تو دانیوب کے علاقے میں وحشیوں سے لڑتا تھا اُدھر اُس کا لڑکا کرسپوس رائن کی سرحد پر مصروفِ جنگ تھا۔ نوجوان قیصر کرسپوس اِس وقت گال اور برطانیہ کا حاکم تھا اور رائن کا لشکر بھی اُسی کی ماتحتی میں تھا۔ موسمِ سرما کی ایک جنگ میں قومِ الیمانی پر فتح حاصل کی اور بڑا نام اِس بات میں

۱۲۵ پایا کہ باوجود جاڑے کی سختی کے بڑی ہوشیاری اور پھرتی سے اپنی فوجیں دشمن کے سر پر لے آیا۔ نازاریوس نے اپنی تقریر میں نوجوان شہزادے کے اس کارنمایاں کو بڑی آب وتاب سے بیان کیا ہے[1] اور کہا ہے کہ شہزادے نے جوانی اور جوانمردی کے زور میں ایسے جوہر دکھائے جن کا یقین کرنا مشکل تھا۔ نازاریوس نے تعریف میں اپنے ممدوح کو آسمان پر چڑھا یا ہے۔ اور کہا ہے کہ ایک زبردست شہنشاہ کا بیٹا ایسا ہی شریف وشجاع قیصر ہونا چاہئیے۔ قیاصرہ کے پانزدہ سالہ جشن کے موقعے پر ۳۲۱ عیسوی میں نازاریوس نے یہ تقریر کی تھی۔ اُس دن بیٹے کی تعریف پر قسطنطین کو کسی قسم کا رشک نہیں ہوا؛

نازاریوس کی اس تقریر میں ایک بات کی کمی بہت معنی خیز ہے۔ وہ یہ کہ کُل تقریر میں کہیں لائی سی نیوس کا ذکر نہیں ہے۔ کوئی شخص اس تقریر کو پڑھ کر یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس وقت سلطنت منقسم تھی اور اُس میں دو شہنشاہ موجود تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان دونوں شہنشاہوں میں اب اتحاد باقی نہ تھا۔ اس تقریر سے دو برس پہلے ہی لائی سی نیوس اور اُس کے لڑکے لائی سی نیانوس قیصر کا نام حکام اعلیٰ کی فہرست میں نہیں دکھایا جاتا تھا۔ یہ ایک خفیف سی بات تھی۔ لیکن یہی وہ پٹر کا پتا تھا جس کی حرکت سے پہچاننے والے پہچان گئے کہ ہوا کس رُخ چل رہی ہے۔ اور پھر درباری قصیدہ خوانوں سے بہتر اس بات کا کون جاننے والا ہو سکتا تھا کہ جس لفظ سے جبینِ شاہی پر بل آئے اُس کو تحریر وتقریر سے کیونکر اڑا دیتے ہیں؛

زوسیموس ان دونوں شہنشاہوں میں لڑائی کی وجہ قسطنطین کی حرص وآز کو قرار دیتا ہے۔ یوتروپیوس نے بھی قسطنطین ہی کو الزام دیا ہے[2]

۱۲۶ کہ اُس نے تمام دنیا پر سلطنت حاصل کرنے پر اپنا دل لگا رکھا تھا۔ برعکس اسکے یوسی بیوس اسقف قیساریہ نے قسطنطین کو ایک بڑا فیاض اور حوصلہ مند شہنشاہ لکھا ہے[3] اور لکھا ہے کہ وہ انسانیت کا نمونۂ کامل تھا۔ مدت تک باوجود

---

[1] قدیم قصائد۔ ۱۰، ۳۶ ؛ [2] یوتروپیوس۔ ۱۰، ۵ ؛ [3] یوسی بیوس حیاتِ قسطنطین ۱، ۵۰

اور یلغاریں ایسی کر گئے تھے کہ پچاس برس تک انھوں نے سر نہ اُٹھایا لیکن اب پھر تر و تازہ ہو کر وہ میسیا اور پانونیہ کے علاقوں پر سیلاب کی طرح اُمنڈ آئیں۔ دریائے دانیوب کے کنارے کنارے اُن سے سخت معرکے ہوئے۔ قسطنطین خود اپنا لشکر اُن کے مقابلے پر لے گیا اور ان علاقوں سے اُن کو نکال کر دانیوب پار تک اُن کا پیچھا نہ چھوڑا اور وہاں بھی ایک لڑائی میں ان وحشیوں کو شکست دی اور اُن کو ایسا زچ کیا کہ آخر کار انھوں نے اس شرط پر امان مانگی کہ جب ضرورت ہوگی ہم اپنی قوموں سے چالیس ہزار آدمی رومانی لشکر میں بھرتی ہونے کے لیئے دیں گے۔ اس لڑائی کے تفصیلی حالات بہت تاریکی میں ہیں اور اس قابل نہیں کہ اُن کا یقین کیا جاوے۔ قسطنطین کے خوشامدی مورخوں نے لکھا ہے کہ ہمارے شہنشاہ نے اس کارزار میں وہ وہ جوہر شجاعت دکھائے کہ تراجن کے نام کو پھر زندہ کر دیا۔ جولیان جسے دوسروں کو احمق بنانے میں ید طولیٰ حاصل ہے لکھتا ہے کہ قسطنطین فخریہ کہا کرتا تھا کہ میں نے تراجن جیسے زبردست امیر لشکر کو مات کیا ہے اور اُن ملکوں پہ فتح پائی ہے جو قبضے سے نکل چکے تھے اور یہ کام وہ ہے جو نئے ملک فتح کرنے سے بدرجہا دشوار ہے۔ لیکن واقعہ صرف اتنا سمجھنا چاہیئے کہ وحشی قوموں کے سیلاب جو ہمیشہ آیا کرتے تھے اور جن سے رومانی سلطنت کو کبھی نجات نہیں ہوئی اُن ہی میں سے یہ بھی ایک سیلاب تھا۔ قسطنطین نے اسکو بڑی دلیری و جوانمردی سے روکا۔ اور وحشیوں پر ایسی فتوحات حاصل کیں جو رومانی سلطنت کی سلامتی کیلئے سردست کافی تھیں۔ مگر یہ فتوحات ایسی نہ تھیں جن سے وحشیوں کا قصہ ہی ختم ہو جاتا کیونکہ یہ قصہ وہ نہ تھا جس کا ختم ہونا ممکن تھا۔ غالباً ان ہی قوطی اور سرماتی ہنگاموں کی وجہ سے کئی برس تک قسطنطین اور لائی سی نیوس میں صلح رہی اور جب تک وحشی قوموں کے حملوں سے مہلت نہ ملی قسطنطین مجبور تھا کہ شہنشاہ مشرق سے صلح قائم رکھے ۔

۱۲۴

اِدھر قسطنطین تو دانیوب کے علاقے میں وحشیوں سے لڑتا تھا اُدھر اُس کا لڑکا کرسپوس رائن کی سرحد پر مصروف جنگ تھا۔ نوجوان قیصر کرسپوس اس وقت گال اور برطانیہ کا حاکم تھا اور رائن کا لشکر بھی اُسی کی ماتحتی میں تھا۔ موسم سرما کی ایک جنگ میں قوم الیمانی پر فتح حاصل کی اور بڑا نام اس بات میں

۱۲۵ پایا کہ باوجود جاڑے کی سختی کے بڑی ہوشیاری اور پھرتی سے اپنی فوجیں دشمن کے سر پر لے آیا۔ نازاریوس نے اپنی تقریر میں نوجوان شہزادے کے اِس کارنمایاں کو بڑی آب وتاب سے بیان کیا ہے[1]۔ اور کہا ہے کہ شہزادے نے جوانی اور جوانمردی کے زور میں ایسے جوہر دکھائے جن کا یقین کرنا مشکل تھا۔ نازاریوس نے تعریف میں اپنے ممدوح کو آسمان پر چڑھا دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ایک زبردست شہنشاہ کا بیٹا ایسا ہی شریف و شجاع قیصر ہونا چاہیئے۔ قیاصرہ کے پانزدہ سالہ جشن کے موقعے پر ۳۲۱ عیسوی میں نازاریوس نے یہ تقریر کی تھی۔ اُس دن بیٹے کی تعریف پر قسطنطین کو کسی قسم کا رشک نہیں ہوا۔

نازاریوس کی اِس تقریر میں ایک بات کی کمی بہت معنی خیز ہے۔ وہ یہ کہ کل تقریر میں کہیں لائی سی نیوس کا ذکر نہیں ہے۔ کوئی شخص اِس تقریر کو پڑھ کر یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اِس وقت سلطنت منقسم تھی اور اُس میں دو شہنشاہ موجود تھے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اِن دونوں شہنشاہوں میں اب اتحاد باقی نہ تھا۔ اِس تقریر سے دو برس پہلے ہی لائی سی نیوس اور اُس کے لڑکے لائی سی نیانوس قیصر کا نام حکامِ اعلیٰ کی فہرست میں نہیں دکھایا جاتا تھا۔ یہ ایک خفیف سی بات تھی۔ لیکن یہی وہ پتّہ کا پتّا تھا جس کی حرکت سے پہچاننے والے پہچان گئے کہ ہوا کس رُخ چل رہی ہے۔ اور پھر درباری قصیدہ خوانوں سے بہتر اِس بات کا کون جاننے والا ہو سکتا تھا کہ جس لفظ سے جبینِ شاہی پر بل آئے اُس کو تحریر و تقریر سے کیونکر اڑا دیتے ہیں۔

زوسیموس اِن دونوں شہنشاہوں میں لڑائی کی وجہ قسطنطین کی

۱۲۶ حرص و آز کو قرار دیتا ہے۔ یوترویوس نے بھی قسطنطین ہی کو الزام دیا ہے[2] کہ اُس نے تمام دنیا پر سلطنت حاصل کرنے پر اپنا دل لگا رکھا تھا۔ برعکس اسکے یوسی بیوس اسقف قیساریہ نے قسطنطین کو ایک بڑا فیاض اور حوصلہ مند شہنشاہ لکھا ہے[3] اور لکھا ہے کہ وہ انسانیت کا نمونۂ کامل تھا۔ مدت تک باوجود

---

[1] قدیم قصائد۔ ۱۰، ۳۶ [2] یوترپیوس۔ ۱۰، ۵ [3] یوسی بیوس حیات قسطنطین ۱، ۵۰

نقصان اُٹھانے کے اِس کو دِل لائی سی نیوس کی ناشکر گذاریوں کو سات اور سَتر
دفعہ معاف کرچکا تھا۔ مگر اُس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اسقفِ قیساریہ کے خیال میں قسطنطین
لائی سی نیوس کا کسی زمانے میں بڑا محسن تھا۔ مگر لائی سی نیوس نے اس
شرمندگی میں کہ اُس سے کمتر ہے پہلے تو قسطنطین کے خلاف سازشیں کیں
اور پھر علانیہ دشمنی اختیار کر لی۔ لیکن یہ بات سب پر روشن ہے کہ قیساریہ کے
پادری نے لائی سی نیوس پر جس قدر زہر اُگلا ہے اُس کی وجہ محض اتنی ہے کہ
جب دونوں شہنشاہوں میں رنجش ہوگئی تو لائی سی نیوس نے عیسائیوں کی مخالفت
پر کمر باندھ لی۔ لائی سی نیوس کی مذہبی پالیسی کا ذکر اور یہ کہ اُس کی عملداری میں عیسائیوں
پر کس طرح ظلم شروع ہوئے کسی اور باب میں لکھیں گے۔ یہاں اُسقف یوسی بیوس نے
لڑائی کا جو سبب بہت یقین اور اصرار سے لکھا ہے یعنی یہ کہ دونوں شہنشاہوں میں
اختلافِ مذہب کی بنیاد پر لڑائی ہوئی صرف اُسی سے بحث کریں گے۔ وہ لکھتا ہے[1] کہ
لائی سی نیوس اُن لوگوں کو اپنا اور اپنی حکومت کا بدخواہ اور دشمن جانتا تھا جو قسطنطین
کے دوست تھے۔ اُس نے اُسقفوں پر بڑی سفاکی سے حملہ کیا اور اپنے نزدیک یہ بات طے
کر لی کہ اساقفہ اُس کے سخت مخالف اور دشمن ہیں۔ اور اسی بنیاد پر یہ قیاس کیا اور یہ قیاس
کچھ بلاوجہ نہ تھا کہ بلادِ مشرق کے تمام اُسقف ملکی ناراضی اور بغاوت کے مرکز ہیں۔ لائی سی نیوس
کو اس کا پورا یقین تھا کہ یہ لوگ اُس کی عملداری میں بغاوت اور شورش کا مادہ پھیلا
رہے ہیں اور سب قسطنطین کے خفیہ جاسوس اور گماشتے ہیں۔ ہمارے پاس
ایسے واقعات موجود نہیں ہیں کہ اِس بارے میں ہم کسی قطعی نتیجے پر پہنچ سکیں۔
لیکن یہ سچ ہے کہ کلیسا کے ساتھ قسطنطین کی فیاضیاں بڑھتی جاتی تھیں اور
اب وہ ہر جگہ عیسائی مذہب کا بڑا حامی اور خیر طلب مانا جاتا تھا۔ اکثر اساقفہ
اُس کی فراغ دستی و سخاوت کا مقابلہ لائی سی نیوس کے طریقوں سے کیا کرتے
[۱۲۷]
تھے جس نے اب عیسائیوں کی مخالفت اختیار کر لی تھی۔ اور اسی مخالفت کا رفتہ رفتہ
یہ نتیجہ ہوا کہ عیسائیوں پر فی الواقع پھر ظلم و ستم شروع ہو گئے ؎

---

[1] یوسی بیوس: حیاتِ قسطنطین ۱: ۵۶ ؎

لیکن دراصل دونوں شہنشاہوں میں لڑائی کی قوی تر وجہ کوئی مذہبی رنجش نہ تھی بلکہ محض ملک گیری کا شوق تھا۔ اور اگر ہم کو یہ فیصلہ کرنا پڑے کہ دونوں میں زیادتی کس کی تھی تو قسطنطین زیادتی کے الزام سے بچ نہیں سکتا۔ لائی سی نیوس کی عمر اب زیادہ ہو گئی تھی۔ دنیا طلبی کا شوق شاید کم نہ ہوا ہو مگر اپنی طرف سے ایسی لڑائی اٹھانے کی ہمت کرنی اب مشکل تھی جس میں جان و مال عزت و آبرو سب ہی کچھ کھپا دینے کی ضرورت ہو۔ برعکس اس کے قسطنطین خوب توانا و تندرست اور ایک بڑے قواعد داں اور آزمودہ کار لشکر کا مالک تھا۔ لڑائی میں جیتنے کی امید بھی اگر ہو سکتی تھی تو اسی کی نسبت ہو سکتی تھی۔ شام اور مصر کی فوجوں کے مقابلے میں اس کے پاس رائن اور ڈانیوب کی فوجیں تھیں۔ پانونیہ اور امیریہ کی فوجیں بھی اس کی مدد کے لئے ہر وقت موجود تھیں۔ اس کے علاوہ یہ دونوں علاقے تمام یورپ میں مشہور تھے کہ وہاں سے بہتر سپاہی کہیں بھرتی کے لئے نہیں ملتے۔ لیکن اساقفہ کی چشم تقدس میں کو یہی نظر آتا تھا کہ قسطنطین کلیسائے مسیحی کا حامی و سرپرست بن کر میدان کارزار میں اترنے والا ہے۔ مگر قسطنطین جس ارادہ اور نیت سے آمادۂ جنگ ہوا تھا وہ دنیا پر حکومت کرنے کا شوق تھا (نہ کہ کسی مذہب کی حمایت)۔

اب دونوں شہنشاہوں نے نہایت اہتمام و سرگرمی سے لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ زوسیموس لکھتا ہے کہ تھسالونیکا (سلانیک) میں قسطنطین نے ایک بندرگاہ بنوانا شروع کیا جس میں دو سو جنگی جہاز اور ایک ہزار باربرداری کی کشتیاں قیام کر سکیں۔ ان کشتیوں کی تیاری کے لئے اس نے اپنے جہازی کارخانوں میں حکم بھجوا دیا تھا۔ اگر زوسیموس کا بیان قابل اعتبار ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ قسطنطین نے ایک لاکھ بیس ہزار پیدل۔ دس ہزار بحری سپاہی اور سوار فراہم کر لئے تھے۔ لائی سی نیوس نے ڈیڑھ لاکھ پیدل اور پندرہ ہزار سوار جمع کئے تھے۔ یہ تعداد صحیح ہو یا غلط مگر اس میں کلام نہیں کہ ہر ایک شہنشاہ کی یہی کوشش تھی کہ جس قدر فوج بہم پہنچ سکے فراہم کی جاوے ایک سپاہی بھی بیکار نہ چھوڑا جاوے۔ اور تمام فوجیں اور یہ نوپل کے میدان میں جمع ہوں جو لڑائی کا مقام قرار پایا تھا۔ دریائے ہیب رس کے ایک طرف قسطنطین کا لشکر تھا اور دوسرے طرف لائی سی نیوس کا۔ کچھ دن موقع کی دیکھ بھال اور ادھر ادھر

خفیف لڑائیوں میں گذرے۔ پھر تیسری جولائی ۳۲۳ سنہ عیسوی کو ایک سخت لڑائی شروع ہوئی جس کا انجام یہ ہوا کہ لائی سی نیوس کا کل لشکر میدان سے بھاگ نکلا۔ قسطنطین نے جس کی قومی ترتیب اور حربی انتظام لائی سی نیوس سے بہتر تھا پانچ ہزار تیر اندازوں کی ایک جمعیت پہلے سے دشمن کے عقب میں ایک مقام پر بٹھادی تھی کہ موقع پاتے ہی تیر برسانے شروع کردے۔ جب ہراول پر لڑائی سخت ہونے لگی تو عقب سے تیر اندازوں نے دشمن میں ایک تہلکہ ڈال دیا۔ اسی اثنا میں قسطنطین نے ایک وستۂ فوج کی مدد سے دشمن کو ہٹا کر دریا اترنے کا راستہ نکال لیا۔ اس معرکے میں قسطنطین کی ران میں خفیف سا زخم آیا۔ مگر یہ دیکھ کر اسکو اطمینان ہوگیا کہ دشمن جواب تک اپنے متحصن لشکر گاہ میں محفوظ تھا اس کو باہر نکلنا پڑا اور بھاگ کر بیزنطیہ کی شہر پناہ میں پناہ لینے سے پہلے ۳۴۰۰۰ مجروح و مقتول میدان میں چھوڑنے پڑے۔

بیزنطیہ کا شہر جس کے گرد شہر پناہ تھی میک سیمن کے زمانے میں گیارہ دن کے محاصرے کے بعد فتح ہوگیا تھا۔ اس کے بعد لائی سی نیوس نے غالباً اس خیال سے کہ شاید پھر کوئی برا وقت شہر پر آدے اس کی شہر پناہ کی مضبوطی کردی تھی۔ اتفاق سے اب موقع آیا کہ اس کی فوجوں کو اس شہر میں پناہ لینی پڑی۔ مگر لائی سی نیوس نے زیادہ تر بھروسا اپنے جہازی بیڑے پر رکھا جس کی تعداد قسطنطین کے جہازوں سے قریب دوچند تھی۔ لائی سی نیوس نے ۳۵۰ جنگی جہاز جمع کر لیئے تھے۔ یعنی پرانے دستور کے مطابق ایشیا اور مصر کے بحری مقامات سے جہاز طلب کر لیئے تھے۔ ان میں ۱۳۰ جہاز مصر اور لبیہ کے تھے۔ ۱۱۰ جہاز فینیشیا اور قبرس کے اور اسی قدر سلیسیہ اور آئی اونیا اور بتھی نیا کے تھے۔ سامان کے لحاظ سے یہ جہاز لڑائی کے لیئے بالکل درست تھے لیکن جو لوگ ان پر کام کرتے تھے وہ خوش نہ تھے۔ اور نہ وہ مقام جہاں جہاز کھڑے کیئے گئے تھے ٹھیک تھا۔ اور نہ جہاز رانی کا کام درستی سے ہوتا تھا۔ لائی سی نیوس کا امیر البحر اماندوس تھا۔ اس نے تمام جہازوں کو دردانیال کے تنگ سمندر میں ڈال رکھا تھا۔ اور بجائے اس کے کہ خود دشمن پر حملہ کرتا خود دشمن کے وار سہتا رہا۔

۱۲۹

قسطنطین نے اپنے جہازوں کی افسری کرسپوس کو دی تھی جس کو بحری لڑائی کا تجربہ اگر کچھ تھا تو دریائے رائن کی جنگی کشتیوں کا تھا۔ لیکن ایک رومانی سپہ سالار سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ خشکی اور تری دونوں پر لڑ سکتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس بحری معرکے میں بھی کرسپوس نے وہ کام کیا کہ قسطنطین کا یہ انتخاب بہت قابلِ قدر سمجھا گیا۔ کرسپوس کو حکم ملا تھا کہ اماندوس پر حملہ کرکے اُس کے بیڑے کو غارت کردے۔ اِس حکم کی ضرورت اس لیئے پیش آئی تھی کہ قسطنطین کا لشکر بہت بڑا تھا اور اتنے بڑے لشکر کے لیئے خشکی کے رستے سے سامانِ رسد کافی طور پر نہیں آسکتا تھا۔ اِس لیئے سمندر کا راستہ صاف کرنے کی ضرورت فوراً پیدا ہوئی۔ غرض ایک دن لڑائی ہونے کے بعد دوسرے دن پھر لڑائی ہوئی۔ پہلے دن کی لڑائی میں ہَوا اور موج دونوں اماندوس کے موافق رہیں اور لڑائی برابر کی چھوٹی۔ دوسرے دن ہَوا کا رُخ کسی قدر جنوب کو پھر گیا اور کرسپوس نے دست بدست لڑائی لڑ کر اماندوس کے ۱۳۰ جہازوں اور پانچ ہزار کی بحری جمیعت کو بالکل فنا کردیا۔ اور وہ دردانیال میں داخل ہوا۔ اماندوس اپنے بچے ہوئے جہازوں کو لے کر بیزنطیہ کے سامنے کے سمندر پر پناہ لینے کیلیئے واپس آیا۔ اور اب دردانیال قسطنطین کے جہازوں کے لیئے بالکل صاف ہوگیا۔

قسطنطین نے اب بیزنطیہ کے محاصرے پر زور لگایا اور دیواروں کے توڑنے کے لیئے بڑے بڑے منجنیق لگائے۔ لائی سی نیوس کو یقین ہوگیا کہ اب شہر میں محاصرے کو روکنے کا زیادہ دم نہیں ہے۔ وہ خود سمندر اتر کر ایشیا میں چلا آیا کہ شہر کے ساتھ کہیں اپنی جان بھی نہ دینی پڑے۔ مگر اس وقت تک اُس کو یہ خیال نہ تھا کہ قسطنطین کے مقابلے میں کامیابی مطلق نہ ہوگی۔ چال میں اُس نے ایک شخص مارتی نیانس کو اپنا قیصر یا اسطس مقرر کیا تھا۔ والنس کی چند روزہ قیصری کا انجام آنکھوں سے دیکھنے کے بعد قیصر کو یہ جگہ بہت ہی مخدوش معلوم ہوتی ہوگی۔ غرضیکہ ایشیا پہنچ کر جس قدر لشکر بچا تھا اُس کو یکجا کیا اور جب قسطنطین نے بیزنطیہ کو فتح کرلیا اور ایشیا

میں قدم رکھنا چاہا تو لائی سی نیوس نے بری اور بحری دونوں طاقتوں سے اُس کو روکنا چاہا۔ مگر سمندر پر قسطنطین کی طاقت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اور جب ایشیا کے ساحلی شہر کرائی سوپولس پر اُس نے اترنا چاہا تو لائی سی نیوس کچھ نہ کر سکا اور اب خشکی پر لائی سی نیوس نے اخیر مقابلہ کیا مگر نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے ۲۵۰۰۰ آدمی مارے گئے۔ اور باقی لشکر کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یوسی بیوس نے اپنی کتاب کے ایک حصے میں جس میں معمول سے زیادہ حماقت بھری ہے لکھا ہے کہ لائی سی نیوس نے لڑائی شروع کرنے سے پہلے اپنے لشکر کو تاکید کر دی تھی کہ جہاں تک ہو پاک لیبارم (نشان صلیب) کے سائے سے بچ کر نکلیں کیونکہ قسطنطین اس نشان کو آگے رکھ کر لڑتا ہے اور ہمیشہ اُس کو فتح ہوتی ہے۔ اگر کہیں لڑائی کی ریل پیل میں اس نشان کے قریب پہنچ جاؤ تو اُس پر نگاہ نہ ڈالنا۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ فتح کا باعث نہ تو ترتیب فوج میں قسطنطین کا کمال تھا اور نہ اُس کی سپاہ کی دلیری و دلاوری تھی بلکہ اصل باعث یہ تھا کہ اُس نے دین مسیحی کو اپنی سپر بنایا تھا اور صلیب مقدس کے مفید و جاں بخش نشان کو آگے آگے رکھتا تھا کہ دشمن بے دین کے دل پر ہیبت طاری ہو جاوے اور اپنی فوج بلاؤں سے محفوظ رہے[1]۔ یہ خیال قسطنطین کی وارد شجاعت میں بہت کمی پیدا کر دیتا ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ اس معرکے میں اُس نے ایک ایسے شہنشاہ کے مقابلے میں لڑائی کامیابی کے ساتھ ختم کی جس کی شجاعت اور قوتِ مدافعت ایسی تھی کہ شکست کی صورت میں بھی اُس کو ایک دشمن صعب کی شکل میں ظاہر کرتی رہی۔

۱۳۱

لائی سی نیوس پیچھے ہٹا اور ہٹتے ہٹتے نیکو میدیا تک پہنچ گیا۔ مگر اب اُس کا لشکر ختم ہو چکا تھا۔ اتنی مہلت نہ تھی کہ نئی فوجیں بھرتی کرتا کیونکہ فاتح اُس کے تعاقب میں لگا تھا۔ پس اُس کو سوائے اس کے چارہ نہ تھا کہ یا تو خودکشی کرلے یا اطاعت قبول کرے یا کہیں فرار ہو جاوے۔ اگرچہ اس ناموس

[1] "حیات قسطنطین"۔ ۲، ۱۶ +

غالب ہوتا تو آئندہ کی لاعلاج مصیبتوں سے نجات پانے کا پرانا رومانی طریقہ اختیار کر لیتا اور خودکشی کر کے تمام مشکلوں کا خاتمہ کر دیتا۔ لیکن اِس طرح جان دینے کی جگہ اُس نے قسطنطین سے جان بخشی کی درخواست کی۔ اگر آج کو اُس کی بیوی قسطنطین کی بہن نہ ہوتی تو نہ ایسی کوئی درخواست پیش کی جاتی اور نہ اُس کے منظور ہونے کی امید ہوتی۔ اب اِس درخواست پر اس کی بیوی قسطنطیہ بھائی کی خدمت میں اپنے شوہر کی سفارشی ہوئی۔ بہن کی منت وسماجت نے بھائی کے دل پر اثر کیا اور مغلوب دشمن کو سامنے حاضر ہونے کی اجازت دی گئی۔ لائی سی نیوس بہت ادب وتعظیم سے سامنے آیا اور اپنا لباس شاہی اتار کر قسطنطین کے قدموں پر رکھ دیا اور مراحم خسروانی سے متوقع جان بخشی کا ہو گیا۔ یہ منظر ایک رومانی شریف ونجیب کی شان سے بعید نہایت تحقیر وتذلیل کا مقام تھا۔ قسطنطین نے اُس کو معافی دی۔ اور اپنے ساتھ شاہی دستر خوان پر بٹھایا۔ اور پھر وہاں سے تھسالونیکا میں بھیج دیا کہ تنہائی اور گمنامی میں زندگی کے باقی دن کاٹ دیے لیکن لائی سی نیوس اِس واقعے کے بہت دن بعد تک نہ جیا۔ مورخوں نے قسطنطین کے دامن کو ایک عزیز کے خون سے پاک رکھنے کی نیت سے لکھا ہے کہ لائی سی نیوس نے اپنے شہنشاہ محسن کے ہلاک کرنے کی تدبیر کی اور اِس جرم کی سزا میں وہ قتل کر دیا گیا۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ کہیں فوجیوں میں تلوار چلی اور اِس ہنگامے میں لائی سی نیوس جان سے مارا گیا۔ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ سیاسی مجلس (سینات) نے اُس کی موت کا حکم جاری کیا تھا۔ بہر حال قیاس یہ چاہتا ہے کہ قسطنطین نے شروع میں تو ضرور اتنی مہربانی کی کہ اُس کی جان نہ لی۔ مگر اس مہربانی کا اُس کو ہمیشہ قلق رہا۔ کیونکہ تاریخ سے یہ امر ثابت ہے کہ کوئی رومانی شہنشاہ ایسے حریف کا جس کے سر سے تاج اتر گیا ہو زیادہ زندہ رہنا نہیں چاہتا تھا خواہ وہ کیسا ہی کمزور اور بے شر ہو گیا ہو۔ یوتروپیوس نے اس بات پر زور دیا ہے کہ قسطنطین نے عہد شکنی کر کے لائی سی نیوس کو قتل کیا۔ یوسی بیوس

لہ "حیات قسطنطین"۔ ۱۰، ۲، ۲

نے اس کا ذکر ہی اڑا دیا ہے کہ قسطنطین نے کبھی اُس کی جان سلامت رکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ ملتِ مسیحی کے اس شیدائی نے محض اتنا تحریر فرمایا ہے کہ "پھر قسطنطین نے خدا کے ملعون کافر اور اُس کے ہمراہیوں کے ساتھ قوانین جنگ کے مطابق عمل کیا اور ان کو وہ سزائیں دیں جن کے وہ مستوجب تھے"[1] یہ عبارت بھی حُسن تحریر کی اچھی مثال ہے کہ قتل انسان کے ارتکاب پر پاکیزہ الفاظ کی نقاب ڈال کر کس طرح مطلب گول کر دیا ہے۔

غرض لائی سی نیوس بھی اُسی شہر میں قتل کیا گیا جہاں اُس نے خاندان شاہی کی دو مصیبت زدہ بیگمات یعنی پریسکہ اور ویلیریہ کو قتل کرایا تھا۔ اُس کی موت پر حامیان بُت پرستی کے سوا اور کسی کو افسوس نہ ہوا۔ اُس کی سیرت اور خصائل کا حال اوریلیوس وکٹر نے سب سے بہتر طریقے پر لکھا ہے کہ لائی سی نیوس بڑا طامع و جاہ پرست تھا۔ مزاج کا بہت تیز اور بات چیت میں بالکل اُجڈ گنوار تھا۔ علوم و فنون کا جانی دشمن تھا۔ قانون کی تعلیم اور پیشے کو کہا کرتا تھا کہ وہ عامۂ خلائق کے حق میں زہر اور وبا کا حکم رکھتے ہیں۔ چونکہ خود مفلس ماں باپ کا لڑکا تھا اس لیئے تنگ دست کاشتکاروں کے ادنیٰ سے ادنے حقوق کا بھی بڑا دردمند محافظ تھا۔ فنونِ جنگ کے متعلق وہ ایک زبردست ماہر مانا جاتا تھا۔ درباروں کے جاہ و حشم سے جس کا قسطنطین دل سے فریفتہ تھا سخت نفرت رکھتا تھا۔ اوریلیوس وکٹر لکھتا ہے کہ ایوان شاہی میں قدم رکھتے ہی جس قدر خواجہ سرا اور محل کے خُدّام تھے سب کو یکلخت برطرف کر دیا۔ کہا کرتا تھا کہ یہ لوگ محل کی سڑی چھچھوندریں اور کیڑے مکوڑے ہیں۔ اُس کی مذہبی پالسی کا حال ہم آگے کہیں لکھیں گے۔ اُس کا عہد حکومت ایسا نہ تھا جس کی نسبت زیادہ لکھنے کی ضرورت ہو۔ تاریخ میں اُس نے اپنا کوئی کارنمایاں نہیں چھوڑا۔ اُس کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہی بتائی گئی ہے کہ وہ قسطنطین کے شوقِ جہانبانی میں مخل ہوا۔ قسطنطین نے اُس کے مجسموں کو گروا دیا اور اُس کے نافذہ فرامین کو

۱۴۴

[1] حیات قسطنطین۔ ۱۱، ۱۸۔

مسترد کر دیا۔ اُس کے نوعمر لڑکے لائی سی نیانوس کے قتل سے پرہیز کیا کچھ اِس وجہ سے نہیں کہ اِس بچے پر رحم آیا بلکہ بہن کی محبت اس کے قتل کی مانع ہوئی مارتی نیانس جس کو لائی سی نیوس نے اغسطس بنایا تھا چند روز شہنشاہی کر کے کرائی سوپوس کی شکست کے بعد قتل کر دیا گیا اور اب قسطنطین اپنے لڑکوں کے ساتھ جملہ اقالیم رومانی کا مطلقاً مالک ہوگیا اور اِس طرح سلطنت میں پھر اجتماع قوت ہوگیا +

آٹھواں باب

۱۳۴

عیسائیوں پر جور و عقوبت کا آخری دور

اِس سے پہلے ایک باب میں اُن مصیبتوں اور سختیوں کا ذکر ہو چکا ہے جو دائیوک لیشن کے دورِ عقوبت میں عیسائیوں کو اُٹھانی پڑیں۔ یہ دور اِس شہنشاہ کے ظالمانہ فرامین کے جاری ہوتے ہی شروع ہو گیا تھا۔ اور اُس کے شروع ہونے پر عیسائیوں کی تکلیفیں سالہا سال تک جاری رہیں گو کبھی اُن میں تخفیف ہو گئی اور کبھی شدت۔ مثلاً ایک مرتبہ جشن بست سالہ کی خوشی میں معافیٔ عام کا ایک حکم نافذ ہوا جس کی وجہ سے ہزارہا عیسائی قید خانوں سے رہا کر دیئے گئے۔ یوسی بیوس بہت وثوق سے لکھتا ہے کہ یہ معافی تمام دنیا کے قیدیوں کے لئے تھی۔ اُس میں کہیں یہ شرط نہ تھی کہ عیسائیوں کو مذہب چھوڑنے پر قید سے رہائی ملے گی۔ مگر باوجود اس کے بعض حاکموں نے جن کو عیسائی مذہب سے خاص عداوت تھی بہت سے عیسائیوں کو قید سے یہ حیلہ نکال کر نہ چھوڑا کہ وہ حکومت کے حق میں خطرناک ہیں۔ غرض اس چند روزہ معافی کے بعد پھر عقوبت کی تلوار نیام سے نکل پڑی اور جب تک دائیوک لیشن اور میک سیمیان سلطنت سے دست بردار ہوں عیسائیوں پر ظلم و ستم ہوتے رہے۔

پھر ایک زمانہ اتفاقے کا آیا۔ جب وقت قسطنطیوس سلطنت کا اوغسطس کبیر قرار پایا تو بلادِ مغرب میں عیسائیوں پر ظلم ہونے بند ہو گئے۔ مشرق میں بھی تھوڑے دن تک امن رہا۔ میک سیمین نے مصر۔ سیلیسیہ۔ فلسطین و شام کے عیسائیوں کو کچھ دنوں تک چین سے رہنے دیا۔ مگر اس کے بعد وہ عیسائیوں کا دشمن ہو گیا۔ شننت جرومی نے جہاں اس بادشاہ کا مقابلہ شہنشاہان دلیسیوس ۱۳۵

ودائیوک لیشن سے کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ میک سیمن نے بہت جلد ایک خونریز متعصب اور جفا کار دشمن دین کی شکل اختیار کرلی۔ شروع زمانے میں البتہ اُس نے مشرق کے عیسائیوں کو چند روزہ آسائش دی جس کا حال خود اُس کی ایک تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تحریر اُس نے اپنے قیصر ہونے کے سال یا تخت نشینی سے چند سال بعد لکھی تھی۔ اور اُس کی عبارت یہ ہے:[1]

"جب میں نے چوتھی مرتبہ مشرق کا دورہ کیا تو دیکھا کہ بہت سے مقامات پر وہاں کے حاکموں نے ایسے لوگوں کو جلاوطن کر دیا ہے جو حکومت کے حق میں بہت بکار آمد ہو سکتے تھے۔ میں نے اِن حاکموں کو حکم دیا کہ صوبہ جات کی عیسائی رعایا پر سختی ہرگز نہ کریں۔ بلکہ ان کو شیریں کلامی سے بتوں کی پرستش کی طرف رجوع کریں۔ جب تک حاکموں نے میرے اس حکم کی تعمیل کی مشرق کا ایک آدمی بھی جلاوطن نہیں کیا گیا اور نہ اُس پر کسی قسم کی سختی ہوئی بلکہ مہربانی کی باتوں سے لوگ مسیحی دین چھوڑ کر پھر اپنے باپ دادا کے خداؤں کو پوجنے لگے۔"

لیکن یہ دعوے کہ کثرت سے عیسائیوں نے اپنا مذہب چھوڑ دیا اور بت پرستی اختیار کرلی بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اِس حکم سے ایک سال کے اندر ہی میک سیمن کی طبیعت بدل گئی اور یہ خیال اُس کا جاتا رہا کہ میٹھی باتوں سے عیسائی مذہب دنیا سے اٹھ جائے گا۔ چنانچہ اس حکم کو اُس نے جلد منسوخ کر دیا اور پھر فی الحقیقت وہ تعصب و دشمنی کا ایک غضبناک پتلا بن گیا۔ بڑے بڑے متعصب کاہنوں نے اس کی طبیعت میں دخل پالیا۔ اور اُس نے بہت جلد ہر قسم کے سحر اور جادو و کہانت کو اپنا دین و ایمان بنا لیا۔ لکتن تیوس لکھتا ہے کہ اُس کی میز پر سوائے ایسے جانوروں کے گوشت کے جس کو کسی بت پر صدقہ اُتارنے کے لیئے کسی کاہن نے مارا ہو اور کسی قسم کا گوشت نہ ہوتا تھا۔ اور بے صدقے کا گوشت بھی ایسی شراب میں تر کر دیا جاتا تھا جو کسی بت پر سے صدقہ ہو چکی تھی۔ اب میک سیمن نے

[1] یوسی بیوس، "تاریخ کلیسا" ۹،۹۔

عیسائیوں پر سخت گیری کے لئے حکم پر حکم جاری کرنے شروع کیے۔ یہاں تک کہ سنہ ۳۰۶ عیسوی کے وسط میں ایک فرمان جس کو یوسی بیوس "دوسرا اشتہار جنگ" لکھتا ہے ہر ایک مجسٹریٹ کے نام اِس مضمون کا جاری کیا کہ اُس کے علاقے میں جس قدر لوگ آباد ہوں وہ یا تو بتوں پر قربانی چڑھائیں ورنہ زندہ جلا دیئے جاویں۔ اِس حکم کے آتے ہی مجسٹریٹوں کے اہلکار گھر گھر پھرنے لگے تاکہ حکم کی تعمیل سے کوئی بچنے نہ پاوے۔ جاسوسوں اور مخبروں کے لئے بڑے بڑے انعام مقرر ہوئے کہ وہ اپنی قابلِ نفرین خدمت میں حتی الامکان کوشش کریں معلوم ہوتا ہے کہ میکسیمین کے ماتحت علاقوں میں عیسائیوں کو جس قدر اذیتیں اُٹھانی پڑیں کسی اور شہنشاہ کی عیسائی رعایا اِس نوبت کو نہیں پہنچی قطع اعضا کی سزائیں نہایت ہولناک طریقے سے دی جاتی تھیں۔ پہلے عیسائیوں کو گرفتار کیا جاتا تھا۔ پھر ران کی رگ کاٹ کر اُن کو لنگڑا کر دیتے تھے۔ اور داہنی آنکھ گرم لوہے سے جلا دی جاتی تھی اور اِسی مجروح حالت میں اُن کے گروہ کے گروہ مصر میں سنگِ سماق کی کانوں پر یا فیلوس واقع فلسطین میں تانبے کی کانوں پر مشقت کے لئے بھیج دیئے جاتے تھے۔ لکتن تیوس کا یہ بیان کہ عیسائیت کا اقرار کرتے ہی آنکھوں کے ڈیلے بالکل نکلوا دیئے جاتے تھے اور اُن کے ہاتھ پاؤں یا ناک کان کاٹ دیئے جاتے تھے یوسی بیوس کی تحریر اور مسیحی شہدا کے اذیت ناموں سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

فلسطین میں دو حاکم نہایت ہی موذی تھے۔ ایک کا نام اربانوس تھا اور دوسرے کا فرمی لیانس۔ فرمی لیانس کی نسبت بیان ہوا ہے کہ اُس نے ایک دن میں بارہ عیسائیوں کو سزائے موت دی۔ یہ مصر کے عیسائی تھے اور ان کا قصہ یہ ہے کہ جب فلسطین کی کانوں میں عیسائیوں کی حالت بہت ہی مظلومی کی ہوگئی تو مشرق کے عیسائیوں کو اُن سے خاص ہمدردی ہوئی۔ اور مصر کے عیسائی اکثر اُن کی خدمت و زیارت کے لئے فلسطین جانے لگے۔ راستے میں قیساریہ سے گذرنا پڑتا تھا۔ یہاں فرمی لیانس کے اہل کار تاک میں بیٹھے رہتے تھے۔ جس مسافر پر شبہ ہوتا تھا اُس کو پکڑ لیتے تھے۔

۱۳۶

اگر اُس نے اپنے عیسائی ہونے کا اقرار کر لیا تو فوراً عدالت کے سامنے لاتے تھے جہاں سے قتل کی سزا ملنی ایک لازمی امر تھا۔ یہ بارہ عیسائی بھی اسی نیت سے کہ اپنے ہم مذہب بھائیوں کی مدد کریں گے فلسطین کو جا رہے تھے کہ قیساریہ میں گرفتار ہو گئے اور جب انہوں نے اپنا عیسائی ہونا بیان کیا تو فرمی لیانس کے حکم سے بارہ کے بارہ ایک ہی دن میں قتل کر دیئے گئے۔ میک سیمن کے ممالک محروسہ میں جو ظلم ہوتے تھے اُن میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ عیسائی عورتوں کی عصمت و عفت پر اکثر حملہ کیا جاتا تھا۔ اور یہ عورتیں بڑے صبر کے ساتھ اپنی آبرو بچانے کے لئے خود کشی کر لیتی تھیں۔ انطاکیہ میں پندرہ برس کی ایک لڑکی پلاجیہ کا قصہ مشہور ہے جو شہید ہو کر سنت پلاجیہ کے لقب سے مشہور ہوئی۔ اس غریب کو بُلانے کے لئے میک سیمن نے چند سپاہی اُس کے گھر بھیجے۔ جس وقت سپاہی پہنچے تو وہ گھر میں اکیلی بیٹھی تھی۔ بادشاہ کا پیغام سنتے ہی بہت اطمینان و ضبط سے معمولی لہجے میں کہنے لگی کہ بہت اچھا میں ذرا کپڑے بدل آؤں تو آپ کے ساتھ چلوں۔ یہ کہکر وہ بالاخانے پر گئی اور وہاں سے نیچے سڑک پر گر کر اپنے تئیں ہلاک کر دیا۔ یوسی بیوس نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا تھا۔ اس پادری نے اور بہت سے قصے میک سیمن اور اُس کے اہلکاروں کے کہ کس طرح بے گناہوں کو وہ قانون کے جال میں پھانسا کرتے تھے لکھے ہیں سنہ ۳۰۸ء میں اس شہنشاہ نے ایک حکم اس مضمون کا جاری کیا کہ ہر شہر اور گاؤں میں جو بت خانہ کسی وجہ سے خراب یا مرمت طلب ہو گیا ہو اس کی بہت جلد درستی کیجاوے۔ کاہنوں کی تعداد پہلے سے دس گنی کر دی۔ اور روزانہ قربانی کرنے کی سخت تاکید کی مجسٹریٹوں کے نام تاکیدی حکم جاری ہوئے کہ ہر ایک مرد۔ عورت اور بچے کو قربانی کرنے اور قربانی کا کھانا کھانے پر مجبور کیا جائے۔ بازاروں میں جس قدر مال اور اسباب فروخت کا رکھا ہوتا تھا اوس پر بھی صدقے کا پانی چھڑک دیا جاتا تھا۔ لوگوں کے نہانے کے واسطے جو حوض و حمام بنے تھے اون کے دروازوں پر سرکاری اہلکار بیٹھے رہتے تھے۔ جو شخص اندر جانا چاہتا تھا اوس سے دو چار دانے دھونی کے آگ پر ڈلوا دیتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ میک سیمن میں

متعصب کا مادہ ایسا بڑھا کہ بُت پرستی سے الفت اور عیسائی مذہب سے جانی دشمنی اوس کی طبیعت کا خمیر بن گئی۔

اب سوال یہ ہے کہ جس زمانے میں میک سیمن نے شام و مصر کے عیسائیوں پر یہ ہیبت طاری کر رکھی تھی اوس وقت گیلی ریوس کی قلمرو میں عیسائیوں کا کیا حال تھا۔ مگر اس سوال کے پورے جواب کے لیئے واقعات کافی طور پر دستیاب نہیں ہوتے۔ اتنا البتہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہنشاہ گیلی ریوس کو اب اس بات کا احساس ضرور ہو چلا تھا کہ تشدد و سخت گیری میں گو بہت اہتمام کیا جاتا ہے مگر اوس کا کوئی نتیجہ مفید مطلب نکلتا معلوم نہیں ہوتا۔ ۳۱۰ عیسوی میں جب وہ ایک سخت مرض میں مبتلا ہوا تو غالباً اس کا یہ خیال اور بھی پختہ ہو گیا ہوگا۔ عیسائیت کے جہاں اور بڑے بڑے تاریخی دشمن مثلاً اینٹی اوکس۔ ایپی فانیوس۔ ہیرودِ اعظم ہیرودِ اگرپیا نہایت خبیث و مکروہ امراض میں مبتلا ہو کر مرے تھے اسی طرح گیلی ریوس بھی گلنا سڑنا شروع ہوا۔ حکیم و طبیب کچھ نہ کر سکے۔ اپولو اور ایسکیولاپیس کے مندروں کو آدمی بھیجے گئے کہ مرض کی کوئی دوا لائیں۔ اپولو کے مندر سے ایک دوا ملی تھی مگر اس کے لیپ سے تکلیف اور زیادہ ہو گئی۔ لکتن تیوس نے گیلی ریوس کی تکلیف مرض کے بیان میں بڑے جوش و مسرت سے شاعر ورجل کے اشعار نقل کیئے ہیں جنکا مضمون ہے کہ "سانپ اور اژدہے سر سے پاؤں تک ان کو لپٹتے تھے۔ اور اس کرب میں ان کی چیخیں آسمان تک پہنچتی تھیں۔ اور یہ شدت درد کی آوازیں ایسی ہوتی تھیں جیسے کسی زبردست بیل کی ڈکاریں جو قربان گاہ سے زخم کھا کر بھاگا ہو"۔ گیلی ریوس پر اکیسال اسی شدت تکلیف کا گذرا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی مرض کی بے قراری میں اسنے یہ قصد کیا کہ خدا کے جن گھروں کو برباد کیا تھا ان کو درست کر کے اپنے گناہوں سے توبہ کرے۔ اور کیا لکتن تیوس کا یہ قول صحیح ہے کہ اسنے مجبور ہو کر "خدا کا اقرار کیا"؟ یہ واقعات صحیح ہوں یا غلط مگر وہ فرمان جو بیمار شہنشاہ نے حالت تکلیف و ناتوانی میں لکھوایا تھا اب تک موجود ہے اور اسکو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

۱۳۸

"سلطنت کے نفع وسلامتی کے لیئے جن تدبیروں کو ہم نے اختیار کیا تھا ان میں ہمیشہ یہ امر ملحوظ رکھا گیا تھا کہ ہر ایک بات رومانیوں کے قدیم مذہب اور رسم درواج کے مطابق ہوا کرے اور خاص طور پر انتظام کیا جاوے کہ عیسائی جنہوں نے اپنے بزرگوں کا دین چھوڑ دیا ہے ان کی طبیعتیں پھر درستی پر آجاویں۔

"کیونکہ وجہ جو کچھ بھی ہو ان عیسائیوں نے اپنی حماقت وخودسری سے مغلوب ہو کر پُرانے طریقے اور رسوم کی پابندی سے جو اُن ہی کے باپ دادا کے طریقے اور رسوم تھے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ اور اپنی رائے اور خیال کے مطابق اپنے لیئے ایک نیا دین اور قانون جاری کیا تھا اور مختلف مقامات پر ہر قسم کے لوگوں کا مجمع کرتے تھے۔

۱۳۹

"انجام کار ہم نے فرمان جاری کیئے اس مراد سے کہ ان لوگوں کو اُن طریقوں اور رسموں کا پابند رکھا جاوے جو پرانے وقتوں سے چلی آتی ہیں۔ جب ہمارا فرمان مشتہر ہوا تو ان میں سے بہت لوگوں نے خوف سے اور بہت لوگوں نے سزا کے لازمی ہونے سے ہمارے حکموں کی تعمیل کی۔

"لیکن چونکہ ان میں پھر بھی کثرت ایسے ہی لوگوں کی رہی جنہوں نے ہمارے حکموں کو نہیں مانا۔ اور اب ان کا یہ حال ہے کہ نہ وہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور نہ اُن کو نیاز و نذر چڑھاتے ہیں۔ اور نہ عیسائیوں ہی کے خدا کی پرستش ہمارے حکم کے خوف سے کر سکتے ہیں۔ تو ہم نے اپنے ترحم اور التفات بے مثال پر غور کیا جو ہم کل رعایا پر ظاہر کرتے رہتے ہیں۔

"پس ہم نے بہتر سمجھا کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ بھی پوری رعایت برتیں اور اون کو پھر عیسائی دین پر آنے اور اپنے گرجاؤں کی جو منہدم کردئے گئے ہیں درستی کرنے کی اجازت اس شرط کے ساتھ عطا کریں کہ قواعد اور قوانین مروجہ کے خلاف کوئی بات اون سے عمل میں نہ آوے۔

"ایک دوسرے خط میں ہم نے مجسٹریٹوں کو ہدایت کی ہے کہ اب اُن کا طریقۂ کار کیا ہونا چاہیئے۔

"پس ہماری اس رعایت کے صلے میں عیسائیوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے

فرض منصب کا خیال کر کے اپنے خدا سے ہماری اور اپنی اور سلطنت کی سلامتی کے لیئے دعا کریں تاکہ سلطنت کو ہر جگہ ترقی اور کامیابی نصیب رہے اور وہ خود بھی اپنے گھروں میں امن و طمانیت کے ساتھ آباد رہیں۔"

یہہ غیر معمولی فرمان اپریل ۳۱۱ء عیسوی کے آخری روز نیکومیدیا میں جاری ہوا۔ مضمون سے ظاہر ہے کہ اس سے بڑھکر ناکامیابی کا اقرار کسی شہنشاہ کی زبان سے نہیں ہوسکتا تھا۔ اس میں گیلی ریوس نے اس امر کا قطعی اقبال کر لیا ہے کہ عیسائیوں میں زیادہ تر لوگ باوجود سخت جبر و تعدی کے اپنے دین پر ثابت قدم رہے۔ اور چونکہ وہ ترک عصیان سے انکار کر کے اپنے ہی طریقے پر رہنا چاہتے ہیں اسلیئے شہنشاہ غصے سے نہیں بلکہ افسوس کے ساتھ اُن کی اس حیثیت کو کہ وہ عیسائی مذہب رکھتے ہیں تسلیم کرتا ہے۔ اور اُن کو مجمع کرنے کی اجازت دیتا ہے بشرطیکہ کوئی امر خلاف قانون اُن سے عمل میں نہ آوے۔ لیکن اس فرمان کے مضمون میں جو بات عجیب ہے وہ یہ ہے کہ شہنشاہ حالت مایوسی میں عیسائیوں سے اپنی صحت کے لیئے دعا کرنے کی درخواست کرتا ہے۔ اور گویا اسکو امید ہے کہ جہاں اپولو کو اُس کے مرض کی دوا نہیں ملی ممکن ہے کہ مسیح سے اُس کے درد کا درماں ملجائے۔ گیلی ریوس کی حالت اس وقت اُس ڈوبتے ہوئے آدمی کی تھی جو سہارے کی امید میں تنکا پکڑنے کے لیئے بھی ہاتھ بڑھا دیتا

۱۴۰

یہ فرمان گیلی ریوس۔ قسطنطین اور لائی سی نیوس کے نام سے جاری ہوا تھا میکسن تیوس کی حکومت کو جو اس وقت ایطالیہ پر فرماں روائی کرتا تھا گیلی ریوس نے تسلیم نہیں کیا تھا۔ اس لیئے فرمان پر اُس کا نام نہ ہونا موجب تعجب نہیں۔ میکسن تیوس کے علاوہ میک سیمن کا نام بھی اس فرمان پر نہ تھا۔ لیکن اتنا دیکھنے میں آتا ہے کہ میک سیمن کے ایک نائب (پریفکٹ) سابی نوس نے فرمان کے نافذ ہونے کے کچھ عرصے بعد ایک گشتی خط اس مضمون کا والیان سیلیسیہ و شام و مصر کے پاس روانہ کیا کہ عیسائیوں پر ظلم

بند کر دیئے جاویں۔ اِس کے علاوہ اِس گشتی خط میں گیلی ریوس کی طرح میک سیمن نے بھی اِس امر کا اعلان کیا کہ شہنشاہوں کی اصلی مراد یہی تھی کہ رعایا جس طرح ہو قاعدے اور نیکی سے زندگی بسر کرے۔ اور جن لوگوں نے رومانی مذہب کے برخلاف دوسرا دین اختیار کر لیا ہے وہ پھر اپنے قدیم خداؤں کی پرستش پر آمادہ ہوں۔ اِس مضمون کے بعد اِس خط میں حسب ذیل عبارت آئی ہے۔

"لیکن چونکہ بعض لوگوں کا تمرد اِس درجہ بڑھا ہے کہ وہ کسی طرح اپنے ارادے سے باز نہیں آتے۔ نہ ان کو اِس کا یقین ہے کہ شہنشاہوں کے احکام عدل و انصاف پر مبنی ہیں اور نہ اُن کو سزائیں پانے کا خوف ہے۔ اور چونکہ اِس خودسری نے اُن کی حالت بہت خراب و خطرناک کر رکھی ہے اس لیئے شاہانِ معظم نے اپنے لطف و کرم پر نظر کر کے یہہ خط آپ کو لکھا ہے۔

۱۴۱

"پس شاہانِ معظم کی ہدایتیں یہ ہیں کہ اگر کوئی عیسائی اپنے مذہب کی پابندی میں مصروف رہتے ہوئے گرفتار ہو گیا ہو تو آپ کو چاہیئے کہ اُس کو فوراً رہا کر دیں۔ اور کسی قسم کی سزا یا تکلیف اُس کو نہ دیں۔ کیونکہ مدت کے غور کے بعد شہنشاہوں کو اِس کا یقین ہو گیا ہے کہ کوئی شخص اِن عیسائیوں کو اُن کے جنون سے باز نہیں رکھ سکتا۔

"اب آپ کو چاہیئے کہ فوراً شہروں کے حاکموں اور ہر شہر کے جملہ مجسٹریٹوں اور فوجی افسروں کو ان امور سے تحریری آگاہی دیں تاکہ ان کو اس حکم کی اطلاع رہے کہ آئندہ سے عیسائیوں کے دینی معاملات میں مطلق مزاحمت نہ کیجا وے"

خلاصۂ کلام یہ کہ اب قیدخانوں کو خالی کرنے اور دینِ مسیحی کے مجانین کو رہا کرنے کا فرمان جاری ہو گیا۔ متعصب و بت پرست میک سیمن کو بھی بادلِ ناخواستہ اغسطس اعظم گیلی ریوس کے حکم کے سامنے جھکنا پڑا گو اغسطس کا اِس وقت دمِ واپسیں تھا۔

مگر باوجود ان سب باتوں کے چھ مہینے نہ گذرنے پائے تھے کہ میکسیمین نے عیسائیوں کو تکلیفیں پہونچانے کے لیئے نئی نئی ترکیبیں نکالنی شروع کیں۔ یوسی بیوس لکھتا ہے کہ جس وقت مذہبی رعایت اور آزادی کا فرمان جاری ہوا تو عیسائیوں میں مبارک باد کی صدائیں بلند ہوئیں اور ہزارہا عیسائی خوش ہو کر قید خانوں سے نکلے اور جب مصر و فلسطین کی کانوں سے عیسائیوں کے گروہ کے گروہ رہا ہو کر اپنے گھروں کو واپس جانے لگے تو جس شہر سے ان کا گذر ہوا وہاں کے عیسائی ان کی خاطر و مدارت میں فرش راہ بن گئے۔ ایسے عیسائی جو ظلموں کی وجہ سے اپنے دین میں استوار نہ رہ سکے تھے یا جنھوں نے ایذارسانی کے آلوں اور شکنجوں کے سایہ میں ڈراونی موت کی صورت دیکھکر بتوں کے سامنے سر جھکا دیئے تھے اب اپنے قوی دل بھائیوں کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ان کی وساطت سے پھر ملت مسیحی میں جگہ پائیں کلیسائے مقدس پھر ایک بار ظلم و ستم سہکر خاک مذلت سے اٹھا۔ ۱۴۲ توکل و ایمان کی قوت سے پھر اپنا سر اونچا کیا اور جلد دینی خدمتوں کو از سرنو اختیار کر کے اپنے درہم رفتہ انتظام کو اسلوب پر لایا۔ کچھ عرصے سے عیسائیوں کا یہ طریقہ ہو گیا تھا کہ رات کے وقت مسیحی شہیدوں کی قبروں پر جمع ہوتے تھے۔ اور اس عبرت کے لیئے کہ یہ شاہدان ملت موت کی تکلیفوں پر کس درجہ قادر رہے تھے ان کے مزاروں پر خاص خاص رسوم ادا کرتے تھے۔ میکسیمین کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے قبرستانوں پر رات کے وقت مجمع کرنے کی ممانعت کر دی اور وجہ یہ بیان کی کہ رات کے وقت اس قسم کے مجمع کرنے مخرب اخلاق ہیں۔ اس حکم نے عیسائیوں کو ہوشیار کر دیا کہ میکسیمین کے قول و اقرار کا کچھ بھروسا نہیں ہے۔ اس کے کچھ عرصے کے بعد پھر ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس سے ان کے اس خیال کو اور زیادہ قوت ہو گئی۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ میکسیمین نے اپنے علاقوں کا دورہ کیا۔ بعض شہروں کی رعایا نے اس کے پہنچتے ہی

عرضیاں اس مضمون کی پیش کیں کہ عیسائیوں کو ان کے شہر سے بالکل نکال دیا جاوے۔
اس میں مطلق شبہ نہیں کہ میک سیمن کو خوش کرنے کے لیئے اس قسم کی عرضیاں پیش
ہوئی تھیں۔ لیکن اس سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ بت پرستوں کا ایک فریق محکم عیسائیوں
کے خلاف اکثر شہروں میں موجود تھا۔ یوسی بیوس لکھتا ہے کہ انطاکیہ میں جس کا حاکم
تھیوٹکنوس تھا سائلوں نے اپنی عرضداشت میں لکھا کہ سب سے بڑی مہربانی
جو شہنشاہ ہمارے حال پر کرسکتا ہے وہ یہی ہے کہ عیسائیوں کو تمام علاقوں سے نکال دیا جاوے
علاقہ لائی سیا کے موضع اریکانده کے ویرانے سے ایک سنگین لوح نکلی ہے جس پر
اسی قسم کی عرضی کا مضمون کندہ ہے۔ وہ مضمون یہ ہے:-

"کرم گسترانِ بنی آدم۔ قیاصرہ واغاسطہ گیلی ریوس ویلیریوس میک سیمی نوس۔
فلاویوس ویلیریوس قسطنطیوس۔ ویلیریوس لائی سینیانوس
لائی سی نوس کی خدمت میں لائی سیا اور پمفالیہ کے باشندے
حسب ذیل گذارش کرتے ہیں:-

"اے شہنشاہ ربانی۔ چونکہ ہمارے خداؤں نے جو آپ کے مورث
ہیں اپنا لطف و کرم ہمیشہ ایسے لوگوں پر رکھا ہے جنہوں نے اپنے مذہب کی
سچے دل سے عظمت کی ہے اور شہنشاہوں کی سلامتی کے لیئے ہر وقت دست بدعا
رہے ہیں۔ اس لیئے ہم نے مناسب سمجھا کہ آپ کی بارگاہ عالی میں جس کی بزرگی
غیر فانی ہے اس التماس کو لے کر حاضر ہوں کہ عیسائی جو برسوں سے اپنے آبائی
دین کے خلاف چل رہے ہیں اور کسی طرح اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے اُن کی
سرکوبی اس طرح کی جاوے کہ وہ اپنے طریقۂ فاسد سے ہمارے خداؤں کے
خلاف عمل کر کے اُن کی بے ادبی اور گستاخی کا موجب نہ ہوں۔

"یہ مدعا اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے کہ اُن کو اُن کے نئے مذہب پر
رہنے کی ممانعت کر دی جاوے اور آپ کے ارشادِ ربانی اور حکم جاودانی سے
اُن کے کل طریقے بند کر دیئے جاویں۔ اور وہ مجبور کئے جائیں کہ ہمارے خداؤں
یعنی آپ کے مورثوں کی حضور آپ کے حق میں دعاگو رہیں۔ ایسا حکم آپ کے لیئے
اور آپ کی رعایا کے لیئے نہایت مفید اور سود مند ہوگا۔"

۱۴۳

اس قسم کی عرضیوں پر میکسیمن نے جو احکام لکھے اُن میں سے دو حکموں کا ذکر یوسی بیوس نے کیا ہے۔ ایک کا ذکر اپنے ایک خط میں لکھا ہے جو سابی نوس کو نیکومیدیا کی بابت بھیجا تھا۔ اور دوسرا حکم پیتل کی ایک تختی سے نقل کیا ہے جو شہر صور میں ایک ستون پر نصب تھی۔ ان حکموں میں میکسیمن نے بطوالت اس مضمون کی تفسیر کی ہے کہ خداؤں میں سے بالخصوص جوپیٹر نے جو شہر صور کا خاص طور پر نگہبان ہے انسان پر بڑے بڑے احسانات کئے ہیں۔ مثلاً موسموں کی ترتیب اور مقررہ اوقات پر انکا ظہور۔ قدرت کی زبردست قوتوں کو اُن کی معینہ حدود سے تجاوز نہ کرنے دینا یہ سب جوپیٹر کے فیض و کرم کا نتیجہ ہیں" اگر اس حالت میں بھی آفاتِ ارضی و سماوی سے نجات نہ ہو تو اس کا سبب بجز ان خبیث عیسائیوں کی گمراہی اور ناپاک اور متعدی خطاؤں کے اور کیا ہو سکتا ہے جن لوگوں نے عیسائی مذہب چھوڑ دیا ہے حقیقت میں ایک بڑی تیرہ بختی سے اُن کا پیچھا چھوٹ گیا ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ ایک غارت کن طوفان کی مہلک موجوں سے صحیح و سلامت نکل آئے ہیں یا یہ کہ کسی

۱۴۴

مرض صعب سے صحت یاب ہو گئے ہیں۔ اِن لوگوں کی زندگی پھر اپنی برکتیں اور نعمتیں فیاضی کے ساتھ ان کے سامنے پیش کرے گی"۔ اس کے بعد شہنشاہ لکھتا ہے۔

"لیکن اگر اب بھی یہ عیسائی اپنی گمراہی سے نہ نکلنا چاہیں تو سائلوں کی درخواست کے بموجب اُن کو اُن کے شہر اور علاقے سے نکال دیا جاوے۔ تاکہ صور کا شہر ایسا پاک ہو جاوے جیسا کہ سائل چاہتے ہیں اور پھر اُس کے باشندے یکسو ہو کر اپنے خداؤں کی پرستش میں مصروف ہوں۔

"مگر تم کو جاننا چاہیئے کہ ہم نے نہایت مسرور ہو کر تمہاری عرضی کو پڑھا اور ہم تم پر بلا تمہارے مانگے اپنی نعمتوں کی کثرت کرنی چاہتے ہیں اور تم جس چیز کو خواہ وہ کیسی ہی قیمتی ہو ہم سے مانگو گے وہ ہم تمہاری نیکی اور سعادت کے صلہ میں پہلے ہی سے تمہارے لیئے منظور کرتے ہیں۔

"پس مانگو اور پاؤ۔ اور بلا تامل مانگو۔ جو فائدہ تم اپنے شہر کو پہنچاؤ گے وہ شاہد رہیگا کہ تم نے اپنے خداؤں کی بندگی کی ہے"۔

اس حکم کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائیوں کی تکلیفیں ابھی ختم نہیں

ہوئی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط شہر شہر گشت کرایا گیا تھا۔ جس شہر میں عیسائیوں نے اس کو سنا ہوگا اس فکر میں پڑ گئے ہوں گے کہ دیکھیئے اب ظلم و ستم پھر کب سے شروع ہوتے ہیں۔ یہ تحقیق نہیں ہوتا کہ اس حکم کی تعمیل کس حد تک ہوئی۔ اگر اُس کی تعمیل پوری پوری ہر جگہ کی جاتی تو اُس کا ذکر کہیں بھی سننے میں آتا۔ کیونکہ اس حکم کی وجہ سے میکسمین کے محروسہ ملکوں سے ہزارہا آدمیوں کو نکلنا پڑتا اور اس کا غُل تمام دنیا میں پڑ جاتا۔ لیکن کوئی شہادت ایسی نہیں ملتی جس سے معلوم ہو کہ ایسا ہوا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ حکم جاری کرنے کی نیت سے نہ تھا بلکہ محض عیسائیوں کا دم فنا کرنے کے لئے گویا چھری تیز کی گئی تھی۔

بہرکیف میکسمین نے عیسائیوں پر پھر سخت گیری کی اور اس مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ سوچ سمجھ کر اور قاعدہ کے ساتھ ظلم شروع کیے۔ انطاکیہ میں اس شہنشاہ کا دربار تمام مشرق کے ساحروں، افسوں گروں اور کاہنوں کا مرجع عام بنا ہوا تھا۔ یہ لوگ شہنشاہ کو اپنا بڑا انیانس مربی اور سرپرست جانتے تھے۔ اسی زمانے میں تھیوٹکنوس نے ایک نیا خدا ایجاد کیا تھا۔ یا یہ سمجھیئے کہ کسی پرانے خدا میں نئے اوصاف دکھا کر قوم کو ایک نیا تحفہ پیش کیا تھا۔ اس خدا کا نام زیوس فیلی اوس تھا یعنی "جوپیٹر محب" انطاکیہ میں اس کا ایک عالیشان بُت تیار کیا گیا۔ اور جس بُت خانے میں یہ بُت رکھا گیا اُس کے لیئے ایک نئی جماعت کاہنوں کی مقرر کی گئی۔ اور اُس کے متعلق ایک "اوریکل" (محکمہ کہانت) بھی قائم کیا گیا یعنی ایک کاہنہ آئندہ کی خبریں اور سوالوں کا جواب پردۂ غیب سے دینے کے لیئے مقرر کی گئی۔ چنانچہ پہلے ہی سوال کے جواب میں اُس نے حکم دیا کہ عیسائیوں کو شہر سے نکال دیا جاوے۔ لیکن سب سے زیادہ قابلِ غور واقعہ اس زمانہ کا یہ ہے کہ عیسوی مذہب کی تردید میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ بڑے زور شور سے چھڑ گیا۔ میکسمین نے اپنے دربار کے بڑے بڑے انشا پردازوں کو حکم دیا کہ عیسائی مذہب کے عقائد کو تمسخر و استہزا کی صورت میں تحریر کریں۔ اور جو علما بُت پرستی کی حمایت میں مشتاق تھے اُن کو حکم ہوا کہ دینِ مسیحی کے جہاں سے کمزور پہلو دیکھیں اُس پر چوٹ کریں۔ اِس زمانے کی تصانیف میں ہیروکلس کی سب سے مشہور کتاب ہے۔ موضوع کتاب یہ ہے کہ گویا ہیروکلس خود جناب مسیح کی

۱۴۵

سیرت بیان کرتا ہے۔ درحقیقت یہ ایک پرانی کتاب تھی۔ لیکن اب اُس میں کچھ ترمیم کر کے اور موجودہ زمانے تک کے حالات اضافہ کر کے اُس کو ایک نئی کتاب کی شکل میں پیش کیا تھا۔ **یوسی بیوس** لکھتا ہے کہ اِس کتاب میں حضرت مسیح کی جس قدر توہین کرنی ممکن تھی وہ کی گئی تھی۔ اور آپ کو نعوذ باللہ ایک معمولی بدکار مُجرم کے درجہ تک پہنچا یا گیا تھا **میک سیمین** اس کتاب کو دیکھتے ہی باغ باغ ہو گیا۔ ہزار ہا نقلیں اُس کی تیار کرا کے تقسیم کرائیں۔ اُس کی بعض عبارتیں پیتل اور پتھر کی لوحوں پر کندہ کرا کے ممتاز مقامات پر نصب کرائیں۔ اور حکم دیا کہ عام جلسوں اور انجمنوں میں سب لوگوں کے سامنے اِس کتاب کو پڑھا جاوے۔ کتاب کے مضمون کو اس طرح شہرت دینے میں جو بات سب سے زیادہ دشمنی اور چالاکی کی معلوم ہوتی ہے وہ یہ تھی کہ **افریقہ** اور **ایشیا** کے تمام مدارس میں اِس کتاب کو درسی کتابوں میں شامل کیا گیا۔ اِس سے زیادہ کارگر طریقہ تعصب کی تعلیم اور نوعمروں کو عیسائی مذہب سے متنفر کرنے کا اور کیا ہو سکتا تھا۔ عیسائیوں کو بدنام کرنے کے لیئے **میک سیمین** کی بعض حرکتیں نہایت ہی مذموم تھیں۔ مثلاً دمشق کے افسر فوج نے چھ فاحشہ عورتوں کو گرفتار کیا اور اُن سے کہا کہ وہ اپنا عیسائی ہونا بیان کریں اور اس بات کا بھی اقرار کریں کہ عیسائیو کے مجمع میں ناشایستہ رسمیں اور ناپاک حرکتیں کی جاتی ہیں اور اُن میں وہ خود بھی شریک رہ چکی ہیں۔ ان عورتوں سے ان باتوں کا اقبال بجبر کرایا گیا اُن کا بیان لکھا گیا اور اُسکی نقلیں **میک سیمین** کے حکم سے ہر شہر میں کسی صدر مقام پر چسپاں کی گئیں۔

میک سیمین عیسائی مذہب کا سخت کینہ ور دشمن ہی نہ تھا بلکہ اس بات کی شہادت بھی موجود ہے کہ وہ عیسائیوں کے مستحکم کلیسائی انتظام کی قوت کا بھی قائل تھا۔ اور اِس استحکام کا مقابلہ بت پرستوں کے مذہبی انتظام کی کمزوریوں سے کیا کرتا تھا۔ اس معاملے میں شہنشاہ **جولیان** کی اُس نے پیش قدمی کی تھی۔ مذہب کے متعلق بُت پرستوں میں جو انتظام تھا اُس کی صورت کلیسا کے انتظام سے بالکل نہ ملتی تھی۔ اُن کے انتظام دینی کا ڈھیر بالکل ڈھیلا اور کمزور تھا۔ کاہنوں کی مختلف و متعدد جماعتیں ضرور موجود تھیں۔ بعض ان میں بہت صاحب قوت تھیں اور اُن کی شاخیں تمام سلطنت میں پھیلی ہوئی تھیں لیکن باوجود اسکے اُن میں کوئی تعلق باہمی سوائے اس کے نہ تھا کہ مذہبی رسمیں سب کی یکساں تھیں۔ اصولِ مذہب کی تعلیم اُن میں بہت کم تھی۔ اگر یہ تعلیم کچھ تھی تو اُن فرقوں میں تھی جو اپنی

عبادات اور رسمیات خفیہ طور پر ادا کرتے تھے۔ اور ان فرقوں میں غیر کی شرکت اُسی وقت ممکن تھی جبکہ پہلے اُس کا باضابطہ داخلہ ہو چکا ہو۔ میک سیمین نے چاہا کہ جیسے عیسائیوں میں مذہبی تعلیم و تربیت و نگرانی وغیرہ کے لیئے درجہ بدرجہ پادریوں کی جماعتیں ہوتی ہیں اسیطرح بت پرستی کی تعلیم و تربیت و نگرانی کے لئے بھی کاہنوں کی جماعتیں ہوں۔ اور ان میں اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک کے اختیارات اور حدود ار ضی جن میں وہ اختیارات حاصل ہوں جدا جدا منضبط کیئے جاویں۔ اب تک سلطنت کے بڑے بڑے صوبوں میں کاہن اعظم ہوا کرتے تھے جن کا لقب مدت سے ایشی آرک۔ پنٹ آرک۔ گالِت آرک اور سیلیسی آرک چلا آتا تھا۔ مگر یہ انتظام کوئی انتظام نہ تھا میک سیمین نے اِن کاہنوں کے اختیارات عیسائی اسقفوں کے اختیارات کے نمونے پر وضع کیئے۔ اُن کو اُن کے ماتحتوں پر خاص خاص اختیارات دیئے۔ اور اُن کے ذمے نگرانی کی خدمت رکھی کہ قربانیاں درستی کے ساتھ ٹھیک وقت پر ہوا کریں۔ منصب کاہن کی قدر اِس وجہ سے اور بڑھ گئی کہ ملک کے بہترین خاندانوں کے لوگ اُس پر مقرر ہونے لگے۔ یہ کاہن ایک ڈھیلا ڈھالا سپید لباس پہنا کرتے تھے اور اُن کے ساتھ چند سپاہی بطور محافظ کے رہا کرتے تھے۔ اور انکو خانہ تلاشی اور گرفتاری کے متعلق پورے اختیارات حاصل ہوتے تھے۔

۱۴۷

پس ظاہر ہوا کہ میک سیمین ایک حاکم جفاکار عیسائیوں کے خون کا پیاسا ہوا حرص کا بندہ ہی نہ تھا بلکہ جیسے کہ لکتن تیوس اور یوسی بیوس مورخانِ کلیسا کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے اُس کا درجہ اِن تمام اوصاف سے بھی بالاتر تھا۔ اِس شہنشاہ کی محض ذہانت اور فتنہ پردازی سے جس قدر صدمہ کلیسا کو پہنچا وہ اُس کے ہم جلوس شہنشاہوں کے جور و عقوبت سے بھی نہ پہنچا تھا۔ اور یہ صدمہ عیسائیوں کے لیئے کچھ کم باعث نقصان نہ تھا۔ جب شہنشاہ ایسا ہو تو پھر عیسائی رعایا کے لیئے سوائے ہیزم اور تلوار کے کہ یا تو لکڑیوں میں رکھ کر زندہ پھونک دیئے جاویں یا تن سے سر جدا کیا جاوے اور کیا رکھا تھا۔ ظلموں کی تجدید کے لیئے گیلی ریوس کی موت ایک اشارہ ہو گئی۔ اور میک سیمین نے اِس مرتبہ کلیسا کے اکابر و عمائد پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ اور جن لوگوں کو جان سے مارا اُن میں مصر کے تین اسقفوں کے علاوہ پطرس بطریق اسکندریہ میتھودوس اسقفِ صور۔ باسیلس کوس اسقفِ کموتہ واقع بھتی نیا اور سلوییستر اسقفِ حمص واقع فینیشیا شامل تھے۔ مصر میں عیسائیوں پر اِس قدر

شدائد ہوئے کہ **شفنت انطولی بیابان** میں اپنا اوپ چھوڑ کر اسکندریہ میں بھائیوں کی مدد کو آیا۔ مگر خود کسی طرح اس تہلکہ سے زندہ نکل آیا۔ یا تو اس وجہ سے کہ کسی کی اُس پر نظر نہیں پڑی یا اُس کو حقیر سمجھا یا یہ سبب ہوا کہ جو قوی اثر اُس کی ذات سے مسیحی کلیسا پر پہنچنے والا تھا وہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا تھا۔ اب اِن ظلموں اور جفاکاریوں کے بعد کشش باران۔ قحط اور وبائیں ۱۴۸ نمودار ہوئیں۔ **یوسی بیوس** اپنی کتاب کے ایک نہایت پُراثر حصے میں لکھتا ہے[1] کہ زمانہ قحط میں فاقہ کشی سے مجبور ہو کر لوگوں نے اپنی زمینیں ہی فروخت نہیں کیں بلکہ اپنے بچوں کو بھی بیچ ڈالا۔ گھر کے گھر بے چراغ ہو گئے۔ وبا آئی تو اُس نے بڑے بڑے لوگوں کو چُن چُن کر ہلاک کیا۔ بعض شہروں میں لوگوں نے کُتّوں کو مار مار کر اس لیئے کھانا شروع کیا کہ جو مُردے بے گور و کفن پڑے رہتے تھے کہیں اُن کو کھانے کی نوبت نہ آجاوے۔ لیکن ان تمام مصائب و آلام میں صرف عیسائی ہی تھے جو ثابت قدم رہے۔ جنھوں نے سچی فیاضی و سخاوت سے کام لیا۔ بیماروں کی تیمارداری کی اور جو لوگ جاں بلب تھے اُن کی آخری خدمات انجام دیں۔ **یوسی بیوس** لکھتا ہے کہ بت پرست بھی مجبور ہو کر کہتے تھے کہ مصیبت کی ایسی سخت آزمائش میں سوائے عیسائیوں کے اور کسی سے سچی خداترسی اور پارسائی ظاہر نہیں ہوئی۔

لیکن **میک سیمین** کا دورِ حکومت اب جلد خاتمے کے قریب آرہا تھا۔ **تیری داتیز** بادشاہ آرمینیہ سے لڑائی میں مصروف ہونے کے بعد جس میں اُس کو کچھ کامیابی نہیں ہوئی اُس نے **ماکسن تیوس** بادشاہ ایطالیہ سے **قسطنطین** اور **لائی سی نیوس** کے مقابلے میں دوستی کا عہد کیا۔ لیکن **لائی سی نیوس** کی قلمرو پر اُس وقت تک حملہ نہیں کیا جب تک کہ اپنے دوست **ماکسن تیوس** کی قوت کا قطعی استیصال نہ دیکھ لیا۔ ہم یہ پڑھ چکے ہیں کہ کرائی **سوپولس** کے معرکے میں **میک سیمین** کو بالکل ہزیمت ہو گئی اور وہ بھاگ کر کوہستان **طارس** کے دروں سے نکل کر باہر آیا۔ یہاں آتے ہی اُس نے اپنے پرانے معتمد کاہنوں اور افسوں گروں کو طلب کیا اور یک قلم سب کی گردنیں اس جرم میں [illegible] کہ [illegible] اُنھوں نے [illegible] ۱۴۹ وہ سب [illegible] یہ کام کیا کہ سب جادو [illegible]

[1] تاریخ کلیسا [illegible]

یقین نہ رہا تو ایک آخری فرمان مذہب کے متعلق اس امید لاحاصل سے جاری کیا کہ
شاید عیسائیوں کی ناراضگی اور عیسائیوں کے خدا کا قہر جو اس وقت نازل ہو رہا ہے جاتا رہے
یہ فرمان اس قابل ہے کہ یہاں از اول تا آخر نقل کر دیا جاوے۔

"اوغسطس قیصر کائیس ویلیریوس میکسیمین فاتح جرمانیہ و سرماتی دین دار
و فرخندہ نہاد۔ اجیت و والاشان کا فرمان رعایا کے نام:۔

"ہم نے جملہ وسائل سے تا بمقدور کوشش کی کہ جو لوگ ہماری عملداری میں رہتے
ہیں اُن کو نفع پہنچے اور ہمارے عطیات سے سلطنت اور اُس کی رعیت کو ترقی و
آسودگی حاصل رہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کو ہماری اس کوشش کا علم نہ ہو
اور ہم کو یقین ہے کہ جو شخص ذرا بھی اپنے حافظہ پر زور ڈالیگا وہ اِس امر کے سچ ہونے کو
فوراً یقین کر لے گا۔

"لیکن کچھ عرصے سے ہم کو معلوم ہے کہ ہمارے بزرگان پاک **ڈائیوکلیشن** و
میکسیمیان کے نافذہ فرامین کے بموجب جب ایسے مکانات کا انہدام شروع
ہوا جن میں عیسائی جمع ہوا کرتے تھے تو ہمارے سرکاری اہل کاروں سے بہت سختیاں
عمل میں آئیں اور ہماری رعایا کو یہ سختیاں روز بروز زیادہ محسوس ہوتی گئیں کیونکہ اس
بہانے سے ان کا مال و اسباب بھی اُن سے چھین لیا جاتا تھا۔

"پس ہم نے گزشتہ سال اپنے علاقوں کے حاکموں کو خطوط روانہ کرکے
حکم دیا تھا کہ اگر کوئی شخص عیسائی مذہب اختیار کرے اور اُس کا پابند رہنا چاہے
تو اُس کو اختیار دیا جاوے کہ وہ خوشی سے بلا مزاحمت غیرے اپنے مذہب پر قائم رہے
کوئی شخص اُس کو اُس کے دین سے نہ روکے۔ اور کل عیسائیوں کو مذہبی آزادی
حاصل رہے۔ اُن کو نہ کسی قسم کا خوف دلایا جائے اور نہ اُن کی نسبت بدگمانی
کی جاوے۔

"لیکن ہم اِس امر کو قطعاً نظر انداز نہیں کر سکتے کہ بعض مجسٹریٹوں نے
ہماری ہدایتوں کو غلط طور پر سمجھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا کے دل سے ہمارا اعتبار
اُٹھ گیا۔ اور وہ ایسے مذہب کو قبول کرنے سے جس کو وہ پسند کرتے تھے ڈر گئے۔
پس اِس غرض سے کہ یہ پریشانی و بدگمانی آئندہ رفع ہو جاوے ہم نے اِس فرمان کے

۱۵۰

جاری ومشتہر کرنے کا قصد کیا جس کے ذریعے سے سب کو آگاہی ہو جائے کہ جو لوگ عیسائی دین میں شامل رہنا چاہتے ہیں وہ بالکل آزاد ہیں کہ اُس میں شامل رہیں اور ہم اپنے مراحم شاہی پر نظر کرکے اجازت دیتے ہیں کہ ہر ایک شخص جس مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح دے کر اختیار کرنا چاہے وہ خوشی سے اختیار کرے۔ یا جس مذہب کا وہ عادی ہو چکا ہو اُس پر قائم رہے۔

"اس کی اجازت بھی عیسائیوں کو دی جاتی ہے کہ وہ اپنے خداوند کے گھروں کو پھر بنا لیں۔ علاوہ بریں اس مدعا سے کہ ہمارے مراحم اور التفات کے سمجھنے میں کوئی غلطی نہ ہو۔ ہم نے حکم دیا ہے کہ تمام عمارات ومقامات جو پہلے عیسائیوں کے تھے اور جو ہمارے پاک بزرگوں کے حکم سے ضبطی میں آگئے تھے یا جن میں سرکاری دفاتر آگئے ہیں یا جو فروخت یا ہبہ کردیئے گئے ہیں وہ اصلی مالکوں کو واپس دے دیئے جاویں تاکہ سب کو ہماری نیک نیتی اور مہربانی کا علم ہو جائے۔"

معلوم نہیں ندامت ومایوسی کے کس درجہ اسفلین میں یہ متعصب دشمن دین پہنچ گیا ہوگا جو اُس نے ایسے فرمان پر اپنی مہر لگائی مضمون سے ظاہر ہے کہ جس وقت یہ فرمان لکھا جاتا ہوگا تو اُس وقت **میلان** والے فرمان کی کوئی نقل ضرور **میک سیمن** کے سامنے موجود ہوگی۔ اور یہ امید رکھی ہوگی کہ مذہبی آزادی کے شریفانہ اصول کو ایسے بھدّے اور بے ڈھنگے طریقے پر ظاہر کرکے وہ عیسائیوں کے دل سے پچھلے ظلموں کو بھلا دیگا۔ اس میں کچھ شبہہ نہیں کہ **سیلیسیہ** اور **شام** کے عیسائیوں کی نگاہ شوق **قسطنطین** کی طرف لگی تھی جو سلطنت کے اس حصے سے بہت دُور **گال** کے علاقے کا حاکم تھا۔ کل شہنشاہوں میں وہی ایک نمونہ عدل وانصاف کا سمجھا جاتا تھا۔ جس وقت عیسائیوں نے سنا ہوگا کہ اُس کا دوست **لائی سی نیوس** فتح کرتا ہوا ایشیا کی طرف آرہا ہے تو وہ دل میں بہت خوش ہوئے ہونگے اور سمجھتے ہونگے کہ مصیبتوں سے نجات دینے کے لیئے رحمت کا فرشتہ ان کے قریب آتا جاتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ اسی خیال سے بلادِ شرق کے گرجاؤں میں **لائی سی نیوس** کی کامیابی کے لیئے ہر وقت دعائیں مانگی جاتی ہوں۔ **میک سیمن** نے بالکل اخیر وقت میں عیسائیوں کو اپنا خیرخواہ بنانا چاہا۔ مگر موقع ہاتھ سے جاچکا تھا۔ **میک سیمن** کا یہ بیان کہ حکام ماتحت نے اُس کے حکم کا مطلب غلط طور پر سمجھا ایسا عذر ہے جس کو کوئی باور کرکے دھوکے میں

۱۵۱

نہیں پڑھ سکتا۔ سب جانتے تھے کہ ملتِ مسیحی کے دشمنوں میں سب سے زیادہ خونی اور ہوشیار دشمن میک سیمین ہے۔ چنانچہ عیسائیوں نے اس آخری فرمانِ آزادی کو بہت شبہ اور نظرِ تحقیر سے دیکھا۔ اور جب خبر آئی کہ اس جابر و ظالم شہنشاہ نے زہر کھا کر خودکشی کر لی اور نہایت کرب و تکلیف سے مرا اور لائی سی نیوس فاتح نے اُس کی ملکہ کو دریائے اورنٹیز میں ڈبو کر اس کے آٹھ برس کے ایک لڑکے اور سات برس کی ایک لڑکی کو قتل کر دیا تو فرطِ انبساط سے ہر ایک گرجا میں سرودِ مقدس کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ جو غریب دس برس سے ہر قسم کی تکلیفوں اور اذیتوں کا نشانہ بنے ہوئے تھے اُن کو اس خوشی اور شادمانی پر کہ میک سیمین کی نسل غارت ہوئی اور ظالموں کے نام کو زندہ رکھنے والا اب دنیا میں کوئی نہیں رہا معافی کے قابل سمجھنا چاہیئے[1]

اس کُل زمانے میں مغربی حصۂ سلطنت کے عیسائی ظلموں اور سختیوں سے بہت کچھ محفوظ رہے۔ یہاں تک کہ ماکسن تیوس جیسے ظالم و جفاکار نے اپنے ابتدائی عہد میں عیسائیوں کو خوش رکھنا چاہا۔ یوسی بیوس نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ رومانی رعایا کا دل رکھنے کے لیئے اُس نے اپنا عیسائی ہونا ظاہر کیا۔ اور یہ جھوٹی پارسائی کا جامہ پہن لیا۔[2] اس قدر یقین کرنا تو مشکل ہے البتہ اتنا ضرور ہوا کہ روما کے عیسائیوں کے مذہبی امور میں اُس نے مطلق دخل نہیں دیا۔ اسقف روما۔ مارسیلی نوس کے مرنے کے بعد چار برس تک روما میں کوئی اسقف مقرر نہیں ہوا۔ اور پطرس حواری کی کرسی خالی پڑی رہی۔ آخر کار ۳۰۸ء عیسوی میں مارسیلس منتخب ہو کر اس جگہ پر مقرر ہوا۔ اور کلیسائے روما کا انتظام پھر اسلوب پر آ گیا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ کلیسا اب خود خانہ جنگیوں میں مبتلا ہوا۔ بہت سے عیسائی مُصر تھے کہ جن بھائیوں نے گذشتہ دورِ عقوبت میں عیسائی مذہب چھوڑ کر اپنی کمزوری دکھائی تھی وہ بلا ملامت و سزا پھر کلیسا میں داخل کیئے جاویں۔ لیکن مارسیلس نے اس کو منظور نہیں کیا اور آئینِ کلیسا کی سخت پابندی ہونے پر اڑا رہا۔ اس طرح اب عیسائیوں میں دو فریق ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جھگڑے بڑھے۔ اور ماکسن تیوس نے مارسیلس کو جلاوطن کر دیا۔ اِس

۱۵۲

[1] "مرگ جفاکاران" باب ۴۹۔ [2] "تاریخ کلیسا" ۸، ۱۴، ۱۔

جلاوطنی کے تھوڑے دن بعد وہ مرگیا۔ **مارسیلس** کے بعد ایک قسیس جس کا نام **یوسی بیوس** تھا رومآ کا اسقف ہوا۔ لیکن فریقِ ثانی نے اِس تقرر کو نہ مانا۔ اور ایک دوسرے شخص کو جس کا نام **ہیریک لیوس** تھا اپنا اسقف بنایا۔ اور اب دونوں فریقوں میں نزاع اتنا بڑھا کہ گلی کوچوں میں مُشت و مُشت پر نوبت پہنچنے لگی **ماکسن تیوس** نے کسی کی طرفداری نہ کی۔ اور دونوں اسقفوں کو شہر بدر کردیا۔ **یوسی بیوس** اُسقف روما جب شہر بدر ہونے کے بعد مرگیا تو اس کی قبر پر پاپائے **روما داماسوس** نے ایک کتبہ نصب کرایا۔ اِس کتبہ کی عبارت سے اِس زمانے میں جو تفریقِ ملت ہوئی تھی اُس کا حال بخوبی دریافت ہوتا ہے۔ وہ عبارت حسب ذیل تھی :-

"**ہیریک لیوس** نے اُن لوگوں سے جنھوں نے ظلموں سے مجبور ہوکر دین چھوڑا تھا کہا کہ اب رونا اور گڑگڑانا بے سود ہے۔ لیکن **یوسی بیوس** نے کہا نہیں۔ ترکِ مذہب کے سخت گناہ پر آہ و زاری توبہ و استغفار کرتے رہو۔ پس عیسائیوں میں دو فریق ہوگئے جو ہر وقت غیظ و غضب کی حالت میں رہنے لگے۔ اور پھر کلیسا میں بغاوتیں و فساد۔ خونریزیاں اور لڑائیاں شروع ہوگئیں۔ لیکن حاکمِ جابر و جفاکار کے ظلم سے دونوں اسقف جلاوطن کردیئے گئے۔ **یوسی بیوس** نے اس خیال سے کہ صُلح و امن کی شہ رائط میں فرق نہ آئے خوشی سے جلاوطنی قبول کرلی۔ اور **روما** سے نکل کر **صقلیہ** کے ساحلوں کو چلا گیا۔ اور دل میں اس بات کو سمجھے رہا کہ خدا اُس کا انصاف کرنے والا ہے۔ اور اسی بھروسے کے ساتھ دنیا اور اس زندگی سے رخصت ہوا۔"

داماسوس کا بیان خود ثابت کرتا ہے کہ اگر حقیقت میں رومانی کلیسا کی یہی حالت تھی کہ اس میں بغاوتیں اور فساد خونریزیاں اور لڑائیاں رہتی تھیں تو **ماکسن تیوس** کی دست اندازی بالکل واجبی تھی۔ پھر یہ کہنا کہ حاکم جابر و جفاکار نے ظلم کیا کسی طرح درست نہیں ہے۔ ۳۱۰ء عیسوی میں **یوسی بیوس** اسقف **روما** کا انتقال **صقلیہ** میں ہوگیا۔ اُس کے دوسرے برس ۳۱۱ء ماکی اسقفی پر **ملتی ایڈیز** منتخب ہوا۔ اور **ماکسن تیوس** نے عیسائیوں کو اُن کے گرجا اور قبرستان جو آٹھ برس سے اہل کارانِ سلطنت کے قبضے میں تھے کل واگذاشت کردیئے۔

۱۵۳

قسطنطین کے ہاتھوں ماکسن تیوس کا زوال اور لائی سی نیوس کے ذریعہ سے میک سیمن کی تباہی۔ میلان کا فرمان آزادی اور دونوں شہنشاہوں یعنی قسطنطین اور لائی سی نیوس کا ظاہراخلوص کہ سلطنت میں امن قائم رکھنے کے وہ یکساں خواہشمند ہیں یہ سب باتیں وہ تھیں جنھوں نے مملکت رومانی کے عیسائیوں میں شادیانے بجوادیئے۔ ہر طرف شاندار گرجا تعمیر ہونے شروع ہوگئے۔ اور چونکہ بُت پرستی پر اب عیسویت کی فتح میں کسی کو کلام نہ رہا تھا اس لیئے ہزار ہا بُت پرست کلیسا پر ہجوم کر آئے کہ مسیحی دین قبول کریں یا جیساکہ یوسی بیویس قیساروی لکھتا ہے کہ "مسیح مصلوب یعنی معطیِ نجات کی تکلیف واذیت کے اشارات معنوی سے فیضیاب ہوں"۔ اب کلیسا کے ستانے والے بُت پرست نہ تھے بلکہ خود ارکانِ کلیسا تھے۔ جیسے کہ افریقہ میں دوناتسی (ڈونے ٹِسٹ) فرقہ تھا کہ جب تک زندہ رہا ایک دن چین سے نہ بیٹھا۔ میک سیمن جب مرگیا تو انقیرا (انکایرا) میں عیسائیوں کی ایک مجلس قرار پائی۔ اس مجلس کی تجاویز سے معلوم ہوتا ہے کہ عمائدِ کلیسا نے کیسے کیسے سخت کفارے اُن لوگوں کے لیئے مقرر کیئے جو گذشتہ ظلموں کے زمانے میں مسیح کے مردانِ باوفا ہو کر ادائے خدمات سے قاصر رہے تھے۔ یہ کفارے اُسی نسبت سے سخت تھے جس نسبت سے مذہب پر قائم رہنے میں قصور ظاہر ہوا تھا۔ اِن میں بعض لوگ ایسے تھے جنھوں نے عیسائی مذہب چھوڑ کر خود عیسائیوں پر ظلم کیئے تھے۔ بعض نے پہلے ہی حکم پر بتوں پر نیاز ندر چڑھا دی تھی۔ بعض نے قید میں جانا گوارا کیا تھا لیکن جسمانی اذیتوں کو دیکھ کر کانپ اُٹھے تھے۔ بعض نے ایذارسانوں کو رشوت پہنچائی تھی کہ محض ظاہراطور پر اذیت دیں۔ بعض عیسائی قربانی کی ضیافتوں میں شریک تو ہوئے مگر صدقے کے گوشت کی جگہ چپکے سے معمولی گوشت رکھ کر کھانے لگے۔ اِن لوگوں کے لیئے جو سزائیں مقرر ہوئیں وہ دس برس کی آزمائشوں اور امتحانوں اور طرح طرح سے توبہ و استغفار اور کفاروں سے لے کر چند مہینوں تک کلیسا کی برکتوں اور عشاءِ ربانی سے محروم کیئے جانے کی تھیں۔

لیکن پھر بہت جلد عیسائی رعایا نئے خطروں میں پڑگئی۔ قسطنطین اور لائی سی نیوس میں باہمی نزاع ہوگئی۔ اور دو سخت معرکوں کے بعد صلح ہو کر سلطنت کی تقسیم بطرز نو کی گئی۔ یہ جدید تقسیم ۳۱۵ عیسوی سے لے کر ۳۲۳ عیسوی تک یعنی آٹھ برس تک بدستور قائم رہی۔

۱۵۴

مگر پھر دونوں شہنشاہوں میں بگاڑ ہوا اور جس قدر یہ بگاڑ بڑھتا گیا **لائی سی نیوس** عیسائیوں کے برخلاف ہوتا گیا۔ **لائی سی نیوس** کی طبیعت میں یہ انقلاب **قسطنطین** کی رقابت سے پیدا ہوا تھا۔ **لائی سی نیوس** کو یہ شبہ ہوا کہ اُس کی عملداری کے عیسائی **قسطنطین** سے سازش رکھتے ہیں اور **قسطنطین** اس خیال میں رہا کہ اُس کی عملداری میں جو بت پرست سربرآوردہ ہیں وہ رعایا کو اُس کے خلاف برانگیختہ کرتے ہیں۔ **لائی سی نیوس** کے مذہبی عقائد صاف طور پر عیسائیوں کے سے عقائد نہ تھے۔ وہ شہنشاہ **گیلی ریوس** کا دوست رہ چکا تھا جس نے اُس کو قیصر و اغسطس بنایا تھا۔ پس **گیلی ریوس** کی طرح **لائی سی نیوس** بھی اپنی اس بدگمانی کو رفع نہ کرسکا کہ عیسائیوں کی جماعتیں امنِ خلائق کے حق میں ایک خطرہ ہیں۔ عیسائیوں نے **میکسیمین** کے مقابلے میں **لائی سی نیوس** کی مدد کی تھی۔ اور وہ سمجھتا تھا کہ میرے مقابلے میں اب عیسائی رعایا **قسطنطین** کو مدد پہنچائیگی۔ **یوسی بیوس**[1] نے **لائی سی نیوس** کو ایک رینگتے ہوئے سانپ سے مشابہ لکھا ہے کہ اپنے دانت اور زہر کے چھالے چھپائے ہوئے زمین پر بل کھا کھا کر چل رہا ہے **قسطنطین** سے ڈر کر کلیسا پر علانیہ حملہ کرنے کی ہمت نہیں ہے لیکن آنکھ بچا کر عیسائیوں پر چوٹ کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔

یہ تشبیہ واقعی ٹھیک تھی۔ **لائی سی نیوس** نے عیسائیوں سے بگاڑ اس طرح نکالا کہ جس قدر اسقف اُس کی عملداری میں رہتے تھے اُن کو حکم دیا کہ اپنے اپنے علاقے سے باہر قدم نہ نکالیں۔ اور عام جلسوں اور مجلسوں میں بھی شریک نہ ہوں۔ گھروں میں بیٹھ کر اپنے اپنے کام سے مطلب رکھیں۔ اُن کا یہ کام نہیں ہے کہ کلیسا کی ترقی کا بہانہ کرکے دوسرے کو اُبھاریں اور شہنشاہ کے خلاف چاروں طرف منویانہ خیالات پھیلائیں

۱۵۸ ایک اور حکم یہ ہوا کہ عیسائی مرد اور عیسائی عورتیں مل کر گرجا میں نہ بیٹھیں۔ مرد علیحدہ عبادت کریں۔ عورتیں علیحدہ۔ تاکہ اُن کے اخلاق پر کوئی برا اثر پیدا نہ ہوسکے۔ اس قسم کا حکم ایسے شخص کے قلم سے نکلنا جو خود اپنی بُری حرکتوں سے بدنام رہ چکا ہو کیونکر بھلا معلوم ہوسکتا تھا۔ مگر اسی اخلاقی حیلے کی بنیاد پر قسیسوں اور اسقفوں کو حکم دیا گیا کہ وہ صرف

---

[1] "حیات قسطنطین"۔ ۲، ۱۔

مردوں کی ایمانی تسلی وتشفی کیا کریں اور عیسائی عورتوں کو چاہیئے کہ وہ دینی تعلیم و تربیت کے لیئے محض عورتوں سے استفادہ کریں۔ یوسی بیوس لکھتا ہے کہ اِن حکموں کی تمام دنیا نے ہنسی اڑائی۔ کیونکہ اب وہ زمانہ نہیں رہا تھا کہ مسیحی عشاء کے موقع پر عورتوں اور مردوں کی شرکت سے جو جھوٹے قصے پہلے مشہور کیئے جاتے تھے اب پھر اُن کو شہرت ہو سکتی۔ اس حکم کے بعد ایک دوسرا حکم اِس مضمون کا جاری ہوا کہ عیسائی شہر کے اندر کسی گرجا میں جمع نہ ہونے پاویں بلکہ ضرورت ہو تو شہر کے باہر کھلے میدان میں جمع ہو کر اپنی نماز ادا کریں۔ اس حکم پر عیسائیوں کو ہنسی بھی آئی اور غصہ بھی بڑھا۔ وجہ اِس حکم کی یہ بتائی گئی کہ ایسے مجمعوں سے شہر کی حفظانِ صحت میں فرق آنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اور شہر کے باہر چونکہ ہوا صاف ہوتی ہے ایسا اندیشہ کم رہتا ہے۔ لائی سی نیوس کا خیال حفظانِ صحت کے متعلق تو ضرور درست تھا لیکن ایسے خیال کو بحالات موجودہ کوئی عملی صورت بخشنی سراسر حماقت تھی۔

اِن حکموں سے عیسائی بخوبی سمجھ گئے تھے کہ یہ مقدمہ کسی نئے جور و ستم کا آئین چنانچہ اُن کا خیال ٹھیک نکلا۔ تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ لائی سی نیوس نے میلان والے فرمان کو بالائے طاق رکھ کر پرانے طریقے کے مطابق لشکر اور دربار سے عیسائیوں کے نام خارج کرنے شروع کیئے۔ بتوں کی نیاز و نذر کو ملازمت کی ضروری شرط قرار دیا۔ اور اکثر برطرفی کے ساتھ ضبطی جائداد کا حکم بھی کسی نہ کسی بہانے سے جاری ہونے لگا۔ یوسی بیوس لکھتا ہے کہ لائی سی نیوس کو دولت کی پیاس اِس بلا کی تھی کہ کسی طرح بجھنا ہی نہ جانتی تھی۔ اور ریلیوس وکٹر لکھتا ہے کہ اُس کو روپے کی محبت ایسی ہو گئی تھی جیسے کسی گاؤں کے لالچی کسان کو ہو۔ اور اِس لالچ میں سیری کے لیئے عیسائیوں سے بہتر شکار کہاں ملتا۔ عیسائیوں کے گرجاؤں کا اور خود اُن کا ذاتی مال و اسباب لوٹنا شروع کیا۔ عیسائیوں کو جلاوطنی یا کانوں پر مشقت کی سزائیں دی گئیں۔ اور مجسٹریٹ مقرر کر کے اُن کو اور زیادہ تنگ کیا۔ خونریزی شروع کر کے لائی سی نیوس نے اسقفوں پر سب سے زیادہ سختیاں[1] کیں۔ ایک الزام اُن کے ذمے یہ رکھا کہ شہنشاہ اور سلطنت کی سلامتی کے لیئے جب

[1] ”حیات قسطنطین“ ۱/ ۵۳۔

دعا مانگتے ہیں تو اُس میں قسطنطین کا نام لیتے ہیں مگر لائی سی نیوس کا نام چھوڑ جاتے ہیں۔ اسقفوں میں گو کسی کو موت کی سزا نہیں دی گئی لیکن اکثر کو قید خانہ بھیجا گیا جسمانی اذیتوں اور قطع اعضاء کی سخت سزائیں دیں۔ غرض کہ ڈائیوک لیشن اور میک سیمیان کے زمانے میں جو ظلم و ستم کے قصے شہیدوں اور عیسائیت کے اقرار کرنے والوں کو پیش آئے ایسے ہی لائی سی نیوس کے زمانے میں پیش آنے لگے۔ اِن میں ایک قصہ چالیس عیسائی سپاہیوں کا کہ وہ کس طرح شہید ہوئے بیان کرنے کے قابل ہے۔ ان سپاہیوں کو بارھویں رومانی فوج (رومن لیجن) سے تعلق تھا۔ ایک دن ان کو حکم ہوا کہ قربانی کرو۔ انھوں نے اس بُت پرستی کی رسم سے قطعی انکار کیا۔ انکار سنتے ہی اُن کے افسر نے حکم دیا کہ اُن کے سب کپڑے اتار لیئے جاویں۔ اور وہ بالکل برہنہ ایک تالاب کے کنارے جس کا پانی جم کر برف ہوگیا تھا سردی اور ہوا میں جاڑے کی پوری رات بسر کریں۔ اِس تالاب سے ملا ہوا ایک مکان تھا جہاں شہر کے حماموں کے لیئے پانی گرم ہوا کرتا تھا۔ بظاہر اِس مکان پر کوئی پہرا چوکی نہ تھا۔ اور ان سپاہیوں کی مرضی پر موقوف تھا کہ اگر چاہتے تو اِس گرم مکان میں جاڑے سے پناہ لے لیتے۔ مگر شرط یہ تھی کہ اگر ایسا کیا تو عیسائی دین چھوڑنا پڑے گا۔ اِن میں ایک سپاہی پہلے تو ہمت کر کے تالاب کے کنارے جاڑے پالے کی برداشت کئی گھنٹے تک کرتا رہا۔ مگر پھر ہمت ٹوٹ گئی اور گھسِٹتا ہوا حمام کی طرف چلا۔ مگر حالت بگڑ چلی تھی۔ جونہیں دہلیز میں قدم رکھا فوراً دم نکل گیا۔ محافظِ مکان جو بُت پرست تھا یہ کیفیت دیکھتے ہی اس درجہ متاثر ہوا کہ اپنے سب کپڑے اتار کر پھینک دیئے اور یہ چلاتا ہوا کہ "میں مسیحی ہوں" اُس کمزور بھائی کی جگہ تالاب کے کنارے پڑ رہا جو شہادت کی عزت سے ابھی ابھی محروم ہو گیا تھا۔ جب صبح ہوئی تو چالیس کے چالیس آدمی تالاب کے کنارے مرے ہوئے نظر آئے۔ کچھ دیر بعد چند جلاد آئے اور ان کی لاشوں کو اٹھا کر لے گئے تاکہ ستونوں سے باندھ کر اُن کو جلا دیں۔ اِس موقع پر بیان ہوا ہے کہ اِن چالیس لاشوں میں ایک ایسی لاش تھی جس میں ابھی کچھ دم باقی تھا۔ جلادوں نے اُس کو نہ اُٹھایا۔ مگر جس کی یہ لاش تھی اُس کی ماں وہاں موجود تھی۔ اُس کو یہ خیال ہوا کہ اور بھائی ساتھی تو سب برکتیں لینے آسمان کو سدھارتے ہیں کہیں میرا لخت جگر اس نعمت سے محروم

۱۵۷

نہ رہ جائے۔ فوراً لاش کے پاس آئی اور خود اُس کو اُٹھا کر چھکڑے میں رکھا کہ جہاں اور لاشیں جلنے کو جا رہی ہیں وہاں یہ بھی پہنچ جاوے۔

ایک اور قصہ لائی سی نیوس کے ظلموں کا یہ ہے کہ قیساریہ واقع کپادوسیہ میں ایک شخص گوردیوس نامی رہا کرتا تھا۔ کچھ عرصے سے وہ گھر بار چھوڑ کہیں دُور پہاڑوں میں فقیر بن بیٹھا تھا۔ ایک دن یکایک خیال آیا کہ یہ رہبانیت ٹھیک نہیں۔ بہتر ہے کہ شہر واپس جاوے اور وہاں مسیحی دین کی سچائی پر سب کے سامنے گواہی دے۔ چنانچہ وہ اپنا تکیہ چھوڑ کر قیساریہ میں آیا۔ اس وقت شہر کے لوگ تماشا گاہ میں بیٹھے کسی تماشے کے منتظر تھے کہ سنگ مرمر کی سیڑھیوں سے ایک عجیب و غریب بھیانک صورت کا فقیر نیچے اترا اور جس صحن میں تماشا ہوتا تھا اُس کے بیچ میں جا کھڑا ہوا۔ اس صورت کو دیکھتے ہی تماشائی خاموش ہو گئے۔ سپاہی دوڑے اور فقیر کو پہچان کر کہ وہ گوردیوس ہے گھسیٹتے ہوئے عدالت کو لے چلے۔ گوردیوس نے اسی حالت میں بہ آواز بلند کہا کہ "میں یہاں اس لئے آیا تھا کہ تم پر ثابت کردوں کہ میں تمہارے حکموں کو کس قدر ہیچ سمجھتا ہوں۔ اور تمہارے روبرو اقرار کروں کہ میں یسوع مسیح پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور حاکم شہر تو بھی سُن لے کہ میں تیرے ظلموں سے واقف ہوں کہ وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور اسی لئے یہی موقع اور وقت میں نے اپنے مرنے کے لئے پسند کیا ہے۔" اس تقریر کے بعد گوردیوس کو شکنجے میں کھینچا گیا۔ لیکن جس قدر زیادہ تکلیف پہنچائی جاتی تھی اُسی قدر وہ زیادہ خوش ہوتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ "جہاں تک ممکن ہو ایذا پہنچاؤ کیونکہ جس قدر زیادہ اذیت یہاں اٹھاؤنگا اُسی قدر زیادہ صلہ آسمان پر پاؤنگا۔ ہم میں اور ہمارے خدا میں یہ امر سطے ہو گیا ہے۔ ہر ایک درد اور اذیت جو ہم یہاں اُٹھائیں گے اُس کی مزد ہم کو عرشِ بریں پر مسرت اور جلال میں ملیگی۔"

خلاصۂ کلام یہ کہ لائی سی نیوس بھی میکسیمن کی طرح بُت پرستی کا حامی اور ایسے لوگوں کا سرپرست بن گیا جو عیسائی مذہب چھوڑ کر پھر بُت پرست ہو گئے تھے۔ ۳۲۳ عیسوی میں جب قسطنطین سے پھر لڑائی ہوئی تو لائی سی نیوس عیسائی مذہب اور عیسائیوں کے خدا کا دشمن بن کر میدانِ جنگ میں اترا۔ گو اس لڑائی کی اصلی غرض جانبین کی دنیا طلبی تھی مگر ایک اعتبار سے اُس کو دو مذہبوں کا باہمی معرکہ بھی سمجھنا چاہئے

۱۵۸ ہم کہیں ذکر کر چکے ہیں کہ اس لڑائی سے پہلے لائی سی نیوس نے وعدہ کیا تھا کہ اگر بتوں نے اُس کو فتحیاب کرا دیا تو عیسائیوں کا تخم دنیا سے مٹا دے گا۔ لیکن تقدیر نے موقع نہ دیا کہ یہ وعدہ ایفا ہوتا۔ اور یہ نوبل اور کرائی سوپولس میں شکست کھائی۔ اور پھر تھسالونیکا کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اِن واقعات کے بعد وہ تھوڑے دن زندہ رہا لیکن مرنے سے پہلے حالت جلاوطنی میں سُن لیا کہ اُس کے بُت پرست مشیروں اور صلاح کاروں نے اپنی کوتاہ اندیشیوں کی کیسی کیسی سزائیں پائیں۔ یہاں تک کہ سب ہلاک ہو گئے۔ اور یہ بھی اُس کو اپنی زندگی میں دیکھنا پڑا کہ مشرق کے عیسائیوں نے اپنے آخری دشمن دین اور ظالم و ریاکار کی موت پر کیسی کیسی خوشیاں منائیں۔ کلیسا نے آخر کار پوری آزادی حاصل کر لی۔ اور پھر حکومت کی طرف سے اُس کو کسی قسم کی تکلیف اُٹھانی نہ پڑی۔ قسطنطین نے لائی سی نیوس پر فتح پانے کے بعد فلسطین کے باشندوں کی بابت ایک فرمان جاری کیا جس کو یوسی بیوس نے بجنسہ محفوظ رکھا ہے۔ اِس فرمان کے بموجب جس قدر عیسائی حال میں جلاوطن کیے گئے تھے۔ یا کانوں پر مشقت کے لیے بھیجے گئے تھے یا قید خانوں میں قید تھے وہ سب رہا ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس آئے۔ جن کا مال و اسباب ضبط کیا گیا تھا اُن کو جو کچھ اُن کا تھا واپس کیا گیا عیسائی سپاہی جن کو فوجوں سے بے عزتی کے ساتھ خارج کیا گیا تھا وہ اپنی اپنی جگہ پر بحال کیے گئے۔ اور جنھوں نے پھر فوج میں نوکری کرنی نہیں چاہی اُن کو اس مضمون کی سند دیدی گئی کہ اُن کا تعلق فوج سے عزت کے ساتھ قطع ہوا۔ گرجاؤں کا جو سامان ضبط ہوا تھا وہ واپس ہو کر متولیوں کے قبضے میں دیا گیا۔ قسطنطین نے لائی سی نیوس کی زیادتیوں کی تلافی محض لفظی طور پر نہیں کی بلکہ بڑے بڑے وظائف اُن اسقفوں کو دیئے جنھوں نے اس "مارِ شیطانی" کے ہاتھوں طرح طرح کے عذاب اُٹھائے تھے۔ قسطنطین نے یوسی بیوس اسقف قیساریہ کو ایک خط اس القاب سے لکھا کہ "اے میرے پیارے اور عزیز بھائی۔ ذرا اپنے قرب و جوار کے اسقفوں اور قسیسوں پر نگاہ رکھنا کہ وہ کلیسائی خدمت پوری توجہ اور شوق سے ادا کریں"[1]

---

[1] "حیات قسطنطین" ۲ ۴۶۔

نواں باب

قسطنطین اور مسیحی فرقۂ دوناتسی

فرمانِ میلان کے جاری کرنے سے اگر قسطنطین کی یہ مراد تھی کہ مذہبی اختلافات و مناظرے بند ہو جائیں گے تو یہ ایک دھوکا تھا جس کا حال اس پر جلد روشن ہو گیا۔ بت پرستی پر جب عیسائی مذہب کو غلبہ ہو گیا تو اب خود عیسائیوں کے مختلف العقائد فرقوں نے کلیسا کے امن و عافیت میں خلل ڈالنا شروع کیا اور جس طرح پہلے بت پرستوں اور عیسائیوں کی باہمی خصومت سے سلطنت کے حفظ و امن میں نقصان آنے کا اندیشہ رہا کرتا تھا اب وہی اندیشہ عیسائیوں کے باہمی اختلافات سے پیدا ہو گیا۔ چنانچہ جس سال یعنی ۳۱۳ء عیسوی میں یہ فرمان جاری ہوا تھا افریقیہ کے چند اسقفوں نے شہنشاہ کی خدمت میں ایک عرضداشت اس مضمون کی بھیجی کہ ہمارے ملک میں مذہب کے متعلق چند مشکلات پیدا ہو گئی ہیں اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ علاقہ گال کے چند اسقف یہاں بھیجے جاویں تاکہ وہ ایک مجلس کر کے ہماری مشکلوں کو حل کریں۔ غرض اس عرضداشت سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ افریقیہ میں عیسائیوں کا وہ مشہور فرقہ پیدا ہو گیا جس کو فرقۂ دوناتسی کہا جاتا ہے اور جس کے معرکے ایک صدی سے زیادہ شمالی افریقہ میں برپا ہوتے رہے۔

فرقۂ دوناتسی کے حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ شمالی افریقیہ ایک عرصۂ دراز سے مذہبی تعصبات و نزاعات کا گھر بنا ہوا تھا۔ اسی خطے سے فرقۂ منتانسی اور نواشانی کے غالی پیرو پیدا ہوئے جو دوسرے فرقوں کے عقائد میں ذرا سی ڈھیل یا آزادی دیکھتے ہی

سختی سے مترش ہونے کا بے حد شوق رکھتے تھے۔ اور بہت وثوق سے کہہ اُٹھتے تھے کہ نجاتِ اُخروی کی راہیں نہایت تنگ و دشوار ہیں۔ شمالی افریقہ ہی وہ خطہ تھا جہاں ایسے واعظوں کا کلام بہت ذوق و شوق سے سنا جاتا تھا جو حصولِ بخشش کے لئے اعمال میں اس درجہ احتیاط بتائیں جس کا پابند رہنا ممکن نہ ہو۔ جو عیسائیوں کی زندگی کو گناہوں کی آلائش سے بالکل پاک و صاف دیکھنا چاہیں۔ جو انسان کی خطاکاری پر جلتی دوزخ دکھانے کو تیار ہو جائیں مگر اُس کی کمزوریوں کا مطلق پاس و لحاظ نہ کریں۔ دائیوک لیشن اور میکسمیان کے دورِ تعدی میں اکثر عیسائیوں نے بڑے شوق اور نمود سے درجہ شہادت حاصل کیا تھا چنانچہ علمائے جاثلیق (کیتھولک) لکھتے ہیں کہ شہادت کی عزت دینداروں ہی کو نصیب نہیں ہوئی تھی بلکہ بدکار و مبتذل لوگوں نے بھی اِس خیال سے شہید ہونا شروع کیا کہ ایسی اچھی موت سے اُن کے گناہ دُھل جائیں گے۔ بہت سے عیسائی ایسے تھے کہ مذہب کے لیئے جان دینے کی ہمت تو ان کو نہ ہوئی مگر قید خانہ جانے میں تامل نہ کیا جہاں اُن کی ضروریات مہیا کرنے کا عیسائی بھائیوں کو بہت خیال رہتا تھا۔ منسوریوس اسقف قرطاجنہ جو کُل افریقہ کا مطران بھی تھا یہ امرِ سخت ناگوار تھا کہ عیسائی مفت میں تکلیفیں اُٹھانے اور اپنی جانیں کھونے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اُس نے عیسائیوں کے اِس بیجا تعصب و ذوق جان فروشی کو ایک قسم کی کم عقلی اور دماغی کمزوری سمجھ کر رد کرنا چاہا۔ اور جن لوگوں نے اِس طرح قصداً اپنی جانیں تلف کی تھیں اُن کو شہدائے ملت تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اور جہاں تک ممکن ہوا عیسائیوں کو مذہب کے لیئے ایسی بے دریغ فیاضیوں سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ منسوریوس کے معترضوں نے اُس کی نسبت ایک قصہ مشہور کر رکھا ہے کہ جب عیسائیوں کی اشیائے متبرکہ کی ضبطی کا حکم سلطنت کی طرف سے نافذ ہوا اور سرکاری اہلکار اُس کے پاس آئے اور اُس کے گرجا کی کتبِ مقدسہ طلب کیں کہ اُن کو لیکر جلادیں تو منسوریوس نے اصلی انجیلوں کو تو چھپا دیا اور اُن کی جگہ چند کتابیں اہل بدعت کی لکھی ہوئی حوالے کر دیں جن کو اہلکاروں نے انجیلیں سمجھ کر فوراً جلا دیا۔ اگر یہ قصہ سچ ہے تو گویا منسوریوس نے اِس خیال سے کہ اگر انجیلیں کفار کے حوالے کرتا ہوں تو "خائن ملت" (ترید یتور) کہلاؤں گا اور اگر

۱۶۰

حوالے نہیں کرتا تو جسمانی اذیتیں اُٹھانی پڑیں گی ایسی چال چلی کہ ان دونوں آفتوں سے بچ گیا۔ مگر یہ جو کچھ بھی ہو منسوریوس کا یہ فعل ایک فریب تھا جس کے مذموم ہونے میں کلام نہ تھا۔ پس جب اس قسم کے اعتراضات پیدا ہو چکے ہوں تو پھر منسوریوس پر اس الزام کا عائد ہو جانا کچھ محل تعجب نہیں کہ اُس نے ایسے عیسائیوں پر بے جا سختیاں اختیار کیں جو اپنے مذہبی فرائض کو زیادہ ذوق و پابندی سے ادا کرنا چاہتے تھے۔

۱۶۱

۳۰۵ سنہ عیسوی میں قرطہ کے شہر میں اساقفہ کی ایک مجلس ہوئی۔ اس مجلس میں جو حالات ظاہر ہوئے اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ دائیوکلیشن کے ظلموں نے افریقی کلیسا کے پیشواؤں کی حالت کس درجہ خوف و بیم کی کر دی تھی۔ اس مجلس کا صدر سیکندوس اسقف تجی سیس تھا جو علاقۂ نومیدیا کا مطران (پرائیمیٹ) بھی تھا غرض اس مجلس کی یہ تھی کہ قرطہ میں اسقف کی جگہ خالی ہوئی تھی اُس کے لیے ایک اسقف منتخب کرنے کی ضرورت تھی۔ سیکندوس نے مجلس میں آتے ہی تمام اساقفہ سے جو موجود تھے کہا کہ آپ سب لوگوں پر یہ الزام ہے کہ آپ نے اپنی کتب مقدسہ بے دین حاکموں کے حوالے کر دیں تاکہ وہ اُن کی بے ادبی کر سکیں۔ پس پہلا کام اس مجلس کا یہی ہے کہ اس الزام سے آپ کی صفائی کا ثبوت سُنے۔ اب صدر انجمن نے ایک ایک اسقف سے انجیلوں کے حوالے کیے جانے کا سوال کیا۔ مصقلہ کے دوناتوس نے اصلی سوال کو ٹال کر جواب دیا کہ "ہم سوائے خدا کے اور کسی کے سامنے اپنے افعال کے ذمہ دار نہیں"۔ اس کے بعد اکثر اسقفوں نے بیان کیا کہ ہم نے انجیلوں کی جگہ دوسری کتابیں دیدی تھیں۔ روسیکاس کے اسقف نے البتہ اقبال کیا کہ میں نے چاروں انجیلیں اہل کاروں کے حوالے کر دیں۔ کیونکہ مہتمم کلیسا دالنتی نیانوس نے مجھ کو مجبور کیا تھا کہ میں یہ کتابیں اہلکاروں کے پاس بھیجدوں۔ لیکن "اے صاحبو! جس طرح خدا معاف کرتا ہے تم بھی میرا یہ قصور معاف کردو"۔ اس کے بعد لماطہ کے اسقف پرپوریوس کی باری آئی۔ سیکندوس نے اُس کو نہ صرف تریدیتور (خائن ملت) ہونے کا الزام دیا بلکہ یہ بھی کہا کہ اُس نے اپنے دو بھتیجوں کو قتل کیا ہے۔ اس پر پرپوریوس نے بڑا غل مچایا اور کہا کہ کس کی مجال ہے کہ ہم کو آنکھیں دکھا سکے سیکندوس کچھ ہم سب سے بہتر نہیں ہے جس طرح اور سب موت سے بھاگے اُسی طرح اُس نے بھی کافروں کو

انجیلیس ویکر اپنی جان بچائی۔ رہا بتیموں کا قتل تو بے شک میں نے اُن کا خون کیا اور ان ہی کا خون نہیں کیا بلکہ اگر اور کوئی میری راہ میں مخل ہوا تو اُس کا بھی خون کر دونگا۔" قتل کے اس صریحاً اقبال پر مجلس کے کسی شخص کو کچھ حیرت نہیں ہوئی۔ اِس وقت سب کو سیکندوس پر غصہ آرہا تھا کہ اُس نے ایسے مکلف سوالات کیوں کیئے اور اپنے ساتھیوں سے بڑھ کر زہد و پارسائی کا دعوے کس وجہ سے کیا۔ اتفاق سے مجلس میں سیکندوس کا ایک برادر زادہ بھی موجود تھا۔ اُس نے کھڑے ہوکر دھمکی دی کہ اگر چچا جان جہاں تک یہ مضمون پہنچا ہے وہیں پر بس نہ کریں گے تو سب لوگ ان سے قطع تعلق کر کے ایک نیا فرقہ قائم کر لیں گے پھر کسی کو اُن سے کچھ سروکار نہ رہیگا۔ اور یہ بھی کہا کہ "جس سے جو بن پڑا وہ کیا۔ تم کو اب اس سے کیا مطلب۔ خدا کے سامنے سب کو اپنا اپنا حساب دینا ہے۔ تم بیچ میں کون ہوتے ہو۔" جب یہ گرم اور چست فقرے سُنے تو میر مجلس کی عقل ٹھکانے آئی اور اُس نے خیانت دین کے الزام سے تمام اساقفہ کے بری کیئے جانے کا حکم سنایا۔ اس حکم کے سنتے ہی شکر حق شکر حق کی ہلکی سی صدا سب طرف گونج اٹھی۔ اس کے بعد اراکین مجلس قرطہ کے لیئے اسقف منتخب کرنے میں مصروف ہوئے۔ کثرت رائے سلوانوس پر ہوئی مگر وہ خائن ملت یعنی تریدیتور تھا۔ اس انتخاب پر قرطہ کے لوگ بالخصوص بگڑ اُٹھے اور شور مچادیا کہ سلوانوس تو خائن ہے دوسرے آدمی کا انتخاب ہونا چاہیئے۔ "ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا اسقف نہایت نیک نفس اور پاکباز ہو۔" سلوانوس کی نسبت حقیقت میں یہ مشہور تھا کہ اُس نے اپنے گرجا کے منبر سے چاندی کا ایک شمعدان اٹھا کر سرکاری اہلکاروں کو دے دیا تھا حالانکہ خود اہلکاروں نے سلوانوس کو اس بات پر مجبور نہیں کیا تھا۔ اِس مجلس کے حالات ایسی کتابوں میں مذکور ہیں جو فرقہ دوناتسی کے رد میں بالخصوص اساقفہ کی تصنیف سے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں واقعات مبالغے کے ساتھ بیان ہوئے ہوں اس مجلس میں ایسے اسقف بھی موجود تھے جو چند سال کے بعد دوناتسیوں کے بڑے پیشوا مانے گئے۔ بہرکیف اگر مبالغہ کو نکال کر بھی اِن باتوں کو دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ کلیسائے نومیدیا کی حالت کچھ تعریف کے قابل نہ تھی۔

۱۶۳

منسوریوس کی زندگی میں کوئی ایسا فریق جو صریحاً اُس کا مخالف اور

دشمن ہو پیدا نہیں ہوا گو قرطاجنہ کے کلیسا میں جس کا وہ اسقف تھا طرح طرح کے نزاع
پیدا ہو چلے تھے۔ ودناتیون پر ابھی ظلم شروع نہیں ہوئے تھے کہ عمائد کلیسا
اور قرطاجنہ کی ایک معزز عورت میں جس کا نام لوسیلہ تھا سخت بگاڑ ہو گیا۔ لوسیلہ
نے بہت خفگی کی حالت میں اپنا تعلق کلیسا سے قطع کر لیا۔ اور قرطاجنہ کے جس قدر
لوگ کلیسا سے شکایتیں رکھتے تھے اب لوسیلہ اُن کی ولی و سرپرست بن بیٹھی اور
اس وقت سے جس قدر سازشیں اور گروہ بندیاں مذہب کے معاملات میں ہوئیں
اُن کی محرک اور سرغنہ یہی عورت ہوتی رہی۔ لوسیلہ کا ایک عجیب طریقہ یہ بھی تھا
کہ جب عشاء الفصح یعنی آخری ضیافت مسیح کی یادگار میں روٹی اور شراب تقسیم ہوتی تھی تو
ان چیزوں کے چکھنے سے پہلے وہ ایک ہڈی کو تبرک سمجھ کر بوسہ دیا کرتی تھی۔ مگر
اس میں شبہ تھا کہ واقعی یہ ہڈی کوئی تبرک شے تھی یا نہیں۔ کیونکہ کلیسا کی فہرست تبرکات
میں کہیں اُس کا ذکر نہ تھا۔ لیکن لوسیلہ کو اس ہڈی کے چومنے میں جو خیر و برکت نظر
آتی تھی وہ عشاء مسیحی میں جامِ مقدس کو ہونٹوں سے لگانے میں بھی نہ آتی تھی۔ آرکڈیکن
سیسی لیانوس نے لوسیلہ کو اس حرکت پر ملامت کی۔ یہ ملامت کچھ تبرک پرستی پر
نہیں کی گئی تھی کیونکہ اس زمانے میں ہر جگہ کے عیسائی تبرکات کی تاثیر کے قائل تھے
اور ہر ایک پادری نماز پڑھانے سے پہلے جس قدر تبرکات قربان گاہ پر رکھے
ہوتے تھے اُن کو بوسہ دیا کرتا تھا۔ ملامت جس بات پر کی گئی تھی وہ یہ تھی کہ جس
ہڈی کو لوسیلہ بوسہ دیتی تھی اُس کو تبرک نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ بلکہ شبہ کیا جاتا تھا
کہ دراصل وہ ہڈی کسی مسیحی شہید کی ہے بھی یا نہیں۔ بہرکیف کلیسا نے یہ تسلیم نہیں کیا
تھا کہ وہ ہڈی کسی مستند شہید کی ہے۔ منسوریوس اسقف قرطاجنہ لوسیلہ سے
ابھی جواب طلب نہ کرنے پایا تھا کہ قیصران روما کا طوفانِ جور و ستم بڑھتے بڑھتے
افریقہ تک پہنچ گیا۔ مورخان جاثلیق (کیتھولک) نے لوسیلہ کی نسبت نہایت ہی
سخت و سُست الفاظ استعمال کئے ہیں جس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ
ایک قابل اور با اثر عورت تھی۔ دولتمند تھی اور سازش کا مادہ اُس کی جبلت کا
خمیر تھا۔ اور چونکہ افسران کلیسا نے اس کو ملامت کے ساتھ جماعت سے خارج
کیا تھا اور وہ اس واقعہ کو اپنی ذاتی توہین سمجھتی تھی اس لئے انتقام کشی بھی اُسکے

نزدیک ضروریات سے ہو گئی تھی اور جن فسادوں کے اُٹھانے پر اب وہ آمادہ ہوئی
اُن کا اُٹھانا اُس کی قدرت میں بھی تھا۔

ماکسن تیوس کے زوالِ حکومت سے کچھ پہلے اسقف منسوریوس کے
ایک نائب (دیکن) نے شہنشاہ روما کی توہین میں کوئی تحریر شایع کی اور سزا کے
خوف سے قرطاجنہ کے کلیسا میں پناہ لی۔ شہنشاہ نے دیکن مذکور کو طلب کیا۔
منسوریوس نے اُس کے بھیجنے سے انکار کیا۔ اِس پر خود منسوریوس کی طلبی دارالامارت
نہم ۱۶
میں ہوئی۔ روانگی سے پہلے یہ خیال کر کے کہ اب شہنشاہ کاہیکو زندہ چھوڑیگا اور
کلیسا کے قیمتی ظروف اور سامان کی ضبطی بھی شاید عمل میں آئے۔ منسوریوس نے
کل اسباب اور سامان خفیہ طور پر چند معتبر خدام کلیسا کے گھر رکھوا دیا۔ لیکن اتنی احتیاط
کی کہ اِس سامان کی ایک مکمل فہرست تیار کرا کے ایک بڑھیا عورت کو دی اور اس سے
کہدیا کہ اگر میں واپس نہ آؤں تو جو شخص میرا جانشین ہو اس کو یہ فہرست دے دینا۔
یہ سب بندوبست کر کے منسوریوس روما کو روانہ ہو گیا۔ اور وہاں پہنچ کر ماکسن تیوس
کے سامنے اپنا بے قصور ہونا ثابت کیا۔ شہنشاہ نے اس کو بری کر دیا۔ اب روما
سے افریقہ کو واپس آتا تھا کہ ۳۱۱ عیسوی میں راستہ میں اُس کا انتقال ہو گیا۔
جس وقت قرطاجنہ میں اس کے مرنے کی خبر آئی تو خوب زور و شور کی سازشیں
پیدا ہو گئیں۔ اوپتاتوس کا بیان ہے کہ کلیسا کے دو کارکنوں نے جن کا نام بوتروس
اور سیلس تیوس تھا اپنی ترقی کی امید میں انتخاب کے بندوبست میں اس قدر
جلدی کی کہ نومیدیا کے اسقفوں کو بھی شرکت کے لیے نہیں بلایا۔ اوپتاتوس کا
بیان یہاں کسی قدر بے ربط ہو گیا ہے۔ کیونکہ آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ منسوریوس
کی جگہ پر سیسی لیانوس کا انتخاب و تقرر جملہ اساقفۂ افریقہ کے اتفاق رائے سے
ہوا۔ اور اس کی جانشینی کی رسم فےلکس اسقف ابتنجہ نے ادا کی غرض اس تقرر
کے بعد سیسی لیانوس کو اُس بڑھیا سے جس کے پاس منسوریوس سامان کی فہرست
رکھ گیا تھا فہرست ملی اُس نے فوراً اُن لوگوں سے سامان طلب کیا جن کے پاس سامان
امانت رکھا گیا تھا۔ لیکن یہ لوگ اِس عرصے میں کلیسا سے اپنا تعلق قطع کر چکے
تھے۔ جاتلیقی مورخ اوپتاتوس کا خیال تو یہ ہے کہ یہ لوگ سامان کو خورد و برد کرنے کی

غرض سے کلیسا چھوڑ کر لوسیلہ سے جا ملے تھے۔ پوتروس اور سلیس تیوس بھی
لوسیلہ کے گروہ میں شامل ہو گئے۔ ان کی نسبت سنٹ آگسطین لکھتا ہے کہ
"یہ دونوں فاسق و فاجر بے دین و سارق تھے۔" غرض اس طرح کلیسائے جاثلیق
کے برخلاف ایک مستقل گروہ قائم ہو گیا۔ اوپتا توس لکھتا ہے کہ اس اختلاف کی
بنیاد تو ایک سرکش اور مغلوب الغضب عورت نے ڈالی۔ اور اختلاف کو ترقی ۱۶۵
گروہ سازی سے ہوئی اور استحکام طمع و کینہ پروری سے ہوا۔

اب سیسی لیانوس کے انتخاب پر اعتراض شروع ہوئے۔ دشمنوں نے
نومیدیا کے اسقفوں سے جو انتخاب میں شریک نہیں کئے گئے تھے فریاد کی کہ مجلس
کے ذریعے سے اس انتخاب کے جواز یا عدم جواز کا تصفیہ کریں۔ پس شہر تجی سیس کا
اسقف جو نومیدیا کا پرایمیٹ (مطران) بھی تھا یعنی سکندوس ستر اسقفوں کو
ساتھ لے کر قرطاجنہ میں آیا۔ لوسیلہ کے فرق نے بڑے تپاک سے ان بزرگان دین
کا استقبال کیا۔ سیسی لیانوس بھی بڑے گرجا میں اپنے تخت پر بیٹھ کر ان کی آمد
کا منتظر ہوا۔ جب یہ لوگ نہ آئے تو اس نے لکھ کر بھیجا کہ اگر کسی کو میری نسبت کوئی
شکایت ہے تو وہ میرے سامنے آئے اور اپنی شکایت ثابت کرے۔ نومیدیا کے
اساقفہ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور ایک دوسری جگہ مکان کے دروازے بند
کر کے اجلاس کیا۔ اور تجویز کیا کہ سیسی لیانوس کا انتخاب ناجائز تھا اور ناجائز
ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی جانشینی کی رسم ایک ایسے اسقف نے کی تھی کہ جس کا
ترادیتور (خائن ملت) ہونا ثابت ہو چکا تھا۔ اس فتوے کو سن کر سیسی لیانوس
نے جواب دیا کہ اگر فیلکس اسقف ابتجنہ کو وہ خائن تصور کرتے ہیں تو خود آ کر اس کو
اسقفی کے درجے پر تقرر کریں۔ اور سمجھیں کہ وہ ابھی تک ایک ڈیکن ہی کا درجہ رکھتا
ہے۔ اس تحریر میں ایک طنز نکلتا تھا کیونکہ خود ارکان مجلس میں ایسے اسقف بکثرت
تھے جنھوں نے خیانت کی تھی۔ غرض پرپوریوس اس جواب پر جھلا اٹھا اور کہنے لگا
"کہ اس کو یہاں طلب کر کے کیوں نہ متبرک کیا جاوے کہ ہم اپنے ہاتھوں سے اس کی
خبر لیں اور وہ گناہوں سے توبہ کرنے میں ہم سے اپنا سر کٹوائے۔" اس کے بعد نومیدیا
کے اسقفوں نے سیسی لیانوس کے ایک پیشکار کو جس کا نام ماجورینوس تھا اور جو

اس زمانے میں لوسیلہ کے گھر میں جا رہا تھا قرطاجنہ کا اسقف مقرر کیا۔ جو لوگ
سیسی لیانوس کے فریق میں تھے وہ اپنے کو فرقہ جاثلیقیہ کہتے تھے اور فریق ثانی ۳۱۵ء
تک یعنی جب تک ماجورینوس زندہ رہا ماجورینوس کا فریق کہلایا گیا۔ گو اس فریق کا
۱۶۶ سب سے بڑا پیشوا اور ہادی پہلے کیسی نیگری کا اسقف دوناتوس رہا تھا اور اُس کے بعد
دوناتوس میگنس (کبیر) اسقف ہوا جس کے نام سے یہ فرقہ بالآخر دوناتسی کے
لقب سے دنیا میں مشہور ہوا۔

اگرچہ افریقہ کے عیسائی اس طرح دو فرقوں میں یعنی جاثلیقی اور دوناتسی میں
تقسیم ہو گئے تھے لیکن ماجورینوس کو یورپ یا مصر یا ایشیا کے کسی کلیسا نے
اسقف جائز تسلیم نہیں کیا تھا۔ ان ملکوں نے ہمیشہ سیسی لیانوس ہی کو قرطاجنہ کا
اصلی اسقف سمجھا۔ چنانچہ جب وقت قسطنطین نے ماکسن تتوس پر فتح پا کر ۳۱۲ء
عیسوی میں قصد کیا کہ جملہ کنائس افریقہ کے قسیسوں اور اسقفوں کو ایک معقول رقم مہیا
کرے تو اُس نے سیسی لیانوس ہی کو اس مضمون کا خط لکھا اور اُس میں اہل بدعت
یعنی فرقہ دوناتسی کو بہت ہی درشت الفاظ میں یاد کیا۔ وہ خط ہم یہاں نقل کرتے ہیں

قسطنطین اغسطس بنام سیسی لیانوس اسقف قرطاجنہ۔

"چونکہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جملہ علاقہ جات افریقیہ، نومیدیا و ہر دو
موریتانیہ میں ملت قدسیہ جاثلیقہ کے قسیسوں کے ضروری اخراجات کے لئے
ایک رقم پیش کروں اس لئے میں نے اپنے نہایت شریف والی افریقیہ ارسوس کو
خطوط روانہ کر کے ہدایت کی ہے کہ تین ہزار تھیلیاں روپیوں کی آپ کے پاس بھیجے۔
جس وقت یہ رقم آپ کو ملے تو آپ اُس کو ایسے طریقے سے جس کی اطلاع آپ کو
ہوسیوس نے دی ہوگی قسیسانِ متذکرہ صدر میں بہت احتیاط سے تقسیم کریں۔
"اگر آپ اس رقم کو اس قدر دانی اور پایہ شناسی کے لحاظ سے جو مجھ سے آپ
سب کے لئے ہمیشہ ظاہر ہوئی ہے کسی طور پر ناکافی سمجھیں تو آپ بلا تامل ہمارے
شاہی نیب ہیرک لیوس سے جس قدر رقم کی اور ضرورت سمجھیں فوراً طلب
۱۶۷ کرلیں۔ کیونکہ میں نے خود نیب مذکور کو ہدایت کر دی ہے کہ جس قدر روپیہ آپ
طلب کریں وہ فوراً آپ کے پاس روانہ کر دیا جائے۔"

اور چونکہ میں نے سنا ہے کہ بعض کج فہم لوگوں نے یہ شیوہ اختیار کیا ہے کہ ملت پاک یعنی دینِ جاثلیق کے نیاز کیشوں کو اپنی شرارت آمیز و فتنہ پرداز گفتگو سے گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس لیئے آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں نے والی افریقہ **انولینوس** اور افسر عاملان پٹیتری سیوس کو زبانی ہدایت کردی ہے کہ منجملہ دیگر خدمات کے ایک بڑی خدمت اُن کی یہ بھی ہے کہ ایسے بدنفس اور شریر لوگوں کو اپنی نظر میں رکھیں۔ اور اُن کی جماعت اگر قوت پکڑنی شروع کرے تو اُس سے تجاہل یا غفلت نہ کریں۔

"پس اگر آپ دیکھیں کہ یہ لوگ اپنی مجنونانہ غلطی سے باز نہیں آتے تو فوراً حکام متذکرہ صدر سے رجوع کرکے معاملے کو اُن کے سامنے پیش کردیں تا کہ وہ ملزموں کو میری زبانی ہدایتوں کے مطابق سزا دیں۔

"اور اب میں دعا کرتا ہوں کہ خدائے برتر (دیوی نتی) کا فضل و کرم آپ کو سالہا سال تک قائم و دائم رکھے۔"

اِس خط کے ساتھ اب وہ خط بھی دیکھنا چاہیئے جو **قسطنطین** نے والی افریقہ (پروکونسل) **انولینوس** کو لکھا تھا۔ وہ خط حسب ذیل ہے:-

"ہمارے محب **انولینوس** کو سلامتی پہنچے۔ چونکہ یہ بات قطعی ثابت ہو چکی ہے کہ مذہب ہی وہ چیز ہے جو بادشاہوں کا ادب اور ان کی بزرگی سب کے دل میں قائم رکھتا ہے اور جب کبھی اُس سے غفلت کی گئی ہے سلطنت کو سخت خطرے پیش آئے ہیں درانحالیکہ اُس کی پابندی ہمیشہ دولتِ روما کی نیکنامی اور اقبال کی ترقی کا باعث اور تمام فنا پذیر مخلوق کی بے انتہا مسرت کا موجب رہی ہے جس کا شکریہ خدا کی حضور میں ادا کرنا ضروری ہے۔ پس اے محب **انولینوس** ہم نے قصد کرلیا ہے کہ وہ لوگ جو سچی پارسائی اور مسلسل پابندی سے دینِ پاک کی خدمت میں مصروف ہیں اُن کو اُن کی محنت و جانفشانی کا صلہ عطا کریں۔

پس ہماری خواہش ہے کہ جو لوگ تمہارے صوبے کے ہیں اور کلیسائے جاثلیق میں شریک ہو کر جس کا صدر سیسی لیانوس ہے اس پاک دین کے خدمت گذار ہیں یعنی وہ لوگ جن کو قسیس کہا جاتا ہے ہر قسم کی ملکی خدمات سے مستثنیٰ رکھے جاویں

تاکہ کسی غلطی یا سوئے اتفاق سے اُن کی توجہ خدائے برتر کی خدمتوں سے نہ ہٹنے پائے اور وہ دین کے کاموں میں بلا حیرانی و پریشانی زیادہ متوجہ رہ سکیں۔

"چونکہ یہ لوگ خدا کے دین کا بے حد لحاظ و ادب رکھتے ہیں اس لیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ صلہ جو سلطنت کسی نیک کام کا دے سکتی ہے اُن کو دیا جائے"۔

یہ دونوں خطوط بہت قابلِ غور ہیں۔ ان سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ افریقی کلیسا میں جو اختلاف شروع ہوا تھا اُس کا چرچا افریقہ سے باہر کے ملکوں میں بھی ہونے لگا تھا۔ اور شہنشاہ کو بھی اس اختلاف کے تنقیحی امور سے واقف کر دیا گیا تھا۔ اور اب قسطنطین جو نیا نیا عیسائی ہوا ہے، اپنا نہایت قوی اثر مذہب جاثلیق کی تائید میں صرف کرتا ہے۔ بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ وہ ایسے فرقوں سے بالعموم مخالفت اختیار کرتے ہیں جو ملتِ عامہ میں کسی قسم کی بدعت پیدا کر کے خلائق کے امن و اطمینان میں مخل ہوں۔ علاوہ ذاتی اثر کے قسطنطین اپنے سیاسی اختیارات سے بھی کام لیتا ہے تاکہ اہلِ بدعت اپنے عقائد کو چھوڑ کر مذہب جاثلیق کی طرف رجوع کریں۔ لیکن ہم کو تعجب ہے کہ قسطنطین کو اس وقت اپنے فرمان کا جس میں مذہب کے متعلق سب کو یکساں آزادی دی گئی تھی مطلق خیال نہیں رہا اور وہ اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ تمام رعایا کو ایک ہی دین کا پیرو رکھنے کے لیئے جبر و اکراہ سے کام لے۔ اب وہ محض عیسائی نہیں بلکہ جاثلیقی عیسائی بن کر دنیا پر ظاہر ہوا۔ اور جس قدر فیاضیاں کیں وہ جاثلیقی قسیسوں پر کیں۔ اور اُن ہی کو ملکی خدمتوں سے بھی مستثنٰے کیا۔ جس کے معنی یہ تھے کہ سلطنت کے مالیہ پر ایک کثیر بار پیدا کیا۔ مگر باوجود اِس کے ماجورینوس کے فریق نے شہنشاہ سے درخواست کی کہ گال کے اساقفہ کی ایک جماعت مقرر کیجائے تاکہ اُن میں اور قرطاجنہ کے اسقف میں جو نزاع ہو گیا ہے اُس کے متعلق تحقیقات کر کے نتیجہ سے اطلاع دے۔ یہ درخواست حسبِ ذیل تھی:۔

۱۶۹

"شہنشاہوں میں افضل ترین شہنشاہ قسطنطین چونکہ آپ ایک عادل و دادگستر خاندان سے ہیں کیونکہ آپ کے والد بزرگوار اپنے معاصرین میں ایسے فرماں روا گذرے ہیں جنھوں نے عیسائیوں پر ظلم نہ ہونے دیئے تھے۔

اور گال کا ملک اِس جرم سے کہ بگیناہوں پر تشدد ہو اُن ہی کے طفیل سے پاک رہا تھا۔ چونکہ اِس وقت ہم میں اور افریقہ کے اسقفوں میں ایک اختلاف پیدا ہو گیا ہے اس لیئے ہم مستدعی ہیں کہ آپ اپنی نیک نہادی و خدا ترسی پر نظر کر کے اِس اختلاف کو طے کرنے کے لیئے ملک گال سے چند لوگوں کو بطور ثالث کے مقرر کرنا منظور فرماویں (دستخط۔ لوسیانوس۔ دگنوس۔ ناسوتیوس۔ کاپیتو۔ فیدن تیوس۔ و دیگر اساقفہ از فریق ماجورینوس)"۔

یہ درخواست جس وقت والی افریقہ انولینوس کے پاس پہنچی تو اُسنے اپنی گذارش مورخہ ۳۱۳ء عیسوی کے ساتھ اُس کو قسطنطین کی خدمت میں روانہ کیا اور اس گذارش میں لکھا کہ اسقف سیسی لیانوس کے مخالفین اُسکی عدول حکمی پر بے حد کمر بستہ رہتے ہیں۔ یہ درخواست قسطنطین کو علاقۂ گال میں ملی۔ دیکھتے ہی درخواست منظور کر لی اور کولون و اوتیس و آرل کے اسقفوں کو حکم دیا کہ روما میں مجلس کر کے اِس معاملے کا تصفیہ کریں۔ سیسی لیانوس کو بھی حکم روانہ کیا کہ وہ اپنے فریق کے اسقفوں کو ہمراہ لیکر روما میں حاضر ہو۔ ماجورینوس کے فریق سے دس اسقف بطور ستغیث کے قرار پائے۔ ملتی ایدیز اسقف روما اور گال کے تینوں اسقف جن کے نام ابھی لیئے گئے ہیں اور ایطالیہ کے پندرہ اسقف جن کو ملتی ایدیز نے محض ایطالیہ سے منتخب کیا تھا اِس مجلس کے مجوز مقرر کیئے گئے۔ اکتوبر ۳۱۳ء میں مجلس کا اجلاس لاتیران کی حدود میں ملکہ فاستہ کے محل میں قرار پایا۔ قسطنطین نے ملتی ایدیز اسقف روما کو ایک خط اِس مضمون کا پہلے ہی سے روانہ کر دیا تھا کہ افریقہ کے کثیر الآباد علاقے وہ ہیں جو دینی خدمات کے صلے میں اور خدا کی برکت سے یک لخت میرے قبضے میں آئے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ اب شدید مذہبی اختلافات اُن میں پیدا ہو گئے ہیں۔ پس مجھ کو اساقفہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ اِس مشکل کو کسی طرح حل کریں گے۔

پہلے ہی دن کے اجلاس پر مجلس نے سیسی لیانوس کے مستغیثوں کی اسناد ملاحظہ کیں اور ان میں سے بعض لوگوں کا نام چال چلن خراب ہونے کی وجہ سے

۱۷۰

مستغیثوں کی فہرست سے نکال دیا گیا۔ اس کے بعد جب فریقین کے گواہ طلب ہوئے تو ماجورینوس اور دوناتوس کے ہمراہ جو گواہ آئے تھے اُنھوں نے بیان کیا کہ ہم کو سیسی لیانوس کے برخلاف کچھ کہنا نہیں ہے۔ پس جب گواہان مستغیث استغاثہ کی تائید میں کچھ نہ کہہ سکے اور حکام مجوزنے ایسی گپوں کے سننے سے انکار کر دیا جن کی نسبت کوئی معقول شہادت نہ تھی تو پھر سائلوں کا دعوے کیا چل سکتا تھا۔ دوناتوس تحقیقات کے آخری زمانے میں اجلاس پر حاضر نہیں ہوا۔ اُس کو یہ خوف ہوا کہ کہیں اپنے ہی بیان پر ماخوذ نہ کر دیا جاوے۔ اِس کے چند روز بعد ایک دوسری فرد الزامات کی مجلس کے روبرو پیش ہوئی۔ لیکن اس فرد کے ساتھ کوئی فہرست گواہوں کی نہ تھی پس جب یہ الزامات بھی نہ چل سکے تو اب مجلس نے اُن ستر اسقفوں کی کارروائی پر غور کیا جنھوں نے سیسی لیانوس کے انتخاب کو ناجائز قرار دیا تھا۔ اِس تنقیح کے فیصلے میں بھی مجلس کو بہت غور کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔

غرض سیسی لیانوس کے مقابلے میں جس قدر الزام قائم کیے گئے تھے وہ سب غلط ثابت ہوئے اور ملتی ایدیز نے اپنی تجویز میں لکھا کہ "چونکہ وہ لوگ جو دوناتوس کے ہمراہ وعدہ کر کے آئے تھے کہ ہم سیسی لیانوس پر الزام ثابت کر دیں گے۔ اب ملزم کی نسبت کوئی الزام بیان نہیں کرتے اور دوناتوس بھی کوئی الزام ملزم کے مقابلے میں ثابت نہیں کر سکا ہے۔ اس لیئے میں تجویز کرتا ہوں کہ سیسی لیانوس اپنے کلیسا پر مع جملہ حقوق و اختیارات کے بدستور سابق قائم رکھا جاوے۔" قسطنطین نے ملتی ایدیز کی میانہ روی اور انصاف کی بہت تعریف کی ہے۔ کلیسا میں اتحاد پیدا کرنے کی غرض سے ملتی ایدیز نے ماجورینوس کے مقرر کردہ اساقفہ کو اِس مضمون کے خطوط بھیجے کہ اِس وقت قرطاجنہ میں دو اسقف حریف مقابل بنے ہوئے ہیں لیکن ان میں جو اسقف پہلے مقرر ہوا ہے اس کو ہم مستقل کرتے ہیں اور دوسرے اسقف کو کوئی دوسرا علاقہ دیا جانا مناسب جانتے ہیں۔ لیکن دوناتسی فرقے کے لوگ اِس مصالحت کو کب ماننے والے تھے۔ انھوں نے پھر قسطنطین سے فریاد کی قسطنطین نے اِس مرتبہ بہت ہی برہم ہو کر ان مفسد افریقیوں کو اُن کی مسلسل اور مجنونانہ عداوتوں پر نہایت سخت و سست کہا۔

جب مجلس نے فیصلہ سنا دیا تو شہنشاہ نے سیسی لیانوس اور دوناتوس کو اس خیال سے ایطالیہ میں روک لیا کہ اگر اس وقت یہ لوگ افریقہ کو واپس ہوئے تو جھگڑے بہت بڑھ جائیں گے۔ چنانچہ اُن کو روک کر ایطالیہ کے دو اسقفوں کو یعنی یونومیوس اور اولمپیوس کو اُن کی جگہ پر قرطاجنہ روانہ کیا تاکہ وہ فریقین میں مصالحت کرا دیں۔ اور افریقی عیسائیوں کو ہدایت کریں کہ دوناتسی اور جاثلیق میں سچا کلیسا جاثلیق کا ہے۔ اِن اسقفوں نے افریقیوں کو سمجھایا کہ سچا دین اور اصلی کلیسا وہی ہے جس کو تمام دنیا مانتی ہے۔ اور اُن کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اُنیس اسقفوں نے جو تجویز حال میں دی ہے اُس کی ناراضی سے کوئی مرافعہ کہیں دائر نہیں ہو سکتا لیکن دوناتسیوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ اگر ۱۹ اسقفوں کی تجویز قطعی ہے تو ۷۰ اسقفوں کی تجویز اُس سے بھی زیادہ قطعی سمجھی چاہیئے۔ یونومیوس اور اولمپیوس نے جس قدر گفتگو مصالحت کے بارے میں کی اُس کو دوناتسیوں نے نہیں مانا۔ اور جب دوناتوس اور سیسی لیانوس ایطالیہ سے قرطاجنہ کو واپس آئے تو فریقین میں پھر عداوت کی آگ بھڑکنے کے لیئے ایندھن کی کمی نہیں ہوئی سیسی لیانوس کے ذاتی چال چلن پر اعتراض کر کے مقدمے کی دوبارہ سماعت پر زور دینا اب ممکن نہ تھا۔ کیونکہ روما کی مجلس نے دوران مقدمے میں مستغیثوں کو ہر قسم کے اعتراض کا موقع دیا تھا مگر انھوں نے اُس سے کوئی نفع نہ اُٹھایا تھا۔ اب اُنھوں نے اپنے دعوے کی ایک دوسری شکل پیدا کی اور وہ یہ تھی کہ اسقف ابتنجہ جس نے سیسی لیانوس کو اسقف کے درجے پر تکریس کیا تھا چونکہ خود خائن دین (تریدیتور) تھا۔ اِس لیئے سیسی لیانوس کا تقرر خلاف ضابطہ تھا۔

لیکن یہ سوال کہ فی لکس واقعی "تریدیتور" تھا یا نہیں ایک سیدھا سا سوال تھا جس میں مذہبی بحث کو دخل نہ تھا۔ صرف واقعات کو دیکھنا تھا۔ پس قسطنطین نے ایلیانوس کو جو انولینوس کی جگہ اِس وقت والیِ افریقہ تھا لکھا کہ فی لکس اسقف ابتنجہ کی سیرت اور چال چلن کی تحقیقات کر کے نتیجے سے اطلاع دے۔ چنانچہ والیِ افریقہ نے تحقیقات کے بعد کیفیت لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں بھیجی افسوس ہے کہ اِس کیفیت کا صرف ایک حصہ ہمارے زمانے تک سلامت رہا۔

۱۷۲

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیقات کے وقت گواہوں میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو دائیوک لیشن کے دورِ عقوبت میں ابتنجہ کے مجسٹریٹ (عامل) رہ چکے تھے پس اس وقت تحقیقات کرنے والوں کی اور گواہوں کی جان مشکل میں تھی۔ اگر تحقیقات کا نتیجہ یہ لکھتے ہیں کہ کلیسا کے ظروف وا ناجیلِ مقدسہ اہل کاران سلطنت کے حوالے کر دی گئی تھیں تو اس جرم سے کہ شہنشاہ دائیوک لیشن کے احکام کی تعمیل نہیں کی فی لکس ضرور بری ہو جاتا تھا لیکن ترید یتور ہونے کا جرم قطعی ثابت ہو جاتا تھا! اور اس جرم کے ثابت کرنے سے قسطنطین کی ناخوشی کا اندیشہ تھا۔ اگر یہ لکھتے تھے کہ فی لکس نے کلیسا کی اشیائے متبرکہ اپنے قبضے سے نہیں نکلنے دی تھیں اور وہ ترید یتور نہ تھا تو پھر احکام دائیوک لیشن کے خلاف ورزی چلنے کا جرم ثابت ہوتا تھا اور مجوز اور گواہ دونوں اس جرم میں ماخوذ ہوتے تھے کہ ان کا انتظام بالکل خراب تھا کہ رعایا سے قانون کی پابندی نہ کرائی گئی۔ بہرکیف زندہ بادشاہ کو خوش کرنے کی امید میں مردہ بادشاہ کے احکام کا خیال نہیں کیا گیا۔ اور تحقیقات کا نتیجہ یہ تحریر ہوا کہ "ابتنجہ کے گرجا سے کتب مقدسہ برآمد نہیں ہوئیں۔ نہ ان کی بے ادبی ہوئی اور نہ وہ جلائی گئیں"۔ اس کے ساتھ یہ بھی تحریر ہوا کہ "اُس زمانے میں فی لکس ابتنجہ میں موجود نہ تھا اور یہ کہ اُس نے اپنے ایمان میں کبھی کسی طرح کا خلل پیدا نہیں ہونے دیا۔ اور وہ ہمیشہ سے ایک خدا ترس اسقف رہا"۔ غرضیکہ اِس تحریر سے فی لکس کی نیک نامی پھر قائم ہو گئی۔ اور سیسی لیانوس کو اسقفی کے عہدے پر فی لکس کا تکریس کرنا جائز قرار دیا۔

اس کے بعد ۳۱۴ء عیسوی میں آرل کے شہر میں اِسی معاملے کے متعلق پھر ایک مجلس قرار پائی۔ والیِ افریقہ کے نتیجہ تحقیقات کو سننے پر بھی دوناتسی خاموش نہ بیٹھے۔ پھر غل مچانا شروع کیا کہ ایک نئی مجلس ایطالیہ اور گال کے اساقفہ کی مجلس سے بھی زیادہ وسیع اختیارات کے ساتھ مقرر کی جائے۔ انصاف یہ ہے کہ اِس سے پہلے کبھی کسی رومانی شہنشاہ نے ایک خلاف عقل اور شدید مخالفت کی حالت میں ایسی بُردباری ظاہر نہیں کی تھی جیسے کہ اس وقت قسطنطین نے ظاہر کی۔ اُس نے دوناتسیون کی درخواست تو منظور کر لی

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب اُس کو عیسائیوں کی نااتفاقی سے بے حد مایوسی اور نفرت ہوئی۔ چنانچہ والی افریقہ کو ایک خط کے شروع میں لکھا کہ مجھ کو سب لوگوں سے امید تھی کہ وہ اساقفہ کی ایک ایسی جماعت کو جس میں نہایت معتبر اور قابل لوگ جمع کیئے گئے تھے بہت عظمت کی نظر سے دیکھیں گے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ سیسی لیانو کے دشمنوں کی سرکشی و تمرد میں مطلق فرق نہیں آیا۔ وہ مجھ کو لکھتے ہیں کہ پچھلی مجلس میں اساقفہ ایک کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئے اور جو کچھ پہلے سے سوچ رکھا تھا اُسی کے مطابق فیصلہ کر دیا۔ اب وہ پھر شور مچارہے ہیں کہ ایک مجلس اور کی جاوے۔ پس میں ایک اور مجلس منعقد ہونے کا حکم دیتا ہوں جس کا اجلاس آرل کے شہر میں ہوگا۔ اب ایلیانوس کو لازم ہے کہ افریقہ اور موری تانیہ میں ڈاک اور سواری وغیرہ کا انتظام سیسی لیانوس اور اس کے ہمراہیوں کے واسطے فوراً کرے۔ تاکہ ہسپانیہ سے گذر کر وہ بہت جلد آرل پہنچ جاویں۔ اس کے بعد خط کی عبارت حسب ذیل ہے۔

"آپ ہر ایک اسقف کو ایک پروانہ ایسا دیں کہ زمانہ سفر میں ہر منزل پر اُس کی تمام ضروریات مہیا ہوتی رہیں تاوقتیکہ وہ ماہ اگست کی پہلی تاریخ تک آرل میں پہنچے۔ اور آپ تمام اسقفوں کو سمجھا دیں کہ اپنا اپنا علاقہ چھوڑنے سے پہلے وہ اپنی جگہ کا انتظام کرتے جائیں تاکہ اُن کی عدم موجودگی میں کوئی امر خلافِ قواعد یا کسی قسم کی سرکشی یا باہمی سخت کلامی عیسائیوں میں نہ ہونے پاوے۔ کیونکہ ان حرکتوں سے کلیسا کی بہت رسوائی ہوتی ہے۔

"دیگر امور تنقیح طلب کے بارے میں میری خواہش ہے کہ مکمل تحقیقات کے بعد کسی قطعی نتیجے پر پہنچنا چاہیئے۔ اور مجھ کو امید ہے کہ جس وقت تمام لوگ جو فی الحال باہمی اختلاف رکھتے ہیں مل کر ایک جگہ بیٹھیں گے تو ایسا ہی ہوگا۔ ممکن ہے کہ یہ قصہ اپنے وقت موعود پر قدرتی طور سے خاتمے کو پہنچ جاوے۔

"چونکہ آپ خدائے قادر پر ایمان رکھنے والوں میں ہیں اس لیئے اپنی نسبت آپ سے یہ کہنا مناسب سمجھتا ہوں کہ ایسے مذہبی اختلافات سے قطع نظر کرنی میرے حق میں درست نہیں ہے جن سے خدا کا قہر نہ صرف نسل آدم پر بلکہ خاص میری ذات پر نازل ہوسکتا ہے۔ کیونکہ خدا نے روئے زمین کی سب

چیزوں کی حکومت میرے سپرد کی ہے۔ پس ممکن ہے کہ وہ ناراض ہو کر اپنے عادلانہ عتاب میں مجھ پر کوئی عذاب نازل کرے۔

"پس میں اسی وقت اپنے تئیں محفوظ و مصئون سمجھ سکتا ہوں اور چشمۂ فیض باری سے جو بیش بہا نعمتیں جاری ہیں اُن کے ہمیشہ پانے کا امیدوار ہو سکتا ہوں جبکہ کل بنی نوع انسان کو دیکھ لوں کہ وہ سب سے برتر خدائے پاک کی تعظیم کرتے ہوئے برحق دین جاثلیق (کیتھولک) کے طریقے پر برادرانہ اتفاق و یکجہتی کے ساتھ ایک ہی طرز سے عبادت الٰہی میں مصروف ہیں"۔

قسطنطین نے صرف والی افریقیہ ہی کو نامہ نہیں لکھا جس کے مضمون سے صدق و صفائی ٹپک رہا ہے بلکہ اُس نے اُن اسقفوں کو بھی خط لکھے جن کو اس نئی مجلس میں طلب کیا تھا۔ اِن خطوط میں سے ایک خط کی عبارت جو **کرستوس** اسقف سرقوسہ کو لکھی گئی تھی **یوسی بیوس** نے نقل کی ہے۔ اس میں شہنشاہ نے اسقف مذکور کو ہدایت کی ہے کہ اگست کی پہلی تاریخ تک **آرل** میں ضرور پہنچ جانا چاہیئے۔ اور لکھا ہے کہ جزیرہ **صقلیہ** کے حاکم **لتر و نیانوس** سے سواری کا بندوبست کرا لیا جائے اور درجہ دوم کے دو **پریس بیتر** (نائبین اساقفہ یا ارکانِ عدالت وغیرہ) اور تین نوکر بھی اپنے ساتھ رکھنے ضروری ہیں۔ غرض کہ شہنشاہ کے ارشاد کی تعمیل میں تمام اساقفہ جو طلب کیئے گئے تھے **آرل** میں یوم مقررہ کو حاضر ہو گئے۔ یہ تحقیق نہیں ہوتا کہ ان کی صحیح تعداد کیا تھی۔ **آرل** کی مجلس میں اِن اساقفہ نے مذہب کے متعلق چند قواعد بھی تیار کیئے تھے۔ اِن قواعد پر جن ارکان مجلس کے دستخط ہیں ان کے شمار کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۳ اسقف اور ۲۳ **پریس بیتر**۔ اور ۲ پیشکار۔ اور ۷ آسیب اتارنے والے اور ۴ شخص اسقف روما کی طرف سے بطور قائم مقام کے مجلس میں موجود تھے۔ لیکن مورخین مابعد نے اِس مجلس کو بڑے پائے کا مانا ہے اِس لیئے قرین قیاس ہے کہ اس تعداد سے کہیں زیادہ بزرگان کلیسا اس مجلس میں شریک ہوئے ہونگے۔ چنانچہ دوسو سے لیکر چھ سو تک اُن کی تعداد کا تخمینہ کیا جاتا ہے۔ مشرقی حصۂ مملکت کا کوئی اسقف اِس انجمن میں شریک نہ تھا۔ اُس کا تعلق صرف ممالک غربیہ سے تھا جن میں **افریقیہ**۔ **گال**۔ **ہسپانیہ**۔ **برطانیہ**۔ **ایطالیہ**۔ **صقلیہ**۔ **سردانیہ** شامل تھے۔

۱۷۵

جزیرۂ برطانیہ سے شہر یارک کا ایبوریوس اور لندن کا رستی توتوس اور ایدلفیوس جس کی نسبت خیال ہے کہ کولچسٹر یا لنکن یا کرلیون کا اسقف تھا اِس انجمن میں شریک ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک پریس بیتر تھا جس کا نام سیکردوس تھا اور ایک ڈیکن ارمینی توس بھی ساتھ تھا۔ اسقف روما سِل ویسٹر نے دو پریس بیتر اور دو ڈیکن بھی بھیجے تھے۔

اِس مجلس نے تمام سوالات کے متعلق جو دوناتیسون نے اُٹھائے تھے بہت ہی توجہ اور احتیاط سے تحقیقات کی۔ لیکن جو کیفیت اس تحقیقات کی مجلس کی طرف سے اسقفِ روما کے پاس آئی اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس مجلس میں بھی دوناتستی فرقے کے پاس شہادت کی ویسی ہی کمی تھی جیسے کہ پہلی مجلس میں تھی۔ سیسی لیانوس کی نسبت جو پہلے الزام لگائے گئے تھے وہ ہی اب لگائے گئے۔ نہ اس وقت اُن کی نسبت کوئی شہادت تھی اور نہ اِس وقت۔ الزام یہ تھے کہ جس زمانے میں سیسی لیانوس ڈیکن تھا اور دائیوک لیشن کے ظلم سے عیسائی قیدخانوں میں بھرے جاتے تھے تو اُسوقت اُس نے قرطاجنہ کے عیسائیوں کو اُن کے قیدی بھائیوں کو مدد پہنچانے سے روکا اور یہ کہ فی لکس اسقف ابتنجہ جس نے سیسی لیانوس کو درجۂ اسقف پر تکریس کیا تھا "خائن ملت" تھا۔ یہ الزام وہ تھا جس کو اس سے پہلی مجلس میں بھی مستغیث ثابت نہ کر سکے تھے۔ مختصر یہ کہ آرل کی مجلس میں بھی اُن کے دعوے بے دلیل رہے۔ اور اِس مجلس نے پہلی مجلس روما کی تجویز سے اپنا اتفاق ظاہر کیا اور جو نتیجہ تحقیقات سِل ویسٹر پاپائے روما کے پاس آیا وہ حسب ذیل تھا:۔

۱۷۶

"ہم لوگ جو اخلاص و اتحاد کے ایک ہی سلسلے میں بندھے ہوئے اور ام مہربان کلیسائے جاثلیق کی برکتوں اور تعلقات سے ایک ہی رشتہ میں منسلک اپنے شہنشاہ پاک نہاد کے حکم سے آرل کے شہر میں جمع ہوئے ہیں آپکی خدمت میں اے مقدس پاپائے روما نہایت ادب سے اپنا سلام عرض کرتے ہیں۔ ہم نے نہایت صبر و محنت سے ان خود سر و بے باک لوگوں کے الزاموں کو سنا حقیقت میں اِن لوگوں نے ہمارے مذہب کے قواعد و آئین اور اُس کی روایاتِ ماضیہ کو بہت ہی نقصان پہنچایا ہے۔ یہ لوگ

وہ ہیں جن کے سر سے احکامِ الٰہی اور حکومت حق نے اپنا سایہ اٹھا لیا ہے۔ اب اُن کی تقریر میں عقل و شعور باقی نہیں رہا ہے۔ مدعی بنکر الزام تو بے شمار لگاتے ہیں مگر نہ شہادت رکھتے ہیں نہ ثبوت۔ خدا اور خدا کے کلیسا پر ان لوگوں کا اصلی حال روشن ہے اور خدا کا کلیسا اُن کی اصلی حالت کی تصدیق کرتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ لوگ یا تو خود مجرم قرار پاتے ہیں یا اُن کی شکایتیں ناقابل تسلیم ٹھہرتی ہیں۔ اسے برادر مہربان کیا اچھا ہوتا اگر اس مجلس میں آپ کی شرکت بھی ممکن ہوتی۔ ایسی صورت میں ہم کو پورا یقین تھا کہ حکم سزا اور بھی سخت ہوتا۔ اور اگر آپ کی تجویز ہماری تجویز سے مطابق ہوجاتی تو ہماری مجلس کو اور بھی مسرت ہوتی۔ لیکن جب آپ نے اُس پسندیدہ مقام کو چھوڑنا غیر ممکن سمجھا جو مسیح کے حواریوں اور رسولوں کا مقام ہے اور جہاں اُن کے خون نے خدا کے جلال کی شہادت دی ہے تو اے برادر مہربان ہم نے مناسب سمجھا کہ اس موقع پر نہ صرف اُس مقدمے سے بحث رکھیں جس کے لئے ہم یہاں جمع ہوئے تھے بلکہ چند دیگر معاملات دینی پر اپنی اغراض کے لیے غور کریں اور جس طرح وہ مقامات جہاں سے ہم آئے تھے متعدد تھے اسی طرح وہ معاملات بھی جن پر بھلائی کی نیت سے ہم نے غور کرنا بہتر سمجھا متعدد نکلے"۔

اس کے بعد اس خط میں وہ قواعد بیان ہوئے ہیں جو اس مجلس نے باتفاق رائے منظور کئے تھے۔ جہاں یہ قواعد بیان ہوئے ہیں وہاں ایک عبارت یہ بھی ہے کہ اسقف روما کا علاقہ باقی تمام اساقفہ کے علاقوں سے بڑا ہے اس لئے تمام کلیساؤں سے ان قواعد کی منظوری اور اجرا کی کارروائی اسقف روما ہی اپنے ذمے لے۔

یہ قواعد تعداد میں ۲۲ تھے۔ ہر ایک قاعدے سے بحث کرنا اس کتاب کا موضوع نہیں ہوسکتا۔ صرف چند اہم قواعد کا مختصر سا ذکر یہاں کافی ہوگا۔ ایک قاعدہ یہ بنایا گیا تھا کہ ایسٹر (عید الفشر) یعنی مسیح کے قبر سے اُٹھنے کی خوشی تمام دنیا میں ایک ہی دن منائی جاوے۔ ایک قاعدہ یہ ہوا کہ جو فوجی لوگ زمانۂ امن میں فوج سے بھاگ جائیں اُن کو کلیسا بھی اپنی برکتوں سے محروم کردے۔ دوناتیسوں نے جو سوالات پیدا کیے تھے اُن کے متعلق بھی چند قواعد بنائے گئے۔ مثلاً ایک قاعدہ

یہ تیار ہوا کہ جن لوگوں کو ابتداً میں ثالوثِ مقدس کے نام سے اصطباغ دیا گیا ہو اور وہ بدعتی ہو کر پھر مذہبِ جاثلیق کی طرف رجوع کرنا چاہیں تو دوبارہ اصطباغ دینا ممنوع سمجھا جائے۔ ایک قاعدہ یہ ہوا کہ بدعتی لوگوں نے جو اصطباغ دیا ہو اگر وہ ٹھیک طور پر دیا گیا ہے تو اُس کو جائز سمجھا جائے۔ ایک قاعدہ یہ تیار ہوا کہ کلیسا کے سررشتۂ ملازمت سے تمام ایسے لوگ خارج کر دیئے جائیں جنھوں نے کلیسا کی چیزیں جو اُن کی امانت میں تھیں دشمنوں کے حوالے کر دیں اور اس طرح "خائنِ ملت" ثابت ہوئے۔ یا جنھوں نے اپنے کسی بھائی قسیس کو سرکاری حکام کے سامنے متہم و ماخوذ کیا۔ لیکن اگر یہ لوگ کسی دوسرے شخص کو کلیسا کی خدمت و ملازمت کے لیئے مقرر و متبرک کر چکے ہوں تو ایسے شخص پر اُن کے خارج کیئے جانے کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ سب سے زیادہ قابلِ غور یہ قاعدہ تھا کہ کلیسا کی برکتوں سے ایسے لوگوں کو بالکل محروم رکھا جاوے جو کسی تماشگاہ یا تماشاخانے سے تعلق رکھتے ہوں۔ مثلاً گاڑیوں کے ہانکنے والے۔ چابک سوار۔ نقال مسخرے اور ان ہی کی مثل اور لوگ جب تک کہ وہ اپنے ان پیشوں کو جاری رکھیں کلیسا کی برکتوں سے محروم رہیں۔ کیونکہ اس قسم کے لوگ کلیسا کی نظر میں ہمیشہ مخربِ دین ہیں اس کے بعد ایک قاعدہ یہ مذکور تھا کہ جو قسیس سُود بکثرت لیتے ہوں وہ بھی کلیسا سے خارج سمجھے جائیں۔ ایک قاعدے میں ایسے مردوں کو جن کی بیویاں بدکار ہو گئی ہوں جب تک یہ بیویاں زندہ رہیں دوبارہ شادی کرنے سے منع کیا گیا درآں حالیکہ ایسی حالت میں اُن کو قانوناً دوسری شادی کرنے کی اجازت تھی؎

کلیسا کے حسنِ انتظام کے لیئے قواعد کی تصنیف و تدوین میں یہ مجلس بلاشبہ بہت ہی کارکن ثابت ہوئی۔ لیکن جو اُس کی اصلی غرض تھی یعنی دوناتسی اختلاف کو رفع کرنا اُس میں اُس کو مطلق کامیابی نہیں ہوئی **افریقیہ** کے مفسدوں نے **سیسی لیانوس** کو اپنا اسقف ماننے سے قطعی انکار کر دیا اور اتنی جسارت کی کہ ایک مرتبہ اور شہنشاہ کی خدمت میں تحقیقات کی درخواست کی۔ چونکہ مغرب کے اکابر کلیسا نے ان کے خلاف رائے ظاہر کر دی تھی اس لیئے اب انھوں نے یہ درخواست کی کہ خود شہنشاہ اُن کے معاملے کی تحقیقات کرے۔ اس پر **قسطنطین** کو بہت غصہ آیا۔ یہ غصہ اُس نے اپنے ایک خط میں ظاہر کیا ہے جو مجلس **آرل** کے اسقفوں کو لکھا تھا۔

۱۷۸

اِس میں پہلے اُن کی توجہ و تن دہی کا شکریہ ادا کر کے اُن کو اپنے اپنے وطن جانے کی ہدایت کی ہے اور پھر لکھا ہے کہ :-

"حقیقت میں میں اُن نعمتوں کو جو خدا نے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو عطا فرمائی ہیں نہ بیان کر سکتا ہوں اور نہ اُن کو گنوا سکتا ہوں۔ پس مجھ کو آپ کی عادلانہ تحقیقات سے بے حد مسرت ہوئی اور بالخصوص اِس امر سے کہ آئندہ کے لئے آپ نے ایسے لوگوں کے لئے بھی اچھی امیدیں ظاہر کی ہیں جن کو شیطان نے دین جاثلیق کی تیز روشنی سے نکال کر گمراہی کی تاریکی میں ڈالا ہے۔ اور دیکھئے ہمارے مسیح کی رحمت اور کارسازی کیسی ہمہ گیر اور تمام عالموں پر چھائی ہوئی ہے کہ وہ لوگ بھی جنھوں نے کلمۂ حق کو چھوڑ کر اُس کا مقابلہ کیا اور کافروں سے جا ملے اُس کی رحمت سے محروم نہیں ہیں اور اب بھی اگر وہ مذہب جاثلیق پر ایمان لائیں اور مسیح پاک کے مقدس قانون کی پیروی اختیار کریں تو پھر اُن کی سمجھ میں آجائے گا کہ ہم نے خدا کے حکم سے اُن کی بھلائی کے لئے شروع ہی سے کس نیک نیتی اور خیر اندیشی سے کام کیا ہے"

اور اے برادرانِ باصفا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ سخت سے سخت متمرد قلوب میں بھی امر حق کی طرف رجوع کرنے کی تحریک موجود ہو گی۔ کیونکہ مسیح کی شفقت و آمرزش بلا وجہ اُن لوگوں سے کنارہ نہ کرے گی جن پر اب تک وہ اپنی روشنی ڈال رہی ہے اور یہی روشنی ہم کو یہ بھی دکھا رہی ہے کہ اِس وقت خدا کی نظروں میں وہ کس درجہ مکروہ و بدنما ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں کی عقلیں زائل ہو گئی ہیں۔ کیونکہ وہ بڑے اِدعا سے ایسے عقائد پر ایمان رکھتے ہیں جن کا خود ذکر کرنا یا دوسروں کی زبان سے ذکر سُننا جائز نہیں۔ جو انصاف اُن کے بارے میں کیا گیا ہے اُس کو وہ نہیں مانتے اُن کی عداوت مستقل اور ناقابل استیصال ہے۔ تحقیقات کے لئے درخواست بڑی بے غیرتی سے بار بار کر چکے ہیں۔ اور ہر موقع تحقیقات پر اُن کو دندان شکن جواب مل چکے ہیں۔ مگر اُن کو اس پر بھی صبر نہیں آیا۔ اور اب پھر سوال دیا ہے کہ اِس مرتبہ میں خود اس نزاع کا فیصلہ کروں۔ لیکن میں وہ ہوں جو مسیح کے فیصلے کو برحق سمجھتا ہوں کیونکہ جہاں تک امر حق سے بحث ہے میرا قول ہے کہ جو تجویز کسی معاملے میں مسیح کے خادموں نے اپنی مجلس میں سنا دی ہو اُس کی نسبت سمجھنا چاہیئے کہ تجویز بنانیکے

وقت خود مسیح اُس مجلس میں موجود تھا اور تجویز گویا خود اُسی کی سُنائی ہوئی ہے۔ کیونکہ مسیح کے جاں نثار خادم کوئی خیال یارائے قائم نہیں کرسکتے تاوقتیکہ خود مسیح کی ندائے نصیحت آموز سے استفادہ پاکر اُن کی زبان نہ کھُلی ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ مفسدہ پرداز جن کو ذُریاتِ شیطانی میں نے کچھ بے جا نہیں کہا ہے اپنے دل میں کیا سوچ رہے ہیں۔ آسمانی برکتیں چھوڑ کر دنیا کی آلائشوں کو ڈھونڈرہے ہیں۔ یہ کس غضب کا جنون اُن کے سروں پر سوار ہوا ہے کہ وہ دین کی باتوں میں بھی دنیاداری کے مقدموں کی طرح مرافعہ دائر کرتے ہیں۔ ...... یہ تارکانِ آئینِ مسیحی اپنے نجات دینے والے مسیح کو کیا سمجھ رہے ہیں کہ اُسکے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور مجھ سے انصاف طلب کرتے ہیں۔ دینِ برحق سے اُنھوں نے اپنا خُبثِ باطن ظاہر کردیا ہے اور خود اپنی زبان سے مجرم و گنہ گار ثابت ہوچکے ہیں۔ ایسی حالت میں پھر تحقیقات کرنے کی کیا ضرورت سمجھتے ہیں...... بہرکیف اے برادرانِ مخلص۔ اب آپ اپنے اپنے گھروں کو واپس جائیے اور مجھ کو دعائے خیر سے یاد فرماتے رہیئے تاکہ مسیح کی رحمت مجھ پر ہمیشہ اپنا سایہ رکھے۔"

١٨٠

اِن خیالات کے ظاہر ہونے کے بعد یہ سمجھنا آسان نہیں ہے کہ جس شہنشاہ کے قلم سے اِس قسم کا خط نکلا ہو اُس نے پھر دوناتسیوں کی درخواستِ تحقیقات کو کیونکر منظور کرلیا۔ ممکن ہے کہ اِس وقت خاص دربارِ شاہی میں دوناتسیوں کے دوست وہوا خواہ موجود ہوں جن کا حال کسی مورخ کو معلوم نہ ہوا ہو۔ ممکن ہے کہ خاندان شاہی میں ایسے نفوس موجود ہوں جن کی سفارش کا اثر شہنشاہ پر ہوگیا ہو۔ ورنہ پھر یہ سمجھنا چاہیئے کہ رُوداد مقدمہ ایسی کمزور نہ تھی کہ جاثلیق مجوزاُس کے خلاف اِس درجہ یکطرفہ فیصلہ کردیتے۔ بہرحال قسطنطین نے سیسی لیانوس کو روما میں اپنے اجلاس پر طلب کیا۔ اور معاملے پر خود غور کرکے تجویز دی۔ یہاں ہم اُس خط کی نقل درج کرتے ہیں جو قسطنطین نے فرقہ دوناتسی کے اساقفہ کو اپنی تجویز سے مطلع کرنیکے لیئے لکھا ہو

چند روز ہوئے کہ میں نے آپ لوگوں کی درخواست منظور کرکے آپ کو حکم دیا تھا کہ افریقہ واپس چلے جائیے اور سیسی لیانوس کے مقابلے میں جو دعویٰ آپ کے نزدیک ثابت ہے اُس کی پوری تحقیقات کرکے کوئی صحیح نتیجہ عنقریب

نکالا جائے گا۔ میں نے عرصے تک غور کرنے کے بعد اس کا تصفیہ کر لیا ہے کہ آپ کی درخواست کی سماعت کس طریقے پر کی جاوے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ میں سے بعض لوگوں کی طبیعت مفسدانہ واقع ہوئی ہے اور وہ متمردین کر ایک صحیح تجویز اور اُنکی معقول دلائل کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ پس میں اس مقدمے کو افریقہ میں سننا پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہاں ایسا نتیجہ جو قرین عدل و انصاف ہو نہ نکل سکے۔ اور چونکہ آپ کی خودسری کی انتہا نہیں رہی ہے۔ ممکن ہے کہ اس صورت میں کوئی بات وہاں ایسی پیش آجاوے جس سے خدا ناخوش ہو اور میری نیک نامی میں جس کو میں ہمیشہ قائم رکھنا چاہتا ہوں فرق آئے۔ اِس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ سیسی لیانوس کو یہاں یعنی دارالامارت روما میں اپنے پاس طلب کر کے مقدمے کو سنوں۔ مجھ کو امید ہے کہ اسقف مذکور بہت جلد یہاں پہنچ جائیگا۔ (۱۸۱)

اب میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر سیسی لیانوس کی موجودگی میں آپ نے اُن الزامات میں سے جو آپ نے اُس پر عائد کیے ہیں اگر ایک الزام بھی ثابت کر دیا تو میں سمجھوں گا کہ اُس کے خلاف کُل الزامات ثابت ہو گئے اور اب میں دعا کرتا ہوں کہ قادر سب سے ہمتا آپ کو ہمیشہ اپنی اماں میں رکھے۔"

اس خط کے ساتھ ساتھ ایک خط پروبیانوس کو لکھا جو ایلیانوس کے بعد افریقہ کا گورنر ہوا تھا۔ اس خط میں حکم دیا ہے کہ چند اشخاص کو زیر حراست کر کے روما کو روانہ کیا جاوے۔ یہ لوگ اِس وقت افریقہ میں اِس جرم میں قید کر دیئے گئے تھے کہ انھوں نے اسقف ابتنجہ پر دینی خیانت کرنے کا جُرم ثابت کرنے کے لیے چند جعلی دستاویزات بنائی تھیں سیسی لیانوس کسی وجہ سے وقت مقررہ پر روما میں حاضر نہ ہو سکا۔ یہ حالات شنت اغسطین نے مختصر اور سلسلہ وار لکھے ہیں لیکن سیسی لیانوس کے غیر حاضر ہو جانے کی کوئی وجہ نہیں لکھی۔ اب دوناتسیون نے چاہا کہ سیسی لیانوس کی غیر حاضری میں اُس کے خلاف فیصلہ دیدیا جائے۔ لیکن قسطنطین نے کسیطرح منظور نہیں کیا۔ اور چونکہ کسی ضروری کام سے اس وقت وہ میلان جاتا تھا اس لیے مدعیوں کو حکم دیا کہ سواری کے ساتھ میلان چلیں۔ اگر شنت اغسطین کا یہ بیان صحیح ہے تو اس حکم سے سمجھنا چاہیئے

۱۸۱ "مراسلات شنت اغسطین" ۴۳

۱۸۲ کہ مدعیان گویا حراست میں لے لئے گئے تاکہ مقدمے کی پیشی کے وقت وہ غیر حاضر نہ ہوسکیں غرض اِس عرصے میں سیسی لیانوس بھی حاضر ہوگیا۔ قسطنطین شروع ہی سے اِس بات کے خلاف تھا کہ جس تجویز کو اِس قدر اسقفوں نے بالکل صحیح اور درست مانا ہو اُس پر وہ خود نظرثانی کرنے بیٹھے۔ اور اِس خیال سے کہ اِن بزرگوں کو مقدمے کی سہ بارہ سماعت ناگوار نہ ہو اُس نے ظاہر کیا کہ محض فریق مخالف کا مُنہ بند کرنے کے لیئے اُن کی تجویز پر ایک نظر ڈالنی چاہتا ہوں۔

کل مقدمہ سُننے کے بعد ۱۶ ر نومبر ۳۱۶ء کو قسطنطین نے اپنا فیصلہ سنایا۔ شنت اگسطین لکھتا ہے کہ "شہنشاہ کے خطوط سے ثابت ہے کہ اِس مقدمے کے سُننے میں اُس نے بہت احتیاط اور دوراندیشی سے کام لیا۔" ممکن ہے قسطنطین اِس تعریف کا مستحق ہو مگر یہ ضرور ہے کہ مقدمہ سننے سے پہلے اُس نے اپنا فیصلہ سوچ لیا تھا۔ غرض اب تیسری بار کی تجویز میں بھی سیسی لیانوس کی بیگناہی اور اُس کے الزام دینے والوں کی بےغیرتی تسلیم کی گئی۔ اِسی زمانے میں قسطنطین نے ایک خط اپنے ایک معتمد یومالیوس کو لکھا تھا۔ اِس خط کا ایک حصہ اب تک محفوظ ہے جس میں ایک فقرہ یہ ہے کہ "سیسی لیانوس بالکل بے گناہ اور جُرم سے پاک ہے۔ مذہب کے فرائض کو بطریق احسن بجا لاتا ہے۔ اور دین کی جس قدر خدمت کرنی چاہیئے خدمت کرتا ہے۔ مدعیوں نے اُس کی عدم موجودگی میں جو الزام اُس پر لگانے چاہے اُن میں سے ایک بھی ثابت نہ ہوسکا۔" شہنشاہ کی تجویز جب شائع ہوئی تو ایک فرمان بھی اُس کے ساتھ جاری کیا گیا جس میں بدعتیوں کے لیئے سزائیں تجویز کی گئیں شنت اگسطین لکھتا ہے کہ دوناتسی فرقے کے خلاف قانون نہایت سخت کردیا گیا[۱]۔ اِس مصنف کے علاوہ اور مصنفوں کی تحریروں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اِس فرقے کے گرجا ضبط کیئے گئے اور قانون کی نافرمانی پر اُن کو جُرمانے کی سزائیں دی گئیں۔ اب ذرا غور کرنا چاہیئے کہ وہ شہنشاہ جس نے میلان والا فرمان جاری کیا تھا اور جس نے کامل مذہبی آزادی کا وعدہ اپنی کُل رعایا سے کیا تھا اب اس درجہ مجبور رہے کہ مذہبی اختلاف

[۱] "مراسلات شنت اگسطین" ۱۰۵

کے رفع کرنے کے لیے دنیا کے سیاسی طریقوں سے مدد لے رہا ہے۔

۱۸۳ لیکن فرقہ دوناتسی جس کے وجود کا حصر ہی اس بات پر تھا کہ عیسائی ہو کر جو کچھ اپنا ایمان اور عقیدہ ہے اُس سے سرمو تجاوز نہ کرنا چاہیئے اور اُس پر قائم رہنا زندگی کا سب سے بڑا فرض ہے خواہ دشمن کی تلوار کیسی ہی تیز و آبدار ہو تو پھر ایسے لوگوں کو جرمانہ یا جائداد ضبط ہونے کی سزا کیا خوف دلا سکتی تھی۔ قسطنطین کے احکام و فرامین سب بیکار ثابت ہوئے۔ اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ سنہ ۳۲۱ عیسوی میں مذہبی امور کے انتظام میں اُس کو اپنا مسلک ہی بدلنے کی کوشش کرنی پڑی۔ اور مجبور ہو کر افریقہ کے اسقفوں کو لکھا کہ دوناتسی کے معاملے میں ایک بار پھر رعایت و نرمی سے کام لیا جاوے اور دیکھا جائے کہ اس نرمی سے کوئی اچھا نتیجہ پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر اس فرقے کو دبایا جاتا ہے تو اس کے لوگ جان دیکر شہید ہونے کو تیار ہو جاتے ہیں اور جو لوگ ان میں متعصب ہیں اُن کی سب سے بڑی آرزو یہی ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح شہید ہو جائیں۔ کلیسائے جاثلیق کے عمائد کو اسی اندیشے سے قسطنطین نے خط لکھا تھا۔ اس خط میں پہلے اُن تمام کوششوں کا ذکر کیا ہے جو مذہبی اتفاق و اتحاد کے لیے کی گئی تھیں۔ پھر اُن لوگوں کی دیدہ و دانستہ زیادتیوں اور شرارتوں کا حال ہے جنھوں نے ان کوششوں کا عدم و وجود برابر کر دیا۔ اس کے بعد لکھا ہے:۔

"پس ہم کو امید رکھنی چاہیئے کہ خدائے قادر اپنی مخلوق پر فضل و کرم کرے گا۔ یہ بدعت محض چند لوگوں کا کام ہے۔ ہماری کوششوں اور خیر اندیشیوں کو انھوں نے کچھ نہ سمجھا۔ اور اب خدا ہی اس مرض کی کوئی دوا پیدا کرے تو ہو۔ لیکن جب تک اس درد کا درماں خدا کی طرف سے آئے ہم کو چاہیئے کہ ان لوگوں کے متعلق اپنے مشوروں میں اعتدال پر نظر رکھیں صبر و تحمل سے کام لیں۔ اور اگر یہ کمینے اپنی سفاہت سے ہم پر کسی قسم کا حملہ بھی کریں تو اُس کو خاموشی اور صبر کے ساتھ برداشت کرنا چاہیئے۔ نقصان کے بدلے میں نقصان نہ دینا چاہیئے۔ کیونکہ یہ کام کم عقلوں کا ہے کہ انتقام لینا بھی اپنے ہی اختیار کی بات سمجھ لیتے ہیں حالانکہ انتقام لینا خدا ہی کو سزاوار ہے۔ اور یہ کام اُسی کے ہاتھ چھوڑنا چاہیئے۔ ۱۸۴ ہمارا ایمان ایسا مضبوط ہونا چاہیئے کہ ہر وقت ہم کو خدا پر بھروسہ رہے۔ انسان کے ظلم جس قدر ہم برداشت کریں گے اُسی قدر

خدا کی نظر میں اُس فیض و کرم کے مستحق ہوں گے جو شہیدانِ دین کے لیئے مخصوص ہے۔ اگر ایسے لوگوں کے ظلم کو صبر کے ساتھ برداشت نہیں کیا جو دین کے عافیت پسند ماننے والوں کو تکلیفوں میں ڈالتے ہیں تو پھر اس دنیا میں محض خدا کے نام سے کسی چیز پر غلبہ پانے کے معنی کچھ نہیں رہتے۔

اگر آپ نے میری مرضی پر کام کرنا پسند کیا تو خدا کے حکم سے جس کی قدرت و ازلی قوت کا ہر وقت منت گزار رہنا چاہیئے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس فرقۂ بدکیش کے دعوے اور اُس کے مغرور علم برداروں کے منصوبے چند روز میں کس طرح خاک میں مل جاتے ہیں۔ سب لوگوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ معدودے چند لوگوں کی گمراہ کرنے والی باتوں کو سُن کر ہمیشہ کا عذاب اپنے اوپر نہ لیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ گمراہ لوگ بھی توبہ و استغفار کے ذریعے سے اپنی غلطیوں کی اصلاح کر کے حیاتِ جاوید حاصل کر لیں۔"

لیکن فرقۂ دوناتسی سے سربراہ ہونے میں صبر و سلوک بھی جبر و تعدی کی طرح بیکار رہا۔ اس فرقے نے شہنشاہ سے صاف صاف کہدیا کہ آپ کا آوردہ سیسیلیانوس جس کی سرپرستی آپ کو بہت منظور ہے ایک "نالائق اور کمینہ آدمی" ہے۔ ہم اُس کے انتناعی حکموں کو ماننے سے قطعی انکار کرتے ہیں۔ اسقف ماجورینوس جب مر گیا تو شہر کاسے نیگرے کا اسقف دوناتوس اس فرقے کا سب سے بڑا پیشوا مانا گیا۔ اُس کو ایک دوسرے دوناتوس سے میز رکھنے کے لیئے دوناتوس کبیر کہا گیا ہے۔ باوجود شہنشاہ کے قوی اثر اور دبدبے کے جو سیسیلیانوس کی تائید و امداد میں صرف ہوتا تھا دوناتوس کبیر کو اپنے فرقے میں وہ شہرت و ہر دلعزیزی حاصل ہوئی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ فی الحقیقت وہ ایک لائق اور قابل شخص تھا۔ علم و فضل میں کمال رکھتا تھا۔ اعلیٰ درجے کا فصیح و بلیغ تھا۔ زندگی اس قدر پاکیزگی سے بسر کرتا تھا کہ کسی کو اعتراض کی مجال نہ تھی۔ بیان ہوا ہے کہ یہ اپنے ماتحت فرق پر حکومت کرنے میں سختگیر بھی تھا اور اسقفوں کو مثل اپنے نوکروں کے سمجھتا تھا۔ اُس کے اختیارات کی انتہا نہ تھی اور اُس کے اختیارات پر حرف لانا کسی کی طاقت میں نہ تھا۔ خاص اپنے فرقے میں اُس کی توقیر و وقعت اس درجہ تھی کہ سب لوگ اُس کے نام اور سفید سر کی قسم کھایا کرتے تھے۔ اور جب اُس نے انتقال کیا تو اُس کا درجہ مسیحی شہدا کی برابر سمجھا گیا۔

دوناتوس کبیر کے زمانہ پیشوائی میں دوناتسیون کی تعداد بہت بڑھی۔ یہ فرقہ درحقیقت محض جزئیات میں ایک اختلافی فریق تھا۔ بدعتی نہ تھا کیونکہ مذہب میں جو باتیں شامل تھیں اُن میں چند باتوں پر وہ زیادہ زور دینا چاہتا تھا۔ دین میں کوئی نئی بات پیدا نہیں کی تھی جس سے وہ بدعتی سمجھا جاتا۔ مذہب جاثلیق سے اُس کے طریقہ عبادت میں بھی کوئی فرق نہ تھا۔ جس چیز پر وہ خصوصیت کے ساتھ زور دیتا تھا وہ یہ تھی کہ کلیسا میں انتہادرجے کی پارسائی اور پاک باطنی رہے اور دنیا کے رنگ کا کوئی داغ دھبا اُس پر نہ ہو۔ یہ ہی دوناتسیون کا سب سے بڑا خیال تھا اور یہ خیال وہ تھا جو اُن کے بعد اور بہت سے فرقوں کا رہا۔ اُن کو دعوے تھا کہ خدا کا منشار اصلی محض اُن ہی کو الہام کے ذریعے سے معلوم ہوتا رہتا ہے۔ جو لوگ اُن کے فریق میں شامل ہوتے تھے اُن کو دوبارہ اصطباغ دیا جاتا تھا۔ یہاں تک احتیاط کی جاتی تھی کہ وہ کنواری عورتیں بھی جو دین کی خدمت کے لیے زندگی وقف کرکے ہمیشہ کا کنوارپنا اختیار کرچکی تھیں جب دوناتسی فرقے میں آنا چاہتی تھیں تو اُن کو ازسرنو اس خدمت پر حلف لینا پڑتا تھا۔ اُن کو یہ ادعا تھا کہ کلیسا کے حقوق ہمارے ہی فرقے کے قبضے میں سب ہے۔ پھر جب یہ حال تھا تو ظاہر ہے کہ افریقہ کے غالی متعصبین مذہب جاثلیق کے عمائد سے ذراسی شکایت پر بگڑ کر فوراً دوناتسی فرقے میں شامل ہوجاتے ہونگے۔ اور اسطرح رفتہ رفتہ دوناتسی کلیسا مجرموں اور دیوالیوں اور ایسے لوگوں کا دارالامن بن گیا ہوگا جو ملک میں سیاسی انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اور اس طرح دوناتسی تحریک میں ایک سیاسی تحریک بھی جس کو مذہب سے کچھ تعلق نہ تھا عقائد انارکست کی شامل ہوگئی کہ کسی طرح مال و دولت کا فرق مٹا کر سب لوگوں کو ایک ہی سطح پر لے آنا چاہئے۔

جب قسطنطین کی کوششوں کا کچھ نتیجہ نہ ہوا تو اُس نے افریقی کلیسا کی طرف سے بالکل بے اعتنائی اختیار کرلی اور یہ حالت مرتے دم تک قائم رہی۔ اُس کی اصلاح کیلئے جس قدر کوشش ممکن تھی وہ کی لیکن جب کوئی علاج کارگر نہ ہوا تو اُس سے قطعی ہاتھ دھو بیٹھا۔ دوناتسیون کے علاوہ ایک اور فرقہ سرکم سیلیون کا یعنی گداگروں کا پیدا ہوا۔ یہ لوگ گھر گھر اور جھوپڑی جھوپڑی بھیک مانگ کر پیٹ پالتے تھے۔ اور جو حرفہ یا پیشہ پہلے کیا کرتے تھے وہ سب چھوڑ بیٹھے تھے۔ انھوں نے اپنا نام "خداوند کا غازی مرد" رکھا تھا۔ گاؤں گاؤں دورہ کیا کرتے تھے۔ دیہات کے لوگ ان سے ہر وقت حالتِ خوف

میں رہتے تھے۔ سنت اگسطین لکھتا ہے کہ کسی گاؤں میں پہنچ کر جس وقت یہ لوگ کڑک کر صدا لگاتے تھے کہ "خدا کی تعریف ہوجیو" تو شیر کے دھاڑنے سے بھی زیادہ اِس نعرہ کو سُن کر لوگوں کے دل دہل جاتے تھے۔ اِن فقیروں کے ہاتھوں میں ڈنڈے ہوتے تھے جن کا نام انھوں نے "اسرائیلی" رکھا تھا۔ اور اِن اسرائیلیوں سے جاثلیقیوں کو ٹھونکنے پیٹنے میں ذرا تامل نہ کرتے تھے۔ اُن کے گرجاؤں میں گھس کر مال و اسباب لوٹ لیتے تھے۔ اور گو تجرد پر حلف لے چکے تھے مگر خلافِ عہد نہایت ناشایستہ حرکتیں کرتے تھے۔ مورخ گبن نے اِن لوگوں کو فرانس کے کمیسرد (قمیص پوشوں) سے خوب نسبت دی ہے۔ یہ لوگ پروٹسنٹ مذہب کے کاشتکار تھے اور اٹھارویں صدی میں انھوں نے فرانس میں بڑے بڑے ہنگامے برپا کئے تھے۔ بعض مورخوں نے سرکم سیلیون کو حسن بن صباح کے فدائیوں سے مشابہ بتایا ہے جنھوں نے جنگہائے صلیب کے زمانے میں آفتیں ڈھائی تھیں بعض نے پہلی صدی عیسوی کے متعصب یہودیوں یعنی اسکاریون سے تشبیہ دی ہے جنھوں نے رومانیوں کو فلسطین سے نکالنے کی کوشش میں قتل و غارت پر کمر باندھی تھی۔ اِن گداگروں پر جب شہادت پانے کا جنون سوار ہوتا تھا تو راہ چلتوں سے کہتے تھے کہ ذرا مہربانی فرماکر ہمارا گلا کاٹتے جائیے۔ ان میں جو لوگ بہت اچھے تھے وہ پاگل خانہ بھیجنے کے قابل تھے اور جو بہت بُرے تھے اُن کیلئے جیل خانہ موزوں تھا۔ شہروں کے معزز دوناتسیون سے اِس گروہ کا کچھ تعلق نہ تھا۔ فرقہ دوناتسی کا دینی انتظام جاثلیقوں کے سرشتہ دینیات کی مثل تھا۔ اور مذہب کے متعلق اُن کی زیادہ تر کوشش صحرا کے کنارے کنارے کم آباد اضلاع میں صرف ہوتی تھی۔

قسطنطین نے دوناتسیون کی طرف سے گو بے اعتنائی اختیار کی تھی لیکن ایک موقع پر اُس کو مجبور ہو کر کسی قدر اُن کے معاملات میں دخل دینا پڑا۔ قرطہ دار الحکومت نومیدیا میں جس کا نام اب شہنشاہ کے نام پر قسطنطینہ رکھا گیا تھا۔ ایک بڑا گرجا جاثلیقوں کا تھا۔ یہ گرجا قسطنطین کے حکم سے تعمیر ہوا تھا اب اُس پر دوناتسیون نے قبضہ کرلیا۔ جاثلیقوں نے شہنشاہ سے فریاد کی۔ لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ شہنشاہ نے اب اِن معاملات میں دست اندازی کرنی چھوڑ دی ہے

۱۸۷ اس لیئے انھوں نے اپنی درخواست میں یہ نہیں لکھا کہ دوناتسیوں کو اس حرکت پر کچھ سزا دیجاوے یا یہ کہ جو گرجا انھوں نے چھین لیا ہے وہ ان کو واپس دلایا جاوے بلکہ انھوں نے صرف یہ درخواست کی کہ ہمکو دوسرا گرجا بنانے کے لیئے زمین اور خزانہ سے روپیہ دیا جاوے۔ قسطنطین نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ اور حکم دیا کہ زمین کی قیمت اور تعمیر کا صرف سرکاری خزانہ سے دیا جاوے۔ شہر کے جاثلیقی قسیسوں کو ملکی خدمات سے بھی مستثنیٰ کر دیا۔ اس درخواست کے جواب میں قسطنطین نے جو خط جاثلیقوں کو لکھا ہے اُس میں فرقہ دوناتسی کی نسبت کوئی بات ایسی نہیں لکھی کہ آدھی دل میں ہو اور آدھی زبان پر بلکہ خوب صاف صاف ملامت کی ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ:-

"یہ لوگ شیطان کے مرید ہیں اور شیطان ہی ان کا باپ ہے۔ یہ باغی ومجنوں بے دین و پلید خدا سے لڑتے ہیں اور مقدس کلیسا کے دشمن بنتے ہیں"۔ آخیر میں لکھا ہے کہ "خدا ایسا کرے تا کہ ان بدعت و روائت والوں کو اب بھی اپنی ایمان کی سلامتی کا خیال آتا اور وہ تاریکی سے نکلکر اپنی نظریں خدا کے نور کی طرف جاتے اور شیطان کو چھوڑ کر کہ وہ بہت دیر کر چکے ہیں خدائے برحق کی طرف رجوع کرتے جو سب کا انصاف کرنے والا ہے۔ لیکن جبکہ وہ اپنے کفر پر قائم ہیں اور اسی حالت گمراہی میں رہنا چاہتے ہیں تو ہماری اتنی ہی تنبیہ اور اس سے پہلی متواتر ہدایتیں اور نصیحتیں جو ہم ان کو دے چکے ہیں اُن کے لیئے بالکل کافی ہیں کیونکہ اگر وہ ہمارے حکموں کی تعمیل کرتے تو تمام برائیوں سے پاک رہتے"۔

غرض انجام یہ ہوا کہ قسطنطین اس دوناتی و جاثلیقی فساد سے بالکل بےزار اور ایک فریق کے خلافِ عقل اصرار سے بالکل متنفر ہو گیا یہ ہی خیال شنت اغسطین کے خطوط اور تحریرات سے جو ان واقعات سے ایک صدی کے بعد لکھی گئیں ظاہر ہوتا ہے۔ اغسطین شہر ہپّو کا اسقف تھا اور کلیسائے جاثلیق کا بڑا حامی و مددگار تھا۔ اور جو طوفان خیز مباحثے اور مناظرے اِن دونوں فرقوں کے متعلق ہوئے اُن میں بڑا حصہ لیتا رہا حتیٰ کہ ۴۱۱ئہ کی دینی مجلس قرطاجنہ کے بعد دوناتسی اختلاف کا وجود ہی دنیا سے مٹ گیا۔ اس مجلس میں یہ تجویز ہوا تھا کہ جو اساقفہ دوناتسی عقائد کے پابند ہیں ان کو کلیسائے جاثلیق میں شامل ہونیکا حکم دیا جاوے۔

اگر تین مرتبہ ایسا حکم پالنے پر بھی وہ انکار کریں تو ان کو جبراً جاثلیقی دین میں شامل کیا جاوے اس زمانے یعنی پانچویں صدی عیسوی میں بھی وہ ہی امور زیر بحث تھے جو **قسطنطین** کے زمانے میں تھے یعنی یہ کہ جو کلیسا بے ایمان اور نالائق لوگوں کو اپنا شریک بنائے یا جس کے خادموں کا تقرر ایسے اسقفوں کے ذریعے سے ہو جنھوں نے اپنے ایمان میں خلل ڈال رکھا ہے۔ اور اپنے فرائض کو انجام دینے میں کمی کرتے ہیں تو ایسے کلیسا کو مسیحی کلیسا کا لقب دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ یہ ہی سب سے بڑا سوال تھا جس پر دوناتسی فرقے کے معاملے میں مدت تک بحث رہی گو اور مذہبی بحثوں کی طرح اس بحث میں بھی جبکہ اس فرقے کی ابتدا تھی ذاتیات کا بہت کچھ اثر رہا۔ مگر اصلی سوال تمام مناظرے کی جان یہ ہی تھا جو **لوسیلہ** کی سازشوں اور **سیسی لیانوس** اور اساقفہ **نومیدیا** کی عدالتوں کے گذر جانے کے بعد بھی جبکہ لوگوں کو ان قصص پارینہ سے کچھ دلچسپی نہ رہی تھی مدت تک سختی کے ساتھ معرض بحث میں رہا۔ اور سب سے لطف کی بات یہ ہے کہ شروع زمانے میں یہ ہی دوناتسی فرقہ تھا جو شہنشاہ سے کہتا تھا کہ اُس میں اور **سیسی لیانوس** میں جو اختلاف ہے اس کا فیصلہ کرا دیا جاوے اور اب سو برس کے بعد **شنت اغسطین** کے زمانے میں وہ ہی دوناتسی فرقہ اس بات پر بحث کرتا تھا کہ امور دینی میں سلطنت کو دخل دینے کا اختیار ہے اور نہ کلیسا کے معاملات سے شہنشاہ کو کچھ مطلب ہے؟

دسواں باب

ایریوسی مناظرہ

دوناتسیون کا حال آپ دیکھ چکے ہیں کہ قسطنطین کی برابر یہی کوشش تھی کہ عیسائیوں میں اتحاد قائم رہے اور دوناتسیون کا اس کے برخلاف عمل تھا شہنشاہ نے بہت چاہا کہ مغربی کلیسا کے اساقفہ نے جو احکام جاری کئے ہیں اُن کی پابندی ہو مگر دوناتسی اُن کی پابندی سے برابر انکار کرتے رہے۔ پس اگر یہ سچ ہے کہ دوناتسیون کی یہ حرکتیں قسطنطین کے لئے صبر آزما تھیں اور اُس کو ان لوگوں کے تعصب وتمرد پر غصہ آیا کرتا تھا اور اُن کی فریق بندیوں سے وہ اِس قدر ناراض و مایوس ہو گیا تھا کہ اُن سے ہاتھ دھو کر اپنا اور اُن کا فیصلہ خدا پر چھوڑ بیٹھا تھا تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ جب اِس سے بھی بڑھکر مذہبی مناظرے کا ایک طوفان اُٹھنا شروع ہوا جو ایریوس اور اثاناشیوس جیسے بزرگانِ ملت کے نام نامی سے دنیا میں موسوم ہوا تو قسطنطین کی روحانی تکلیف کس درجے کو پہنچی ہوگی۔ ایریوسی مناظرہ دوناتسی اختلاف کی طرح کوئی فروعی اختلاف نہ تھا بلکہ ایریوس کا عقیدہ جس پر یہ مناظرہ قائم ہوا تھا مذہب عیسوی میں ایک سخت بدعت کی شکل رکھتا تھا۔ دوناتسی اختلاف کی طرح وہ سلطنت کے کسی ایک علاقے سے مخصوص نہ تھا بلکہ تمام مشرقی کلیسا پر سیلاب کی طرح پھیل گیا۔ اور بڑے معرکۃ الآرا مسائل جن پر ملت مسیحی کا دارومدار ہے اِس مناظرے میں پیدا ہو گئے اِس مناظرے کی ابتدا اسکندریہ سے ہوئی۔ اور اسکندریہ وہ شہر تھا جس سے بہتر دوسرا مقام کسی طریقہ دینیات کے مسائل عقلی کی پیدائش و پرورش کے لئے روئے زمین پر موجود نہ تھا۔ کیونکہ یہ مہتم بالشان دارالعلوم رکھنے والا شہر تھا جہاں مشرق ومغرب کا اتصال ہوتا تھا

اور افلاطونی فلسفہ جدیدہ کی اصل بھی اسی شہر سے ہو چکی تھی اور یہ فلسفہ وہ تھا جس میں جملہ علوم حکمیۂ یونان کا عکس ایسی شکل وصورت میں جو یونانیوں میں مروج ومسلم تھی نظر آتا تھا اور یہ یونانی وہ تھے جن کی طبیعت میں مشرقی خیالات صدہا سال سے ایک انقلاب پیدا کرتے چلے آئے تھے۔

۱۹۰

اِس مناظرے کی ابتدا کیوں کر ہوئی اِس کا مختصر سا حال یہاں لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے ایریوس تیسری صدی عیسوی کے تیسرے چہارم میں پیدا ہوا۔ بعض نے اُس کا مولد لیبیہ لکھا ہے اور بعض نے اسکندریہ۔ بطریق اسکندریہ بطرس نے اُس کو ڈیکن کی جگہ پر مقرر کیا۔ پھر بطریق اکیلاس نے اُس کو پریس بیٹر مقرر کر کے بوکالس کے گرجا میں جگہ دی۔ بوکالس کا گرجا اسکندریہ کے تمام گرجاؤں میں سب سے زیادہ پرانا اور متبرک خیال کیا جاتا تھا۔ ابتدائے عمر میں ایریوس ایک اختلافی فرقے میں شامل ہو گیا تھا یعنی ملی تیوس اسقف لائی کوپولس کے فرقے کا ایک رکن ہو گیا تھا۔ اس فرقے پر اساقفۂ مصر کی ایک مجلس نے جس میں ۳۰۲ اسقف وقسیس حاضر تھے نافرمانی اور آئینِ مذہب کے خلاف عمل کرنے کا الزام ثابت کر دیا۔ ایریوس نے بطریق اکیلاس سے معذرت چاہ کر اپنی صفائی کر لی اور اکیلاس اُس پر مہربان ہو گیا۔ اور اُسی کے زمانۂ بطریقی میں ایریوس رفتہ رفتہ بہت با رسوخ اور صاحبِ اختیار ہو گیا بلکہ یہاں تک پڑھنے میں آتا ہے کہ ۳۱۲ء یا ۳۱۳ء عیسوی میں جب اکیلاس کا انتقال ہوا تو ایریوس تختِ بطریقی کے لئے امیدوار ہو گیا۔ تھیوڈورٹیوس لکھتا ہے کہ جب اس جگہ پر اسکندروس مقرر ہو گیا تو ایریوس کو بہت مایوسی ہوئی لیکن اس واقعے کے پانچ یا چھ برس بعد تک اسکندروس اور ایریوس میں کسی قسم کی ناچاقی کا پتا نہیں چلتا۔ بلکہ اس کے برعکس یہ بیان ہوا ہے کہ اسکندروس ایریوس کی بہت قدر کرتا تھا اور تمام شہر میں یہ بات مشہور تھی کہ ایریوس بڑی تن دہی سے دین کی خدمت میں مصروف رہتا ہے اور بہت سادگی اور پرہیزگاری سے اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ اِن خوبیوں کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بڑا ذی اثر خطیب وواعظ بھی تھا جو بڑی جسارت اور صفائی سے مذہب کے بڑے بڑے مسائل پر بحث کیا کرتا تھا۔ صورت کا بہت وجیہ دراز قد اور بارعب تھا۔ ایک

لمبی اور چست عبا بغیر آستینوں کے پہنا کرتا تھا۔ اور یہی لباس دور سے اُس کی بڑی پہچان تھا۔ خوش بیان اور خوش اخلاق تھا۔ حرکات و سکنات میں نہایت شائستہ تھا اور بڑا کمال یہ رکھتا تھا کہ جو خوش و سرگرمی کسی معاملے میں خود رکھتا تھا وہی دوسروں میں پیدا کر دیتا تھا۔ ایریوس کے جس قدر حالات معلوم ہوتے ہیں وہ سب اُس کے مخالفوں کے لکھے ہوئے ہیں جو اُس کو دشمن دین اور دشمن مسیح جانتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ اُس کو شیطان سے خاص طور پر ارادت ہے اور شیطان ہی سے ہمیشہ مدد پہنچ کر اُس کو حیرت انگیز کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں۔ لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ جہاں اور بڑے بڑے ہادیانِ مذہب گذرے ہیں اُن ہی میں ایریوس بھی ایک بڑا آدمی تھا۔ گو وہ مبتدع تھا لیکن مشاہیر ملت کے دربار میں اُس کو بھی کرسی ملی تھی۔ گو اُس کے عقائد بدعت پر مشمول ہوں لیکن باوجود شدید تعصب کے خلوص نیت ضرور رکھتا تھا۔ جن مسائل پر وہ بحث کرتا تھا وہ مذہب کی جان ہی نہ تھے بلکہ بکثرت عقائد آفریں تھے گو اُن مسائل کی حقیقت اور عقائد آفرینی ایک غلطی ہی پر مبنی کیوں نہ ہو۔

۳۱۹ عیسوی تک اسکندریہ کے مسیحی حلقوں میں کوئی سخت نزاع پیدا نہیں ہوا۔ شروع میں کسی قدر سرگوشیاں ہوتی رہیں کہ ایریوس عجیب و غریب مسائل پر وعظ کہتا ہے اور بڑی بے باکی و خود داری سے رموز دینی کا پردہ فاش کرتا ہے۔ بہت لوگوں نے اس امر سے قطع نظر کر کے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے صحیح ہے یا غلط اُس کی صاف گوئی کو خلافِ مصلحت سمجھا بعض لوگوں نے جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ مذہب میں کسی طرح کی جدت یا نو آئینی کو شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ایریوس کو بھی اسی نظر سے دیکھا۔ بعض مباحثہ و مناظرہ کے شایق ایسے بھی تھے جو دل میں خوش ہوئے کہ نتیجہ چاہے کچھ ہو مذہبی معاملات میں توجہ پیدا ہو کر ایک دلچسپی کا سامان تو خوب نکل آیا۔ لیکن شروع زمانے میں کوئی شخص ایریوس سمیت ایسا نہ تھا جو سمجھا ہو کہ اُس کے وعظ سے کیسے غیر معمولی اور افسوسناک نتیجے نکلنے والے ہیں۔ بعد کو اسکندروس پر یہ اعتراض ہوا کہ اُس نے شروع ہی سے اس بدعت کو کیوں نہ دبا دیا بحث بڑھنے سے پہلے ہی ایریوس کی زبان

۱۹۲

کیوں نہ بند کر دی۔ مگر یہ مثل ہے بعد از جنگ یاد آنے کا مضمون تھا۔ جب کوئی بات نقصان کی ہو جاتی ہے تو پھر سب عقل بتانے کو تیار ہو جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ جب ایریوس کے وعظوں کا چرچا ہوا تو اُس وقت یا تو اسکندروس کو کسی خطرے کا گمان پیدا نہیں ہوا یا وہ اس انتظار میں رہا کہ یہ تحریک خود بخود دب جائے گی۔ شاید یہ خیال بھی آیا ہو کہ آج کو ایریوس کی طرف لوگ جھکے ہیں ممکن ہے کل کوئی دوسرا واعظ پیدا ہو جائے اور لوگ ایریوس کو چھوڑ کر اُنکی طرف مائل ہوں اور جو کچھ باتیں ایریوس نے سکھائی اور پڑھائی ہیں وہ جلد اُنکے ذہن سے نکل جاویں پھر یہ خیال بھی ضرور تھا کہ ایریوس ایک بڑے پایہ کا قسیس ہے اپنے طریقے پر نہایت خلوص سے خلق کی حاجت روائی میں مصروف رہتا ہے اور تجربے سے یہ بات بھی معلوم ہو چکی تھی کہ خاص لیاقت کے واعظوں کو جن کے کلام میں اصلیت کا جوہر موجود ہو ادائے مطالب کے لئے جہاں تک ممکن ہو آزادی دینا افسران کلیسا کا فرض ہے۔

لیکن کچھ مدت گذرنے کے بعد اسکندروس کو دست اندازی کرنی ضروری ہوگئی کیونکہ اب ایریوس نے چند عقائد کو خاص طور پر بیان کرنے میں بہت زور دینا شروع کیا تھا اور مسیح کی الوہیت سے جو لازمۂ عیسائیت ہے قطعاً انکار ظاہر کیا تھا۔ اب معاملے کی صورت یہ نہیں رہی تھی کہ ایک واعظ خوش خیال محض مشق استدلال کے لئے ایسے عقائد کی طرف اشارہ کرتا ہو جو قرار دادہ اصول مذہب کے مطابق نہ ہوں۔ ایریوس نے خصوصیت کے ساتھ وقت وبے وقت اُن ہی عقائد پر زور دینا شروع کیا جن میں اُس کو دیگر معلمین سے اختلاف تھا۔ اور اُن ہی عقائد کو جن میں اختلاف رکھتا تھا عیسائی مذہب کی اصل حقیقت بتانے لگا۔ آخر الامر ایریوس نے اپنا دعویٰ پیش کر دیا اور اب اسکندروس کو مجبور ہو کر جواب کی فکر ہوئی۔ پہلے اُس نے ایریوس کو ملاقات کے لئے بلایا جس سے یہ مطلب تھا کہ یا تو ایریوس کو اُس کی غلطی پر قائل کر دے گا یا یہ کہ اُس کو خاموش رہنے پر رضامند کرے گا۔ لیکن ملاقات کا نتیجہ کچھ نہ ہوا۔ اور ایریوس نے اب اور بھی گرمجوشی سے اپنا وعظ شروع کیا۔

اس پر اسکندروس نے اسکندریہ کے تمام قسیسوں کو طلب کر کے ایک مجلس کی اور ثالوث مقدس کے مسلمہ عقیدے کو جسکے خلاف ایریوس نے دعوے کیا تھا بحث کے لیئے پیش کیا۔ ایریوس اور اُس کے عقدت مند بھی اس مجلس میں شریک ہوے۔ بحث نے اتنا طول پکڑا کہ جلسہ کسی آیندہ تاریخ کے لئے ملتوی کرنا پڑا جب پھر مجلس ہوئی تو اسکندروس نے مسئلۂ ثالوث کو ایسی عبارت میں لکھ کر سنایا جو اُس کے خیال میں سب کو تسلیم کر لینی چاہئے تھی۔ اور سمجھا کہ اس طرح بحث کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن اس کارروائی نے اختلاف کو اور تیز کر دیا۔ اور ایریوس نے کھڑے ہو کر کہا کہ بطریق نے جس عبارت میں عقیدۂ ثالوث کی تعریف بیان فرمائی ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس نے ثالوث کی تین افرادمیں سے فرد ثانی کو فرد اول کا مظہر مان لیا ہے اور یہ بدعت سابیلی ہے جو کسی طرح جائز نہیں ؛

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عقیدۂ ثالوث جس کو اب صدہا برس کے بعد بھی ایسے الفاظ میں بیان کرنا دشوار ہے جو شبہ و ابہام سے پاک ہوں تو اُس زمانے میں تو اُس کا بیان کرنا اور بھی دشوار ہوگا کیونکہ ایریوسی مناظرہ میں آکر ابھی تک اسکی اصطلاحات کے معنی و مفہوم پوری صحت و جامعیت کے ساتھ معین نہیں ہونے پائے تھے۔ لیکن مجلس میں اس بحث کے چھڑتے ہی اتنا ضرور معلوم ہو گیا اور آگے چل کر بالکل ہی ثابت ہو گیا کہ منطقی موشگافیوں میں ایریوس کے مقابلے میں اسکندروس کچھ حقیقت نہ رکھتا تھا۔ اور ایریوس کے لیئے کچھ مشکل نہ تھا کہ اپنے افسر کی کمزور دلائل اور الفاظ کے معنی بگاڑ کر اس طرح بیان کر جائے جو اسکندروس کا واقعی مفہوم نہو۔ بہرکیف اس مجلس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں فریق ناراض ہو کر باہر نکل آئے۔ اور ایریوس بدستور سابق اس عقیدے پر وعظ کرتا رہا کہ خدا کا فرزند حادث و مخلوق ہے۔ ایریوسی بدعت کی اصلی بنیاد اور اسکے اصول کا سب سے بڑا عقیدہ یہی تھا کہ ابن اللہ حادث و مخلوق ہے گو یہ سچ ہے کہ مخلوقات میں وہ مخلوق اول ہے اور فرشتوں و ملائکہ سے بھی پہلے خلق ہوا ہے اور درجہ میں بھی کل مخلوقات سے افضل ہے مگر بہرکیف مخلوق و حادث ہے اور اس اعتبار سے یقیناً کم درجہ رکھتا ہے خالق سے یعنی خدا سے جو بدر ازلی ہے ؛

یہ اس کتاب کا موضوع نہیں ہے کہ ایریوس کے تمام دینی عقائد یا ثالوث مقدس

۱۹۳ ۱۹۴

کے اسرار ورموز سے بحث کی جاوے لیکن ایسے نئے عقیدے کی نسبت جو دنیا کو زیر وزبر کرنے والا تھا چند الفاظ کہنے کہ وہ کس طرح وجود میں آیا ضروری معلوم ہوتے ہیں ایریوس نے مسیح کی بُنوّت یعنی فرزندی سے مقدمہ شروع کرکے اِس طور پہ استدلال کیا کہ اگر مسیح استعارے یا تشبیہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ فی الحقیقت ابن اللہ یعنی خدا کا فرزند ہے اور اگر اس کی اِس الٰہی بُنوّت یعنی ربّانی فرزندی سے مراد وہ تعلق ہے جو انسانی پدر و فرزند میں ہوتا ہے تو لازم آتا ہے کہ پدر ربّانی فرزند ربّانی سے پہلے موجود تھا۔ پس ایک زمانہ ضرور ایسا رہا ہے جبکہ فرزند ربّانی موجود نہ تھا۔ پس فرزند ایک مخلوق ہوا جو ایسے جوہر یا روح سے بنا تھا جس کا پہلے وجود نہ تھا۔ اور چونکہ پدر جس جوہر سے ہے وہ ازلی یعنے ہمیشہ سے موجود ہے پس فرزند اُس جوہر سے نہ ہوا جس سے پدر ہے + ایریوسی عقیدے کی یہ صورت ہم نے بہت ہی مختصر الفاظ میں بیان کی ہے۔ کینن برائٹ نے اس عقیدے کے دو بڑے اجزاء قرار دئے ہیں[۱]۔ ایک یہ کہ فرزند پہلے سے موجود نہ تھا دوسرے یہ کہ وہ دیگر مخلوقات سے جنس کا نہیں بلکہ محض درجے کا فرق رکھتا ہے۔ ہمارے خیال میں بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ایریوسی مناظرہ ایک فضول نزاع لفظی تھا۔ جیسے کہ مورخ گبن نے اپنی ایک مشہور عبارت میں لکھا ہے کسی طرح درست نہیں۔ درحقیقت وہ مسیحی مذہب کے ایک نہایت مشکل عقیدے کے متعلق ایک نہایت اہم مناظرہ تھا؛

دو برس تک بطریق اسکندریہ کچھ نہ بولا۔ لیکن جب دیکھا کہ ایریوس مخالفت میں بہت ہی دلیر و بے باک ہو چلا ہے تو اُس نے اپنے ماتحت علاقے میں آئین مذہب کی سختی سے پابندی چاہی۔ یہ پہلے آچکا ہے کہ بوکالس کے نافرمان قسیس نے اپنے بطریق کی زبانی نصیحت کو نہیں مانا تھا۔ اور اسکندریہ کے زیادہ تر قسیس ایسے تھے جن کی رائے اور مرضی کے خلاف وہ چل رہا تھا۔ پس یہ قرین عقل ہے کہ جس قدر فریقین میں مغائرت بڑھتی گئی ایریوس کی تقریریں زیادہ سختی ہوتی گئی اور اُس نے اپنے برائے نام افسروں کے کمزور استدلال پر اور بھی تیر طعن کی بھرمار کردی۔ کیونکہ ایریوس جو کچھ کہتا تھا وہ معقول و منطق پر

[۱] دور آبائے یسوعیین" باب ۵ -

بھروسا کر کے کہتا تھا جس منطقی شکل میں اُس نے اپنا دعوےٰ پیش کیا تھا اُس کی نسبت
کہتا تھا کہ کبریٰ یہ ہے اور صغریٰ یہ ہے۔ اور یہ اُن دونوں کا نتیجہ ہے۔ اب فرمایئے کہ نتیجہ
میں کہاں غلطی ہے۔ اور یہ شکل جو میں نے بیان کی ہے کہاں ٹوٹتی ہے۔ غرض یہ بحثیں ہوتی
رہیں یہاں تک کہ ۳۲۱ء عیسوی میں ایریوس سب کو ایک پکا باغی پادری نظر آنے لگا
جو چاروں طرف سب پر چوٹ کرتا تھا۔ اور اپنے معتقد و مرید پیدا کرنے کے لئے جس قدر
تدبیریں ممکن تھیں اختیار کرتا تھا اور عوام کی تسخیر قلوب کے لئے آمادہ ہو گیا تھا کہ اپنے
اصولوں کو ایسا سریع الفہم اور عامیانہ کر دے کہ معمولی سے معمولی آدمی بھی اُن کو سمجھ سکے۔

اسکندروس نے یہ حالت دیکھ کر اپنے وسیع علاقے کے اسقفوں اور قسیسوں
کی ایک مجلس کی جس میں مصر اور لبیہ کے ایک سو اسقف جمع ہوئے تا کہ ایریوس کی
ذات اور اُس کے عقائد کے بارے میں اپنا فیصلہ سنائیں۔ ایریوس بھی اپنے
مریدوں کو لے کر مجلس میں پہنچا اور مورچوں پر توپیں چڑھا مقابلے کو تیار ہو گیا۔ بحث
میں اس کا بڑا پہلو یہ تھا کہ خدا ہمیشہ سے باپ نہ تھا اور کلمہ کو خدا نے پیدا
کیا تھا۔ جوہر کے اعتبار سے بیٹا مثل باپ کے نہ تھا۔ اور نہ وہ اصلی کلمہ تھا نہ اصلی عقل بلکہ
اُس کو کلمے اور عقل نے جن کا وجود خدائی ذات میں تھا پیدا کیا تھا۔ بیٹا اپنی
فطرت کے اعتبار سے دیگر صاحبِ عقل مخلوق کی طرح تابع تغیر ہے اور بیٹے کو باپ
یا اپنے جوہر کا علم بدرجہ کمال حاصل نہ تھا اور یسوع مسیح اصلی خدا نہیں ہے۔ ایریوس
کی اس بحث کو اکثر اساقفہ نے جو حاضرِ مجلس تھے نہایت حیرت و خوف سے سنا اور بہت
لوگوں کو اُس کی تقریر کلمۂ کفر معلوم ہوئی۔ اِن میں سے ایک شخص نے ایریوس کو زیادہ
ٹٹولنے کے لئے سوال کیا کہ "اگر خدا کا کلمہ تابع تغیر ہے تو کیا کلمہ کے لئے ایسی تبدیلی
کو قبول کرنا ممکن ہے جیسے کہ شیطان میں پیدا ہوئی کہ وہ نیکی سے بدی کی طرف
مائل ہو گیا؟" ایریوس نے کہا "ہاں ممکن ہے"۔ اتنا سنتے ہی مجلس نے ایریوس اور
اس کے ساتھیوں کو کلیسا سے بالکل خارج کر دیا۔ ان ساتھیوں میں دو اسقف
بھی تھے۔ ایک صوبۂ انطابلس (پنٹاپولس) کے شہر تولمیس کا اور دوسرا صوبۂ
مارمریہ میں شہر تھیوناس کا اسقف تھا۔ مجلس نے ایریوس کو کلیسا ہی سے خارج
نہیں کیا بلکہ اُس کے عقائد کی بھی باضابطہ تکفیر کر دی۔ اور اب بدعتِ ایریوسی مستقل

۱۹۶

طریقے پر شروع ہو گئی۔

ایریوس اسکندریہ چھوڑ کر فلسطین میں چلا آیا۔ یہاں قیساریہ کے اسقف یوسی بیوس اور صور کے اسقف پالی نیوس نے ایریوس اور اُس کے ہمراہیوں کی بہت خاطر و مدارات کی۔ اور اب ایریوس نے بصبر و انکسار کا رنگ اختیار کیا۔ اُس کے بشرے سے اب یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کلیسا کا کوئی باغی اور سرکش آدمی ہے بلکہ یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مظلوم ہے۔ جو کچھ اُس نے کہا تھا اُس کو لوگ سمجھے نہیں اور اُسکے ساتھ بے انصافی کر بیٹھے۔ اب وہ کوئی شوریدہ سر یا متمرد قسیس نظاہر نہ ہوتا تھا جس کو فضل و کمال میں اپنے بطریق پر فضیلت کا دعوےٰ ہو۔ بلکہ کلیسا کا ایک ادنیٰ خادم معلوم ہوتا تھا جس کو ایمان والوں کی جماعت سے خارج کر دیا گیا تھا۔ اور جس کی بڑی آرزو اس وقت یہ ہی تھی کہ پھر کلیسا میں داخل کر لیا جاوے۔ اُس نے اپنے مہربانوں سے اس بات کی خواہش نہیں کی کہ اُس کے عقائد کی پیروی کر کے اُس کا ساتھ دیں بلکہ صرف یہ چاہا کہ وہ اسکندروس سے اُس کی سفارش کر دیں تاکہ فریقین میں مصالحت ہو جاوے۔ اور کلیسا کا رکن جائز ہونے میں اُس کی نسبت کسی کو کلام نہ رہے یعض اسقفوں نے جیسے کہ یروشلم کا مکاریوس تھا ایریوس کی گفتگو سننے سے انکار کیا لیکن صوبہ انطاکیہ کے اکثر اسقفوں نے ایریوس کی سفارش کرنی منظور کر لی۔ یہ ضرور ہے کہ ایریوس نے جب کلیسا میں پھر داخل ہونے کی کوشش کی تو اُس نے اپنے عقیدے کو اُس شکل میں بیان نہیں کیا جس شکل میں بوکالس کے گرجا میں بیٹھ کر زور شور سے بیان کیا کرتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایریوس دنیاداری کے طریقوں میں بھی مناظرے اور منطق کی مثل دستگاہ رکھتا تھا۔ مگر باوجود اس کے یہ ممکن نہ تھا کہ جس عقیدے پر برسوں وعظ کر چکا تھا اُس کو بالکل ہی تبدیل کر دیتا۔ وہ عقیدہ یہ ہی تھا کہ بیٹا باپ سے درجے میں کم ہے۔ اور باپ نے اُس کو ایسے جوہر سے پیدا کیا ہے جو باپ کا جوہر نہیں ہے۔ یہ امر کہ جس شخص کا عقیدہ ایسا ہو اور پھر بھی بعض اساقفہ اُسکی خاطر و مدارات کریں ظاہر کرتا ہے کہ کلیسائے جاثلیق نے خود ابھی تک تالوث متدس کے مخفی اسرار کو پوری صحت کے ساتھ کہیں بیان نہیں کیا تھا۔ اور یہ کہ مشرقی ملکوں میں ایریوس کے عقیدے کی مثل اور بہت سے عقائد پیدا ہو چلے تھے اور جو خیالات

مذہب کے متعلق عام طور پر اُس وقت رائج تھے وہ اِس قسم کے عقائد سے کچھ زیادہ اختلاف نہ رکھتے تھے۔

ایریوسی عقیدے نے فی الواقع مختلف طبیعت و قابلیت کے لوگوں کو قدرتی طور پر اپنی طرف متوجہ کیا۔ مثلاً ایسے لوگوں کو جو عیسائی تو ہو گئے تھے مگر ابھی تک بُت پرستوں کی خو بو اُن میں باقی تھی۔ ایسے لوگ بکثرت تھے اور اُن میں وہ تعلیم یافتہ گروہ بھی شامل تھا جس پر جدید فلسفہ افلاطونی کا جو ایک مذہبی فلسفہ تھا بہت اثر تھا۔ یا مثلاً جاہل اور ناخواندہ لوگ تھے جو بہت سے خداؤں کو یا تو دل سے یا محض زبان سے مانا کرتے تھے۔ پس ایسی طبیعتوں کے لئے جو اب تک ایسے مذہب کے خیالات اور اصطلاحات کی مدد سے عیسوی مذہب کی باتوں پر غور کیا کرتی تھیں جس میں بہت سے خدا مانے جاتے تھے۔ ایریوسی عقیدہ بہت دلکش ثابت ہوا ہوگا۔ اُس عقیدے میں ایک خدا تو ایسا مانا جاتا تھا جو درجے میں سب سے افضل۔ ازلی اور مالکِ مطلق تھا یعنی باپ کی حیثیت کا خدا تھا۔ اور دوسرا خدا ایسا مانا جاتا تھا۔ جو دوسرے درجے کا خدا بیٹے کی حیثیت کا تھا۔ یعنی خدا اور خدا کا مولود ایک ہی ذات میں شریک تھے۔ اور اِس شرکت کی وجہ سے خدا کا بیٹا اِس بات کا اہل تھا کہ خطاکار انسان اور خدائے قادر میں جس تک انسان کی رسائی ممکن نہیں ایک واسطہ ہو جاوے۔ صدہا برس سے دنیا میں دو طرح کے خدا پُجتے چلے آئے تھے۔ ایک وہ جو پورے خدا تھے اور ایک وہ جو ادھورے خدا تھے یعنی جن میں انسانیت اور الوہیت دونوں شامل سمجھی گئی تھیں۔ پس ایک لحاظ سے ایریوسی مذہب نے لوگوں کی نظرِ شوق پھر اُس بوسیدہ و پارینہ بُت پرستی کی طرف جُھکا دی جو نہ تو بالکل ہی باطل تھی اور نہ جس میں انسانی کمزوریوں کا لحاظ کرتے ہوئے زیادہ سختی تھی علاوہ اِس کے کُتبِ مقدسہ میں بھی ایسی آیات موجود تھیں جو بہت روشن طریقے پر ایریوسی عقیدے کی صحت کا ثبوت دے رہی تھیں۔ مثلاً مسیح کا یہ فرمانا کہ "میرا باپ مجھ سے بزرگی میں زیادہ ہے"۔ اِن الفاظ کے ظاہری یا پوشیدہ معنی ہرگز ایسے عقیدے سے مطابقت نہ رکھتے تھے جس میں باپ۔ بیٹے اور جوہر کو درجے میں ایک سا مانا جاتا تھا۔ گو فریقِ مخالف (جاثلیق) نے اِس عبارت کے ایک پوشیدہ معنی بھی نکال

۱۹۸

رکھے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہی ہے اور ادیانِ عالم کی تاریخ بھی اِس کی شاہد ہے کہ اکثر مذہبی فرقوں کی ابتدا ایسے لوگوں سے ہوی ہے جنھوں نے کتبِ مقدسہ کی خاص خاص عبارتوں پر اپنا ایمان قائم کر کے چھوٹے اور بڑے ہر قسم کے عقائد دنیا میں شایع کر دیے ہیں

علاوہ ان باتوں کے ایریوس کا عقیدہ انسان سے فریاد کرتا تھا کہ ذرا اپنی عقلِ رسا سے جس پر اُس کو ناز ہے اور جس کو وہ اپنے خیالات کی صحت کے لئے کافی سمجھتا ہے کام لے۔ یہ ہی شرط کہ عقل سے کام لیا جاوے ایریوسی مذہب کی سب سے مضبوط بنیاد تھی۔ انسان کی ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ کوئی مذہب ایسا ملے جس کی بنیاد بھی عقل پر رکھی گئی ہو اور جس کو استحکام بھی عقل ہی کے ذریعے سے پہنچتا ہو اور جو معترضوں کی نکتہ چینیوں سے محفوظ اور اس درجہ صحیح اور استوار ہو کہ کسی کے حملے کا اثر اُس پر نہ ہو۔ ایریوسی مذہب کو ایسی ہی حفاظت و استواری کا دعوےٰ تھا۔ اور اس میں شبہ بھی نہیں کہ کم از کم اُس کا ظاہر بادی النظر میں ایسا ہی تھا۔ یعنی یہ کہ ایسی مستحکم دلائل عقلی پر اُس کی تعمیر اُٹھائی گئی تھی جن کا توڑنا غیر ممکن تھا۔ اسی مضمون کو کینن برائٹ نے ایک جگہ خوب بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ[1]

"ایریوسی عقیدے نے کچھ کم طبیعتوں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ عقل کے اعتبار سے جو پہلو اُس نے اختیار کیا تھا وہ بہت مضبوط تھا۔ اور اس سے ایک ایسے دینِ مسیحی کے پیدا ہونے کی خبر نکلتی تھی جو فلسفیانہ اعتراضات کا مطلق آماجگاہ نہ بن سکے لیکن جاثلیقی عیسائی اِس پر مصر تھے کہ جو حقائق ذات الہی سے تعلق رکھتے ہیں وہ خالص طور پر ایمانی معاملات ہیں اور ایمانی معاملات میں جس حد تک وحی والہام اجازت دے اُس سے تجاوز کرنا ہرگز درست نہیں اور یہ کہ ایریوس نے جو پہلو اختیار کیا ہے وہ خود عقل کی رُو سے قابلِ اعتراض ہے۔ اس کے جواب میں جاثلیقیوں سے ایریوسی کہتے تھے کہ ہمیشہ قواعد استدلال کی پابندی کرو اور اس بات کو

[1] "دورِ آبا ریسوعیین" باب ۶۔

تسلیم کرو کہ خدا کی اُبُوّت میں یہ خیال شامل ہے کہ باپ کا وجود بیٹے سے پہلے ہے۔ جب یہ دونوں شکلیں موجود ہیں تو جو نتیجہ اُن سے نکلتا ہو اُس کے نکالنے میں دریغ نہ کرو۔ ایک وہمی اور خیالی عقیدے کے بدلے ایسا عقیدہ اختیار کرو جس کی دلیل مضبوط ہے۔ جاثلیقی اس کے جواب میں ایریوسیوں سے کہتے تھے کہ جہاں تک اسرارِ الٰہی سے بحث ہے وہاں تک انسانی منطق کا دائرہ بہت تنگ ہے اور وہ تعلقِ الٰہی جس کو اُبوّت کہتے ہیں وہ ایک ایسی عجوبہ شے ہے جس کی دوسری مثال کہیں موجود نہیں "۔

ایریوسی مذہب کے حالات پر جو بعد کو پیش آئے جب غور کیا جاتا ہے کہ کس طرح وہ بار بار زندہ ہوا اور کس طرح اپنے خاص خاص پہلو دکھا کر خاص خاص طرح کی عقل والوں کو اُس نے اپنا گرویدہ کر لیا جن میں بعض بڑے بڑے طبّاع اور عالی خیال شامل تھے تو پھر اس بات پر تعجب کی ضرورت نہیں رہتی کہ ایسے لوگوں کو بھی اُس کی صحت کا یقین اور اُس کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوگئی جنھوں نے عملی طور پر اُس کی تائید میں کوئی حصہ نہیں لینا چاہا تھا۔ اسکندروس یہ دیکھ کر گھبرایا جاتا تھا کہ مشرق کے اس قدر اساقفہ نے کیوں ایریوس کا ساتھ دینا شروع کیا ہے چنانچہ اُس نے ایک گشتی خط اعتراف وتنبیہ کا ان لوگوں کے نام جاری کیا۔ بعض اسقفوں نے جو جھگڑوں سے دور رہنا چاہتے تھے اُن خطروں کو پہچان لیا جو ایریوسی عقیدے میں پوشیدہ تھے لیکن اسی زمانے میں ایریوس کو بہت جلد (یوسی بیوس قیساریہ کے علاوہ) ایک دوسرا یوسی بیوس جو بتھی نیا میں نیکومیدیا کا اسقف تھا حامی وہمدرد مل گیا۔ نیکومیدیا میں مقرر ہونے سے پہلے وہ بیروتس (بیروت) کا اسقف تھا۔ بیان ہوا ہے کہ بیروت سے اس کی تبدیلی دار الحکومت نیکومیدیا میں شہنشاہ قسطنطین کی بہن قسطنطیہ کی سفارش سے ہوئی تھی۔ قسطنطیہ شہنشاہ لی کی نیوس کی بیوہ تھی۔ جب اُس کے اقتدار کو زوال ہوا تو یوسی بیوس نے شہنشاہ قسطنطین کو اپنے حال پر مہربان کر لیا۔ اور وہ درباریوں کے حلقے میں بڑا صاحبِ عزت ہو گیا۔

یوسی بیوس اسقف نیکومیدیا ایریوس کا پرانا ملنے والا تھا۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی اُستاد لوسیان کے شاگرد تھے جس کا حلقۂ درس انطاکیہ میں رہ چکا تھا۔ بعض لوگوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یوسی بیوس ایریوس کا شاگرد نہیں بلکہ استاد تھا۔ حقیقت

۲۰۰

یہ ہے کہ جو لفظ یہاں شاگردی و استادی کے معنی میں استعمال ہوا ہے اُس سے ان دونوں شخصوں کے تعلق کا صحیح اندازہ کرنا ممکن نہیں۔ بہرکیف یہ دونوں پُرانے دوست وہمخیال تھے۔ اس زمانے کی تاریخی اسناد میں ایک خط جو ایریوس نے یوسی بیوس کو مدد کے واسطے لکھا ہے وہ بہت دلچسپ ہے۔ ایریوس نے اس خط میں اسکندروس کی زیادتی کا داجبی غصے کے لہجے میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُس نے مجھ کو کلیسا سے اور میرے دوستوں کو اسکندریہ سے یہ الزام دیکر نکالا ہے کہ ہم سب ملحد ہیں اور ہمارے الحاد کی وجہ یہ قرار دی ہے کہ جو عقائد اُس نے اپنے بیان کئے تھے اُن کو ماننے سے ہم نے انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد ایریوس نے اسکندروس کے عقائد کو جس طرح ایریوس کی سمجھ میں آئے تھے اور اپنے عقیدے کو مختصر لفظوں میں بیان کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یوسی بیوس قیساروی و دیگر اساقفۂ مشرق کا بہ استثنائے چندیہی عقیده ہے جو میرا ہے۔ "مگر ہم پر یہ سختیاں اس لئے کی جاتی ہیں کہ ہمارے خیال کے مطابق خدا کی ابتدا نہیں ہے اور بیٹے کی ابتدا ہے اور بیٹا مصنوع ہے اُس سے جو نہیں ہے۔ اور بیٹا نہ خدا کا جزو ہے اور نہ وہ کسی جوہر سے ہے۔" خط کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والا غصے میں بھرا ہے اور سمجھتا ہے کہ واقعی اُس کے ساتھ ظلم و بے انصافی ہوئی ہے۔ اُس کے الفاظ سے ایمانداری ظاہر ہے۔ گو اُس کے بیان میں اسکندروس کے عقائد اپنی اصلی صورت میں ظاہر نہیں ہو سکے ہیں لیکن پھر بھی مخالف کے مقدمے کو اُسی شکل میں جس شکل میں خود مخالف اُس کو پیش کرتا جس قدر ایریوس نے بیان کر دیا ہے کسی دوسرے قسیس سے جو اپنے عقائد میں پختہ ہوتا بیان ہونا ممکن نہ تھا۔

۲۰۱

اس خط کا اخیر جملہ یہ تھا کہ "لوسیان کے تم بھی شاگرد ہو اور میں بھی ہم مکتبی کا حق ادا کرنا۔" افسوس ہے کہ اس خط کا جواب جو یوسی بیوس نے دیا دستیاب نہیں لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایریوس کی موافقت میں تھا۔ کیونکہ اس کے کچھ عرصے کے بعد ایریوس نیکومیدیا میں اسطرح نظر آتا ہے کہ اُس کا پرانا دوست یوسی بیوس نیکومیدی اُس کو اپنے دامنِ عاطفت میں لئے ہے۔ اور بڑی حوصلہ مندی سے دوست کی حمایت و تائید میں سرگرم ہے۔ اور کئی مرتبہ اسکندروس کو خط لکھ کر جلاوطن قسیس لوکاس کی سفارش کر چکا ہے۔ ایریوس بھی اپنے پرانے بطریق کو خط لکھتا ہے

اور خط میں اپنے عقائد بیان کرکے پھر کُل مقدمے کو کسی قدر نرم عبارت میں پیش کرتا ہے۔ ایریوس کا اندازِ تحریر نہایت شائستہ ہے۔ برعکس اس کے اسکندروس کی تحریر ہے جو خط کی شکل میں اُس نے اپنے ہم نام اسقف بیزنطیہ کو اس تاکید سے لکھی تھی کہ ایریوس اور اُس کے ساتھیوں کے ملحدانہ خیالات سے ہوشیار رہنا۔ اِس تحریر میں اسکندروس نے ایریوس کی نسبت سخت سے سخت الفاظ لکھے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو بھی کافی نہیں سمجھا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ ”ایریوس اور اُس کے ساتھیوں پر شیطان کا دخل ہے۔ شیطان اُن میں حلول کر گیا ہے۔ اور ہر وقت اُن کو کفر پر تحریک کیا کرتا رہتا ہے۔ یہ لوگ بڑے حیلہ ساز و شعبدہ باز ہیں اِن کی میٹھی باتوں میں زہر ملا ہوا ہے۔ یہ رہزن و قزاق ہیں جنھوں نے کمین گاہیں بنا رکھی ہیں اور وہاں بیٹھے رات دن مسیح اور مسیح پر ایمان رکھنے والوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ وہ ہرگز یہودیوں یا یونانیوں یا بت پرستوں سے کم نہیں ہیں۔ اِن کافروں کی باتوں کو وہ بڑے شوق سے قبول کر لیتے ہیں اور جب یہ کافر و بُت پرست مذہب جاثلیق پر اعتراض کرتے ہیں تو وہ اُن کے شریک ہو جاتے ہیں اور عیسائیوں میں نفاق ڈلوا کر اُن پر جور و ستم برپا کرا دیتے ہیں۔“ اس کے بعد اسکندروس بہت ہی غصے سے لکھتا ہے کہ ”ایریوسی ہم کو دھمکیاں دیتے ہیں کہ چند آوارہ عورتوں سے جن کو اُنھوں نے اپنے جال میں پھنسایا ہے وہ کلیسا پر عدالت میں دعوے دائر کرائیں گے۔“ ایک الزام یہ بھی ایریوسیوں کے سر دھر گیا کہ جوان جوان بدکار عورتوں کے ذریعے سے شہر کے لوگوں کو اپنے دین میں شامل کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ”مسیح کا پیرہن جو ابھی تک سالم تھا اب اِن بے دینوں کے ہاتھوں اُس کی دھجیاں اُڑ رہی ہیں“۔ یہ اور ایسے ہی اور فقرے اسکندروس کے خط میں بھرے پڑے ہیں۔

اسکندروس کی اِس بدزبانی کو کلیسا کے جن مورخوں نے چھپایا ہے یا اُس کو اور بھی جلا دیکر بیان کیا ہے انھوں نے عدل و انصاف کی خدمت نہیں کی ہے بلکہ اُن کا خون کیا ہے۔ بطریق اسکندریہ کی اِس زشت کلامی سے ضرور قیاس ہوتا ہے کہ مناظرہ اور استدلال کا شعور تو اُس کو ہے نہیں محض بہتان بندی سے فریق ثانی کو بدنام کرکے بحث کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ اور مدعیوں کو عدالت سے اِس طرح نکلوانا چاہتا ہے کہ گویا وہ مجانین کا کوئی گروہ ہے۔ اسکندروس ایک جگہ لکھتا ہے ”غور کیجئے کہ یہ کیسا ملحدانہ غرور اور کس

درجہ دیوانگی اور خودستائی کی مالیخولیا ہے۔ وہ شیطانی اثر کس بلا کا ہوگا جس نے ان کی روحوں کو بے حس کر کے پتھر کا بنا دیا"۔ اِن فقروں کو پڑھ کر ہر طرح کی رعایت کے بعد بھی یہی کہنا پڑتا ہے کہ مناظرے میں یہ طرزِ گفتگو اُسی کے حق میں مُضر و باعث بدنامی ہوتا ہے جو اُس کو اختیار کرتا ہے پھر جب اِس اندازِ تحریر کا ایریوس کی تحریر سے مقابلہ کیجئے یا یوسی بیوس نیکومیدی کے خط کو ملاحظہ کیجئے جو اُس نے پائی نوس اسقفِ صور کے نام لکھا تھا تو اسکندروس کی تحریر اور بھی بدنما معلوم ہوتی ہے۔ یوسی بیوس نے جہاں اسقفِ صور سے اسکندروس کو خط لکھنے کی درخواست کی ہے وہاں اسکندروس کو"میرا خداوند اسکندروس" لکھا ہے۔ ایک جانب پاسِ ادب ہے اور دوسری جانب شدت کی سخت کلامی۔ بطریق اسکندریہ کا خط جو اسقف بیزنطیہ کو لکھا گیا تھا جس وقت یوسی بیوس کی نظر سے گذرا تو غصے سے لال ہو گیا اور اسی وقت علاقہ بتھنیا کے تمام اساقفہ کی ایک مجلس کی اور اِس معاملے کو بحث کے لئے اُن کے سامنے پیش کر دیا۔ اِن اسقفوں کو ایریوس سے ہمدردی ہوئی اور انھوں نے ایک گشتی خط کل سلطنت کے اسقفوں کو لکھا اور اُس میں درخواست کی کہ ایریوس کو کسی کلیسا سے خارج نہ کیا جاوے۔ اور سب لوگ اس بات کی کوشش کریں کہ بطریق اسکندریہ ایریوس کو پھر کلیسا میں شریک ہونے کی اجازت دے۔ مگر اسکندروس ہر حال میں اسی پر قائم رہا کہ جب تک ایریوس اپنے کل عقیدے سے توبہ نہ کریگا کلیسا میں اُس کو داخل نہ کیا جائے گا۔

۲۰۴

ایریوس نیکومیدیا سے فلسطین واپس آیا اور یہاں کے تین اسقفوں نے اس کو اجازت دے دی کہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق اپنے ساتھیوں کو لیکر گرجا کیا کرے۔ مگر مباحثوں کا طوفان بدستور جاری رہا۔ اسکندروس نے ایک طول طویل خط "عمومی کلیسائے جاثلیقیہ کے بخدمت کارکنوں" کے نام لکھا۔ اِس خط کی عبارت ایسی سخت نہ تھی جیسے کہ اسقف بیزنطیہ کے نام والے خط کی تھی۔ پھر بھی ایریوسیوں کو سخت سُست کہنے میں کمی نہیں کی چنانچہ ایک جگہ لکھا ہے کہ "یہ لوگ پابند قانون نہیں ہیں۔ یہ مسیح سے لڑتے ہیں اور ترکِ مذہب کی تعلیم دینے میں مسیح کے دشمنوں کے لئے راستہ تیار کرتے ہیں"۔ اِس خط میں نیکومیدیا کے اسقف کا نام لیکر اُس پر اعتراض کئے ہیں اور لکھا ہے کہ "یہ پادری اُس زعم میں ہے کہ کلیسا کی سلامتی اور غیر سلامتی اُسی کے اشارے پر موقوف ہے"۔ اسکے ساتھ یہ بھی لکھا کہ ایریوس کے عقیدے کی تائید وہ اِس وجہ سے نہیں کرتا کہ اس عقیدے کو دل سے

مانتا ہے بلکہ محض اپنا فائدہ اور مطلب نکالنے کے لئے یہ شیوہ اختیار کیا ہے۔ حالات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلا ہی موقع نہ تھا کہ اِن دونوں بزرگوں یعنی یوسی بیوس اور اسکندروس میں ناچاقی ہوئی بلکہ اُن میں ذاتی عداوت مدت سے چلی آتی تھی۔ اور اس ذاتی خصومت نے مذہبی مسائل میں بھی اِن دونوں کے اختلاف کو ترقی دی۔ پرانی کتابوں میں ایریوس اور یوسی بیوس کے حالات جس قدر درج ہیں اُن کو پڑھ کر یہی نصیحت نکلتی ہے کہ اُن کو یقین کرنے میں نہایت درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اسکندروس ایک جگہ لکھتا ہے "کہ ایریوس اور اُس کے دوست امرِ حق کا علم حاصل کرنے پر بھی جب اُس سے منکر ہوئے تو ہمیشہ کی ضلالت میں مبتلا ہو گئے۔ اُن کے اس طرح گمراہ ہونے کا اُسکو دلی صدمہ ہے۔" اس کے بعد لکھتا ہے "مگر مجھ کو اس پر تعجب نہیں "کیونکہ یہوداہ نے مسیح سے ارادت حاصل کرنے پر بھی دشمنوں کو مسیح کا سراغ بتایا تھا" ہم کو اسکندروس کے دلی صدمے کی بابت بہت شبہ ہے کیونکہ اُس نے اپنے خط کو اس فیصلے پر ختم کیا ہے کہ ایریوسی عقیدے کے جس قدر پیرو ہیں اُن کو کلیسا سے خارج کر دیا جائے۔ سچے ایمان والے عیسائیوں کو اِن مسیح کے دشمنوں اور ارواح کے غارت کرنے والوں سے کچھ مطلب نہ رکھنا چاہئے۔ یہاں تک کہ نہ اُن کو کوئی عیسائی سلام کرے اور نہ اُن کا سلام لے۔ اور اگر کوئی جانتا ہوا کسی ایریوسی کو صبح کے سلام میں "صباح الخیر" کہتے سنے تو سمجھ لو کہ ملحدوں سے اُس کو واسطہ ہے۔ اس خط نے جلتی آگ میں اور سوکھی لکڑیاں جھونک دیں اور دونوں فریقوں میں اب روز بروز عداوت بڑھتی گئی۔

۲۰۴

ایریوس بھی غافل نہ تھا۔ غالباً یہی زمانہ تھا کہ اُس نے ایک نظم تھالیہ کے نام سے لکھی جس کو شہرت تو ہوئی مگر بہت بُرائی کے ساتھ اس نظم میں اُس نے اپنے عقائد بیان کئے ہیں بحر اور وزن سب ایک بت پرست شاعر کی عامیانہ نظم سے اختیار کیا ہے۔ اِس شاعر کا نام سوتادس تھا اور جزیرہ اقریطش کا وہ رہنے والا تھا۔ اس سے زیادہ اِس شاعر کا حال نہیں معلوم کہ اُسکے اشعار ہوائے نفسانی کی طرف طبیعت کو مائل کرتے تھے۔ ایریوس نے ایک بت پرست شاعر کے عامیانہ انداز پر اپنی نظم کیوں لکھی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ عام درجے کے لوگوں کو بکثرت اپنے عقائد کا پابند کرنا چاہتا تھا۔ ایک بازاری طرز کی نظم میں عقائد مذہب کو لکھنا ایسی ہی بات تھی جیسے آج کل مکتی فوج والے مناجات کے گیت کسی چلتی ہوئی دُھن میں گاتے ہوئے نکلتے ہیں تاکہ ادنےٰ درجے کے لوگوں کو اسی طرح دین کی ہدایت ہو۔ اِس وقت ایسے لوگ موجود ہیں جو شروع میں مکتی فوج کو نہایت ناپسند کرتے تھے مگر اب اُس کی تعریف کرتے ہیں کہ

حقیقت میں مذہب کی اشاعت کے لئے وہ ایک مفید طریقہ ہے۔ غرض ایریوس نے بھی اپنے اشعار اُسی بازاری کے ہیں گوانے شروع کئے جس میں سوتادس ٹکے رکیک اور فحش اشعار گائے جاتے تھے۔ فیلس تورجیوس جو مذہب ایریوسی کا پیرو تھا اور ایریوسی مضنفوں میں صرف یہی ایک منصف ہے جس کی تصانیف ہمارے زمانے تک محفوظ رہی ہیں لکھتا ہے کہ ایریوس نے فال نکالنے والوں اور چکی چلانے والوں اور ملاحوں کے لئے گیت بنائے۔ اثنا ناشیوس نے اپنی کتاب "ردِ ایریوس" کے پہلے مقالے میں ان گیتوں کے کچھ حصے نقل کئے ہیں مگر ان کے دیکھنے سے یہ نہیں سمجھ میں آتا کہ اُس کے عقائد کی اشاعت میں اُن سے کیوں کر ترقی ہوسکتی تھی۔ اثنا ناشیوس کی تحریر کے مطابق ایریوس کی نظم تھالیہ کے تمہیدی اشعار کا ترجمہ یہاں لکھا جاتا ہے۔

> "خدا کے چیدہ و برگزیدہ لوگوں کے ایمان کے مطابق جو پارسا و پرہیزگار ہیں اور خدا کے ایسے بندے ہیں جنھوں نے گمراہوں سے علٰحدہ ہو کر خدا کی پاک ذات کو پہچانا ہے میں نے اس عقیدے کو حاصل کیا ہے اور حاصل کیا ہے اُن لوگوں سے جو عقل و دانش سے حصہ رکھتے ہیں اور ان ہی لوگوں کے نیک طریقے اور اجتہاد پر میں بھی چلتا ہوں۔ اور خدا کی بزرگی بکارنے کے لئے میں نے ایسی تکلیفیں اُٹھائی ہیں کہ جن سے میرے نام کو شہرت ہوگئی اور خدا سے تعلیم پاکر میں نے عقل و علم سیکھا ہے۔"

اس تمہید میں آج کل کے مذاق کے مطابق جو خود ستائی اور بے ادبی اُس سے ظاہر ہے وہ زیادہ قابل توجہ نہیں۔ البتہ کلام کی کرختگی اور بے جا طوالت ضرور بے لطف کرتی ہے۔ اس تمہید کے بعد ایریوس کے وہ اقوال جو اثنا ناشیوس کے نزدیک نہایت بے ادبی بلکہ کفر دلالت کرتے تھے اور جن سے مذہب کی توہین ہوتی تھی نقل ہوئے ہیں۔ ان میں چند مقولے یہ ہیں "خدا ہمیشہ سے باپ نہ تھا" "ایک زمانہ ایسا تھا کہ خدا تنہا تھا اور ابھی تک باپ نہ ہوا تھا۔ مگر پھر وہ باپ ہوگیا۔" "بیٹا ہمیشہ سے نہ تھا" "کلمہ اصلی خدا نہیں ہے۔ بلکہ توفیق الٰہی سے فیض یاب ہو کر مثل اوروں کے صرف نام کا خدا ہے۔" اگر اثنا ناشیوس کے نزدیک ایریوس کی بے ادبیوں اور استہزا کے نمونے یہی فقرے ہیں تو اُس زمانے میں بے ادبی یا استہزا کے معنی آجکل کے معنوں سے بہت

مختلف ہوں گے۔ یہ دریافت نہیں ہوتا کہ ایریوس نے اس نظم کا نام تھالیہ کیوں رکھا تھا کیونکہ تھالیہ کے معنی خوشی منانے کے ہیں۔ اور اس نظم میں کوئی چیز خوشی منانے کی نہیں معلوم ہوتی۔ گو یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ اسکندریہ کے بازاری لوگوں نے اس بدشگون مناظرہ کے خاص خاص جملوں اور اصطلاحوں کو بگاڑ کر تمسخر کے لئے زبان پر چڑھا لیا ہو نیسیا کے جرجیس نے اسی مضمون میں ایک عبارت لکھی ہے جو اکثر نقل کی گئی ہے اور وہ یہ ہے:۔ ۲۰۷

"قسطنطنیہ کے ہر گوشے میں اسی بحث کا چرچا ہے۔ کوچے اور بازاروں میں صرافوں اور کبابیوں کی دکانوں پر یہاں چاہئیے کوئی نہ کوئی بات اسی مضمون کی سننے میں آتی ہے۔ اگر کسی سوداگر کی دکان میں کسی چیز کو دیکھ کر آپ نے دام پوچھے ہیں تو دام بتانے سے پہلے دکاندار ایک تقریر مولود و غیر مولود کی شروع کرتا ہے۔ اگر روٹی کی قیمت نان بائی سے دریافت کی ہے تو کہتا ہے کہ بیٹا باپ کا تابع ہے۔ اگر گھر کے نوکر سے پوچھئے کہ نہانے کو پانی تیار ہے تو جواب دیتا ہے کہ "بیٹا نیست سے ہست ہوا ہے"۔ جاثلیقی کہتے ہیں کہ "خدا کا اکلوتا مولود بزرگ ہے۔ ایریوسی جواب دیتے ہیں کہ جس کے ذریعے سے مولود ہوا وہ اس سے بھی بزرگ ہے۔"

غرض یہ مضمون ایسا تھا جس کی اکثر ہنسی اڑائی جاتی تھی اور بے ادبی کے جملے آسانی سے لوگوں کی زبان پر آ جاتے تھے۔ ادنیٰ طبقے کے جو لوگ ایریوسی مذہب میں شامل ہوئے تھے وہ لڑکوں سے پوچھتے تھے کہ تم باپ اور ماں دونوں سے پیدا ہوئے ہو یا فقط باپ یا فقط ماں سے۔ عورتوں سے سوال ہوتا تھا کہ بیٹا پیدا ہونے سے پہلے موجود ہو سکتا ہے یا نہیں۔ عام لوگوں کی یہ حالت کچھ اسی زمانے کے لئے مخصوص نہ تھی۔ اس زمانے میں بھی یہی کیفیت ہے کہ جب کسی مذہبی مسئلے پر زور شور کی بحث ہوتی ہے تو جاہلوں میں اس کی یونہی خاک اڑا کرتی ہے۔ اور جانبین جب جاہل ہوتے ہیں تو ہزل گوئی پر اتر آتے ہیں ایریوسیون کو تو مجانین کا خطاب ملا تھا مگر ان بیہودگیوں میں اگر وہ جاثلیقیوں سے کم نہ تھے تو زیادہ بھی نہ تھے۔ مگر نتیجہ بہرکیف یہ تھا کہ ہمیشہ ایک شور و غل بدعملی کا سا زمانہ رہا کرتا تھا۔ قیساریہ کے یوسی بیوس نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:۔

"ہر ایک شہر میں یہ حال تھا کہ پادری پادری سے اور معمولی آدمی معمولی آدمی سے

۲۰۷ اسی بحث میں مصروف رہتا تھا اور گفتگو اتنی بڑھتی تھی کہ ہشت مُشت پر نوبت آجاتی تھی ۔ بلکہ بعض عقل کے دشمن تو اس سے بھی بڑھ کر سخت حرکتوں اور جرائم کے مرتکب ہوجاتے تھے اور شہنشاہ کے مجسموں کی بے ادبی کرنے پر پل پڑتے تھے۔"

جب نوبت یہاں تک پہنچی تو پھر **قسطنطین** کو دست اندازی کرنی پڑی ۔ اور اُس نے ایک بڑا لمبا چوڑا خط **اسکندر یوس** اور **ایریوس** کو لکھا اور اُس کو **قرطبہ** کے اسقف **ہوسیوس** کے حوالے کر کے حکم دیا کہ خود اسکندریہ جائے اور جس طرح مناسب سمجھے فریقین میں مصالحت کرا دے ۔ یہاں پورے خط کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ۔ خط کی تمہید معمولی ہے اور اپنا اصلی خیال ظاہر کیا ہے کہ ملک میں امن قائم رکھنے کے لئے یہ امر لازمی ہے کہ سب کا مذہب ایک ہی ہو ۔ افریقہ میں دوناتسی اختلاف سے مایوسی ہونے کے بعد اُس کو **مصر** و **فلسطین** سے جس کو نافِ مشرق سمجھنا چاہیے اور جہاں سے خدا کا نور طلوع ہوا تھا بہتری کی امید تھی ۔ اس کے بعد لکھا ہے :۔

"مگر مشیت الٰہی کو دیکھئے کہ نہ صرف میرے کانوں کے پردے زخمی ہوئے بلکہ دل پر بھی ایک تیر لگا جب سنا کہ خود آپ لوگوں میں افریقہ سے بھی بڑھ کر قبیح و زبون اختلافات پیدا ہو گئے ہیں ۔ آپ سے امید تھی کہ دوسروں کے مرض کی دوا ہوں گے لیکن اب آپ کے لئے افریقہ والوں سے بھی زیادہ سخت علاج کی ضرورت معلوم ہوتی ہے ۔ اور پھر حیرت یہ ہے کہ جب اِن مناظروں کا سبب تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ وہ فی الواقع نہایت خفیف ہے اور جو نزاع پیدا ہو گیا ہے اُس کو اُس کے سبب سے کچھ مناسبت نہیں ...... میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ مناظرے

۲۰۸ کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے کہ اے **اسکندروس** ۔ آپ نے ہر ایک پریسبٹر سے دریافت کیا کہ انجیل میں ایک خاص عبارت کے کیا معنی ہیں یا ایک مسئلے کی ایک خاص مہمل شکل کی نسبت اُن کا کیا خیال ہے ۔ اور اے **ایریوس** جب آپ نے بغیر کافی غور کے ایسی مشکلات پیش کیں جن کو عرصۂ خیال میں لانا ہی نہیں چاہیے تھا یا اگر وہ لائی گئی تھیں تو فوراً خاموشی کی خاک

میں اُن کو دفن کر دینا چاہئے تھا تو پھر نتیجہ اِن دونوں باتوں کا یہ ہوا کہ آپ
صاحبوں میں شدت سے مناظرہ و مجادلہ شروع ہوگیا اور لوگوں کو کلیسا
کی برکتوں سے محروم کئے جانے کی نوبت آئی۔ اور خدا کے پاک ترین بندے
متفرق ہوگئے اور وہ اتفاق جو ایک تن واحد میں ہوتا ہے اُن میں نہ رہا۔"

اس کے بعد شہنشاہ نصیحت کرتا ہے کہ "جو سوال بلا احتیاط کیا گیا اور جو جواب اُس کا بلا غور دیا گیا اُس سے درگذر کر کے تمام شکایتوں کو بکلی بھول جانا اور معاف کر دینا چاہئے۔ یہ مضمون وہ تھا جس کو معرض بحث میں لانا ہی نہیں چاہئے تھا۔ لیکن جن لوگوں کے سامنے نہ تو کوئی نیک کام کرنے کے لئے اور نہ کوئی اچھی بات سوچنے کے لئے ہوتی ہے تو پھر اُنھیں خالی بیٹھ کر ایسی ہی شرارت کی باتیں سوجھا کرتی ہیں۔ آپ صاحبوں میں جو اختلاف پیدا ہوا ہے وہ کسی ایسے اہم عقیدے کی نسبت نہیں ہے جس کا ذکر کتب مقدسہ میں آیا ہو اور نہ آپ لوگوں نے کوئی نیا عقیدہ پیدا کیا ہے جس پر جھگڑا ہو۔ آپ دونوں صاحبوں کا اصول ایک ہی ہے۔ اس لئے باہمی اتفاق پیدا کرنا آسان ہے۔" قسطنطین ایریوسی مسئلے کے امور بحث طلب کو اس قدر کم سمجھے ہوئے تھا کہ عبرت کے لئے اُس نے بُت پرست فلسفیوں کی ایک مثال نقل کی ہے جس میں دونوں فریقوں کا اصول تو ایک ہی ہے مگر اُس کے تفصیلی امور میں انھوں نے خواہ مخواہ اختلاف پیدا کر لیا ہے۔ اس کے بعد قسطنطین پوچھتا ہے کہ جو لوگ بھائی بھائی ہوں اُن میں کب درست ہے کہ محض ایک نزاع لفظی پر دشمنوں کی طرح حجت ہونے لگے۔ یہ حرکت ناشائستہ اور طفلانہ ہی نہیں ہے بلکہ سفاہت اور بدخوئی پر دلالت کرتی ہے۔ اور خدا کے قسیسوں اور عقل و دانش کے رکھنے والوں کو یہ باتیں ہرگز زیب نہیں دیتیں۔ یہ سب شیطانی وسوسے ہیں۔ بس اب اِن باتوں سے ہاتھ کھینچنا چاہئے۔ اگر تمام ضروری مسائل پر سب لوگ ایک ہی طرح سے غور نہیں کر سکتے تو کم سے کم ایسے عقائد پر جو لوازمہ مذہب ہیں سب کو اتفاق رکھنا چاہئے۔ اور خدا کے بارے میں سب کو ایک ہی طرح کا ایمان اور ایک ہی طرح کی سمجھ اور ایک ہی طرح کی رائے رکھنی لازمی ہے۔ اتنا لکھ کر شہنشاہ یک لخت بیتاب ہو جاتا ہے اور اسی حالت میں یہ پرجوش فقرے لکھتا ہے۔ ۲۰۹

"لوگو۔ مجھ کو میرے چین کے دن اور آرام کی راتیں پھر دیدو۔ تاکہ جتنے دن

اور جینا ہے خالص نور ایمان کی برکتوں سے تسکین و اطمینان پاکر زندگی بسر کرنے کی خوشی حاصل رہے۔ وہ نہ درد سے آہیں زبان پر ہوں گی اور آنسوؤں سے جسم تر ہوگا۔ اور جب تک مر نہ جاؤں گا چین نصیب نہ ہوگا۔ کیونکہ جب خدا کے بندے جو میری طرح خدا کی مخلوق ہیں ایسے خطرناک مذہبی اختلافات پیدا کرکے ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے تو پھر میرے دل کو کیونکر اطمینان میسر رہ سکتا ہے۔"

بعض لوگوں نے اس خط میں بادشاہ کی دانائی و ذہانت کا ثبوت پایا ہے اور اُس کی عبارت کو عقل خداداد کا بہترین نمونہ سمجھ کر آب زر سے لکھنے کے قابل سمجھا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک تو اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس مشکل مضمون میں اس وقت قسطنطین نے ہاتھ ڈالا تھا اُس کے رموز و نکات سے وہ قطعی ناواقف تھا۔ یہ کہدینا تو بہت آسان تھا کہ اس مسئلے کو اٹھایا ہی نہ ہوتا کیونکہ دینیات و سیاسیات میں یہ اصول سب سے بہتر مانا گیا ہے کہ جو چیز ساکن ہو اُس کو متحرک نہ کرنا چاہیے۔ لیکن اس پر بھی تو غور کرنا لازم تھا کہ یہ مسئلہ اون مسائل میں سے تھا جن کو ایک بار اُٹھا کر کسی قطعی نتیجے تک اُس کو پہنچانا ضروری تھا اور وقت بھی اُسکا مساعد تھا کیونکہ جس زمانے میں لوگوں میں یہ مسئلہ پیدا ہوا اُن کا مذاق طبیعت اُس سے مناسبت رکھتا تھا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ مناظرے کا جو طوفان آسانی سے اُٹھا وہ آسانی سے فرو ہونا غیر ممکن ہوگیا اسکندروس اور ایریوس سے شہنشاہ کا یہ ارشاد کہ آپ دونوں میں ایک خفیف اور غیر ضروری مضمون پر محض نزاع لفظی پیدا ہوگیا ہے اور آپ دونوں دراصل ایک ہی خیال اور رائے کے پابند ہیں اور تمام ضروری جزئیات میں بھی ہمخیال ہیں قطعی لغو اور مہمل تھا۔ کیونکہ اِس بحث میں جو امر متنازع فیہ تھا وہ یہ تھا کہ ابن اللہ کی فطرت الٰہی کے متعلق تحقیقات کرکے کوئی بات یقین کے ساتھ طے کی جاوے۔ اگر کسی دینیات کی کچھ وقعت کسی کے دل میں ہے تو اِس سے زیادہ اہم اور ضروری مسئلہ حل کرنے کے لیے پیدا کرنا غیر ممکن تھا۔

۲۱۰

۲۱۱

گیارھواں باب

مجمع نیقیہ (نیکیا کی کونسل)

اریوس اور اسکندروس کے نام قسطنطین نے جو خط لکھا تھا اُس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ مصالحت کے لئے ہوسیوس کی کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ کیونکہ مصالحت کے لیے فریقین میں سے کسی ایک فریق کو اپنا عقیدہ چھوڑنا ضروری تھا اور اُس پر کوئی راضی نہ تھا۔ ہوسیوس نے یہ حال دیکھ کر اسکندریہ میں زیادہ قیام نہیں کیا اور جلد واپس آکر قسطنطین کو صلاح دی کہ کلیسا کی ایک مجلس کر کے اس نزاع کا فیصلہ کیا جاوے تو بہتر ہو۔ شہنشاہ اِس رائے کو سن کر خوش ہوا۔ اور فوراً اس مضمون سے خطوط جاری کئے گئے کہ ۳۲۵ عیسوی کے ماہ جون میں کل اساقفہ علاقہ بتھنیا کے شہر نیقیہ میں جمع ہوں۔ اسقفوں نے بہت خوشی سے اِس شرکت کو منظور کیا۔ قسطنطین نے تمام ملک میں ڈاک وغیرہ کے انتظام کے لئے بھی پہلے سے تاکیدی احکام جاری کر دیے تھے۔ پس اساقفہ بغیر اپنے صرفے کے آسائش سے منزلیں طے کر کے بہت جلد نیقیہ میں جمع ہو گئے۔ یوسی بیوس لکھتا ہے[1] کہ:۔

"اسقفوں کو اس مجلس میں شرکت کا شوق کئی وجوہ سے تھا۔ ایک تو یہ کہ انکے خیال میں اس مجلس سے نہایت اچھے نتیجے پیدا ہونے والے تھے۔ دوسرے یہ کہ اس وقت ملک میں ہر طرف امن و امان ہے سیر و سفر کا لطف خوب حاصل ہو گا۔ تیسرے یہ کہ شہنشاہ معظم قسطنطین کا دیدار نصیب ہو گا۔ جو ایک نیا اور عجیب منظر ہو گا۔ چنانچہ جب یہ لوگ نیقیہ میں جمع ہو گئے تو یہ

۲۱۲

---

[1] "حیات قسطنطین" ۳، ۶۔

عجیب مجمع اُن کو خدا کی کارسازی کا ایک کرشمہ معلوم ہوتا تھا کہ مختلف رنگ اور طبیعت کے لوگ جو نہ صرف خیالات میں بلکہ مُلک ۔ وطن اور قومیت کے لحاظ سے باہمی فرق رکھتے ہیں اِس وقت ایک ہی شہر کی چار دیواری میں موجود ہیں۔ غرض ان کی نظروں میں یہ مجمع ایک گلدستہ تھا جس میں مختلف رنگ و بو کے پھول آراستہ تھے ۔"

کلیسا کی مجالسِ عمومیہ سے نیقیہ کی مجلس سب سے پہلی مجلس تھی ۔ اِس سے پہلے اس سے بڑھ کر کوئی مجمع نہیں ہوا تھا ۔ اور نہ ہو سکتا تھا کیونکہ شہنشاہ بُت پرست ہوتے تھے اور وہ عیسائیوں کے ایسے ہجوم کو کبھی گوارا نہ کر سکتے تھے ۔ اِس مجمع میں شریک ہونے والوں کی تعداد ٹھیک ٹھیک نہیں دریافت ہوتی ۔ یوسی بیوس لکھتا ہے کہ "اسقف ڈھائی سو سے زیادہ تھے اور اُن کے ہمراہ جو پریسبٹیر اور ڈیکن اور اکولیت (یعنی اسقفوں کے نائب و معتمد و ملازمین جن کا کام کلیسا میں شراب و شمع برداری تھا) اور رنج کے نوکر تھے ان سب کا شمار بے حساب تھا ۔" یہ مجمل و بے سروپا بیان اُن بیانات کی قسم سے ہے جو کسی امر کی تحقیق میں ہمیشہ پریشان کیا کرتے ہیں ۔ کلیسا کے بعض مورخوں نے حاضرین کے ناموں کی فہرستیں لکھی ہیں مگر وہ سب نامکمل ہیں ۔ بہرکیف انعقاد مجلس سے پچاس برس کے اندر کسی طرح یہ مشہور ہوا کہ اسقفوں کی تعداد ۳۱۸ تھی ۔ اور چونکہ مجلس کا نام بھی "تین سو اٹھارہ کی مجلس" مشہور ہو گیا ۔ اس لئے ہم بھی اِس تعداد کو بے چون و چرا تسلیم کئے لیتے ہیں ۔ اضلاعِ مغرب کے بہت کم اسقف اِس مجمع میں شریک ہوئے ۔ ہسپانیہ سے صرف ہوسیوس قرطبہ کا اسقف اور علاقۂ گال سے صرف نکاسیوس جو ڈیویو کا اسقف تھا شریک ہوئے آرل ۔ ایتیں ۔ لائینز (یا لیون) ترلوز ۔ نربونہ ۔ مارسیلس ۔ طلوشہ جو فرانس اور ہسپانیہ کے مشہور و معروف مقامات تھے اُن کا ایک پادری بھی مجلس میں موجود نہ تھا ۔ ایطالیہ میں میلان سے یوتورجیوس اور علاقہ کیلی بریا سے مارکوس اور صقلیہ سے کا پیتو شریک ہوئے ۔ روما کا اسقف سِل وِیسٹر ضرور آتا مگر پیری نے معذور رکھا ۔ اپنی جگہ دو پریسبٹیر یعنی ویتو اور وِنسَن تیوس کو قائم مقام بنا کر مجلس میں بھیجا ۔ علاقۂ پانونیہ کی طرف سے شہر استریدون کا اسقف دومنوس اور شمال کی

وحشی قوموں کا نمایندہ تھیوفیلس قوطی تھا جو غالباً بحث کرنے کے لئے نہیں بلکہ محض بحث سننے کے لئے شریک ہوا تھا۔ پس ظاہر ہوتا ہے کہ مجلس نیقیہ کے ارکان مجلس زیادہ تر شرق کے پادری تھے۔ تقریریں بھی یونانی زبان میں ہوئیں۔ لاطینی زبان استعمال نہیں کی گئی، اور سچ پوچھئے تو جس بدعت پر یہ مناظرہ قائم ہوا تھا وہ بھی یونانی الاصل تھی۔ لاطینی نہ تھی۔ ایریوس بانی بدعت خود اسکندریہ کا رہنے والا تھا جو مدت سے دوسرا خطۂ یونان بنا ہوا تھا۔ لاطینی زبان اور لاطینی مذاق مغربی حصہ سلطنت کی خصوصیات سے تھا۔ پس مغربی بلاد میں ایریوسی مناظرے کی ابتدا ممکن نہ تھی۔ مجمع نیقیہ فی الحقیقت شامی و مصری کلیساؤں کا ایک عظیم الشان مجمع تھا۔ اور شام و مصر ہی کے اساقفہ اُس میں بکثرت شریک ہوئے تھے۔ اور جن عقائد پر اُس میں مباحثہ ہوا وہ بھی خاصکر انطاکیہ اور اسکندریہ والوں کے عقائد تھے ؛

نیقیہ کے بڑے دروازے سے اساقفہ شہر میں داخل ہو رہے ہیں۔ ہر ایک کے ساتھ دو دو پریسبیٹر اور تین تین غلام ہیں کوئی گاڑی میں اور کوئی گھوڑے پر سوار ہے۔ پیچھے پیچھے باربرداری کے جانوروں کی قطار ہے۔ آئیے۔ اب ان بڑے بڑے آدمیوں میں سے چند کے نام آپ کو بتائیں۔ دیکھئے یہ اسکندروس ہے جس کے ہمراہ وادی نیل کے چودہ اور لیبیہ کے پانچ اسقف ہیں۔ ان میں زیادہ مشہور پوتامن ہے جو شہر ہیرکلیوپولس کا اسقف ہے۔ پفنوتیوس علاقۂ تھیبائد سے آیا ہے۔ یہ دونوں یک چشم ہیں بُت پرست بادشاہوں نے جو آخر مرتبہ ظلم کئے تھے اُن میں ان غریبوں کی ایک ایک آنکھ نکلوا ڈالی تھی۔ پفنوتیوس علاوہ ایک آنکھ نہ رکھنے کے لنگڑاتا ہوا بھی چلتا ہے۔ بت پرست ظالموں نے اس کی ران کی ایک رگ بھی کٹوا دی تھی۔ شامی و فلسطینی اسقفوں کے آگے آگے یوستاتھیوس انطاکیہ کا بطریق ہے۔ اسی گروہ میں قیساریہ کا اسقف بھی ہے جس کی نسبت مشہور ہو رہا ہے کہ اُس کا ایمان اب سلامت نہیں ہے۔ ایریوس کے اغوا سے اُس کے دین میں خلل آ گیا ہے۔ اسی طبقے کا دوسرا بڑا آدمی یروشلم کا اسقف میکاریوس ہے۔ یہ اسکندروس کے بڑے معاونوں میں ہے۔ اب ایک دوسرے گروہ کو ملاحظہ کیجئے یہ دور دراز ملک آرمینیا اور رود فرات کے ساحلوں سے آ رہا ہے۔ اسمیں ایران کا یوحنا اور جزیرے کے شہر نصیبین کا یعقوب اور الرہا کا ایطلحہ اور قیساریۂ جدیدہ کا پولوس بھی موجود ہے جسکی کلائیوں پر بت پرستوں نے جلتے ہوئے لوہے سے داغ لگائے تھے۔ یہ دوسرا گروہ جو نظر آتا ہے یہ دور کا نہیں بلکہ قریب کا ہے۔ اس میں اُس ملک کے اسقف ہیں جسکو آجکل

۲۱۴

ہم ایشیا کوچک کہتے ہیں۔ یہ سب نیکومیدیا کے اسقف یوسی بیوس کے پیرو اور مقلد ہیں۔ یوسی بیوس بھی اِس گروہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ موجود ہے۔ اِس گروہ میں ایک تو تھیوجی نوس اسقف نیقیہ ہے۔ دوسرا شہر ایفی سوس کا اسقف مینو فانتوس ہے اور تیسرا کیلسیدون کا ماریوس ہے۔ یہ سب ایریوس کے ہوا خواہ اور عقائد ایریوسی کے پیرو و مددگار ہیں۔ ان کے بعد ایک گروہ تھرلیس۔ مقدونیہ اور یونان کے اساقفہ کا ہے۔ جزیروں سے بھی چند اسقف شرکت کے لئے آگئے ہیں اور قرطاجنہ سے سیسی لیا نوس فرقہ دوناتسی کا مشہور مخالف بھی موجود ہے۔

ایریوس بھی اپنے چند وفادار خادموں کے ساتھ جنھوں نے مصر سے آکر اُس کا ساتھ دیا ہے مجلس میں حاضر ہے۔ چہرے پر تمکنت اور خودداری کی شان جو ہمیشہ رہتی تھی وہ اِس وقت بھی موجود ہے۔ اور دل کو ایک تقویت سی ہے کہ یوسی بیوس اسقف نیکومیدیا کی کوشش اور اعتدالی جماعت کا اثر جس میں قیساریہ کا یوسی بیوس بڑا آدمی تھا اس موقع پر اُس کی مدد کریں گے۔ اسکندروس تو ایریوس کا دشمن چلا ہی آتا تھا اب اُس سے بھی سخت تر دشمن ایک اور پیدا ہو گیا۔ یہ دشمن اسکندریہ میں ایریوس کی غیر حاضری کے زمانے میں پیدا ہوا تھا اور اُس کا قصہ اِس طرح بیان ہوا ہے کہ ایک دن اسکندروس نے اپنے گھر کی کھڑکی سے دیکھا کہ باہر چند لڑکے کھیل رہے ہیں اور کھیل میں گرجا کی نقل اُتارتے ہیں۔ چونکہ یہ نقل اصل سے بہت ہی مطابق تھی اسکندروس نے باہر نکل کر ایسے کھیل سے منع کیا جس میں مذہب کی بے ادبی ہوتی ہو۔ اِس پر ایک جوان لڑکا جو سب کا سرگروہ معلوم ہوتا تھا اسکندروس سے تقریر کرنے لگا۔ اِس تقریر میں اس درجہ خلوص تھا کہ اسکندروس اِس لڑکے کو اپنے گھر لے آیا اور پادری بنانے کی نیت سے اُس کو تعلیم و تربیت دینی شروع کی۔ اِس لڑکے کا نام اَتانا شیوس تھا۔ اور اب پچیس برس کے سن کو پہنچ کر دیکن کی حیثیت سے اسکندروس کے ساتھ نیقیہ کی مجلس میں آیا تھا۔ ذہانت و ریاضت سے اپنے افسر کی طبیعت پر بہت قابو پا گیا تھا۔ بہت ہی کم رُو پستہ قد۔ دبلا سوکھا آدمی تھا۔ مگر اِسی مُشتِ استخوان کی قسمت میں لکھا تھا کہ نیقیہ میں حاضر ہو کر اُس عجیب و غریب دبے مثل شہرت کی بنیاد ڈالے جو ملتِ جاثلیقیہ کی حمایت و تائید میں بالآخر اُس کو حاصل ہوئی ؛

ماہ جون ۳۲۵ عیسوی میں نیقیہ کے خوش منظر شہر میں جو جھیل اسکانیہ کے کنارے سے واقع تھا مجلس کے اجلاس شروع ہوئے۔ اس مجلس کے ساتھ اُن ہی لوگوں کو دلچسپی نہ تھی جو اُس کے ارکان بنکر آئے تھے یا شہر کے رہنے والے عیسائی تھے بلکہ اُن لوگوں کو بھی جو ابھی تک بُت پرست تھے ایسی مجلس کو دیکھنے کا شوق تھا جہاں الٰہیات کے مسائل پر بحث ہو۔ کیونکہ خدا کی اُبوّت اور مسیح کی بُنُوّت کے دقیق مسائل پر مناظرہ کرنا ایک فلسفۂ اشراق کے عالم کے لئے بھی ایسا ہی دلکش تھا جیسا کہ ایک عیسائی اسقف کے لئے۔ بلکہ اس عالم فلسفی کے لیے ایسی دماغی معرکہ آرایوں میں اس کا خوف نہ تھا کہ بحث کے کسی ایسے نتیجے کو تسلیم کرنا لازمی ہو جائیگا جس سے اُس کے موجودہ مذہب میں فرق آئے۔ اُس کے لیئے تو عقل و استدلال کی یہ زور آزمائیاں محض ایک مسرت کا سامان تھیں۔ غرض بہت جلد بحث و تکرار کا بازار گرم ہو گیا۔ مثل ہے کہ یونانی کو یونانی سے ملتے دیر نہیں ہوتی کہ حجت شروع ہو جاتی ہے۔ یہ ہی کیفیت اِس مجلس کی ہوئی کہ ابھی باضابطہ افتتاح بھی نہیں ہوا تھا کہ جو لوگ پہلے سے آگئے تھے انھوں نے ہر نووارد سے مسائلِ حل طلب پر مباحثہ شروع کر دیا۔

اِن ہی بے ضابطہ مباحثوں میں سے ایک مباحثے کا ذکر اکثر مصنفوں کے قلم سے نکلا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک دن ایک بُت پرست فلسفی بڑی خوش بیانی سے لوگوں کے سامنے تقریر کر رہا تھا اور بیچ بیچ میں مذہب عیسوی کے اسرار اور رموز کی ہنسیاں بھی اُڑاتا جاتا تھا جس پر سننے والے خوب قہقہے لگاتے تھے۔ بار بار کہتا تھا کہ جس کسی کو میرے دلائل کے باطل کرنے کا دعوےٰ ہو وہ سامنے آئے۔ اتنا سن کر ایک بڑا سیدھا سادا سا بڈھا عیسائی جو باوجود بُت پرستوں کے ظلم کے اپنے دین کے اقرار سے نہ پھرا تھا سامنے آیا۔ یہ غریب نہ منطق جانتا تھا اور نہ مناظرے کے فن سے واقف تھا۔ مگر ہمت کر کے معترض کے مقابلے پر جو ہیں بڑھا تو حاضرین میں سے بعض نے قہقہہ لگایا۔ عیسائیوں کے یہ ہوش اڑے کہ فلسفی بولنے میں بڑا مشاق ہے اور یہ بڈھا عیسائی کچھ جانتا نہیں ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ مفت میں ہنسی اُڑے اور شرمندگی اُٹھانی پڑے۔ لیکن عیسائیوں کا یہ تردد جلد رفع ہو گیا۔ اِس پیر کہن سال نے مقابلے پر آتے ہی للکار کر کہا "بنجی یسوع مسیح" "اے فلسفی۔ ذرا سُن لے" اور اتنی تمہید کے بعد نہایت خالص

216

ایمان اور بے ریا اعتقاد سے دین مسیحی کے ضروری عقائد ٹوٹے پھوٹے بے ربط الفاظ میں بلا بیان کرنے لگا۔ اور اصل بحث سے بالکل بے تعلق ہو کر فلسفی سے بہ آواز بلند کہا کہ "اگر ان باتوں پر تیرا ایمان گواہی دیتا ہو تو کہدے کہ ہاں میں اُن کو مانتا ہوں"۔ فلسفی یہ فقرہ سن کر نہایت متاثر ہوا اور یکلخت بول اُٹھا کہ "ہاں مجکو ان باتوں پر ایمان ہے"۔ اتنا سنتے ہی تمام مجمع حیرت سے بُت بن گیا۔ اِس واقعے کے بعد کہا جاتا ہے کہ فلسفی نے اپنے دوستوں میں بیان کیا کہ جس وقت وہ بڈھا عیسائی گفتگو کرنے لگا تو اُس وقت معلوم ہوتا تھا کہ کوئی پر ہیبت ذات یا یہ قوت ہے جو عیسائی مذہب قبول کرنے پر مجکو مجبور کرتی ہے۔ مورخ سوزومن نے اِس قصے کو اسی طرح بیان کیا ہے لیکن سقراطیس لکھتا ہے کہ بڈھے عیسائی نے فلسفی سے کہا تھا کہ "ہم کو مسیح اور مسیح کے رسولوں نے مناظرے کا علم اور دھوکا دینے کا فن نہیں سکھایا تھا۔ بلکہ وہ صاف اور پاک عقیدہ بتایا تھا جس کا سہارا صرف ایمان اور اعمال نیک ہیں"[1]۔ مگر ہم جس وقت اُن منطقی موشگافیوں کی کثرت پر نظر کرتے ہیں جن میں اریوسی عقیدے پر بحث کرنے والے نیقیہ کے اجلاسوں کے وقت یا اُس کے بعد مصروف ہوئے تو پھر یہ واقعہ کسی قدر بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ایک بُت پرست فلسفی طبقۂ ظلمت چھوڑ کر عالم نور میں اس طرح آسانی سے چلا آیا ہو۔

بہرکیف یہ امر یقینی ہے کہ نیقیہ میں جو لوگ جمع ہوے تھے اُن میں اکثر اسی بڈھے عیسائی کی قماش کے لوگ تھے۔ یعنے معمولی گاؤں گوپں کے آدمی تھے جن کو دینیات کی تعلیم مطلق نہ تھی۔ اُن کے علاقوں کے سیدھے سادے عیسائیوں نے اُن کو اسقفی کے درجے پر منتخب کرلیا تھا اور محض اُن کی نیک بختی اور ایمانداری اِس انتخاب کا باعث ہوئی تھی۔ ان ہی خوبیوں کا ایک شخص قبرس کا اسقف اسپی ریڈیون تھا جس کے ظاہر و باطن۔ گفتگو اور لباس سب چیزوں سے معلوم ہوتا تھا کہ بھیڑ بکریوں کا چرانے والا ہے۔ اس کے ساتھ طبیعت میں کچھ گستو ار ونداق بھی تھا۔ اُس کی نسبت بہت سے قصے مشہور ہیں۔ انمیں سب سے زیادہ دلچسپ قصہ یہ ہے کہ شہنشاہ کا نوید سنتے ہی اسپی ریڈیون اور اس کا ڈیکن (نائب) دو خچروں پر سوار ہو نیقیہ کے قصد سے چل پڑے۔ ایک خچر سرنگ تھا

۲۱۷

[1] سقراطیس۔ ۱، ۸۔

دوسرا نقرہ چلتے چلتے راستے میں ایک سرائے آئی۔ یہاں اور بہت سے پادری نیقیہ کے جانے والے اُترے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے جب اسپی ریدیون اور اُس کے ڈیکن کو دیکھا تو دل میں سوچنے لگے کہ یہ گنوار نیقیہ پہنچ کر سب کو ذلیل کرائیں گے۔ جس وقت شہنشاہ معظم کے دربار عالیشان میں یہ لوگ اس برزخ سے پہنچیں گے تو کچھ عجیب شکل پیدا کریں گے۔ بہتر ہو کہ یہ نیقیہ تک پہنچنے ہی نہ پائیں۔ چنانچہ جب رات ہوئی تو ان پادریوں نے دونوں خچروں کے سر کاٹ ڈالے اور سمجھے کہ اب اُن کے سوار آگے نہ بڑھ سکیں گے۔ جب دن نکلنے کو ہوا تو سب سے پہلے ڈیکن کی نظر خچروں پر پڑی۔ اُس نے دوڑ کر اسپی ریدیون کو جگایا اور کہا کہ خچروں کا تو کسی نے سر کاٹ ڈالا ہے۔ اسپی ریدیون جو ابھی چرپائی سے اُٹھا بھی نہ تھا کروٹ بدل کر بولا "تو پھر اس میں گیا کیا ہے۔ جاؤ اور خچروں کے سر اُن کے دھڑوں پر لگادو۔" ڈیکن نے یہی کیا۔ جونہی دھڑوں پر سر لگائے گئے خچر فوراً کھڑے ہو گئے گویا اُن کو کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ جب دن زیادہ روشن ہوا تو معلوم ہوا کہ ڈیکن نے گھبراہٹ میں ایک خچر کا سر دوسرے خچر کے دھڑ پر لگادیا ہے۔ نقرے کا سر سرنگ پر اور سرنگ کا سر نقرے پر لگ گیا ہے۔ لیکن اسپی ریدیون نے اس غلطی کی تصحیح کے لئے پھر کوئی کرامات دکھانے کی ضرورت نہ سمجھی اور خچروں نے بھی اس الٹا پلٹی سے کچھ بے چینی یا تکلیف محسوس نہیں کی۔

مجلس کے ابتدائی جلسے نیقیہ کے بڑے گرجا میں شروع ہوئے اور قسطنطین کی آمد تک وہیں بدستور جاری رہے۔ ۳ جولائی ۳۲۵ء کے بعد یعنی لائی سی نیوس پر فتح پانے کی سالگرہ کے بعد شہنشاہ بھی نیقیہ میں وارد ہوا۔ اُس کے آتے ہی مجلس کا باضابطہ افتتاح شاہی محل کے بڑے ایوان میں ہوا۔ یوسی بیوس نے اس موقع کی کیفیت خوب لکھی ہے۔[1] جن لوگوں کو خاص طور پر مدعو کیا گیا تھا وہ کرسی صدر کے چپ و راست ایک ایک صف میں اپنی اپنی جگہ پر بمؤدب بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں سب پر انتظار کا سکوت چھا گیا جب شہنشاہ کی آمد کا وقت قریب آیا تو وہ لوگ جو مقربین خاص سے تھے آنے شروع ہوئے۔ یوسی بیوس لکھتا ہے کہ اس مجمع میں کوئی بت پرست سپاہی یا فوجی افسر ہتھیار لگائے ہوئے

۲۱۵

[1] حیات قسطنطین ج ۳ ، ۱۰ ؛

نہ تھا "صرف وہ محبان باصفا جمع تھے جو مسیح پر ایمان لا چکے تھے" + جس وقت اشارہ ہوا کہ شہنشاہ آتا ہے تو تمام مجمع سروقد کھڑا ہو گیا۔ قسطنطین ایوان میں داخل ہوا۔ لباس از سرتاپا طلاکار و قیمتی جواہرات سے مرصع تھا۔ روشنی کی شعاعیں جواہرات پر لوٹتی تھیں۔ اور ہر جنبش پر نئی آب و تاب سے اپنی جھلک دکھلاتی تھیں۔ شہنشاہ حاضرین کی صفوں میں سے اسطرح گذرا جیسے خدا کا نورانی فرشتہ آسمان سے اتر کر انسانوں میں سے گذرے۔ یوسی بوس جس کو غالباً شاہی تقرب کی وجہ سے ان باتوں میں بہت ہی دقیق نظر حاصل ہو گئی تھی لکھتا ہے کہ شہنشاہ اپنی ظاہری صورت ہی میں ایک نور کا پتلا نہ معلوم ہوتا تھا بلکہ اُس کا باطن بھی دین کی غمخواری اور خداترسی سے حُسن و خوبی کا معدن بنا ہوا تھا۔ اور یہ کیفیت اُس کی نیچی نظروں، شرمسار چہرے کی سرخی اور رفتار کی متانت سے ثابت ہوتی تھی + صفوں سے گذر کر شہ نشین پر آیا اور حاضرین کے سامنے مُنہ کئے کچھ دیر کھڑا رہا۔ اتنے میں سونے کی ایک نیچی کرسی اُس کے لئے رکھی گئی۔ اور جب اسقفوں نے اشارہ کیا تو کرسی پر بیٹھ گیا شہنشاہ کے بیٹھتے ہی کل حاضرین اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس مجمع میں بہت سے پادری اور اسقف ایسے تھے جنھوں نے اس سے پہلے کبھی قسطنطین کی صورت نہیں دیکھی تھی اور وہ بے انتہا شوق سے اُس شہنشاہ کو دیکھتے تھے جس نے اُن پر اور اُن کے کلیسا پر بے شمار احسان کئے تھے + قسطنطین بھی آج اپنی اس تعظیم و تکریم کو دیکھ کر دل میں خوش ہوتا ہے اور خدا کا شکر بجالاتا ہے۔ کسی قدر اُس کی طبیعت پر خوف بھی ہے کہ جن لوگوں میں اس وقت بیٹھا ہوں یہ ہی اُس خدا کے بتانے اور ظاہر کرنے والے ہیں جس کی بندگی میں نے

219

قبول کی ہے۔ اگر یہی مجمع بت پرستوں کے کاہنوں اور فال گیروں کا ہوتا تو نہ نظریں اسطرح نیچی ہوتیں اور نہ چہرے پر شرمساری کی سرخی دوڑی ہوتی اور نہ حرکات و سکنات سے نرمی و حلم کا اظہار ہوتا۔ بلکہ ایسی صورت میں جس وقت شہنشاہ صدر انجمن بنکر بیٹھتا تو بجز اس کے کچھ نہ سمجھتا کہ جس قدر مرشدان بُت پرستی حاضر ہیں اُن کا بڑا پیر میں ہی ہوں اور محض بندہ ہی نہیں ہوں بلکہ بندوں کا معبود بھی ہوں +

یوسی بوس لکھتا ہے کہ جب شہنشاہ کرسی پر بیٹھ لیا اور حاضرین نے اُس کی تشریف آوری پر اظہار فخر و مباہات کر لیا تو شہنشاہ اُٹھا اور اُس نے لاطینی زبان میں ایک مختصر سی تقریر کی جس کا ترجمہ یونانی زبان میں سب کو اُسی وقت سنا دیا گیا + اس تقریر میں

شہنشاہ نے بیان کیا کہ مجکو ایسی مجلس میں شریک ہونے سے نہایت مسرت ہے جو ایک ہی رشتۂ خیال میں منسلک ہونے سے تن واحد کا حکم رکھتی ہے۔ اور میں دعا کرتا ہوں کہ کوئی بدخواہ آپ کے اِس اتحاد میں فرق پیدا نہ کرسکے۔ کیونکہ خدا کے کلیسا میں نفاق کا ہونا تیروتلوار کی لڑائی سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔ پھر نہایت چیدہ و موثر الفاظ میں اُس نے اتفاق رکھنے کی نصیحت کی اور حاضرین سے درخواست کی کہ "اے عزیز دوستو۔ اِس حیثیت سے کہ خدا کی باتیں سنانے والے لوگ ہو اور ہمارے خداوند پاک معطی نجات کے وفادار بندے ہو۔ پس اسی وقت سے نفاق کی جس قدر باتیں ہوں اُن کو چھوڑ دو اور آئین دوستی کو پیش نظر رکھکر اِس مناظرے کی مشکلات کو حل کرو۔ سامعین پر اِس تقریر کا بہت اثر ہوا۔ اور اُس کے بعد جو کچھ شہنشاہ سے عملاً ظہور میں آیا اُس نے اِس اثر کو اور بھی دوبالا کردیا۔ قسطنطین جس وقت نیقیہ میں وارد ہوا تھا تو بہت سی عرضیاں اُسکے سامنے پیش ہوئی تھیں۔ ان میں ایک اسقف نے دوسرے اسقف کو کہیں تو کسی بدعت سے متہم کیا تھا اور کہیں بغاوت اور لائی سی نیوس سے سازش رکھنے کا الزام دیا تھا۔ جو قسطنطین کا حریف مقابل تھا اور حال میں اُس کی قوت کا قطعی استیصال ہوگیا تھا۔ سقراطیس لکھتا ہے کہ اساقفہ میں زیادہ تر لوگ ایسے تھے جنھوں نے آپس میں ایک دوسرے کو کسی نہ کسی جرم کے ساتھ متہم کیا تھا۔ مگر قسطنطین نے کسی کی شکایت نہ سنی اور بھرے مجمع میں اپنی عبا کی جیب سے ایک مُٹھا عرضیوں کا نکالا اور ایک انگیٹھی منگواکر اُس کو دہکتی آگ میں ڈال دیا۔ اور قسم کھاکر کہا کہ اِن میں سے ایک عرضی بھی نہ میں نے کھولی ہے اور نہ پڑھی ہے۔ اس کے بعد کہا کہ "مسیح اِس بندۂ ناچیز کو جو خود امیدوار معافی ہے حکم دیتا ہے کہ جو بھائی غلطی پر ہو اُس کو معاف کرنا چاہیئے۔" یہ ہدایت حقیقت میں نہایت شریفانہ تھی اور حاضرین کو اُس سے نصیحت پکڑنی چاہیئے تھی۔ یہ نصیحت اِسی صورت میں اچھی معلوم ہوتی تھی لیکن تھیودوریٹوس نے اُس کو کسی قدر بڑھاکر بیان کیا ہے اور شہنشاہ کی زبان سے اِس خطرناک اصول کو ادا کیا ہے کہ اگر اساقفہ گناہ کے مرتکب بھی ہوں تو اُن کے گناہوں کو چھپا دینا چاہیئے۔ تاکہ جن لوگوں کو اُن سے ارادت ہو وہ ندامت و ذلت سے بچے رہیں اور خطاکاری کی طرف مائل نہوں۔ شہنشاہ کا قول تھا کہ اگر میں کسی اسقف کو کسی بری بات میں دیکھوں گا تو بھی اپنے کندھے سے چادر اتار کر اُس پر ڈال دوں گا تاکہ بُرے

۲۲۰

افعال کی شہرت سے جو برائیاں عوام میں پھیلتی ہیں وہ نہ پھیلنے پاویں۔
غرض کہ مجلس نیقیہ کا افتتاح اس طریقے پر ہوا جو اوپر بیان کیا گیا شہنشاہ نے اپنی تقریر سے خاص اپنی ذات کے متعلق اچھا اثر پیدا کیا۔ اور اپنے خیالات کے اظہار سے اپنی حوصلہ مندی اور کرم گستری کی بہتر سے بہتر مثال پیش کی۔ مگر افسوس ہے کہ بادشاہ کی نصیحت پر کوئی نہ چلا جونہی مجلس کی باضابطہ کارروائی شروع ہوئی مناظرے میں جوش و خروش کی وہ طغیانی ہوئی جیسے کہ کسی جھیل کا بند ٹوٹ کر سیلاب آتا ہو۔ یوسی بیس لکھتا ہے کہ جب تک بحث جاری رہتی تھی شہنشاہ برابر مجلس میں حاضر رہ کر فریقین کی گفتگو کو بغور سنتا تھا اور جہاں تک ممکن ہوتا تھا اگر بحث میں ذرا سا پہلو بھی مل جاتا تھا تو مصالحت کی طرف سب کو لانے کی کوشش کرتا تھا۔ افسوس ہے کہ اس مجلس کی جس قدر کیفیتیں دستیاب ہوتی ہیں وہ ناتمام ہیں۔ یہاں تک کہ یہ بھی کہیں صاف بیان نہیں ہے کہ صدر انجمن کون کون لوگ ہوئے تھے۔ شہنشاہ کی صدارت محض اعزازی تھی۔ اصلی صدر غالباً پوپ سِل وسیٹر کے معتمدین تھے۔ یعنی ایک ہوسیوس قرطبی اور دو پریس بیٹر یعنے ویتو اور ونسن تیوس۔ صدر انجمن کے معاملے میں کہ فی الحقیقت کون لوگ اس عہدے پر ممتاز ہوئے ایک علٰحدہ بحث ہوئی ہے جس کا لکھنا ہم یہاں ضروری نہیں سمجھتے۔

۲۲۱

جس مسئلے پر مناظرہ قائم ہوا تھا اُس کے متعلق مجلس کا عام خیال جلد ظاہر ہو گیا۔ ایریوس نے جس کو مجلس نے ملزم کی حیثیت دے رکھی تھی کہ گویا اُس کو اپنی صفائی کا ثبوت دینا ہے اپنے دعوے کو نہایت صاف اور روشن الفاظ میں بیان کیا۔ اگر چاہتا تو وہ بھی فلسفۂ الٰہیات کے دَل بادل میں اپنے عقیدے کو اس طرح لپیٹ کر بیان کرتا کہ اُس کا سمجھنا سب کو دشوار ہو جاتا۔ مگر اُس نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ ایک خلاصہ اپنے عقائد کا پہلے سے تیار کر لایا اور اس طرح بہت اطمینان سے اصلی مسئلہ اور اُس سے جو فروعی مسائل پیدا ہوئے ان سب کی تائید کے لئے مستعد ہو گیا۔ مجلس میں فوراً فریق قائم ہو گئے۔ ایک فریق وہ تھا جو بالکل ایریوسی عقیدے کا پیرو تھا۔ یہ جس قدر تعداد میں کم تھا اُسی قدر قوت میں زیادہ تھا۔ دوسرا فرقہ مطلقاً تالوئی تھا جس کی سرگروہی کا حق نوجوان اتھاناشیوس بڑی لیاقت سے ادا کر رہا تھا۔ جس قدر زمانہ گذرتا گیا اس کام میں اُس کی شہرت کو ترقی ہوتی گئی۔ تیسرا فریق ان دونوں فریقین

سے بین بین تھا۔ اس کا سرگروہ یوسی بیوس اسقف نیکومیدیا تھا جس کو نہ صرف دیرینہ تعلقات کے خیال سے بلکہ عقلاً و معناً ایریوس سے بہ نسبت اثاناشیوس کے زیادہ ہمدردی تھی۔ گو اُس پر یہ بات بخوبی ظاہر تھی کہ مجلس میں ایریوس کے مخالف کثرت سے ہیں اور یہ امر بھی یقینی ہے کہ اُس کے عقیدے کی بہت جلد تکفیر کردی جائیگی۔ مگر یوسی بیوس نیکومیدی کے فریق کا خیال ضرور تھا جیسا کہ اب تک اس مسئلے پر بحث کرنے والوں کا خیال ہے کہ یہ مقدمہ وہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ عقل کی عدالت سے اُس کا فیصلہ ہو گیا تو پھر ایمان کے دربار میں اُس کا اپیل دائر نہیں ہو سکتا جو لوگ اس معاملے میں عقل سے انصاف کے طلبگار ہوتے تھے اُن سے پھر یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ قائل و معقول ہونے کی حالت میں بگڑ کر اپنا دعوے اُٹھا لیں اور عقل کو مغرور قرار دیکر اُس کے فیصلے کو تسلیم نہ کریں۔ یوسی بیوس اسقف نیکومیدیا کو اُس کے دشمنوں نے بدنفس و خودغرض اور طالب دنیا تصور کیا۔ لیکن ہمارے نزدیک وہ ایسا آدمی نہ تھا۔ بلکہ وہ ہمیشہ افسوس کرتا رہا کہ ایریوسی مسئلہ پیدا ہی کیوں ہوا۔ کیونکہ اُس کو شروع ہی سے یقین تھا کہ یہ بحث کلیسا میں نفاق پیدا کر کے اُس کے دو ٹکڑے کر دے گی۔ وہ ہرگز اس بات کو پسند نہ کرتا تھا کہ بنوّت مسیح کی اصلی فطرت کی کوئی منطقی تعریف قائم کر کے اُس کو اس درجہ وقعت دی جائے کہ محض اُس کے ماننے پر نجات کا انحصار ہو اور اِس تعریف کو عقیدۂ مذہب کا اصلی جزو قرار دیا جاوے۔ بلکہ اس بحث کو ہر شخص کی سمجھ یا ایمان پر چھوڑ دینا چاہیئے کہ جس طرح چاہے اُس کو سمجھے اور مانے۔ لیکن جب یہ مشکل مسئلہ ایک مرتبہ معرض بحث میں آگیا تو پھر اُس نے ایریوس کا ساتھ دینا مقتضائے ایمان سمجھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس بات پر بھی غور کیا کہ مسیح کے پیراہن سالم کے پرزے اُڑانا ایسا سخت گناہ ہے جس سے بچنا بھی ضروریات سے ہے۔ پس یوسی بیوس کی دلی خواہش تھی کہ فریقین میں مصالحت ہو جاوے۔ ایریوس اُس کا پرانا ملنے والا تھا۔ اور قسطنطین جو یوسی بیوس کا سرپرست تھا چاہتا تھا کہ عیسائیوں میں اتفاق رہے۔ یوسی بیوس کو اس معاملے میں اپنا مسلک اختیار کرنے میں ایریوس کی دوستی کے ساتھ شہنشاہ کی مرضی کا خیال رکھنا بھی ضروری تھا گو یہ نہیں معلوم کہ یہ ضرورت کس درجہ اور قوت کی تھی۔

مجلس کے بعض جلسوں میں بڑا طوفان بے تمیزی اُٹھا۔ اثاناشیوس لکھتا ہے

۲۲۲

کہ جب ایریوس کی مصنفہ نظم "نشاط" (تھالیہ) کے اشعار پادریوں نے سنے تو ہر طرف سے لعنت و تکفیر کی بوچھار ہونے لگی۔ بہت لوگوں نے آنکھیں بند کر کے کانوں میں انگلیاں دے لیں کہ ایسے کفر کے کلمے نہ سنائی دیں۔ قصہ مشہور ہے کہ اس موقع پر مایرا کے اسقف شنت نکولس کو ایسا غصہ آیا کہ اُس نے ایریوس کے مُنہ پر زور سے ایک طمانچہ اس لئے مارا کہ ایسی بے دینی کی باتیں کیوں زبان سے نکالیں۔ یھیو دورتیوس لکھتا ہے کہ ایریوسیوں نے ایک خلاصۂ مذہب یا متفقہ عقیدے کا مسودہ تیار کیا جس کو اختیار کرنے پر وہ سب آمادہ تھے لیکن جب وہ مسودہ مجلس کے سامنے پڑھا گیا تو فریقِ مخالف نے اُس کو بالکل بے اصل و باطل سمجھا۔ اور جس کاغذ پر وہ لکھا تھا اُس کو وہیں پھاڑ کر پُرزے پُرزے کر دیا۔ اس کے بعد البتہ ایک قابلِ تعریف کارروائی یہ ہوئی کہ مسئلہ بُنُوّت مسیح پر بالکل شروع سے بحث کی گئی۔ اور شکلِ اول یہ پیش ہوئی کہ بیٹا خدا سے ہے۔ ثالوثیوں نے کہا۔ "ہم نے مانا۔" ایریوسیوں نے بھی کہا کہ "ہم نے مانا۔" انجیل کی اس سند پر کہ "خدا ہے مگر ایک۔ وہ ہی باپ ہے جس سے سب چیزیں ہیں" اتنا کہکر ایریوسی خاموش ہو گئے۔ اب ثالوثیوں کی طرف سے سوال ہوا "کیا تم اتفاق کرتے ہو کہ بیٹا باپ کی اصلی قوت و شبیہ ہے۔ اُس سے علیحدہ نہیں ہے اور ناقابلِ تغیر ہے؟" ایریوسیوں نے کچھ دیر آپس میں گفتگو کرنے کے بعد جواب دیا "ہاں ہم کو اس سے بھی اتفاق ہے کیونکہ انجیل میں آیا ہے کہ "انسان خدا کا جلال اور اُس کی شبیہ ہے" "کیونکہ ہم جو زندہ ہیں مسیح کی خاطر موت کے حوالے ہوتے ہیں"۔" یہ جواب سنکر ثالوثیوں نے پھر سوال کیا کہ کیا تم تسلیم کرتے ہو کہ "بیٹا اصلی خدا ہے"۔ اِس پر ایریوسیوں نے جواب دیا "ہاں وہ اصلی خدا ہے بشرطیکہ وہ ایسا مصنوع ہوا ہو"۔ اثاناشیوس لکھتا ہے کہ جو وقت یہ عجیب و غریب سوالات ہو رہے تھے تو میں دیکھتا تھا کہ "ایریوسی آپس میں سرگوشیاں اور ایک دوسرے کی طرف آنکھوں سے اشارے کرتے تھے"۔ ہمکو افسوس ہے کہ اِن حالات کے متعلق کسی ایسے شخص کی تحریر دستیاب نہیں ہوتی جو طرفداری کے عیب سے پاک ہو۔ اثاناشیوس نے ایک خط افریقہ کے اسقفوں کو

۲۲۳

۲۲۴ لکھا تھا۔ اِس تحریر میں ایریوسیوں کا ذکر جس قدر وحشیانہ سخت کلامی سے کیا ہے اُس سے قیاس ہوتا ہے کہ مجلس کے جس قدر حالات اُس کے قلم سے نکلے ہیں وہ یقین کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ بخیال خود ایریوسیوں کے مکروفریب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "وہ خود نجاست میں آلودہ ہیں اِس لئے اُن کی دلائل بھی نجس ہیں"۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اِس مناظرے کے ابتدائی زمانے میں جس قدر دریدہ دہنی و زشت گوئی نظر سے گذرتی ہے وہ زیادہ تر ثالوثیوں کی جانب سے پائی جاتی ہے۔

مناظرہ خوب زور و شور سے چل رہا تھا کہ اتفاق سے کسی نے ہوموا وسیون کا لفظ استعمال کیا۔ (یہ لفظ دو یونانی لفظوں سے مرکب تھا۔ ایک ہوموجس کے معنی ہیں "ایک ہی" اور دوسرا اوسیا جس سے مراد "جوہر" یا "اصل مادہ" ہے) کہا جاتا ہے کہ یہ عجیب لفظ سب سے پہلے یوسی بیوس اسقف نیکومیدیا کی زبان سے نکلا تھا۔ اور حیرت یہ ہے کہ فریق مخالف کا وہ بہت جلد تکیہ کلام ہوگیا۔ یوسی بیوس نے اِس لفظ کو اِس غرض سے استعمال کیا تھا کہ ثالوثیوں کے خلاف جو دلیل رکھتا تھا اُس میں ادائے مطلب کے لئے یہ لفظ ایسا مختصر اور پُر معنی تھا کہ اُس کے استعمال سے تقریر کی بندش چست ہو جاتی تھی۔ ثالوثیوں کے خلاف جو دلیل تھی وہ یہ تھی کہ اگر ثالوثی بیٹے کو اصلی خدا مانتے ہیں تو اُس کے معنی یہ ہوئے کہ انھوں نے بیٹے کو اسی جوہر سے مان لیا جس جوہر سے باپ ہے۔ اِس پورے خیال کو محض ایک لفظ ہوموا وسیون ادا کردیتا تھا۔ اور اِسی اختصار کی غرض سے یوسی بیوس نے اُس کو استعمال کیا تھا۔ فریق مقابل نے جب اِس لفظ کو سنا تو فوراً انھوں نے اُس کو اختیار کرلیا کیونکہ اِس ایک لفظ سے اُن کا پورا عقیدہ بیان میں آجاتا تھا۔ اور اُن اعتراضات کے ادا کرنے میں بھی مدد ملتی تھی جو وہ ایریوسیوں کے خلاف لاتے تھے۔ لیکن پیشتر اِس سے کہ اِس لفظ پر بڑی بڑی معرکہ آرائیاں ہوں اُس فریق نے جو بحث میں اعتدال کو مدِنظر رکھنا چاہتا تھا ایک نئی صورت مصالحت کی پیش کی۔ یعنی یوسی بیوس قیساروی نے ایک عقیدۂ متفقہ (کریڈ) جو اُس کے علاقے کے عیسائیوں میں مروج تھا سب کو پڑھ کر سنایا۔ قسطنطین نے بھی اِس عقیدے کو غور سے پڑھا اور پڑھ کر پسند کیا اور غالباً یہ لفظ کہے کہ جس طرح میں نے اُس کو

پسند کیا ہے اُسی طرح مجلس کے جملہ فریق بھی اُس کو پسند کریں گے" یہ عقیدہ متفقہ حسب ذیل تھا:-

"میں ایمان لاتا ہوں ایک خدا پر جو باپ اور مالک سب چیزوں کا ہے اور پیدا کرنے والا ہے تمام چیزوں کا جو نظر آتی ہیں اور جو نظر نہیں آتیں۔ اور ایمان رکھتا ہوں ایک یسوع مسیح پر جو کلمہ ہے خدا کا۔ خدا ہے خدا کا۔ نور ہے نور کا۔ اور زندگی ہے زندگی کی۔ وہ خدا کا پسر وحید ہے اور پہلے پیدا ہوا ہے ہر ایک مخلوق سے۔ پیدا ہوا ہے باپ سے تمام عالموں کے پیدا ہونے سے پہلے اور تمام چیزیں بھی اُسی نے بنائی ہیں۔ وہ مجسم کیا گیا ہماری نجات کے لئے اور زندہ رہا آدمیوں میں اور صلیب پر چڑھایا گیا اور پھر اٹھا تیسرے دن اور چڑھ گیا آسمان پر باپ کے پاس اور وہ آئیگا جلال کے ساتھ زندوں اور مُردوں میں عدل کرنیکے لئے۔ اور میں ایمان رکھتا ہوں روح القدس پر"۔

اس واقعے کے کچھ عرصے کے بعد یوسی بیوس قیساروی نے اپنے کلیسا کے لوگوں کو لکھا کہ۔

"جب ہمارا عقیدہ پڑھا گیا تو کسی کو اُس سے انکار کرنے کی گنجائش نظر نہیں آئی۔ ہمارے نیک نہاد شہنشاہ نے سب سے پہلے اس امر کی تصدیق کی کہ اُسمیں ملت جاثلیقیہ کے تقریباً کل عقائد موجود ہیں۔ شہنشاہ نے اقرار کیا کہ یہ ہی عقائد اُس کے بھی ہیں۔ اور حاضرین کو نصیحت کی کہ ہمارے متفقہ عقیدے سے وہ بھی اتفاق کریں اور اُس کے کل مضمون کو محض ایک جملے کے اضافے سے ہے کہ "خدا اور مسیح ایک ہی جوہر ہیں" تسلیم کرلیں"۔

حقیقت میں یوسی بیوس قیساروی کا خلاصۂ مذہب یا متفقہ عقیدہ ایسا تھا جس میں کسی کو اعتراض کا موقع نہ تھا۔ اور ایریوس اور اسکندروس دونوں اُسکو بخلوص نیت وایمان قبول کرسکتے تھے مگر وہ اصلی مسئلہ جس کے لیے مجلس قائم ہوئی تھی بغیر تصفیہ کے رہا جاتا تھا۔ علاوہ بریں یہ خلاصہ مذہب ایسا نہ تھا جو قطعی طور پر جامع ومانع ہو۔ اُس میں طرح طرح کی بدعتیں پیدا ہونے کی گنجائش نکلتی تھی پس ناتوتوق نے اصرار کیا کہ اُس میں چند الفاظ ایسے اور بڑھنے چاہئیں جن سے باپ اور بیٹے کے

تعلق اور اِن دونوں کی فطرت اور جوہر کی تعریف اس طرح ہو کہ بیٹے کی شان اور الوہیت بے کم و کاست قائم رہے۔ پس انھوں نے بیٹے کی نسبت یہ جملہ کہ "مولودہوا نہ کہ مصنوع" بطور معارضے کے اور بڑھانا چاہا تاکہ ایریوسیوں کے اِس اعتقاد کی کہ بیٹا مخلوق و حادث ہے نفی ہو جاوے۔ غرض اس طرح ہوموا وسیون کے لفظ کو جو پہلے مخالف کی زبان سے نکلا تھا اثاناسیوں نے خاص اپنی اصطلاح بنالیا۔ یہ لفظ وہ ہے جس سے مجلس نیقیہ کی شہرت نہ صرف ایمان رکھنے والوں میں ہوئی بلکہ جو لوگ اہلِ شک سے تھے اُن میں بھی یہ مجلس مشہور و معروف ہوگئی۔

۲۲۶

ڈین اسٹینلی اپنی کتاب "کلیسائے مشرق کی تاریخ" میں خوب لکھتا[1] ہے کہ "یہ لفظ اُن حیرت انگیز الفاظ میں سے ہے جو فلسفہ اور دینیات کے میدان میں جھگڑے سے پہنچ گئے۔ اور پھر انسان کی طبیعت پر اُن کو ایک قابو حاصل ہوگیا"۔ لفظ ہوموا وسیون کی تاریخی سرگذشت جو زیادہ پرانی نہیں ہے عجیب ہے۔ کبھی اُس نے آرتھوڈکس (صحیح ایمان رکھنے والوں) کا ساتھ دیا اور کبھی اہلِ بدعت کا۔ مگر اس پر تعجب کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس لفظ کا ایک جزو یعنی "اوسیا" کے معنی بہت مشتبہ ہیں اور فلاسفہ نے اُس کو اکثر نہایت مبہم معنوں میں استعمال کیا ہے"۔

ڈین اسٹینلی لکھتا ہے کہ "اِس لفظ کو پہلی مرتبہ بہت واضح صورت میں ایری نیوس نے والن تنوس کے عقائد کو بیان کرنے میں استعمال کیا تھا پھر دایونی سیوس اور تھیوگنوستس اسکندرانی کی تحریروں میں اُس کے معنی کچھ مدت کے لئے جاثلیقی مذہب کے مطابق سمجھے گئے۔ پھر اُس کے مفہوم کا کسی قدر تعلق مذہب مانویہ کی تعلیم سے سمجھا گیا۔ پھر جس وقت انطاکیہ میں ایک مذہبی کونسل پولوس ساموساتی کے خلاف قائم ہوئی تو جاثلیقی اور غیر جاثلیقی میں تمیز اسی لفظ کے استعمال سے کی جاتی تھی۔ پھر اسی کونسل نے اِس لفظ کے استعمال کو سابیلی مذہب سے منسوب کردیا"۔

پس ظاہر ہے کہ یہ لفظ ایسا نہ تھا جس کو سُنتے ہی اُس پر اعتقاد قائم کرلیا جاتا گذشتہ زمانے میں اس لفظ کو ایسے اجنبی ادیان و عقائد سے تعلق رہا تھا کہ اب

---

[1] خطبہ ۴ ۔

اُس کے استعمال پر اریوسیوں کا یہ اعتراض کچھ بے جا نہ تھا کہ ثانُوثی فرقہ یونانی فلسفہ کی عجیب و غریب باریکیوں کو مذہب میں داخل کر رہا ہے اور ایک سیدھے سادے دین اور مسیح اور اُس کے رسولوں کے پاک و صاف کلام میں اغیار کے خیالات وعقائد جاری کرتا ہے۔ اثناناشیوس اُس کا جواب یہ دیتا تھا کہ اریوسی خود یہی کر رہے ہیں۔ اور وہ سامنے آکر بتائیں کہ اریوس نے جو جملے اور اصطلاحیں استعمال کی ہیں اُن کا وجود انجیلوں میں کہاں ہے۔ ہمارے خیال میں آج کل کے علمارِ مذہب عیسوی نے بہت وثوق کے ساتھ اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ عیسائی مذہب میں یونانی فلسفہ کا داخل کرنا ضروریات سے تھا؛

کینن برائٹ لکھتا ہے کہ[1] "کلیسا کو اب کھلے میدان میں قدم رکھنا پڑا تھا۔ اس وقت نوشک فلاسفی یعنی فلسفۂ ادریت کا دور دورہ تھا جس کا اعتقاد تھا کہ جملہ مخلوق جو نظر آتی ہے یا نظر نہیں آتی سب خدا کا ظہور ہے۔ اِس فلسفے کے حملوں سے بچنے کے لئے کلیسا کو مجبوری تھی کہ دینیات کا ایک علم مدون کرے۔ بہت سے شہر ایسے تھے جو یونانی علوم کے لئے مشہور و معروف تھے۔ اِن میں بڑے بڑے تعلیم یافتہ شائقین تحقیق رہتے تھے۔ کلیسا کو اِن لوگوں کے خیال سے ایک ایسا سرمایہ بہم پہنچانے کی ضرورت تھی جس سے فلسفہ کے مقابلے میں دین کی حمایت ہو سکے۔ پس حکمائے سلف کے احسانات کا علم کلیسا کو پہلے ہی سے ہو چلا تھا"

کینن برائیٹ اسی سلسلے میں ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ یہ خیال بچّوں کی سی بات تھی کہ الٰہیات کو دینیات سے جدا رکھا جاوے۔ کوئی مذہب جس کا عقیدہ خدا یا انسان سے تعلق رکھتا ہے اُس کا تعلق الٰہیات سے ضروری ہے۔ اور اریوسیوں کا یہ اعتراض کہ اُن کے مخالفوں نے فلسفے کی اصطلاحات اختیار کر لی ہیں ایک مہمل اعتراض تھا۔ اریوسی تحریک کا وجود ہی اس بات پر تھا کہ دلائل عقلیہ سے کام لیا جاوے اور وہ ہمیشہ معقول و منطق سے کام لیتے رہے گویا حکمائے سلف کے احسانات کے قائل تھے۔ پس ہوموا وسیون جیسی اصطلاح کو اختیار کرنا

---

[1] "دورِ آبائے یسوعین"۔ باب ۶۔

بالخصوص جبکہ اُس کی تعریف بہت احتیاط سے کردی گئی ہو مناظرے کی سہولت کیلئے ضروری تھا۔ ہوموا وسیون کا لفظ جس کا مفہوم تھا کہ کلمہ یا فرزند اُسی جوہر یا اصل سے ہے جس سے باپ ہے فی الحقیقت ابن اللہ کی الوہیت کو بلا کسی قسم کی کمی کے قائم رکھتا تھا۔ اور ابن اللہ وہ تھا جس نے نجات کا دروازہ بنی آدم پر کھولا تھا۔ ۲۲۸

اس متن پر حاشیہ چڑھانا علماء دینیات کا کام ہے لیکن اس امر حق کے ظاہر کرنے میں کہ ابن اللہ کے درجے میں کمی کرنے سے عیسوی مذہب کی قوت ترویج میں ضرور کمی ہو جاتی ہو گی عالم دینیات ہونے کی ضرورت نہیں۔ پس ہوموا وسیون کی اصطلاح کو ایک ایسی جماعت نے بہت جلد اختیار کر لیا جو ایک خلاصۂ مذہب یا عقیدۂ متفقہ تحریر کرنے کے لئے جمع ہوئی تھی۔ اور چاہتی تھی کہ یہ عقیدہ اراکین مجلس میں سے جو لوگ باقی تھے ان کے خیال کے مطابق ہو۔ اور تعداد کے اعتبار سے بھی یہ ہی لوگ مجلس میں کثرت رکھتے تھے۔ آخرکار مجلس نے ایک عقیدۂ متفقہ تیار کیا اور ہوسیوس قرطبی نے اُس کی تکمیل کی اطلاع دی۔ اور ہر موسے نیز نے اُس کو پہلی مرتبہ مجلس کے سامنے پڑھا۔ دوسری بار اُسقف قیساریہ (واقع کپادوسیہ) نے اُس کو پڑھا۔ اُس کی عبارت حسب ذیل تھی:-

"ہم ایمان رکھتے ہیں ایک خدا پر جو باپ ہے اور مالک ہے سب کا بنانے والا ہے اُن چیزوں کا جو دیکھی جاتی ہیں اور اُن کا جو نہیں دیکھی جاتیں اور ایمان رکھتے ہیں خداوند یسوع مسیح خدا کے فرزند پر جو پیدا ہوا ہے باپ سے اکیلا مولود یعنی پیدا ہوا ہے جوہر سے جو باپ کا ہے۔ خدا ہے خدا کا۔ نور ہے نور کا۔ اصلی خدا ہے اصلی خدا کا۔ مولود ہے مصنوع نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اور باپ ایک جوہر سے ہیں۔ اُسی نے بنایا ہے تمام اشیاء کو جو آسمان پر ہیں یا زمین پر۔ جس نے ہم آدمیوں کے لئے اور ہماری نجات کے لئے نزول کیا آسمان سے اور وہ مجسم کیا گیا اور بنایا گیا انسان۔ صلیب پر چڑھایا گیا اور اُٹھا تیسرے دن اور چڑھ گیا آسمان پر اور وہ آئے گا پھر مُردوں اور زندوں کے درمیان عدل کے لئے۔ اور ایمان رکھتے ہیں ہم روح القدس پر۔"

یہ عبارت اُس مشہور تحریر کی ہے جو اُس وقت سے آج تک عقیدۂ متفقۂ نیقیہ کے نام سے مشہور ہے۔ بعد کی صدیوں میں اُس پر اضافے بھی ہوتے رہے اور چند فقرے جو محض صراحت مضمون کے لئے تھے حذف بھی کر دئے گئے۔ لیکن ان تحریفوں نے اُس کے اصلی مطلب میں کچھ فرق پیدا نہیں کیا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہوموادسیون یعنے باپ اور بیٹے کے ایک جوہر سے ہونے میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں ہوا۔ ۲۲۹

اس خیال سے کہ مطلب بالکل واضح رہے اور کوئی باریک بین سے باریک بین بھی اِس عبارت کے کسی لفظ کو اہل بدعت کے خیال سے مطابق نہ کر سکے چند فقرے جن سے ایریوسی عقیدے کی تردید ہوئی تھی اور اضافہ کئے گئے اور وہ یہ تھے:-

"لیکن جو کہتے ہیں کہ ایک وقت ایسا تھا کہ وہ نہ تھا۔ اور کہتے ہیں کہ مولود ہونے سے پہلے وہ نہ تھا اور اُس کا وجود ایسی چیز سے ہوا جو پہلے نہ تھی۔ یا جو لوگ مانتے ہیں کہ "خدا کے فرزند کی ذات یا اُس کا جوہر خدا کی ذات اور جوہر سے جدا ہے" یا یہ کہ "وہ مصنوع تھا یا تابع تغیر و تبدل ہے" تو کلیسا ایسے تمام لوگوں کی تکفیر کرتا ہے"۔

یہ ہی وہ جامع و مانع حکم تھا جو ایریوسی عقیدے کی ہر ممکن صورت میں تکفیر کرتا تھا۔ اور اراکینِ مجلس نے بہت خوشی سے اِس حکم کو پسند کیا۔

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ ایریوس اور اُس کے دوستوں اور اسطرح یوسی بیوس قیساروی اور اُس کے فرقے کا کیا حال ہوا؟ عقیدے کی منظوری کے وقت سب کی نظریں یوسی بیوس کے فریق کی طرف لگی تھیں کہ آیا یہ فریق اِس عقیدے پر دستخط کرتا ہے یا اُن عقائد پر قائم رہتا ہے جن کی تکفیر ہو چکی ہے۔ اول اِس فریق نے بہت شد و مد کے ساتھ فتوۂ تکفیر کی مخالفت کی اور جو ہوموادسیون (وحدت جوہریت) متفقہ عقیدے میں قائم کی گئی تھی اُس کو عقلی طور پر وہ نہ مان سکتے تھے۔ یوسی بیوس قیساروی نے فیصلۂ آخر کے لئے ایک دن کی مہلت مانگی۔ اور ایک دن گذرنے کے بعد اُس نے عقیدے پر دستخط کر دئے۔ اور قیساریہ میں اپنے لوگوں کو ایک خط میں معذرت کے طور پر لکھا کہ عقیدے پر میں نے دستخط اس لئے کر دئے کہ ایسا ہی مناسب تھا جس معنی میں ہوموادسیون کو اُس نے سمجھا تھا وہ بھی اس ۲۳۰

خط میں بیان کیا حقیقت یہ ہے کہ اُس نے کثرت رائے اور شہنشاہ کے حکم کے سامنے گردن
جھکا دی ۔ کیونکہ قسطنطین کو اصرار تھا کہ جس عقیدے پر بکثرت رائے اتفاق ہو گیا ہے اُسی کو
جاثلیقی مذہب کا عقیدہ مان لیا جاوے ۔ گو اِس سے پہلے وہ یوسی بیوس والے عقیدے کو
بھی جو شروع میں مجلس کو سنایا گیا تھا ماننے کو تیار ہو گیا تھا ۔ ہوموا وسیون کا عدم وجود اُسکے
نزدیک برابر تھا جو کچھ اُسکی غرض تھی وہ یہ تھی کہ تمام عیسائیوں میں اتفاق رہے اور اُس نے قطعی
ارادہ کر لیا تھا کہ جو کچھ بھی ہو عیسائیوں میں اتحاد قائم رکھا جائیگا ۔ کیونکہ منافقوں کو جلاوطن کرنے کی
دھمکی اُس نے پہلے ہی سے دینی شروع کر دی تھی ۔ خلاصہ یہ کہ یوسی بیوس قیسار دی نے عقیدے
پر دستخط کر دئے ۔ یعنی یہ کہ کلیسا نے باجلاس کونسل جو کچھ حکم دیا تھا اُس کو اُس نے تسلیم کر لیا ۔
فلسطین اور شام کے اسقفوں نے بھی جو بحث کے وقت یوسی بیوس کی تائید کرتے تھے
یوسی بیوس کی طرح دستخط کر دئیے ۔

لیکن یوسی بیوس اسقفِ نیکومیدیا اور تھیوگ نس اسقفِ نیقیہ اور مارکوس
اسقفِ کیلسیدون نے مقابلے میں زیادہ جرأت اور ہمت سے کام لیا ۔ ایک بیان یہ ہے
کہ انھوں نے قسطنطیہ ہمشیرۂ شہنشاہ سے مشورہ کیا ۔ اور اس شہزادی نے اُن کو سمجھایا کہ
دستخط کر دینے چاہئیں ۔ کیونکہ جب ایک بات کا فیصلہ کثرت رائے سے ہو گیا تو پھر اپنی
ذاتی رائے کا خیال نہ کرنا چاہئے ۔ کہیں اِس اختلاف کا نتیجہ یہ نہو کہ شہنشاہ عیسائیوں کے
جھگڑوں سے بیزار ہو کر عیسائی مذہب ترک کر دے ۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ قسطنطیہ نے صلاح
دی کہ ہوموا وسیون میں ایک حرف آئی کا اور بڑھا کر اُس کو ہوموآئی اوسیون کر دو ۔
پھر عقیدۂ نیقیہ کو تسلیم کر لینے میں تمہارے ایمان میں ذرا فرق نہ آئیگا ۔ یعنی یہ کہ اگر تم یہ
نہیں مان سکتے کہ باپ اور بیٹے کا جوہر ایک ہی ہے یعنی ہوموا وسیون سے انکار
کرتے ہو تو اتنا تو مان سکتے ہو کہ بیٹے کا جوہر باپ کی مثل تھا یعنی ہوموآئی اوسیون ۔ اگر
ایسا مان سکتے ہو تو پھر ایک حرف کے اضافے سے کام نکل آتا ہے ۔ مگر ہمارے نزدیک ۲۳۱
یہ قصہ بالکل گڑھت ہے اور یہ ایجاد بھی اُس وقت ہوا ہے جبکہ یوسی بیوس نیکومیدی
پر لعنت وملامت کی بھرمار شروع ہو گئی تھی ۔ مختصر یہ کہ یوسی بیوس نیکومیدی اور اُسکے
دوستوں نے بھی عقیدے پر دستخط کر دئے ۔ فریب سے یا دل میں کوئی بات رکھ کر
نہیں بلکہ اُن ہی وجوہ سے مجبور ہو کر جو یوسی بیوس قیسار دی کو پیدا ہوئی تھیں انھوں نے

عقیدۂ متفقہ کو تسلیم کرلیا۔ اور چونکہ شہنشاہ کو اصرار تھا کہ مجلس کے فیصلے کو سب لوگ تسلیم کریں اس لئے یہ لوگ بھی راضی ہو گئے۔ لیکن ایریوسیوں کے خلاف جو تکفیر کا فتوے دیا گیا تھا اُس پر دستخط کرنے سے انھوں نے قطعی انکار کیا۔ اس قصور میں انمیں سے دو شخص یعنی یوسی بیوس اور تھیوگ نیز اپنے اپنے کلیسائی عہدوں سے برخاست کئے گئے۔ اور اس کے ساتھ اُن کو جلاوطنی کا حکم بھی دیا گیا۔ لیکن یہ خبر کہ فتوۂ تکفیر پر دستخط نہ کرنے سے یہ دونوں اسقف معزول وجلاوطن کئے گئے مشتبہ ہے گو بطور مثال کے یہاں اتنا ضرور بتا دینا چاہئے کہ جس وقت میلان کی تیسری کونسل میں یوسی بیوس اسقف ورسیلی اور دائیونی سیوس اسقف میلان نے اثناناشیوس کی تکفیر پر اتفاق کرنے سے انکار کیا تو وہ ۳۵۵ء میں شہنشاہ والنس کے حکم سے جلاوطن کئے گئے۔ غرضیکہ ایریوس اور اُس کے دو بڑے مددگار کلیسا سے خارج اور جلاوطن کردئے گئے۔ اور اُن کی تصنیفات جس میں ایریوس کی نظم "تھالیہ" خصوصیت کے ساتھ شامل تھی نہایت بے عزتی کے ساتھ سر بازار جلادی گئی۔

مجلس نیقیہ کے کُل کام ابھی ختم نہیں ہوئے تھے۔ چند امور اور بھی ایسے تھے جن کا فیصلہ کرنا تھا۔ چنانچہ ایسٹر یعنی عید الفسح کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ تمام کلیساؤں میں ایک ہی دن وہ منائی جاوے۔ اور یہودیوں کے سنین کی جگہ مسیحی سنین مروج ہوں۔ اسکے بعد چند قوانین وضع کئے گئے جن کو قوانین نیقیہ کہتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی کیفیت لکھنی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ بالخصوص پانچویں قانون کی جس کا مضمون یہ تھا کہ کلیسا سے کسی شخص کو خارج کرنے کے متعلق جس قدر معاملات ہوں وہ ہر ایک صوبے کی مذہبی کونسل میں جو سال میں دو مرتبہ ہوا کرے پیش کئے جاویں۔ چوتھا قانون یہ تھا کہ کسی اسقف کی تکریس کے وقت تین اسقفوں سے کم موجود نہوں۔ پندھویں قانون کے بموجب کسی اسقف یا پریس بیٹر یا ڈیکن کا ایک علاقے سے دوسرے علاقے کو تبدیل کیا جانا قطعی ممنوع قرار پایا۔ ان میں سے بعض قوانین محض اس وجہ سے دلچسپی رکھتے ہیں کہ اب وہ بہت پرانے ہو گئے ہیں۔ مثلاً بیسویں قانون میں حکم ہوا کہ اتوار کے دن اور ایسٹر (عید الفسح) سے لیکر پنتی کوست (عید الخمسین) کے درمیانی زمانے میں جس وقت گرجا میں عبادت ہوتی ہو تو کوئی گھٹنے ٹیک کر نہ جھکے

۲۴۲

(عید الخمسین اُس عید کو کہتے ہیں جو رسولان مسیح پر وحی اترنے کی خوشی میں ہوا کرتی ہے) اٹھارھویں قانون میں ڈیکن لوگوں کے غرور کی مذمت کی گئی تھی سترھویں قانون میں قسیسوں اور اسقفوں کو سود خواری سے منع کیا گیا تھا۔ تیسرے قانون میں محکوم تھا کہ کلیسا کے کسی عہدہ دار کے گھر میں خواہ وہ کسی درجے کا ہو کوئی عورت بجز ماں بہن۔ خالہ یا پھوپی یا کسی اور عورت کے جس کے متعلق مطلق شبہ نہ ہو سکے موجود نہیں ہونی چاہئے۔ جس وقت اِس قاعدے پر بحث ہو رہی تھی تو ایک اور مضمون پر بھی بہت زور شور سے تقریر ہوئی۔ کسی شخص نے تحریک کی کہ جملہ عہدہ داران کلیسا جن کی شادیاں ہو چکی ہیں اپنی بیویوں سے علٰحدہ رہیں۔ اِس تحریک کی تائید بہت جوش و خروش کے ساتھ کی گئی۔ لیکن اِس بحث میں فریقِ مخالف کا سرگروہ پفنوتیوس ہو گیا۔ چونکہ وہ خود ہمیشہ کے لئے "تجرد" اختیار کر چکا تھا اس لئے تاہل کی خوبیوں پر اُس کی پُر زور تقریر نے سب کے دل پر اثر کیا۔ پفنوتیوس نے اپنی آواز کو جو قدرتی طور پر تیز تھی اور بھی تیز کر کے کہا کہ "مرد کا جورو کر کے رہنا بہت عزت کے قابل چیز ہے اور وہ بستر جس پر میاں بی بی سوتے ہیں نجس نہیں ہے"۔ غرض پفنوتیوس نے اُس تقریر سے کثرت رائے اپنی طرف کر لی۔ آخر کار وہ وقت آیا کہ مجلس نیقیہ برخاست کی جاوے۔ لیکن اساقفہ کو رخصت کرنے سے پہلے شہنشاہ نے جشن بست سالہ کی خوشی میں اُن کو ایک بڑی ضیافت دی۔ یوسی بیس اِس ضیافت کے ذکر میں لکھتا ہے کہ[1] ۲۳۳

"یہ بڑی پر تکلف ضیافت تھی۔ ایک شخص بھی مجلس کا ایسا نہ تھا جو غیر حاضر ہوا ہو۔ شہنشاہ کی فوجِ خاصہ کے ساتھ فوجیں بھی برہنہ تلواریں عَلَم کئے ہوئے محل کے دروازے پر صف بستہ تھیں۔ اِن ہی تلواروں کی چھاؤں میں یہ خدا پرست بغیر کسی خوف کے محل کے اندر داخل ہوئے۔ یہاں کھانے کی میزیں چنی ہوئی تھیں اور میزوں کے قریب کوچیں پڑی تھیں۔ بادشاہ کے مصاحبین و مقربین کہیں کھانا کھا رہے تھے اور کہیں کوچوں پر آرام کرتے تھے"۔

ہر ایک مہمان کو اُس کے درجے کے مطابق تحائف دیے گئے اور بعض کو خاص

---

[1] "حیات قسطنطین" ۳، ۱۵۔

طور پر انعام و اکرام سلے۔ ان میں سے ایک پفنوتیوس تھا۔ سقراطیس لکھتا ہے کہ قسطنطین اس پادری کو اکثر محل میں بلایا کرتا تھا۔ بت پرستوں نے اسکی ایک آنکھ نکلوا ڈالی تھی اور ایک ٹانگ سے بھی اسکو بیکار کر دیا تھا۔ اس پادری کے ساتھ قسطنطین کی ارادت کا یہ حال تھا کہ اس کے حلقہ چشم کو جس سے آنکھ نکل چکی تھی ہمیشہ بوسہ دیا کرتا تھا۔ فرقہ نواشیان کے نامی پیرو اکےسیوس کو بھی بادشاہ اکثر دربار میں بلواتا تھا۔ یہ پادری اپنے عقائد میں بڑا پکا تھا۔ ذرا سا فرق بھی کسی بات میں گوارا نہ کرتا تھا شہنشاہ کے سامنے ایکدن بیان کرنے لگا۔ کہ کوئی آدمی جو اصطباغ لینے کے بعد گناہ کا مرتکب ہو پھر وہ اس لائق نہیں رہتا کہ خدائی اسرار اس پر افشا کئے جاویں۔ قسطنطین یہ سنکر ہنسا اور کہنے لگا کہ "اے اکےسیوس بہتر ہو کہ آپ ایک سیڑھی لگا کر تن تنہا آسمان پر صعود فرما جائیں"۔

آخری جلسے میں شہنشاہ نے سب کو رخصت کرنے کے لئے ایک مختصر سی تقریر کی۔ اس کا مضمون بھی یہ ہی تھا کہ کلیسا میں اتحاد و یکجہتی کی بڑی ضرورت ہے۔ اساقفہ سے درخواست کی کہ پچھلی شکایتوں کو بھول جائیں اور معاف کر دیں۔ اور آپس میں ہمیشہ دوستی اور سلوک سے رہیں۔ ایک آدمی دوسرے آدمی کی خوبیوں کو رشک و حسد کی نگاہ سے نہ دیکھے بلکہ سمجھے کہ ہر متنفس کی خوبیاں کل جماعت کے اوصاف مجموعی میں ایک اضافہ ہوتی ہیں۔ فیصلہ ہر حال میں خدا پر چھوڑنا چاہئے۔ آپس کی لڑائیوں سے دشمنوں کو موقع ملتا ہے کہ مذہب کی توہین کریں اور ناروا کلمے اس کی شان میں زبان سے نکالیں۔ اگر آپ ہی لوگ عمدہ مثال پیدا نہ کریں گے تو پھر اس دنیا کو عیسائی دین میں کون شامل کرنے آئیگا۔ اس کے بعد شہنشاہ نے بہت سی عقل کی باتیں بتائیں۔ اور کہا کہ یہ نہ سمجھئے گا کہ لوگ اس لئے عیسائی ہو جاتے ہیں کہ ان کو امر حق کے ساتھ فی الحقیقت کسی قسم کا شغف ہوتا ہے۔ نہیں۔ ان میں بعض تو اس خیال سے عیسائی ہو جاتے ہیں کہ ایسے اُن کو کچھ وصول ہو جائیگا۔ بعض کو بڑے بڑے عہدے ملنے کا لالچ ہوتا ہے۔ بعض صیغہ خیرات سے وظائف پانے کے لئے اور بعض اس وجہ سے کہ اُن کا کوئی دوست یا عزیز عیسائی ہو گیا ہے وہ بھی عیسائی ہو جاتے ہیں۔ لیکن سچے دین کے [illegible] عاشق بہت کم ہیں۔ حق کا دوست کہیں شاذ و نادر ہوتا ہے۔ پس اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ لوگوں کو مثل طبیب کے ہونا چاہئے کہ جیسا مرض دیکھا اُسی کے مطابق نسخہ لکھ دیا۔

۲۳۴

آپ کو متعصب نہ بننا چاہیئے۔ بلکہ جو بات موقع کے مناسب ہو وہ ہی دین کی ترقی کے لئے اختیار کرنی چاہیئے۔ شہنشاہ کی یہ نصیحتیں بہت قدر کے قابل تھیں بالخصوص ایسے لوگوں کے لئے جن کا سب سے بڑا گناہ مذہب میں سختی کرنا تھا نہ کہ نرمی اُن کے لئے اس سے بہتر ہدایتیں اور کیا ہوسکتی تھیں۔ ان نصیحتوں کو پڑھ کر ایک اور بات بھی خیال میں آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کلیسا نے اپنا اثر تو سلطنت پر ایک عرصے سے پہنچا ہی رکھا تھا مگر اس اثر کو نہ عقل سے بہرہ تھا نہ اعتدال و مصلحت بینی سے۔ اب وہ وقت آیا کہ سلطنت نے کلیسا پر اپنا اثر ڈالنا چاہا جو انجام بینی و دور اندیشی و عقل و اعتدال سب ہی خوبیوں کی راہ بتاتا تھا۔ اسکے بعد شہنشاہ نے اساقفہ سے یہ درخواست کرکے کہ اپنے اپنے گھر پہنچ کر اُسکے لئے دعائے خیر کرتے رہیں سب کو رخصت کیا۔ یوسی بیوس لکھتا ہے کہ سب لوگ نیقیہ سے خوش خوش رخصت ہوئے۔ ان کو اس وقت یقین تھا اور اس یقین پر سب خوش بھی تھے کہ کلیسا مدت کی نااتفاقیوں کے بعد شہنشاہ کی موجودگی میں پھر ہمیشہ کے لئے متفق و متحد ہوگیا۔

قسطنطین کو بھی ایسا ہی یقین تھا۔ اور اس میں مطلق شبہ نہ کرتا تھا کہ اریوسی بدعت ہمیشہ کو ٹھنڈی ہوگئی۔ چنانچہ اُس نے اسکندریہ کے کلیسا کے نام خط لکھا اور اُسمیں ظاہر کیا کہ جس قدر امور دینی ایسے تھے جن میں اختلاف ہوگیا تھا وہ بخوبی بحث کے بعد طے کردیئے گئے۔ اور اس طرح جو باتیں حسب قانون و ضابطہ طے ہوگئی ہیں اُن کا ماننا سب پر فرض ہے۔ اریوس کی نسبت ثابت ہوگیا کہ وہ بندۂ شیطان ہے تین سو اسقفوں کا یہ ہی قول فیصل ہے۔ اور جس بات کو تین سو اسقفوں نے اپنی رائے میں درست سمجھا ہو تو ایسی رائے کو خدا کا ارشاد سمجھنا چاہیئے جب ان بزرگانِ ملت کے قلب میں روح القدس متمکن ہے تو ضرور اُس نے خدا کی مرضی سے اُن کو آگاہ کردیا ہوگا۔ پس لازم ہے کہ جن لوگوں کو اریوس نے گمراہ کیا تھا وہ اب از خود مذہب قدسیۂ جاثلیقیہ کی طرف رجوع کریں قسطنطین نے ایک اور خط کلیساؤں کے نام جاری کیا اور اُس میں لکھا کہ ہر ایک مسئلہ متنازعہ فیہ پر بحث کی گئی حتیٰ کہ وہ طے کردیا گیا اور ایسا فیصلہ سنایا گیا جس کو اُس ممتحن نے جو سب کا امتحان کرنے والا ہے منظور فرمایا اسی خط میں یہ بھی تحریر کیا کہ

۳۲۵

اب مذہبی معاملات میں اختلاف یا بحث کے لئے کوئی بات باقی نہیں ہے۔ اس خط کا گو زیادہ تر مضمون یہ ہے کہ عید الفصح تمام گرجاؤں میں ایک ہی دن منائی جائے۔ مگر جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا وہ یہ تھی کہ مذہب کے ضروری عقائد کی نسبت قول فیصل سنا دیا گیا ہے اور اب اختلاف کی نہ ضرورت ہے اور نہ وہ ہونا چاہئے۔ غرضیکہ مجلس نیقیہ بہت خیر و خوبی کے ساتھ ختم ہوئی۔ تین سو اساقفہ نے یک زبان ہو کر اپنی بزرگ اور مقدس مجلس کا فیصلہ سنا دیا اور صاف صاف بتا دیا کہ "کلیسا سے اب بدعت بالکل خارج ہوئی"[1]۔ ایریوس اور اس کے ساتھ نیکومیدیا کا اسقف یوسی بیوس جلاوطن کر دیا گیا۔ جاثلیقی مذہب کی فتح و نصرت اب ایک یقینی امر معلوم ہوتی تھی؛ ۲۳۶

[1] سقراطیس۔ ۱، ۹

بارھواں باب

کرسپوس پسر قسطنطین اور ملکہ فاستہ کا قتل

اِس سے پہلے باب میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ نیقیہ کی مجلس میں پادریوں کے مناظرے کے زمانے میں قسطنطین کس درجہ نرمی و اخلاق۔ تواضع و کرم کی مجسم تصویر بنا بیٹھا رہا۔ ایک قسطنطین تو یہ تھا اور ایک عبوس و بد باطن قسطنطین وہ ہے جس نے مجلس نیقیہ کے ایک ہی سال بعد یعنی ۳۲۶ عیسوی میں قہر و غضب سے خیرہ چشم ہو کر اپنے بہادر فرزند رشید کرسپوس کو دارالحکومت روما میں قتل کرا دیا۔ مقابلہ کیجئے تو ان دو نوب حالتوں کا فرق حیرت انگیز ہے اور وجہ اس دردناک واقعے کی ابتک پردۂ راز میں چھپی ہے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاص شاہی خاندان کے لوگوں میں اس وقت رشک و حسد کی ہوا تیز چل رہی تھی۔ پس اگر کبھی اس راز سے پردہ اُٹھا تو قتل کی وجہ غالباً اِسی رشک و حسد کی داستان میں کہیں نہ کہیں نظر آجائیگی۔

اب ذرا قسطنطین کے خاندان والوں کو قریب سے دیکھنا چاہئے۔ خود شہنشاہ اِسوقت میانہ عمری کے بہترین حصے میں تھا یعنی عمر کا پچاسواں سال ختم کر چکو تھا۔ بہت توانا و تندرست تھا۔ اُس کا سب سے بڑا لڑکا کرسپوس تھا جو اُس کی پہلی بیوی مینروینا کے بطن سے تھا۔ یہ نوجوان شہزادہ ایسا قابل و ہونہار تھا کہ باپ کے بعد سلطنت کی امیدیں اُسی سے وابستہ تھیں۔ اِس شہزادے کے کارنامے آپ کی نظر سے گذر چکے ہیں کہ کس طرح دریائے رائن کے کنارے بڑے بڑے معرکے سر کر کے جوانمردی کے جوہر دکھلائے تھے۔ اور حال میں لائی سی نیوس کے بیڑے پر دردانیال میں کس طرح فتح حاصل کی تھی جس کی وجہ سے بزنطیہ پر قبضہ کرنے میں سہولت ہو گئی۔ تمام رعایا اُس کو دل سے عزیز رکھتی تھی۔ اور جس طرح تین سو برس پہلے

۲۳۸

تاسی بیریوس اور ورسوس کی نسبت خیال کیا گیا تھا کہ تخت کا وارث اُن سے بہتر کوئی نہیں
اسی طرح اس زمانے میں کرسپوس کو تخت شاہی کا سب سے محکم ستون خیال کیا جاتا تھا۔
لیکن اُس وقت جو عام خیال تھا اگر وہ درست ہے تو سمجھنا چاہئے کہ اُس کی سوتیلی ماں
یعنی ملکہ فاستہ اُس کی جانی دشمن تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ یہ سوتیلا لڑکا میرے بچوں کو ترقی
کے زینے پر اونچا نہ اُٹھنے دیگا۔ خود اِس درجہ لائق و کارگذار ہے کہ اُس کے جیتے جی
میری اولاد کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ملکہ فاستہ کا سب سے بڑا لڑکا جس کا نام
باپ کے نام پر قسطنطین تھا ابھی بہت کم عمر تھا۔ پورے تیرہ برس کا بھی نہ تھا۔
دوسرا لڑکا قسطنطیوس ۳۱۹ئہ عیسوی میں پیدا ہوا تھا۔ تیسرا لڑکا قسطنس دوسرے
لڑکے سے ایک سال چھوٹا تھا۔ تینوں لڑکیاں یا تو اس وقت بالکل ہی بچہ
ہونگی یا ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی ہوں گی۔ تینوں لڑکے جوں جوں جوان ہوتے گئے
کرسپوس کے مقابلے میں ملکہ فاستہ کی پشت گرمی سے اُن کے دعوے بڑھتے
گئے۔ اس کی وجہ خاص یہ بھی تھی کہ قسطنطین میں وہ نیکیاں موجود تھیں جو ایک مرد صالح
میں ہوتی ہیں اور جو روما کے شہنشاہوں میں شاذونادر ہی نظر آئی تھیں۔ زمانہ شہزادگی
میں دربار کے ایک شاعر نے تعریف میں کہا تھا کہ دورِ آخر کے کرشموں سے ایک کرشمہ
یہ شہزادہ بھی ہے جس نے آج تک کوئی بُرا فعل نہیں کیا۔ ابتدائے شباب ہی سے
اہل وعیال کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا شوق رہا اور اپنے باپ قسطنطیوس کی طرح
جلد عقد کر کے بچوں کا باپ بننا پسند کیا[1]۔ ایک دوسرا درباری شاعر تعریف میں کہتا
ہے کہ جس وقت لڑکپن ختم ہوا ہمارا شہزادہ قوانین تاہل کا پابند ہو گیا۔ یوسی بیوس
نے بھی قسطنطین کی تعریفیں شوہر اور باپ ہونے کی حیثیت سے جا بجا لکھی ہیں۔ ان تعریفوں
سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطین ایسی طبیعت کا آدمی تھا جس پر ایک سخت اور مضبوط خیال
عورت جس نے سوتیلے لڑکے کو باپ کی نظروں سے گرا دینے کا قصد کر لیا ہو بہت آسانی
سے قابو پا سکتی تھی۔

فاستہ کے ماسوا خاندان شاہی کی ایک اور بڑی بوڑھی واجب التعظیم
خاتون تھی جس کا اثر شہنشاہ کی طبیعت پر بہت تھا۔ قسطنطین کی ماں ملکہ ہیلانہ تھی

[1] قدیم قصائد ـ ۶، ۲ و ۴ ـ

۲۳۹ جس کی عمر اِس وقت تقریباً اسّی برس کی تھی۔ لیکن وہ خوب توانا تھی اور ایسی ہمت والی
تھی کہ اس عمر میں یروشلم کے دُور و دشوار سفر کا تکان برداشت کرلیا۔ یوسی بیوس
لکھتا ہے کہ قسطنطین اپنی ماں کا بہت ادب کرتا تھا اور اُس کی بات کو مانتا تھا[1] جسقدر
اعزاز و مراتب شہنشاہ کے تھے اُتنے ہی شہنشاہ کی ماں کے تھے۔ ماں کے نام کا سکہ طلائی
جاری کرایا جس پر اُس کی تصویر کے ساتھ لکھا تھا "فلادیہ۔ ہیلانہ اغسطہ"۔ اِس بُڑھیا ملکہ
نے دولت بہت جمع کرلی تھی۔ مگر اِس کا ثبوت نہیں ملتا کہ معاملاتِ سلطنت میں بھی
اُس کو دخل تھا یا نہیں۔ یوسی بیوس لکھتا ہے کہ بیٹے کے کہنے سے اُس نے
عیسائی مذہب قبول کیا تھا۔ بہرکیف اِس یقین کے لئے ضرور وجہ موجود ہے کہ
ہیلانہ ایک بڑی دانا اور حوصلہ مند عورت تھی اور دربار پر اُس کا بڑا اثر تھا؛

بیوی اور ماں کے علاوہ با اثر بیگماتِ شاہی میں قسطنطین کی علاتی بہن قسطنطیہ
بھی تھی جو قیصر لائی سی نیوس کی بیوہ تھی۔ جب خاوند کو شکست ہوئی تو بھائی سے اُس کی
سفارش کی قسطنطین نے اُس وقت تو بہن کے کہنے سے لائی سی نیوس کو معاف
کرنے اور جان کی سلامتی دینے کا وعدہ کرلیا مگر اِس وعدے پر قائم نہ رہا۔ اِس کے کچھ
زمانے بعد قسطنطیہ نے ایریوس اور یوسی بیوس نیکومیدی کے مقدمے میں سفارش
کی۔ اِس مقدمے میں اور اتھاناشیوس کو جلاوطن کرنے کے معاملے میں جو کچھ اِس
شہزادی نے اپنا اثر پہنچایا وہ حقیقت میں اُس کی پوری لیاقت کا ثبوت دیتا ہے۔ یہ
بڑی بڑی بیگمات شاہی تاریخ کے اسٹیج پر پرچھائیاں سی معلوم ہوتی ہیں یا دُھندلی دُھندلی
صورتیں اِدھر سے اُدھر پھرتی چلتی نظر آتی ہیں مگر نہ اُن کے چہروں کا نقشہ صاف صاف
دکھائی دیتا ہے اور نہ قامت و جثہ۔ مگر جو کام وہ کر گئیں وہ البتہ اُن خوفناک اور پُردرد
واقعات سے ظاہر ہیں جن کو اب ہم بیان کرنا شروع کرتے ہیں؛

سنہ ۳۲۶ء میں جشن بست سالہ کی تقریب سے قسطنطین روما میں آیا۔
شہنشاہ دائیوک لیشن نے بھی اپنے وقت میں یہ جشن روما ہی میں کیا تھا۔ اور یہی
۲۴۰ موقع تھا کہ پہلی مرتبہ اُس نے روما میں قدم رکھا تھا۔ مگر جس قدر جلد ممکن ہوا جشن کر کے

[1] "حیات قسطنطین" ۳۔ ص ۴۷۔

اس شہر سے رخصت ہوا۔ کیونکہ یہ سفر اُس نے اِس مصمم قصد کے ساتھ اختیار کیا تھا کہ روما میں جشن ختم کرتے ہی نیکومیدیا پہنچ کر سلطنت سے دست بردار ہو جائے گا۔ مگر قسطنطین کے دل میں ایسا کوئی ارادہ نہ تھا جشن کا موقع بہت خوشی کا تھا مگر قسطنطین کی طبیعت افسردہ و بے لطف تھی۔ روما میں وارد ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ ایک پرانے وقتوں کی رسم کا موقع آیا جس کو "جلوس سوارہ" کہتے تھے۔ اس میں ایسے رئیس جن کو نائٹ کا رتبہ ہوتا تھا گھوڑوں پر سوار ہو کر جلوس میں نکلتے تھے اور کیپی تول کی پہاڑی پر جا کر جوپیٹر کے مندر پر مانی ہوئی منتیں بڑھاتے تھے۔ یہ ایک مذہبی رسم تھی جو ہر سال طبقات سوارہ کی فہرستوں کی نظر ثانی کے ساتھ ساتھ ادا کی جاتی تھی۔ قسطنطین نے اس رسم کی کچھ پرواہ نہ کی اور جلوس کے دیکھنے کو محل سے باہر نہ نکلا۔ جلوس جس وقت نکل رہا تھا بازاروں میں دو چار جگہ لڑائی ہو گئی۔ لڑائی کی وجہ بظاہر قسطنطین کی عدم موجودگی بیان ہوئی ہے۔ مگر اس میں ذرا شبہ نہیں کہ چند مفسدوں نے اِس لڑائی کا پہلے ہی سے قصد کر لیا تھا۔ روما کے باشندے ابھی تک بت پرستی کے ہمدرد و ہوا خواہ تھے۔ اور وہ اس بات کو بہت افسوس اور رنج کے ساتھ سُن چکے تھے کہ روما کا شہنشاہ جو قدامت سے اُن کے قومی کیشِ بُت پرستی کا سرتاج مانا جاتا تھا مسیحی کلیسا کی ایک مجلس میں شریک ہوا اور پادریوں اور قسیسوں سے ہمکلام ہوا اور اُنکو اپنے ساتھ کھانا کھلانے کی عزت بخشی اور بالکل صاف صاف اپنے تئیں حامیِ دینِ عیسوی بتایا۔ یہ رنج تو سب کے دل میں موجود ہی تھا اب شہنشاہ کا ایک پرانی رسم میں شریک نہ ہونا اور بھی موجب رنجش ہوا۔ گو یہ رسم کوئی غیر معمولی وقعت کی چیز نہ تھی پھر بھی ایک دیرینہ رسم ہونیکی وجہ سے بہت مانی جاتی تھی پس نتیجہ یہ نکالا گیا کہ اسی عدمِ شرکت پر لوگوں نے ناراض ہو کر ہنگامہ کیا تھا۔ اور یہ ہنگامہ مغویانہ نیت سے تھا۔ گو روما کے بازاری فساد و ہنگامے اب سلطنت کو کوئی صدمہ نہ پہنچا سکتے تھے کیونکہ پریطوریوں کی بارکیں خالی پڑی تھیں لیکن اسوقت کے ہنگامے نے قسطنطین کے اُن شکوک کو جو پہلے سے موجود تھے درجۂ یقین تک پہنچا دیا۔

وہ شکوک کیا تھے؟ اُن کا حال ایک فرمان سے ظاہر ہوتا ہے جو اس زمانے سے چند ماہ پہلے قسطنطین نے نیکومیدیا میں بیٹھ کر جاری کیا تھا۔ اِس فرمان میں وہ ہر ایک صوبے کی رعایا سے مخاطب ہوا تھا۔ اور ہر کس و ناکس سے درخواست

کی تھی کہ اگر اُس کو کسی خفیہ سازش کا علم ہو تو فوراً بے دریغ ہمارے سامنے حاضر ہو کر اُس سے مطلع کرے۔ اس کا خیال نہ کیا جاوے کہ سازش کرنے والا کوئی بڑا آدمی ہے۔ نہیں خواہ وہ کتنے ہی بڑے درجے کا آدمی ہو خواہ کسی صوبے کا صوبہ دار ہو یا کسی فوج کا اعلیٰ افسر ہو۔ خواہ شہنشاہ کا مصاحب یا دوست ہو ہر حال میں جب کسی کی نسبت کسی شخص کے علم میں کوئی بات آوے تو اُس کا فرض ہو گا کہ جو کچھ وہ جانتا ہے اُس کو بجنسہ شہنشاہ کے سامنے بیان کرے۔ اس کے صلے میں شہنشاہ صرف ایسے شخص کا شکرگذار ہی نہ ہو گا بلکہ اُس کو انعام بھی دیگا۔ فرمان کی عبارت یہ تھی:۔

ایسے شخص کو بلا خوف و خطر میرے پاس آنا چاہئے۔ اور جو کچھ اُس کو کہنا ہے وہ مجھ سے بالمشافہ کہے۔ اور جس کو جو خبر دینی ہو گی میں اسکو فی الفور سنونگا۔ اور اگر کوئی بات نکلی تو خود ہی اُس کی تحقیقات کروں گا۔ اور اگر الزام دینے والے نے الزام ثابت کر دیا تو پھر جس نے میرے ساتھ بدسلوکی کا ارادہ کیا ہو گا اُس سے انتقام لوں گا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ جس شخص کو کچھ کہنا ہو اُس کے متعلق پہلے اپنا اطمینان کر کے میرے سامنے صاف صاف بیان کرے۔"

حیرت کا مقام ہے کہ یہ فرمان اُسی ہاتھ کا لکھا ہوا تھا جس نے نیقیہ کے مجمع میں پادریوں کی عرضیاں جن میں ایک نے دوسرے کو مجرم و بدخواہ ثابت کرنا چاہا تھا بغیر دیکھے اور پڑھے جلتی انگیٹھی میں ڈالدی تھیں۔ آخر اس عرصے میں وہ کیا بات پیش آئی تھی کہ قسطنطین کے قلم سے بھی ایسے فرمان جاری ہونے لگے جو شہنشاہ روم کی شایان کو زیب دیتے ؟ مورخوں نے اِس معاملے میں سکوت اختیار کیا ہے۔ تو پھر کیا یہ سمجھا جاوے کہ حال میں کوئی بڑی سازش ہوئی تھی جس میں قسطنطین کو اپنی جان کا خوف تھا۔ اور سازش بھی ایسی عجیب تھی کہ اُس کا علم تو ہو گیا تھا مگر سازش کرنے والوں پر ہاتھ نہیں پڑسکتا تھا ؟ کیا روما کے بت پرستوں کی طرح مشرقی علاقوں کے بت پرست بھی جو عیسائیوں کو پہلے حقیر و ذلیل اور ہر حال میں اپنے مذہب کا دشمن جانتے تھے عیسائیوں کی موجودہ کامیابی پر بے چین و بے قرار ہو گئے تھے ؟ ممکن ہے کہ ایسا ہو مگر کوئی شہادت جس سے ایسا ہونے کا یقین ہو موجود نہیں بظاہر لائی سی نیوس کے زوالِ قوت کے بعد بُت پرستوں کی حالت قطعی مایوسی کی ہو گئی تھی۔ لیکن اگر خاندان شاہی

سے کوئی آدمی ایسا پیدا ہوگیا تھا جو بُت پرستوں کا دوست تھا اور بت پرست بھی سمجھتے تھے کہ اس کی مدد اور ذریعے سے ہمارا نام مٹنے سے بچ جائیگا تو بے شک حالت مایوسی کی بجھتی مگر اب سوال یہ ہے کہ کیا خاندان شاہی سے کرسپوس اس قسم کا آدمی تھا جس کی ذات سے بُت پرستوں کو ایسی امید بندھی ؟ اس کے جواب میں پھر یہی کہنا پڑتا ہے کہ ایسا یقین کرنے کے لئے کوئی شہادت موجود نہیں ۔

مورخ یوتروپیوس شہزادۂ کرسپوس کی نسبت لکھتا ہے کہ یہ اعلیٰ درجے کی لیاقت اور قابلیت کا شہزادہ تھا ۔ اِس مورخ نے جہاں کہیں مشاہیر کی سیرت و خصائص کی نسبت کچھ لکھا ہے وہ باوجود اختصار کے اصل سے اکثر مطابق ہوتا ہے ۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ قسطنطین اپنے فرزند کرسپوس سے کیوں ناراض ہوگیا ۔ یہ ناراضی اول ۳۲۳ئ عیسوی میں ظاہر ہوئی یعنی اُس وقت جبکہ گال کی قیصری سے کرسپوس علٰحدہ کردیا گیا تھا اور اُسکی جگہ اُس کا سوتیلا بھائی قسطنطیوس مقرر ہوا تھا جس کی عمر اس وقت صرف سات برس کی تھی ۔ اس جلیل القدر منصب سے ہٹانے کے بعد جہاں تک تاریخ سے پتا چلتا ہے کرسپوس کو کوئی دوسرا منصب یا کسی علاقے کی افسری کا ملنا نہیں پایا جاتا ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کو اپنے بڑے لڑکے کا اعتبار جاتا رہا تھا ۔ اور اُس کو اپنے ساتھ ساتھ رکھتا تھا کہ نظر سے دُور نہ ہونے پاوے ۔ ممکن ہے کہ باپ کو بیٹے کی جوانمردی اور رعایا میں ہر دل عزیز ہونے پر رشک پیدا ہوا ہو ۔ ممکن ہے کہ بیٹے کو جاہ طلبی کا شوق پیدا ہوا ہو جیسے کہ جوانی میں خود قسطنطین کو ہوا تھا ۔ اور دل میں سوچتا ہو کہ اُس کی خدمات اِس قابل ہیں کہ اغسطس کردیا جاوے ۔ نیز یہ کہ دائیوکلیشین کے طریقۂ حکومت کے مطابق بیس برس تک حکومت کرلینا شہنشاہ اور سلطنت دونوں کے حق میں کافی زمانہ تھا ۔ اِس حساب سے قسطنطین کا زمانۂ حکومت لب بام پہنچ چکا تھا ۔ اِس طریقے کی ابھی تک کوئی باضابطہ منسوخی نہیں ہوئی تھی ۔ پس ایسی صورت میں کیا یہ فرض کرنا خلاف عقل ہوگا کہ بیٹا تو اس خیال میں ہو کہ باپ کی سلطنت اب اُس کو ملنی چاہئے اور باپ یہ سوچتا ہو کہ جن ملکوں کو اپنی قوت بازو سے حاصل کیا ہے اُن کا قبضہ دوسرے کو کیوں دیا جاوے ۔ اور یہی خیال بیٹے سے ناراض رہنے کا باعث ہوگیا ہو ۔ ۳۲۴ئ

یہ امر کہ بیٹا باپ کا دشمن و بدخواہ ہوگیا تھا ۔ اِس کی نسبت بھی کوئی شہادت موجود

نہیں۔ لیکن ممکن ہے کہ بے احتیاطی میں اُس کی زبان سے کوئی جملہ ایسا نکلا ہو جس کو
پہنچانے والوں نے باپ کے کان تک پہنچا دیا ہو۔ ممکن ہے کہ سوتیلے بھائیوں کا نام
اُس کی جگہ قائم ہونے پر اُس کو سخت غصہ آیا ہو۔ کیونکہ سنہ ۳۲۶ عیسوی کیلئے جو بڑی خوشی کا
سال تھا نو عمر نیفر قسطنطیوس باپ کے ساتھ کانسل پکارا گیا تھا۔ اِس موقع پر اگر کرسپوس
کو یہ خیال گذرا ہو کہ اِس عزت کا مستحق زیادہ تر میں تھا تو کچھ بے جا بات نہ تھی۔ اور یہ کہ اِس
حق سے محروم رہنے میں صاف ثبوت ملتا ہے کہ سوتیلی ماں اُس کے نقصان کی درپے
ہو کر اُس کے خلاف شہنشاہ پر اپنا اثر پہنچاتی تھی۔ ممکن ہے کہ کرسپوس سے فی الواقع کوئی
ایسی حرکت ہوئی ہو جس سے باپ کے دل میں جو بدگمانی پہلے سے تھی وہ اور پختہ ہوگئی ہو۔
ممکن ہے کہ کسی بات میں باپ کی نافرمانی کی ہو اور باپ کو جو پہلے ہی سے بیٹے کی فکر میں
تھا یہی ایک حیلہ مل گیا ہو۔ بہرکیف جولائی یا اگست ۳۲۶ء میں کرسپوس روما میں
گرفتار ہو کر حراست میں لے لیا گیا اور استریا کے علاقے میں پولا کے مقام کو روانہ کر دیا گیا۔
اس واقعے کے تھوڑے ہی زمانے کے بعد اُس کی موت کی خبر آئی۔ موت کا طریقہ جو کچھ بھی ہو
خواہ قتل ہو خواہ زہر خورانی یا خودکشی مگر اِس میں سب کو اتفاق ہے کہ وہ قدرتی موت نہیں
مرا بلکہ ہلاک کیا گیا اور یہ کہ اُس کی موت کا جوابدہ اُس کا باپ قسطنطین تھا۔ اس موقع پر
کرسپوس ہی اکیلا جان سے نہیں گیا بلکہ شہنشاہ لائی سی نیوس اور ملکہ قسطنطیہ
کا لڑکا لائی سی نیانوس بھی ہلاک کئے گئے۔ یوتروپیوس لکھتا ہے کہ یہ بڑا ہونہار لڑکا
تھا۔ اس کی عمر بارہ برس سے زیادہ نہ تھی اور اُس کی نسبت کسی طرح خیال نہیں ہوسکتا
تھا کہ وہ اپنے ماموں کے خلاف کسی سازش یا جرم کا مرتکب ہوا ہو۔

۴۴۴ مورخ زوسیموس نے جو قصہ لکھا ہے اُس کو نظر انداز کرنا مشکل ہے۔ وہ لکھتا
ہے کہ فاستہ کی دشمنی اس لئے نہ تھی کہ وہ اپنے بچوں کی ترقی میں کرسپوس کو مخل سمجھتی تھی۔
بلکہ اُس کی دشمنی کی وجہ اس سے بھی بدتر تھی یعنے وہ اپنے علاتی فرزند پر فریفتہ ہوگئی تھی۔
اُس کی طرف سے اظہار شوق تھا اور کرسپوس کو انکار۔ اور یہی بے اعتنائی کرسپوس
کی موت کا باعث ہوئی۔ آج کل کے مورخ اِس قصے کو صحیح نہیں مانتے اور لکھتے ہیں کہ
زوسیموس یونانی تھا جب کسی معاملے کی اصلیت تحقیق نہ ہوسکی تو یونانی دماغ نے اپنی
قوت متخیلہ سے ایک مضمون ایجاد کر کے پیش کر دیا۔ ہم بھی ملکہ فاستہ کو ایسے ناگفتہ بہ

ہوائے نفسانی کے الزام سے بری رکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اگر واقعی وہ کرسپوس کی دشمن تھی اور اس کی بیخ کنی میں کسی وقت تھک کر بیٹھنا نہ جانتی تھی تو اس دشمنی کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ وہ اپنی اولاد کو زیادہ سے زیادہ ترقی پر دیکھنا چاہتی تھی۔ بہرکیف اس وقت تو ملکہ فاستہ کو کامیابی ہوگئی لیکن اس کامیابی کو بہت دن جی کر دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ یوترو پیوس لکھتا ہے کہ کرسپوس کے قتل کے تھوڑے عرصے بعد قسطنطین نے فاستہ کو بھی ہلاک کروادیا۔ یہ تھوڑا عرصہ کس قدر تھا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ مورخ نے "موکس" (عرصۂ قلیل) کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی چند روز یا چند ہفتے بلکہ چند مہینے بھی ہو سکتے ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ فاستہ سے کیا تقصیر ہوئی تھی جو وہ اپنی جان سے گئی فیلوس تورجیوس لکھتا[1] ہے کہ اصطبل شاہی کے کسی ملازم یا غلام سے اُس کی آشنائی ہوگئی تھی لیکن جو شہزادہ کرسپوس سے اُس کا عشق بیان ہو چکا ہے تو پھر ایک غلام کے ساتھ عشق کرنے کا قصہ اور بھی مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک قصہ دوسرے قصے کی تائید اور اُس میں اصلیت پیدا کرنے کی غرض سے بنایا گیا ہو۔ سچ یہ ہے کہ کوئی بات تحقیق نہیں۔ اور یہ کل قصہ ایوان قیصری کا ایک راز سربستہ رکھا گیا۔ ایک امر البتہ قابل توجہ ہے جس کو اوریلیوس وکٹر اور زوسیموس دونوں بیان کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ شہنشاہ کی ماں ہیلینہ نے جب سنا کہ کرسپوس جان سے مارا گیا تو وہ اس صدمے سے بالکل بے قرار ہوگئی۔ زوسیموس لکھتا ہے کہ پہلے تو وہ اپنے پوتے کی تکلیفوں کا حال سن کر بے حد رنج کیا کرتی تھی مگر جب اُس کی موت کی خبر آئی تو غم سے بدحواس ہوگئی۔ اوریلیوس وکٹر کا بیان ہے کہ معمر ملکہ نے اس ظلم پر اپنے فرزند کو بے حد ملامت کی۔ یہ ضرور ہے کہ ملکہ ہیلینہ کو اپنی پہلی بہو مینرونیا کے لڑکے کرسپوس سے بہ نسبت دوسری بہو یعنی فاستہ کے لڑکوں کے زیادہ محبت تھی کیونکہ ہیلانہ کو بھی اپنے وقت میں سیاسی ضرورتوں کی وجہ سے مینرونیا کی طرح اپنے خاوند کا گھر چھوڑنا پڑا تھا تاکہ اُس کی جگہ ایک شہنشاہ کی بیٹی آکر گھر کرے۔ پس قسطنطین کے دربار میں ہیلینہ اور فاستہ دونوں مقابل کی حریف تھیں۔ اور ہر ایک کی کوشش

[1] حیات قسطنطین جلد ۲ باب ۴

یہی تھی کہ دوسرے پر غالب رہے۔ اگر کرسپوس کے قتل سے ثابت ہوا کہ فاستہ کو غلبہ رہا تو فاستہ کے قتل سے ثابت ہوتا ہے کہ ہیلینہ نے تختہ ہی الٹ دیا۔ جس وقت ملکہ ہیلانہ نے نوجوان پوتے کے خون پر بیٹے کو ملامت کی ہوگی تو اُس وقت زبان سے جو تیر نکلے ہوں گے وہ قسطنطین سے اُچٹ کر فاستہ ہی کو اپنا ہدف بناتے ہوں گے۔ اور جس وقت بیٹے کے دل میں اُسی کے لختِ جگر کے قتل پر پشیمانی پیدا کرنی شروع کی ہوگی تو ساتھ ساتھ فاستہ کی طرف سے بھی شہنشاہ کے دل میں غصہ و غضب کی آگ سُلگ کر تیز ہوتی گئی ہوگی۔ بیان ہوا ہے کہ فاستہ جس وقت حمام کرنے گئی تو نہایت گرم پانی کی تیز بھاپ اُس پر چھوڑی گئی جس سے دَم گھُٹ کر وہ مرگئی۔ اِس واقعے کی کئی صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ مگر وہ سب مشتبہ ہیں۔ یوسی بیوس نے تو اس مضمون پر قلم ہی نہیں اُٹھایا۔ نہ فاستہ کے قتل کا ذکر کیا ہے اور نہ کرسپوس کے۔ اِس خدارسیدہ پادری نے جسے دربارِ شہنشاہی میں باریابی حاصل تھی کوہِ پالاٹین کے جرائم آلودہ قصرِ شاہی کی طرف بالکل آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا جس کے عالیشان دروازے پر کسی ہجو گو نے اس مضمون کے دو مصرعے کاغذ پر لکھ کر لگا دئے تھے کہ

"بھلا اب کون باقی ہے جو شاہانِ سلف سے ساٹرنس کے دورِ زرنگار کی پرواہ کرے گا۔ ہمارا دور تو زر چھوڑ جواہرات کا ہے مگر یہ جواہرات ظالم بادشاہ نیرو کے جڑے ہوئے ہیں۔"

۲۴۶

اگر قسطنطین بھی ساٹرنس کی طرح اپنے بچوں کو کھا کر تھوڑی دیر کیلئے نیرو کی طرح ظالم و جفاکار ہوگیا تھا تو اِس مقدمے کا فیصلہ لکھنا یوسی بیوس کا کام نہ تھا۔ اِس محترم پادری نے تو صرف مواعظ حسنہ کے لئے قلم فرسائی کی تھی۔ پھر ایک موقع پر قسطنطین کا یہ کہنا بھی آپ کو یاد ہوگا کہ اگر کسی پادری کو گناہ کرتے ہوئے دیکھوں گا تو اُسکی عیب پوشی کے لئے ردائے شاہی کندھے سے اتار کر اُس پر ڈال دونگا۔ اگر شہنشاہِ وقت کو ایک پادری کا اتنا پاس تھا تو پھر کیا کسی پادری کا فرض نہ تھا کہ ایک نہایت متقی و باخدا مسیحی شہنشاہ کے جرموں کو ڈھکنے کے لئے فوراً سکوتِ خیر کا جُبہ گردن سے اتار کر ان پر ڈالدے۔ یوسی بیوس لکھتا ہے[۵۸] کہ لائی سی نیوس

---

۵۸ "حیاتِ قسطنطین" ۲ - صـ۱۹ -

کی موت کے بعد لوگوں کے دلوں سے پہلے خوف نکل گئے تھے۔ اُن کی نیچی نظریں پھر اوپر اُٹھنے لگی تھیں۔ صورتیں بشاش اور چہروں پر تبسم رہنے لگا تھا۔ قسطنطین کی فتح اور اُس فتح کی خوبیوں پر شہنشاہ اور اُس کے لائق فرزندوں کی جن کا شمار محبانِ خدا میں تھا دل و جان سے عزت کرنے لگے تھے غرض پچھلی مصیبتوں اور بے انصافیوں کو جلد بھول گئے۔ اور جو برکتیں اس وقت میسر تھیں اُن سے مستفید ہونے اور آیندہ ایسی ہی برکتوں کے پانے کی امید میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ پس جہاں زندگی اس درجے شیریں ہوگئی ہو وہاں کچھ تلخی بھی بطورِ مُصلح کے رہنی ضرور تھی۔ اور وہ تلخی یہی تھی کہ شہنشاہ نے غلبۂ قہر میں عزیزوں کے خون پر کمر باندھی۔ اور جب چُپکے چُپکے خبریں اُڑنے لگیں کہ قصرِ بالاتین کے خلوت کدوں میں کیا کچھ گذر رہا ہے تو روما کے باشندے خوف سے لرزنے لگے۔ اِس مضمون پر غور کرنا جس قدر دلکش ہے اُسی قدر آسان بھی ہے۔ صورت واقعہ غالباً یہ ہے کہ قسطنطین کے دل میں رفتہ رفتہ اس بات کا خوف بٹھا دیا گیا کہ اُس کی جان اور اُس کی حکومت معرضِ خطر میں ہیں۔ شہنشاہ کو قطعی یقین ہوگیا کہ وہ ہر وقت دشمنوں سے گھرا رہتا ہے اور یہ دشمن اُسی کے خون و خاندان سے ہیں۔ کرسپوس کے قتل کی نسبت یہ عام خیال ہے کہ فاستہ اُس کی سب سے بڑی محرک تھی۔ اور جب شہنشاہ کو کرسپوس کے قتل کے بعد اپنی غلطی کا حال کھلا تو پھر اُس کا غضب فاستہ پر اُترا۔ یوتروپیوس لکھتا ہے کہ قسطنطین کو دنیا میں اس درجہ کامیابی ہوئی تھی کہ اُس کا دماغ درست نہیں رہا تھا۔ نصرت و اقبالمندی اور پھر چاروں طرف سے واہ واہ کی صدائیں اُس کے حق میں زہر ہوگئیں[1]۔ مورخ کی یہ رائے ایسی معتدل و صائب ہے کہ جس صورت میں قسطنطین کی سفاکیوں کی کوئی اور معقول وجہ نہیں ملتی تو ہم بھی اسی رائے سے اتفاق کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

بیٹے کا خون کر کے جو صدمہ قسطنطین کے دل کو پہنچا اُس کی اصلیت میں شبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ زوسیموس شہنشاہ کی پریشاں حالی کی تصویر اس طرح کھینچتا ہے کہ شہنشاہ گھبرا گھبرا کر بت پرستوں کے کاہنوں کو اپنے پاس بلاتا ہے اور اپنے

[1] حیات قسطنطین جلد ۱۔ صـ ۶

نہایت عاجزی سے کہتا ہے کہ کسی طرح اِس گناہ کے داغ سے اُس کو پاک کر دو۔ جب یہ لوگ شہنشاہ کی درخواست منظور نہیں کرتے تو پھر ہسپانیہ کا ایک آوارہ گرد یہودی تسکین قلب کے لئے جو علاج بتاتا ہے وہ شروع کیا جاتا ہے۔ ایک اور حکایت بت پرستوں میں یہ مشہور ہوئی کہ بادشاہ نے سوپاتر فلسفی سے اپنے قلب کی اصلاح چاہی۔ مگر اِس فلسفی نے صاف جواب دیدیا کہ میں ایسے سخت گنہگار سے کچھ مطلب نہیں رکھنا چاہتا۔ اس کے بعد قسطنطین کو چند عیسائی پادری مل جاتے ہیں۔ یہ لوگ فوراً بادشاہ کے دل کو تسکین دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم خدا کی جناب سے تم کو پوری معافی دلوا دیں گے بشرطیکہ تم توبہ کرو اور اصطباغ لو۔ اِس قسم کے قصوں کی وجہ کچھ پوشیدہ نہیں ہے اور اُن کا غلط ہونا بھی ظاہر ہے۔ بت پرستوں نے اصلی واقعات اور اُن کے اوقات کا خیال تو رکھا نہیں اور قسطنطین کے عیسائی ہونے کی وجہ یہ قرار دے دی کہ عزیزوں کا قتل اُس کے دل پر گراں تھا۔ یہ قتل اس درجے کے گناہ تھے کہ صرف عیسائیوں ہی نے اُن کو قابلِ معافی بتایا جس سے بادشاہ کے دل کو تسکین ہوئی اور وہ عیسائی ہو گیا۔ بیزنطیہ کے ایک مصنف کودینوس نے جو اِن واقعات سے بہت بعد میں گذرا ہے لکھا ہے کہ قسطنطین نے کرسپوس کی یادگار میں اُس کی سونے کی مورت تیار کرائی اور اس پر یہ عبارت کندہ کرائی "فرزند دلبند کی یادگار میں جس کو میں نے ناحق قتل کیا"۔ اِس مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ فرزند کے غم میں باپ نے چالیس دن تک کچھ نہ کھایا اور زندگی کی ہر راحت و آسائش سے پرہیز کیا۔ اِن سے بھی بڑھ کر یہ قصہ ہے کہ قسطنطین کو اسقف روما سِل ویسٹر نے اصطباغ دیا اور اس وعدے کی شکرگذاری میں کہ شہنشاہ کے گناہ اسقف موصوف کی سفارش سے خدا معاف کر دیگا کلیسائے روما کو دنیاوی اختیارات بھی ہمیشہ کے لئے دے دئے گئے۔

ایک اور قصہ بھی ہے جو "عطیۂ قسطنطین" کے نام سے مشہور ہے مگر اب اُس کا غلط ہونا تسلیم کر لیا گیا ہے اس لئے اُس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ یہ قصہ اس درجہ لغو ہے کہ کوئی جاہل بھی اُس کا یقین نہ کریگا۔ تعجب ہے کہ وہ کیونکر مشہور ہو گیا۔ آغاز اس قصے کا یوں ہوتا ہے کہ قسطنطین نے چونکہ کلیسا پر شدائد

۲۴۸

کئے تھے اور پاپائے روما سِل ویسٹر کو جلاوطن کر دیا تھا۔ اس لئے خدا نے اُس کو مبروص کر دیا۔ جب اس مرض میں مبتلا ہوا تو ساحروں اور کاہنوں سے اور پھر طبیبوں سے باری باری مشورہ کیا۔ آخر کار کسی نے بتایا کہ اس مرض کی دوا سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچّوں کے خون میں نہائے۔ چنانچہ فوراً بہت سے بچے جمع کئے گئے کہ ان کو قتل کرکے اُن کے خون سے شہنشاہ کو غسل دیا جاوے۔ لیکن ان بچّوں نے اس قدر زور زور سے رونا اور چیخنا شروع کیا کہ شہنشاہ کو رحم آیا اور اُسوقت اُن کو ذبح کرنا ملتوی کیا گیا۔ پھر جب رات کے وقت سویا تو پطرس اور پولوس حواری خواب میں نظر آئے۔ انھوں نے حکم دیا کہ بچوں کو چھوڑ دے اور سِل ویسٹر جس کو جلاوطن کیا ہے اُس کو پھر روما میں آنے دے۔ اور جب وہ آئے تو اُسکے ہاتھ سے اصطباغ لے۔ قسطنطین نے خواب سے بیدار ہوتے ہی اس حکم کی تعمیل کی۔ سِل ویسٹر آیا اور اُس نے اُس کو اصطباغ دیا۔ اور وہ فوراً کوڑھ کے مرض سے اچھا ہو گیا۔ اور اس شکر گذاری میں اُس نے سِل ویسٹر اور اُن لوگوں کو جو آیندہ یکے بعد دیگرے اُس کے جانشین ہوں شہر روما اور ایطالیہ کے زیادہ تر حصے پر اور دیگر صوبہ جات پر ملکی اختیارات عطا کئے۔ یہ قصہ مدت تک صحیح مانا گیا۔ اور کلیسائے روما کو ملکی اختیارات ملنے کی توجیہ بھی اسی قصے کے واقعات سے ہوتی رہی۔ مگر اب ثابت ہو گیا ہے کہ یہ کل قصہ بناوٹ تھا۔ اور وہ خط جس میں قسطنطین نے سِل ویسٹر کو دنیاوی اختیارات عطا کرنے کی اطلاع دی تھی آٹھویں صدی عیسوی کا ایک مشہور جعل تھا۔ قسطنطین نے نہ کبھی کلیسا پر ظلم کئے تھے۔ نہ کبھی اُسکو کوڑھ کا مرض ہوا تھا اور نہ کبھی اُس نے بچّوں کے خون میں نہانے کا قصد کیا تھا۔ اصطباغ بھی اُسکو اُس وقت تک نہیں ملا جب تک کہ نوبت دمِ واپسیں کی نہ پہنچی۔ اور نہ اُس نے روما اور ایطالیہ کے حقوق جاگیرداری یا ملکیت کے کاغذات سِل ویسٹر کے سپرد کئے تھے۔ غرضکہ "عطیۂ قسطنطین" کا عجیب قصہ اگر تاریخی جعلسازیوں کا کوئی عجائب خانہ ہو تو اُسمیں رکھنے کے قابل چیز ہے۔[1]

[1] اس جعلی تحریر کا سب سے عجیب فقرہ یہاں نقل کرنے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ "دیکھو۔ ہم تفویض کرتے ہیں اور چھوڑتے ہیں اپنے متذکرہ بالا نہایت پاک قسیس سِل ویسٹر پر جو سب کا پوپ ہے اپنا محل اور روما کا شہر اور ایطالیہ اور مغربی ممالک کے صوبات اور زمینیں مع حقوق کے" مگر جعلساز نے بڑی بے باکی سے جعل بنایا ہے۔ چنانچہ آگے لکھتا ہے کہ "اسکے بعد قسطنطین قسطنطنیہ کو واپس چلا آیا کیونکہ یہ انصاف نہ تھا کہ اب ایک دنیا کا بادشاہ اُسی شہر میں بادشاہی کرے جہاں مذہب عیسوی کے سب سے بڑے سردار کو آسمانوں کا خدا سرداری پر سرفراز فرما چکا ہو۔"

۲۴۹

گو قسطنطین کے صدمے اور پشیمانی نے یہ صورت تو اختیار نہیں کی کہ اُسکے رفع کرنیکے لئے وہ اسقف روما کو روما اور ایطالیہ پر دروبست قبضہ اور حکومت کا اختیار دے دیتا مگر اس میں کلام نہیں کہ اب عیسوی مذہب پر اُس کا اعتقاد بہت بڑھ گیا۔ اور اِسی وجہ سے اُس نے گرجاؤں کی تعمیر اور خاص کر روما کے عیسائیوں سے زیادہ تر مسلوک رہنے کی طرف توجہ کی بیٹے کے قتل پر باپ کی پشیمانی اور پوتے کی موت پر ملکہ ہیلینہ کے صدمے اور غم کے سلسلے میں ملکہ موصوفہ کے سفر زیارت فلسطین و یروشلم کا حال لکھ دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ سفر ملکہ نے کرسپوس کے قتل سے تھوڑے ہی دن بعد اختیار کیا تھا۔ اُس وقت بھی اُس کے متعلق عجیب و غریب قصے مشہور ہوئے تھے اور بعد کو بھی وقتاً فوقتاً اُن پر اضافہ ہوتا رہا۔ ان میں ایک قصہ جس کو "انکشافِ صلیب" کہتے ہیں بہت عجیب ہے۔ سفر کے صدہا برس بعد یہ قصہ اِس صورت میں بیان ہوا تھا کہ جس وقت ملکہ ہیلانہ یروشلم میں وارد ہوئی تو مرقدِ مسیح کی زیارت کا شوق ظاہر کیا۔ مگر تمام شہر میں ایک شخص بھی ایسا نہ ملا جو بتا سکتا کہ جناب مسیح کہاں دفن ہوئے تھے۔ کوہ کلوری (کاسہ سر) جہاں (بعقیدۂ نصارے) آپ مصلوب کئے گئے تھے خاص اُس جگہ پر اور اُس سے قرب و جوار میں مکانات کثرت سے بن گئے تھے ہیکل الزہرہ جس کے قریب آپکا لاشہ صلیب سے اتار کر رکھا گیا تھا اب تک موجود تھا۔ جب کوئی شخص مزارِ مسیح کا نشان نہ بتا سکا تو ملکہ کا اشتیاق زیادہ بڑھا۔ اور اُس نے ایک ایک مکان میں قبر کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ حکم شہنشاہ کی ماں کا تھا اس لئے تلاش کرنے والوں کو اختیار تھا کہ مکانوں کے مالکوں کو تلاش کی تکلیف دیں۔ شروع میں اس کوشش کا کچھ نتیجہ نہ نکلا لیکن کچھ عرصے کے بعد ایک بڑا پرفن یہودی ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ ایک پرانی روایت سے مجھکو معلوم ہوا ہے کہ مسیح کی قبر فلاں فلاں مقام پر زمین میں دبی ہے۔ ملکہ نے اتنا سنتے ہی قبر کے برآمد کرنے کا حکم جاری کیا اور اِس کا تلاش انتظام اُسی یہودی کے سپرد کر دیا۔ غرض کہ اب تلاش شروع ہوئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف وہ کہف یا غار دریافت ہو گیا جس میں مسیح کا لاشہ رکھا گیا تھا بلکہ اُس کے ساتھ تین صلیبیں بھی برآمد کی گئیں۔ اِن صلیبوں کو دیکھتے ہی خیال ہوا کہ یہ وہ ہی صلیبیں ہیں جن میں سے ایک پر مسیح اور باقی دو پر دو مجرم مصلوب کئے گئے تھے۔ لیکن اب سوال یہ تھا کہ وہ صلیب کونسی تھی جس پر مسیح

۲۵۰

مصلوب ہوئے تھے۔ ظاہرا صورت سے تو اس کا پتا چل نہ سکتا تھا۔ مگر فوراً خیال آیا کہ صلیب مسیح ضرور کاشف کرامات ہوگی۔ اس کا امتحان کرنا کچھ دشوار نہ تھا۔ فوراً ایک بڑھیا جس کی جان نکلنے کو تھی صلیبوں کے پاس لائی گئی اور تینوں صلیبوں سے باری باری اُس کو چھوا گیا۔ پہلی دو صلیبوں کے چھونے سے کچھ اثر نہیں ہوا لیکن جب تیسری صلیب اُسکو لگائی گئی تو بڑھیا ہوش میں آکر بالکل بھلی چنگی ہوگئی۔ اور اس طرح اصلی صلیب خوش اعتقادوں پر ظاہر ہوگئی کہ جہاں تک ممکن ہو اُس کی تعظیم کریں۔ اس صلیب میں دو لوہے کی میخیں بھی لگی تھیں ملکہ ہیلینہ نے اِن دونوں آہنی کیلوں کو بہت احتیاط سے قسطنطین کے پاس بھیج دیا۔ قسطنطین نے اُن کو یاقوت و مرجان سے بھی زیادہ قیمتی سمجھا۔ ایک کیل کو اپنے تاج میں لگایا اور دوسری کیل سے اپنے گھوڑے کا دہانہ بنوایا۔

اصلی صلیب کے دریافت ہونے کا پورا قصہ اسی شکل میں ہے جس شکل میں اوپر بیان ہوا۔ اُس سے ظاہر ہے کہ صلیب کا برآمد کیا جانا ملکہ ہیلینہ کے سفر یروشلم سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ بھی اِس قصے میں آیا ہے کہ مدفن مبارک کے مقام پر جو عالیشان گرجا قسطنطین کے اواخر عہد میں تعمیر ہوا وہ بھی ملکہ ہیلینہ کا بنوایا ہوا تھا۔ یہاں اتنا اور بتا دینا ضروری ہے کہ انکشافِ صلیب کا ذکر صلیب کے برآمد ہونے سے ستر برس کے بعد پہلی مرتبہ تاریخ میں بیان ہوا ہے۔ یوسی بوس نے ملکہ ہیلینہ کے حالاتِ سفر لکھے ہیں[1] لیکن اُس کو صلیب کے برآمد کئے جانے کا علم مطلق نہیں ہے۔ قبر کے برآمد ہونے کا ذکر کرتا ہے لیکن ہیلینہ سے اُس کا کچھ تعلق نہیں بتاتا۔ اور گو بیت اللحم میں ایک نئے گرجا کی تعمیر کو بلکہ کے حسن عقیدت کا نتیجہ لکھتا ہے لیکن قبر کے مقام پر جو گرجا تعمیر ہوا اُس کو قسطنطین کا بنا کردہ کہتا ہے۔ اور کہف بیت اللحم اور مقام صعود کی درستی اور زیب و زینت کو بھی قسطنطین سے منسوب کرتا ہے۔ لیکن انکشافِ صلیب کا کہیں ذکر نہیں کرتا۔ اِس خاموشی کے یہی معنے نکلتے ہیں کہ جس زمانے میں یوسی بوس نے قسطنطین کے سوانح لکھے ہیں اُس وقت تک انکشافِ صلیب کے قصے کو شہرت نہیں ہوئی تھی۔ اِس میں البتہ شبہ نہیں کہ قبر کا مقام قسطنطین کے زمانے میں دریافت ہوا تھا اور اُسی نے

[1] "حیات قسطنطین" ۳ ' ۴۴ وغیرہ۔

اِس مقام پر اپنے زمانے کے گرجاؤں میں سے سب سے بہتر گرجا بنوایا۔ لیکن شہرتِ عام نے جس کو ہر روایت میں کرشمہ و کرامات کا رنگ بھرنا ضروری ہے قسطنطین کے سب سے خوشنما گرجا کی اصل ملکہ ہیلینہ کے زہد و اتقا سے بتائی ہے۔ اِس ملکہ پیرانہ سال کا انتقال سفرِ زیارت ختم کرنے کے تھوڑے ہی دِن بعد ہوگیا۔ قسطنطین نے پورے فوجی اعزاز کے ساتھ اپنی ماں کا جنازہ اُٹھایا۔ اور بیان ہوا ہے کہ "موجودہ دارالسلطنت کے بادشاہی گورستان میں، اُس کو دفن کیا" اِس فقرے میں دارالسلطنت کو جس لفظ سے ادا کیا ہے اُس سے صاف ظاہر ہے کہ ملکہ ہیلینہ قسطنطنیہ میں دفن ہوئی تھی۔ لیکن روما کے لوگوں کو یہ دعوے ہے کہ وہ روما میں دفن کی گئی تھی۔

ہیلینہ کی موت کے بعد چند سال کے حالات تاریخ میں کچھ نہیں ملتے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام حالت امن و امان کی ہوگی۔ لائی سی نیوس کی موت کے بعد خانہ جنگی بند ہوگئی تھی اور باہر کے دشمنوں سے بھی کوئی لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ اِس لئے یوسی بیوس کا یہ بیان[1] کہ سب لوگ عیش و آرام کے دن خوشی سے بسر کرتے تھے۔ صحیح مان لینا چاہیئے۔ رومانی سلطنت کے لئے امن کا قائم رہنا بڑی چیز تھا لیکن اِس سلطنت میں وہ کبھی مدت تک قائم نہیں رہا۔ چنانچہ ۳۲۳ء میں اور اُس کے بعد دو برس تک شہنشاہ کو قوطیوں اور سرماتیوں سے جنگ میں مصروف رہنا پڑا۔ ان لڑائیوں کے حالات مستند مورخوں کی کتابوں میں ایسے منتشر و متضاد صورت میں بیان ہوئے ہیں کہ اُن سے بالترتیب کسی لڑائی کا حال لکھنا ممکن نہیں۔

اقوام غیر سے لڑائی ہمیشہ ایسی صورت میں ہوئی ہے کہ سرحد پر وہ چڑھ آئی ہیں اور پھر اُن کا نکالنا ضروری ہوا ہے۔ اِس زمانے میں معلوم ہوتا ہے کہ شمال مشرقی سرحد پر دریائے ڈینیوب کے بڑے خم سے لے کر توڑکی کرسونیز تک لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ قسطنطین اور اُس کی فوجوں نے اِن غیر اقوام کو پیچھے ہٹا دیا۔ کبھی اُس کو فتوحات ہوئیں اور کبھی خود پسپا ہونا پڑا۔ یہاں تک کہ ۳۳۲ء عیسوی میں قسطنطین نے اِسکو غنیمت جانا کہ قوم قوط کے سرداروں سے صلح کرلے۔ یہاں بیان ہوا ہے کہ شہنشاہ نے

[1] "حیاتِ قسطنطین" ۴، ۱۴۔

ایک معقول رقم قوط کے سرداروں کو سالانہ ادا کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے
۲۵۳ کہ غیر قوموں کے مقابلے میں رومانی فتوحات ایسی عظیم الشان نہ تھیں جن سے یوسی بوییس
کے اس قول کی قدر ہو سکے کہ قسطن طین پہلا بادشاہ تھا جس نے اپنی حکومت کا جوا
اِن غیر قوموں کی گردن پر رکھا اور اُن کو سکھایا کہ رومانیوں کو اپنا آقا اور مالک سمجھیں[1]۔
اب رہے سرماتی لوگ اُن کی نسبت یوسی بوییس لکھتا ہے[2] کہ سِتھیا والوں کے
مقابلے کے لیے ان لوگوں کو اپنے غلاموں کو امداد کی غرض سے ہتھیار دینے پڑے لیکن
غلاموں نے ہتھیار لگا کر اپنے پرانے مالکوں سے بغاوت کی اور مالک مجبور ہوئے کہ قسطنطین
کی پناہ ڈھونڈیں اور رومانی عملداری میں آکر آباد ہونے کی اجازت حاصل کریں چنانچہ
سرماتیوں میں سے بعض لوگ رومانی فوجوں میں بھرتی کیے گئے۔ اور بہت سے سرحدی
علاقوں میں کاشتکاری کے لیے تقسیم کر دیئے گئے۔ یوسی بوییس لکھتا ہے کہ یہ لوگ
کہتے تھے کہ ہم پہلے رومانیوں کی پناہ میں آنے کو بدقسمتی سمجھتے تھے لیکن یہ بدقسمتی حقیقت
میں خوش نصیبی ثابت ہوئی کیونکہ وحشیانہ زندگی سے پیچھا چھوٹا اور اُس کی جگہ رومانی
حُریت نصیب ہوئی۔ لیکن ہم یوسی بوییس کی اِس عبارت کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ
سرماتیوں کو رومانی علاقے میں آباد ہونے کی اجازت دینی فی الحقیقت قسطن طین کی
کمزوری کی دلیل تھی ہمارا ایسا خیال کرنا غالباً غلط نہ ہوگا۔ یہ سرماتی اسیرانِ جنگ
نہ تھے بلکہ سرحد پر ملازم رکھے گئے تھے کہ اپنے بھائی بندوں سے اُس کی حفاظت کرتے
رہیں۔ اور اِس خدمت کے معاوضے میں اِس نوآباد رعایا کو ایک رقم کثیر شاہی
خزانے سے دی جاتی تھی۔ یوتروپیوس کا یہ فقرہ کہ اقوام غیر میں قسطن طین بڑا سخی اور
۲۵۴ فیاض مشہور تھا[3] اِسی معاوضۂ کثیر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مگر قسطنطین کے خزانے
میں روپیہ اس کثرت سے نہ تھا کہ بلاوجہ بڑے بڑے وظائف لوگوں کے لیے مقرر کیے جاتے
اس سے ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ اِن اقوام سے کسی قسم کی شکست کھا کر اُن کی آیندہ
ضرر رسانی سے بچنے کے لیے اُن کو روپیہ دیا گیا بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ رومانی عَلَم کی عزت
سلامت رکھنے کے بعد مفتوح کو آیندہ دوست رکھنے کی غرض سے روپیہ صرف کیا گیا۔

[1] "حیات قسطن طین" جلد ۴ ص ۵ ؛ [2] ایضاً۔ جلد ۴ ص ۶ ؛ [3] ۔ ۱۰ "

مشرقی سرحد پر قسطنطین کے زمانے میں از اول تا آخر امن رہا۔ ایران کو گیلی ریوس نے اس درجے تباہ کر دیا تھا کہ شہنشاہِ عجم نارسیز نے پرانے عہد نامے کی تجدید یا ترمیم میں کوشش نہیں کی۔ حالانکہ اس عہد نامے سے دولت ایران کی بہت کسر شان ہو رہی تھی۔ نارسیز کے لڑکے ہرمزد نے آرمینیہ اور اُن علاقوں کے نکل جانے پر صبر کیا جو دجلہ کے پار والے پنج صوبات کہلاتے تھے۔ ہرمزد کے بعد اُس کا لڑکا جب تک پیدا ہو کر جوان ہو سلطنت ایک مدت تک وزرائے کے ہاتھ میں رہی۔ اور اِس زمانے میں رومانی عملداری پر ایران کی جانب سے کوئی حملہ نہیں ہوا۔ شاپور پسر ہرمزد تخت نشین ہو کر بڑا صاحب حوصلہ ہمدردِ قوم اور قابل بادشاہ ثابت ہوا۔ اور اُس نے قصد کیا کہ جو حقوق سلطنت کے چھین گئے ہیں، اُن کا مطالبہ کرے اور اپنے حقوق کی دائمی سلامتی کا بندوبست کرے۔ مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جو صلح ایران و روما میں ایک عرصے سے چلی آتی تھی اُس میں کیونکر فرق پیدا ہوا۔ یوسی بیوس لکھتا ہے کہ شاپور نے ایک سفارت قسطنطین کے پاس بھیجی۔ قسطنطین نے سفیروں کی بہت خاطر و مدارات کی اور ان ہی سفیروں کے ہاتھ ایک خط شاپور کو لکھ کر روانہ کیا اور اِس میں لکھا کہ بادشاہِ ایران اپنی عیسائی رعایا پر ہمیشہ لطف و مہربانی کی نظر رکھے گا۔ اِس خط میں قسطنطین نے اپنے مذہب کا حال ایک بڑی طولانی عبارت میں لکھا اور لکھا کہ میں خدا کی بندگی کو اپنا سب سے بڑا فرض جانتا ہوں اور قربانی کا خون دیکھنے اور اُس کی بُو سونگھنے سے مجھکو سخت نفرت ہوتی ہے۔ اسی خط میں یہ بھی بیان کیا کہ جس خدا کو میں مانتا ہوں وہ اپنے بندوں سے سوائے اس کے کسی بات کا متوقع نہیں ہے کہ وہ اپنی طینت و نفس کو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک رکھیں۔ اس کے بعد قسطنطین شاپور کو جتاتا ہے کہ جن رومانی شہنشاہوں نے عیسائیوں پر ظلم کیے تھے اُن کا نام و نشان دنیا سے مٹ گیا چنانچہ ان ہی میں سے شہنشاہ ویلریان پر جو کچھ گذرا اُس کا حال شاپور نے سنا ہی ہوگا کہ جب ایران سے شکست کھائی اور شاہِ عجم نے فتح کی خوشی میں اپنی سواری نکالی تو ویلیریان پابہ زنجیر سواری کے ساتھ رکھا گیا (یہ باتیں جتا کر قسطنطین لکھتا ہے کہ) "پس میں اُن عیسائیوں کو بادشاہِ شاپور کی پناہ و حفاظت میں سونپتا ہوں جو ایران کے بعض نہایت ہی خوش نما خطوں کو اپنی آبادی سے عزت اور رونق

۲۵۷

دے رہے ہیں "

اِس عجیب خط سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاپور اپنے ملک میں عیسائیوں کی ترقی تعداد دیکھ کر گھبرایا جاتا تھا۔ اُس کو ہرگز اِس کا احساس نہ تھا کہ عیسائی اُس کے ملک کی عزت و رونق کے بڑھانے والے ہیں۔ یہ تحقیق نہیں ہوتا کہ شاہ پور نے اِس خط کا کوئی جواب دیا یا نہیں۔ اور اگر جواب دیا تو وہ کیا تھا کیونکہ قسطنطین کے خط سے ایک طرح کی دھمکی نکلتی تھی۔ بہرکیف ۳۳۵ء عیسوی میں ایران کی طرف سے رومانی عملداری پر لشکر کشی ہو گئی۔ اِسی لشکر کشی کی نسبت یوسی بیوس لکھتا ہے کہ "مشرقی سرحد پر بعض بیرونی اقوام نے بغاوت کردی[1] قسطنطین بھی ایران سے لڑنے کو تیار ہو گیا۔ دوسرے لفظوں میں اِس واقعے کو یوں سمجھیئے کہ دجلے پار والے پنج صوبات میں شاپور نے رومانی رعایا کو اشتعال دے کر اُن سے بغاوت کرا دی۔ اور جو ملک ایران سے نکل گئے تھے اُن کا دعویدار ہو گیا۔ قسطنطین نے لڑائی کا نقشہ پادریوں کے سامنے رکھا اور پادریوں نے قصد ظاہر کیا کہ وہ بھی شہنشاہ کے ساتھ لڑائی پر جائیں گے۔ بادشاہ یہ سُن کر خوش ہوا۔ اور حکم دیا کہ گرجا کی وضع کا ایک خیمہ تیار کیا جاوے۔ تاکہ لڑائی کے زمانے میں اُس میں نماز ہوا کرے۔ شاپور نے جب لڑائی کی ایسی تیاریاں سنیں تو ایک سفارت صلح کی غرض سے بھیجی اور شہنشاہ نے جس سے زیادہ بادشاہوں میں کوئی صلح پسند نہ تھا صلح کرنی منظور کرلی۔ یوسی بیوس نے اِس قصے کو اِس طرح بیان کیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مشرق کی رومانی فوجیں لڑائی کے لیئے یکجا کرلی گئیں۔ یہ تحقیق نہیں ہے کہ صلح منظور ہوئی یا نہیں مگر اتنا ثابت ہے کہ ۳۳۷ء عیسوی میں قسطنطین کے مرتے ہی دنیا کی دو زبردست سلطنتوں میں یعنی ایران و روما میں پھر پرانا نزاع زندہ ہو گیا اور ایک لڑائی شروع ہوئی جو قسطنطین کے تینوں لڑکوں اور اُن کے بعد ایک بھتیجے کے عہد حکومت تک جاری رہی "

۲۵۶

[1] "حیات قسطنطین" جلد ۴۔ صفحہ ۵۶ "

۲۵۶

تیرھواں باب

شہر قسطنطنیہ کی تعمیر

اب موقع آیا ہے کہ عہد **قسطنطین** کے سب سے بڑے سیاسی کام کا ذکر کریں۔ **قسطنطین** نے دنیا کے پایہ تخت کو اطالیہ کی سرزمین سے اٹھا کر یورپ اور ایشیا کے ساحلوں کے قریب آباد کیا۔ یہاں سوال یہ ہے کہ وہ کیا چیز تھی جس کی وجہ سے اس نے ایسا کیا۔ ہمارے نزدیک شہنشاہ کی کسی ذاتی غرض کو اس کی وجہ قرار دینا کافی نہیں ہے۔ زوسیموس لکھتا ہے کہ قسطنطین روما کو ناپسند کرتا تھا اور وجہ یہ تھی کہ وہ یہاں ہر وقت اپنی بیوی اور بیٹے کو یاد کیا کرتا تھا جنہیں غصے کی حالت میں اس نے ہلاک کرا دیا تھا۔ اب قصر پالاتین میں اس کو ایک دم چین نہ تھا کیونکہ اس کے ہر سنگ و خشت سے کسی نہ کسی قتل یا مرگ مفاجات کی بو آتی تھی۔ تمام در و دیوار بے شمار دغا بازیوں اور نمک حرامیوں کے شاہد کھڑے تھے۔ زوسیموس کا یہ لکھنا سب درست ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ روما بہ نسبت کسی دوسرے شہر کے قسطنطین کے دل کو کم چین دیتا ہو۔ لیکن ذاتی خواہشیں خواہ وہ کتنے ہی بڑے آدمیوں کی ہوں آنے والی نسلوں کو اپنا پابند نہیں کر سکتیں۔ دنیا میں بہت سے شہر شاہانِ جہاں کے اشارے سے تیار ہو گئے۔ مگر کچھ زمانے تک قائم رہنے کے بعد اُن کا نام و نشان نہ رہا۔ ان میں سب سے بڑی مثال شہر سلوقیہ کی ہے کہ اس کے

۲۵۷

مکانات کا تو کیا ذکر ہے کوئی مٹی کا ڈھیر بھی اب ایسا باقی نہیں ہے جو اس شہر کا نشان بتاتا ہو۔ برخلاف اس کے دنیا کے بہت سے تاریخی شہر قدامت سے ایسے چلے آتے ہیں جن کو اپنے بانیانِ مقتدر کی وجہ سے نہیں بلکہ محض جغرافی و حربی موقع کے اعتبار سے بقائے دوام حاصل ہوا ہے۔ پس یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ روما کے سر سے تاجِ بزرگی اس وجہ سے اتر گیا کہ قسطنطین یہاں کی یادگاری میں اپنے اُن جرائم کو نہ بھول سکتا تھا جنھوں نے عزیزوں کے خون سے اُس کے ہاتھوں کو رنگا تھا

گولڈن ہارن

(ترکی - ترسانے بوغازی)

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ قسطنطین سے پہلے اور شہنشاہوں نے بھی اس قوموں کی ملکہ یعنی دارالحکومت روما کو اُس کی شان و شوکت سے محروم کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ مغربی حصہ سلطنت میں سرحد کے قریب سے نئے شہر آباد ہو چلے تھے۔ جزیرۂ برطانیہ میں گو لندن آسودہ شہر تھا لیکن زیادہ تر ترقی یارک کے شہر کو ہوئی جو سرحد کے قریب تھا قیصر مغرب جب کبھی دورہ کرتا ہوا اس جزیرے میں آتا تھا تو اُسی شہر میں قیام کرتا تھا۔ گال میں تریویز کا شہر بہت بڑا تھا۔ لیکن لائنز نے دولت و آسودگی میں اُس کو مات کر دیا تھا۔ تمام فوجی اور ملکی صیغے اُسی میں قائم ہو گئے تھے۔ اطالیہ میں میلان کے شہر کو بہت کچھ رونق روما کو اجاڑ کر دی گئی تھی۔ بہرکیف روما کا موقع اب بہت دور از کار سمجھا جاتا تھا شہنشاہ دائیوک لیشن نے یورپ چھوڑ کر ایشیا کی زمین پر بھی نیا کے علاقے میں نیکومیدیا کے شہر کو زیب و زینت بخشی تھی۔ غرض روما بلا شک اب دنیا کے قدیم کا مرکز ثقل نہ رہا تھا۔ یا اسی مفہوم کو اگر دوسرے لفظوں میں ادا کریں تو یہ سمجھئے کہ رومانی دنیا اب ایک واحد بسیط قلمرو کی صورت میں نہ رہ سکتی تھی۔ دائیوک لیشن نے جس وقت قیصر و اغسطس مقرر کرنے کا قاعدہ نکالا تو وہ اس ضرورت کو بخوبی سمجھ چکا تھا۔ اور قاعدہ بھی ہے کہ جہاں کسی سلطنت میں انتظام حکومت کے لیے اختیارات کی تقسیم ہوئی پھر سلطنت کا دارالحکومت کوئی ایک شہر نہیں رہا کرتا۔ یہ کہنا کہ تقسیم کی طرف تو پہلے ہی سے سب مائل تھے قسطنطین نے ایک جدید دارالحکومت بنا کر بہت جلد سلطنت کے دو ٹکڑے کر دیئے درست نہیں۔ قسطنطین نے اپنے شہر کا نام نیا روما رکھا تھا۔ اس نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی دانست میں محض روما کو دریائے ٹائیبر کے کنارے سے اٹھا کر بوسفورس کے ساحل پر آباد کرنا چاہتا تھا اور یہ تبدیلی محض موقع کی خوبی کی وجہ سے چاہی تھی۔ البتہ اس واقعے سے کہ شہر کا نام نیا روما فوراً ہی ترک کر دیا گیا اور شہنشاہ کے نام پر اس کو قسطنطنطوپول کہا گیا جو لاطینی نہیں بلکہ یونانی زبان کی ترکیب ہے۔ اتنا ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ تقسیم سلطنت کی طرف عام رجحان خاطر کس قدر قوی ہو چلا تھا۔ قسطنطین نے اپنا نیا شہر پرانے شہر بیزنطیہ کے موقع پر بنایا۔ اب سوال یہ ہے کہ بیزنطیہ میں کیا خوبی دیکھی کہ اُس کو اپنے نئے شہر کا موقع قرار دیا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اس موقع کے فوائد قسطنطین کو بھی وہ ہی نظر آئے تھے جو زمانہ حال کے اہل سیاست

۲۵۹

کو نظر آتے ہیں۔ اس قصے سے بالعموم لوگ واقف ہیں کہ عہد نامۂ تلسِت کے بعد زار روس اسکندر نے شہنشاہ نپولین سے بار بار قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کی اجازت چاہی۔ نپولین نے آخر کار اپنے سکرٹری ذی مینیوال سے کہا کہ یورپ کا جو بڑے سے بڑا نقشہ مل سکے وہ پیش کیا جائے۔ جب نقشہ سامنے آیا تو کچھ دیر اس پر غور کرنے کے بعد نپولین نے نظر اونچی کر کے کہا "قسطنطنیہ پر قبضہ کیا جاوے؟ چہ خوش! قسطنطنیہ پر قبضہ کرنا تو کل دنیا پر مسلط ہونا ہے۔" لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ کیا نپولین کا یہ خیال درست تھا؟ - اس کا جواب یہ ہے کہ آج کل کے صاحب دانش اس خیال سے متفق نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بحر متوسط کو ایک زمانے میں بہت بڑا درجہ حاصل تھا۔ مگر اب یہ بات نہیں ہے۔ اور حربی لحاظ سے بھی قسطنطنیہ کی حیثیت جب سے کہ نہر سویس بن گئی ہے اور مصر پر برطانیہ کا تصرف ہوا ہے بہت کچھ بدل گئی ہے۔ مگر نپولین کا یہ فقرہ کہ قسطنطنیہ پر قبضہ ہونا کل دنیا پر مسلط ہونے کے برابر ہے گو ہم کو ایک بڑے آدمی کی محض ایک ادعا معلوم ہو لیکن اگر قسطنطین اس خیال کو سنتا تو ایسا نہ سمجھتا۔ کیونکہ اس کے زمانے میں جس چیز سے مراد دنیا تھی وہ ہمارے زمانے کی دنیا سے بہت مختصر تھی۔ اور حربی مسائل بھی جو اس وقت حل طلب تھے آجکل کے مسائل سے مختلف شکل رکھتے تھے۔ قسطنطین نے جس دن لائی سی نیوس کو شکست دیکر بیزنطیہ پر قبضہ کیا تھا اسی دن گویا دنیا فتح کر لی تھی۔ اس لئے جس مقام سے دنیا پر فتح پائی تھی اُسی مقام سے دنیا پر تسلط بھی رہنا چاہتا تھا۔

آخر زمانے کے بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ بیزنطیہ کے موقع پر نیا شہر بنانیکا فیصلہ قسطنطین نے ایک عرصے تک غور کرنیکے بعد کیا۔ بیزنطیہ کے علاوہ چند اور شہروں ۲۶۰ کے حقوق پر بھی نظر کی۔ مثلاً ایک نیسوس کا شہر پانونیہ کے علاقے میں تھا جہاں قسطنطین پیدا ہوا تھا۔ لیکن ہم کو یقین نہیں کہ قسطنطین نے اس شہر کو کبھی دارالحکومت بنانے کا قصد کیا ہو۔ نیسوس کے علاوہ سار دیکا کا شہر دریائے ڈینیوب کے کنارے پر تھا جس کا موجودہ نام بلگراد (بلغراد) ہے اور جو سربیہ کا دارالحکومت ہے۔ اس شہر کا موقع ایسا تھا کہ اس نے تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل کی۔ سرحد پر جو جگہ سب سے زیادہ پرخطر تھی اس کے قریب ہی یہ شہر آباد تھا۔ بیزنطیہ کے مورخ لکھتے ہیں کہ قسطنطین

اکثر کہا کرتا تھا کہ "میرا روما تو ساردیکا ہے"۔ ساردیکا کے علاوہ جو شہر پسند کے قابل تھا وہ نیکومیدیا تھا۔ جس کو شہنشاہ ڈائیوک لیشن نے بہت پسند کیا تھا۔ نیکومیدیا کو چھوڑ کر سلونیکا کا شہر تھا جو اس وقت بھی اگر قابل ہاتھوں میں ہو تو مشرقی یورپ کے نہایت آسودہ حال شہروں میں سے ایک شہر ہو سکتا ہے۔ زوسیموس لکھتا ہے کہ جس وقت قسطنطین نے مصمم ارادہ کر لیا کہ نیا شہر اُس تنگ سمندر کے کنارے بنایا جائیگا جو قارۂ یورپ کو براعظم ایشیا سے جدا کرتا ہے تو اُس نے پہلے ایشیا کا ساحل شہر بنانے کے لیے پسند کیا بلکہ وہاں شہر کی بنیاد ڈال کر کچھ عمارتیں بھی بنوانی شروع کر دیں۔ یہی مورخ لکھتا ہے کہ اُس کے زمانے تک اِس نئے شہر کے آثار ترائی اور پرگامم کے درمیان نظر آتے تھے۔ لیکن یہ واقعات مشتبہ معلوم ہوتے ہیں۔ بیزنطیہ کے موقع پر شہر بنانے کی نسبت طرح طرح کے قصے مشہور ہوئے منجملہ اُن کے ایک یہ تھا کہ کرائی سوپولس کے شہر سے ایک عقاب اُڑا اور اِس پرواز میں اُس نے بیزنطیہ کا رخ اختیار کیا۔ قسطنطین نے یہ دیکھ کر بیزنطیہ کو مبارک سمجھا۔ اور وہیں اپنا شہر بنانا پسند کیا۔ ایک دوسرا قصہ اس سے بھی دلچسپ یہ ہے کہ ایک دن قسطنطین سو رہا تھا کہ ایک بڑھیا جن جو بیزنطیہ کی پاسبانی کیا کرتا تھا اُس کو خواب میں نظر آیا۔ اور نظر آتے ہی وہ ایک نہایت حسین عورت کی شکل میں بدل گیا اور اس عورت کو قسطنطین نے اپنا نشان قیصری پیش کیا۔ یہ قصے سب دلچسپ ہیں۔ لیکن موقع کو پسند کرنے کی اتنی ہی وجہ سمجھنی کافی ہے کہ اُس نے اپنے تجربے اور اچھی سمجھ سے یہ موقع تلاش کیا۔ وہ اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ بیزنطیہ اپنے قدرتی موقع کی وجہ سے نہایت مستحکم مقام ہے۔ اور دیکھ چکا تھا کہ جس زمانے میں خود اس شہر کا محاصرہ کیا تھا تو اُس کی فوجوں کو شہر پر قبضہ کرنے میں کیسی سخت دشواریاں ہوئی تھیں۔ موقع کی خوشنمائی اور قدرتی خوبیوں پر بھی جب کبھی ادھر سے گذر ہوا تھا غور کر چکا تھا۔ یہ شہر پرانے وقتوں کا ایک نہایت مشہور و معروف مقام تھا۔ مدتہائے دراز سے اہل یونان کے تصور میں بحر یوزین (افشین) کے طوفان نہایت پُر خطر ہوتے تھے۔ اِس سمندر کو وہ اپنے ملک سے شمال مشرقی سمت میں بہت ہی فاصلۂ دراز پر سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ اسکی بلا خیز طوفانی موجیں اُن باغوں کی نگہبانی کرتی ہیں جہاں میوے

۲۶۱

درختوں میں سونے کے پھل لگے ہیں اور ہس پیرائڈی نام کی حسین پریاں اُن کی رکھوالی کرتی ہیں۔ یا جہاں سونے کی اُون رکھی ہے۔ اور ایک ہیبت ناک صورت کا دیو جو رات دن میں کسی وقت نہیں سوتا اُس پر پہرا دے رہا ہے۔ اور یہ سمندر لوگوں کو اُن وسیع ملکوں میں پہنچنے سے روکتا ہے جو اُس کے کنارے پھیلے پڑے ہیں اور جہاں بڑے بڑے دریا دہشت ناک زمینوں پر بہتے ہیں اور جن کی جھیلوں اور بحیروں میں ہمیشہ سخت طوفان آیا کرتے ہیں۔ بیزنطیہ کے آباد ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ ساتویں صدی قبل مسیح میں میگارا واقع یونان کے ملاحوں نے کسی طرح بوسفورس کے دہانے تک اپنی کشتیاں پہنچا دیں۔ اور اس مقام پر اتر پڑے جہاں سمدر دیوتا کی بیٹی ایو دنیا کا سیر و سفر کرتی ہوئی یورپ کے ساحل سے ایشیا جانے کے لیے سوار ہوئی تھی۔ میگارا کے ملاح اپنی کشتیاں موڑ کر بوسفورس کی اُس شاخ میں لے آئے جہاں موجیں خاموش تھیں اور جو پرانے نام گولڈن ہارن یا ترکی میں ترسانے بوغازی کے نام سے دنیا میں مشہور ہے۔ پھر سورج کے دیوتا اپولو نے اِن ملاحوں کو حکم دیا کہ ایک بستی ٹھیک اُس شہر کے سامنے بسائیں جو اندھوں کا شہر ہو۔ چنانچہ اِن ملاحوں نے ایشیا کے ساحل پر کیلیسیڈون کو اندھوں کا شہر سمجھ کر اُس کے محاذ میں یورپ کے ساحل پر اپنی بستی بسائی۔ کیلسیڈون کو انھوں نے اندھوں کا شہر اس وجہ سے سمجھا کہ اُس کے بنانے والے اندھے ہی ہوں گے جو اُنھوں نے یورپ کا کنارہ چھوڑ کر ایشیا کے ساحل پر اپنا شہر آباد کیا۔

بیزاس میگاری نے جو چھوٹی سی نو آبادی (بیزنطیہ کے نام سے) ساحل پر آباد کی اُس کو بہت جلد ترقی ہوئی۔ مگر قسمت کی گردشوں کا بھی بخوبی تجربہ ہوتا رہا۔ ایک زمانہ آیا کہ دارائے عجم نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد یونانی سپہ سالار پاسے نیاس فاتح پلاتیا نے یونان سے ایرانی لشکر کشوں کو پسپا کر کے اُس کا محاصرہ کر لیا اور مدت کی کوشش کے بعد شہر کو ایرانیوں کے تصرف سے نکال لیا۔ پھر یہ شہر کبھی دولتِ ایتھنز کا محکوم رہا اور کبھی اُسکا حریف مقابل بن گیا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ **فلپ** (فیلقوس) بادشاہ مقدونیہ نے اُس کا محاصرہ کیا۔ دو برس تک یہ شہر مقدونیہ کے حملوں کا کامیابی سے جواب دیتا رہا۔ اِس بے مثل جرأت و ہمت پر دور دور اُس کی شہرت ہو گئی۔ مجلسِ ایتھنز میں اِس وقت اتفاق سے ڈیموس تھنیز بڑے پلے کا خطیب تھا۔ یہ اُسی کی جادو بیانی کا اثر تھا کہ

۲۶۶

ایتھنز نے بیزنطیہ کی کمک پر فوجیں اور جہاز روانہ کیے۔ اسی زمانے میں ایک رات یہ واقعہ پیش آیا کہ مقدونیہ والوں نے اندھیرے میں شہر پر چھاپہ مارنا چاہا لیکن حملے کا قصد ہی کیا تھا کہ آسمان پر چاند نکل آیا۔ چاند نکلتے ہی بیزنطیہ والے ہوشیار ہو گئے اور شہر کو دشمن کے حملے سے بچالیا۔ اِس واقعے کی یادگار میں اُنھوں نے اپنے سونے کے سکے پر ہلال اور ستارے کی تصویر بنائی جو اِس وقت بھی ساڑھے چار سو برس سے ترکی سلطنت کا نشان چلی آتی ہے۔ بیزنطیہ کی دولت تجارت سے بڑھی۔ اُس کا بندرگاہ وہ تھا جہاں سے بوسفورس سے نکلنے والے اور بوسفورس میں داخل ہونے والے جہازوں کو گذرنا لازمی تھا۔ پس کوئی جہاز جب تک کہ وہ دہانہ بوسفورس کے شہر پر محصول ادا نہ کرلے بحر اسود میں نہیں چل سکتا تھا۔ پولی بیوس لکھتا ہے کہ "ہمارے نواح میں جہاں تک کہ ساحلی شہروں سے بحث ہے بیزنطیہ کے شہر سے زیادہ محفوظ اور فائدے کا دوسرا شہر نہ تھا۔" اس کے بعد لکھتا ہے۔

"چونکہ بحر اسود کے ساحلوں پر تمام ایسی چیزیں جو باقی دنیا کے لئے ضروریاتِ زندگی سے ہیں بکثرت موجود ہیں اِس لئے سمجھنا چاہئے کہ بیزنطیہ ہی کو اِن چیزوں پر قبضہ حاصل ہے۔ زندگی کی ضروریات میں سب سے پہلی چیز مویشی اور غلام ہیں۔ یہ چیزیں جس قدر عمدہ قسم کی اور بکثرت ساحل اسود کے ملحق ملکوں سے آتی ہیں اور کسی ملک سے نہیں آتیں۔ تکلف کی چیزوں میں دیکھئے تو اِن ہی ملکوں سے شہد۔ موم۔ اور نمک لگی ہوئی مچھلیاں آتی ہیں اور ہمارے ملک میں جس قدر شراب اور روغن صرف سے بچ جاتا ہے اُسکی کھپت بھی ان ہی ملکوں میں ہوتی ہے۔"[1]

غرض بیزنطیہ کا شہر یورپ و ایشیا کے ناکے پر واقع ہونے سے سب قوموں کے لئے بحر اسود کا دروازہ کھلا رکھتا تھا۔ پولی بیوس لکھتا ہے کہ اس شہر کے احسانات یونانیوں پر بہت تھے جس وقت رومانی دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن کر ظاہر ہونے شروع ہوئے تو بیزنطیہ نے سینیٹ یعنی مجلس سیاست روما سے ایک عہد نامہ کرلیا۔ روما نے بھی اِسی میں مصلحت دیکھی کہ بوسفورس پر ایک زبردست

[1] جلد ۴ باب ۳۸ وغیرہ۔

ریاست کا دوست رہنا اُن کے حق میں بہتر ہے کیونکہ اس ریاست کے پاس جہاز کثرت سے تھے۔ اور اہل روما کے پاس بالعموم جہازوں کی قلت رہتی تھی۔ رومانی عہد میں بیزنطیہ کو بحیثیت ایک آزاد اور متحدہ ریاست کے مدت تک کم و بیش امن و اقتدار حاصل رہا۔ لیکن جب شہنشاہ وسپاسیان کا زمانہ آیا تو اُس نے بیزنطیہ کو اُس کے حقوق سے محروم کر دیا۔ گو یہ حقوق بعد کو دیدیئے گئے لیکن دوسری صدی کے خاتمے کے قریب پھر اُسکو ایک سخت صدمہ پہنچا۔ اور وہ یہ تھا کہ شہنشاہ سے ویروس نے محاصرہ کر کے اُس پر قبضہ کر لیا۔ یہ محاصرہ عرصے تک جاری رکھنا پڑا جس کی وجہ سے ویروس کا غصہ بڑھتا گیا۔ چنانچہ جس وقت شہر فتح ہو گیا تو اُس نے شہر پناہ کے منہدم کرنے کا حکم دیا۔ دیواروں کے گرانے میں بہت وقت لگا اور محنت صرف ہوئی۔ کیونکہ پتھر سے پتھر اس طرح وصل کیا گیا تھا کہ کل دیوار سالم ایک پتھر کی معلوم ہوتی تھی۔ بعد کو سے ویروس اپنی اس حرکت پر نادم ہوا اور مرنے سے کچھ پہلے اُس نے حکم دیا کہ شہر پناہ پھر بنا دی جاوے۔ غرض یہ سے ویروس کا بنایا ہوا بیزنطیہ تھا جس کو قسطنطین نے زیادہ تکلف سے تعمیر کر کے اپنا دارالسلطنت بنانا چاہا؛

اِس شہر کے موقع کی عمدگی کا حال جس خوبی سے مورخ گبن نے لکھا ہے اُس سے بہتر کوئی دوسرا نہیں لکھ سکا۔ ایک جگہ لکھتا ہے کہ یہ موقع ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قضا و قدر نے خود اپنے ہاتھ سے اُس کو ایک عظیم الشان سلطنت کا مرکز بنانے کے لئے تیار کیا تھا۔ اِس مضمون کے متعلق جو عبارت مورخ کی کتاب کے سترھویں باب میں ہے ہم اُس کو یہاں بجنسہ نقل کرتے ہیں:۔

"یہ شہر اکتالیسویں عرض بلد میں واقع ہے۔ یہی عرض بلد قریب قریب۔ روما۔ مجریط اور نیویارک کا ہے۔ شہر کی ساتوں پہاڑیوں سے یورپ اور ایشیا کے ساحل نظر آتے تھے۔ موسم معتدل اور تندرستی کے لئے اچھا تھا۔ زمین شاداب و ثمر خیز تھی۔ بندرگاہ محفوظ اور وسیع تھے۔ یورپ کی جانب راستہ تنگ تھا اور دشمن اس طرف آسانی سے روکا جا سکتا تھا۔ بوسفورس اور ہلیس پونٹ (دردانیال) قسطنطنیہ کے دو دروازے تھے جس کسی کا قبضہ ان دونوں دروازوں پر ہو اُس کے اختیار میں تھا کہ جب چاہے اُس کو بحری دشمنوں پر بند کر دے اور جب چاہے تجارتی مال کے بیڑوں کے لئے اُن کو

۲۶۱

کھول دے مشرقی سلطنت کی حفاظت ایک حد تک قسطنطین کی مصلحت سیاسی کا نتیجہ کہی جا سکتی ہے کیونکہ بحر اسود کی غیر قوموں کو جو اگلے وقتوں میں اپنے بیڑے بحر متوسط تک لا کر لوٹ مار کیا کرتی تھیں اب قسطنطنیہ سے گذرنا سخت دشوار ہو گیا اور ان کو مجبور ہو کر قزاقی کا پیشہ چھوڑنا پڑا جس وقت بوسفورس اور ہیلس پونٹ کے دروازے بند کر دیئے جاتے تھے تو قسطنطنیہ میں کسی چیز کی کمی نہ ہوتی تھی۔ اُس کی شہر پناہ اس قدر وسیع زمین کو احاطہ کیئے تھی کہ ہر قسم کی چیزیں غریبوں کی ضرورت سے لے کر امیروں کے تکلفات کی اُس میں پیدا ہوتی تھیں تھریس اور بتھی نیا کے سواحل اُس وقت بھی اور اب بھی ایسی قابلیت کی زمین رکھتے ہیں کہ اُن پر باغ اور انگورستان لگا کر کثرت سے میوے پیدا کرنے مشکل نہیں۔ بحرِ مارسورہ لذیذ مچھلیوں کے لیئے مشہور تھا جن کا خزانہ اب تک لازوال ہے اور جو خاص خاص موسموں میں بغیر زیادہ مشقت و ترکیب کے آسانی سے پکڑی جاتی تھیں۔ لیکن جب بوسفورس اور ہیلس پونٹ کے دروازے کھول دئے جاتے تھے تو پھر اطراف شمال و جنوب اور بحر اسود و متوسط کی پیداوار۔ جرمنی اور سِتھیا کے جنگلوں میں دریائے تینیلس اور بورِتھینز کے منبعوں تک جس قدر چیزیں مل سکتی تھیں وہ سب اور ایشیا و یورپ کی صنعت کی عمدہ عمدہ چیزیں۔ مصر کا غلہ۔ ہندوستان کے جواہرات اور خوشبودار مصالح جہازوں میں بھرے بادِ موافق کی مدد سے قسطنطنیہ کے بندرگاہ میں آتے تھے اور یہی وہ مقام تھا جس نے صدہا برس تک پرانی دنیا کی تجارت کو اپنے طرف مائل رکھا۔

حربی اعتبار سے بھی یہ امر مفید تھا کہ حکومت کا مستقر اور افواج سلطنت کا صدر مقام اُس راستے کے قریب ہو جہاں سے ایشیا کی خانہ بدوش قومیں ایشیا سے اُٹھ کر یورپ میں پہنچا کرتی تھیں۔ یہ راستہ اُن اقطاع سے گذرا تھا جو بحر اسود کے شمالی ساحل سے ملحق تھے۔ سیتھی و گوط و سرماتی یہ جس قدر قومیں تھیں اسی راستے سے گذر کر یورپ میں داخل ہوئی تھیں۔ ہُن کی قوم نے اِس زمانے سے چند صدیوں کے بعد یورپ پر یورش کی۔ رومانی فوجیں قسطنطنیہ سے جہازوں پر سوار ہو کر بہت جلد بحر اسود کا گشت لگا سکتی تھیں۔ اور ڈینیوب۔ تنائیس اور بورِتھینز کے دریاؤں میں کشتیاں ڈال کر ایسے موقعوں پر جہاں خطرہ زیادہ

۲۶۵

ہو قوام غیر کے مقابلے کے لئے تیار ہو سکتی تھیں ؛

قسطنطین نے نئے شہر کی داغ بیل جس طرح ڈالی اُس کا قصہ سب کو معلوم ہے۔ پرانا شہر بیزنطیہ بہت چھوٹا تھا یعنی وہ صرف اُس حصے میں آباد تھا جس کو آجکل سرالیو (محل سرا) کہتے ہیں قسطنطین کو یہ رقبہ بہت ناکافی معلوم ہوا۔ چنانچہ پرانے شہر کی حد سے نکل کر بحر مارمورہ کے کنارے کنارے برچھی سے نشان ڈالتا ہوا چلا۔ ملازمین شاہی ہم رکاب تھے۔ جب شہر سے بہت دور نکل آیا تو وہ تعجب میں گئے اور عرض کرنے لگے کہ اگر نئے شہر کو اس قدر طول دیا جائیگا تو احاطہ بہت ہی وسیع ہو جائے گا اور شہر پناہ بھی بہت بڑی بنانی پڑیگی۔ قسطنطین یہ سنکر ناخوش ہوا اور کہنے لگا کہ میں ابھی اور آگے بڑھونگا۔ اور تا وقتیکہ "وہ ہادی برحق جو اس وقت میرے آگے چل رہا ہے گو نظر سے پوشیدہ ہے مجھ کو آگے بڑھنے سے نہ روکے گا میں برابر بڑھتا چلا جاونگا"۔ یہ حکایت سب سے پہلے فیلوس تورجیوس نے بیان کی ہے۔ مگر اُس کے مضمون میں کوئی ندرت نہیں ہے۔ قسطنطین کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا تھا کہ وہ رعایا پر اپنی مرضی کو خدا کی مرضی ظاہر کیا کرتا تھا۔ شہر کی حدود قائم کرنے میں بھی یہ ہی ظاہر کیا کہ گویا وہ خدا کے کسی خاص ارشاد کی تعمیل میں مصروف ہے۔ چنانچہ ایک فرمان میں بھی قسطنطنیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نیا شہر بنانے کے لیے "خدا کا حکم" اُس کے پاس آیا تھا۔ یہ جملہ لکھنے کو تو سب ہی بادشاہ لکھ جاتے ہیں لیکن کسی کے لئے اُس کا مفہوم زیادہ ہوتا ہے کسی کے لئے کم۔ اِس کا تعلق زیادہ تر طبیعت سے ہے قسطنطین کے لیے "خدا کا حکم" (نومنتی دیو) بہت پر معنی جملہ تھا اور وہ چاہتا تھا کہ اُس کی رعایا بھی اُس کو پر معنی سمجھے ؛

علمائے آثار کو قسطنطین کی بنائی ہوئی شہر پناہ کا پتا چلانا کوئی آسان کام نہیں معلوم ہوا۔ خاص کر شہر پناہ کا وہ حصہ جو خشکی کی طرف تھا۔ سمندر کی طرف سرالیو سے لے کر مارمورہ کے کنارے کنارے جو فصیل سے ویروس نے بنائی تھی اُسکو قسطنطین نے اور اونچا کر کے خوب مضبوط بنا دیا۔ اور امیلیانوس کے دروازے تک اسی طرح دیوار کو اونچا کرتا ہوا لے گیا۔ اِس دیوار سے شہر کی جنوب مغربی حد قائم ہوتی تھی۔ شہر پناہ کا یہ حصہ ایک مرتبہ زلزلے کے صدمے سے ٹوٹ گیا تھا۔ شاہان آرکیدیاوس و تھیودوسیوس ثانی نے پھر اُس کو بنوایا۔ خشکی کی طرف کی دیوار دروازۂ امیلیانوس سے

۲۶۶

شروع ہوکر چکر کاٹتی ہوئی ترسانے بوغازی (گولڈن ہارن) کے گوشے تک آئی ہے اور یہ اُس مقام پر ختم ہوتی تھی جس کو آج کل جبل کاپو کہتے ہیں۔ اِس دیوار میں سات دروازے اور بچانوے برج تھے۔ جس وقت آبادی بڑھتی اور شہر میں گنجائش نہ رہی تو یہ دیوار گرادی گئی اور شہنشاہ تھیودوسیوس نے ایک نئی فصیل نہایت مضبوط تیار کرائی جو اِس وقت تک صحیح وسالم موجود ہے۔ پرانی دیوار کے نشانات کا پتہ بہت کم چلتا ہے۔ لیکن یہ عام طور پر مانا جاتا ہے کہ اِس دیوار نے قسطنطنیہ کی ساتوں پہاڑیوں کو احاطہ نہیں کیا تھا۔ گو جدید روما کو بھی مثل قدیم روما کے سپٹی کولس یعنی "ہفت کوہ" ہونے کا دعوے تھا۔ لیکن بوغاز قسطنطنیہ (گولڈن ہارن) کے کنارے قسطنطین نے کوئی دیوار نہیں بنوائی۔ اُس کے عہد سے پانچ سوبرس کے بعد اِس طرف دیوار بنائی گئی۔ خلیج بوسفورس کی وجہ سے شہر کو محفوظ سمجھ کر اِس طرف شہر پناہ بنانی غیر ضروری سمجھی گئی تھی۔ لیکن حفاظت کی نظر سے خلیج کے دہانے پر ایک بڑی بھاری زنجیر پیپوں پر جو پانی پر قائم تھے سہارا دیکر ایک سرے سے دوسرے تک کھچوادی تھی۔ اِس زنجیر کا ایک سرا دیمیتریوس کے قلعے سے شروع ہوا تھا۔ اور دوسرا سرا اُس مقام تک آیا تھا جس کو گلاتہ (غلطہ) کہتے ہیں۔ اِس زنجیر کی چند کڑیاں اب تک ترکی جبہ خانہ (سلاح خانہ) میں موجود ہیں۔ یہ خیال کہ دشمن کو روکنے کے واسطے یہ زنجیر کفایت کرے گی کچھ بے جا نہ تھا۔ کیونکہ قسطنطنیہ کے جس قدر محاصرے ہوئے اُنمیں صرف ایک مرتبہ دشمن اِس زنجیر سے گذر سکا۔ یعنی ۱۲۰۳ء عیسوی میں جبکہ ایطالیہ کے صلیبی سپاہی باوجود عیسائی ہونے کے اِس مسیحی دارالحکومت پر ٹوٹ پڑے تھے۔ [267] متذکرۂ بالا رقبے کے اندر جو پرانے شہر بیزنطیہ کے رقبے سے بڑا مگر اُس وسعت کے مقابلے میں کم تھا جو تھیودوسیوس کے زمانے میں شہر کو حاصل ہوئی قسطنطین نے اپنا شہر تعمیر کرنا شروع کیا۔ قسطنطنیہ کا شہر اِس قدر جلد تیار ہوا کہ شاید ہی کوئی دارالحکومت اِس قدر کم وقت میں بنا ہو۔ تعمیر کا کام بہت جلد ختم کر کے بالکل ختم کے قریب پہنچا کر ۳۳۰ء کے ۱۱ مئی میں یعنی آغاز تعمیر سے چار برس کے اندر رسم افتتاح کی بہت بڑی نماز پڑھی گئی۔ اِس کل زمانے میں قسطنطین کے دماغ میں سوائے تعمیر کے دوسرا مضمون نہ تھا۔ جس طرح قدیم زمانے میں ملکہ دیدو نے افریقہ پہنچ کر اپنے

ہم وطن اہل صور سے قرطاجنہ کی دیواریں جلد جلد اُٹھوائی تھیں ایسی ہی زود دستی سے قسطنطین نے بھی اپنا شہر تیار کرایا۔

جوئے اور اینٹوں کے عشق میں خون پانی ایک ہو گیا شہنشاہ اوگستیوس کی طرح قسطنطین کا بھی یہی خیال تھا کہ حال کی شوکت اور آیندہ کے استحکام کے لئے کسی دارالسلطنت کی تعمیر پر جس قدر دولت صرف کی جا دے وہ کم ہے قسطنطین نے صرف قسطنطنیہ ہی میں نہیں بلکہ اور شہروں میں بھی تعمیر کا سلسلہ جاری کیا۔ روما۔ یروشلم۔ انطاکیہ اور گال کے شہروں میں ہمیشہ عمارتیں بنواتا رہا۔ والیان ملک کو جس وقت تعمیر کے متعلق حکم جاری کرتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ نہایت بے صبر ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی حاکم کو لکھا کہ "مجھ کو یہ نہ لکھو کہ عمارت کا کام شروع ہو گیا ہے۔ بلکہ یہ لکھو کہ عمارتیں بنکر تیار ہو گئیں" قسطنطنیہ کے سامان تعمیر کے لئے دنیا کو چھان مارا معماروں اور مہندسوں کی تلاش اور مشہور اُستادوں کی بنائی ہوئی چیزوں کے فراہم کرنے میں کوئی دقیقہ کوشش کا باقی نہ چھوڑا۔ جب جلدی اس انتہا کو پہنچی تھی تو پھر ظاہر ہے کہ عمارتیں کمزور بنی ہوں گی۔ بعض مکانات تو تھوڑا سا زلزلہ آتے ہی گر گئے۔ بعض کو اتنے صدمے کی بھی ضرورت نہیں ہوئی۔ خود ہی گر گئے۔ بیان ہوا ہے کہ شہر بننے کے بعد دو تین صدیوں تک قسطنطنیہ کی عمارتوں کو زلزلوں سے بہت نقصان اُٹھانا پڑا لیکن بالکل ممکن ہے کہ یہ نقصان زلزلوں کے باعث نہ ہوا ہو بلکہ زیادہ تر سامان تعمیر کی خرابی اور بنیادوں کی کمزوری کا نتیجہ ہو شہنشاہ جولیان قسطنطین کے شہر کو ایدونس کے باغ سے تشبیہ دیا کرتا تھا جہاں ہر صبح نئے پودے لگائے جاتے تھے اور رات کو جل کر خاک ہو جایا کرتے تھے۔ یہ مذمت واقعی کچھ بے جا نہ تھی۔

مگر باوجود ان نقصوں کے جس شہر کو قسطنطین بنیادوں سے اُٹھتے دیکھا کرتا تھا وہ تیار ہو کر حسن وخوبی میں بے مثل نکلا۔ اس وقت قسطنطنیہ میں بہت سے پرانے آثار یا اُن کے نشانات جو زمانے کی غارتگری سے ابھی تک بالکل نہیں مٹے ہیں نظر آتے ہیں۔ مگر علماء آثار کو حیرت ہے کہ اس شہر کی جس قدیم عمارت یا مقام کی تحقیق میں تاریخ کے اوراق اُلٹتے ہیں تو ہمیشہ قسطنطین کے عہد میں پہنچکر دم لینا پڑتا ہے گو قسطنطین کے بعد بیسیوں رومانی شہنشاہ اور ترکی سلاطین ہوئے اور ہر کہ آمد عمارت نو ساخت کا

۲۶۸

مضمون جاری رہا تاکہ اینٹ پتھر کی کچھ نشانیاں اپنی بھی دنیا میں چھوڑ جاویں۔ لیکن سچ پوچھیے تو قسطنطنیہ ابھی تک قسطنطین ہی کا بنایا ہوا شہر ہے۔ نافِ شہر میں قسطنطین نے اوگستیوم جس کو "بادشاہی چوک" کہنا زیبا ہوگا بنوایا۔ یہ ایک وسیع غیر مسقف قطع تھا جس میں سنگ مرمر کا فرش تھا۔ اس کی شکل کے بارے میں کہ آیا وہ مدوّر تھا یا مربع یا مستطیل مورخوں نے اختلاف کیا ہے۔ سنگ مرمر کے فرش پر جا بجا نہایت عمدہ صنعت کے بت اور مجسمے نصب تھے۔ اور چاروں طرف بڑی عالیشان اور خوشنما عمارتیں تھیں۔ شمال کی طرف سنکتا سوفایا (ایا صوفیہ) کا گرجا تھا۔ مشرق کی سمت میں اوگستیوم سے دارالمشورت کی عمارت تھی۔ اس قسم کی عمارتیں دو تھیں ایک کو اوگستیوم کا دارالمشورت کہتے تھے اور دوسرے کو فورم کا دارالمشورت۔ جنوب کی سمت میں قصر شہنشاہی تھا جس میں ایک بڑے عالیشان دروازے سے داخل ہوتے تھے۔ اس دروازے کا نام کالسی تھا۔ اسی جنوبی سمت میں ہپودروم کا ایک حصہ اور زوسی پس کے حوض و حمام تھے (ہپودروم کو ترکی میں ات میدان یعنی اسپ دوانی کا میدان کہتے ہیں) اوگستیوم اور فورم کے بیچ میں جو سڑک تھی اُس کو "میزے" یعنی بیچ کی راہ کہتے تھے۔ اور اس پر پہنچنے کا راستہ مغرب کی جانب سے تھا۔ اوگستیوم (شاہی چوک) میں جس کو قسطنطین کے بعد اور شہنشاہوں نے بھی بہت عمدہ چیزوں سے آراستہ کیا تھا ایک سنگ مرمر کا ستون نصب تھا جس کو ملیون کہتے تھے۔ اس ستون سے سلطنت کے مختلف مقامات کا فاصلہ شمار ہوتا تھا۔ اور اُس کے قریب ہی سنگِ مرمر کی مورتوں کا ایک مجموعہ تھا جس میں ایک بہت اونچی سنگین صلیب کے ایک جانب قسطنطین کا اور ایک جانب اُس کی ماں ہیلینہ کا بت کھڑا تھا۔ ایک اور مورت ملکہ ہیلینہ کی سنگِ سماق کے چبوترے پر نصب تھی۔ اِسی چوک میں ایک بُت تھا جس میں شہنشاہ جسٹی نیان کو گھوڑے پر سوار دکھایا تھا۔ یہ عالیشان بُت تمام دنیا میں مشہور تھا۔ ترکوں کی فتح سے پہلے اُس کا حال اکثر سیاحوں نے لکھا ہے۔ لیکن جب مسلمانوں نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو اس بُت کو پاش پاش کردیا۔

اوگستیوم (چوک) کے مغرب میں قسطنطین کا فورم تھا۔ اِس کی شکل بیضاوی تھی اور صحن کے گرداگرد خوبصورت ستونوں کی صفیں تھیں۔ دونوں سروں پر عالیشان دروازے تھے۔ صحن کے بیچ میں "منارہ قسطنطین" تھا۔ مشہور ہے کہ جس وقت قسطنطین نے بیزنطیہ میں لائی سی نیوس کا محاصرہ کیا تھا تو اسی مقام پر اپنا خیمہ

۲۶۹

نصب کیا گیا تھا۔ یہ منارہ ابتک موجود ہے مگر بہت ہی شکستہ اور تبدیل شدہ صورت رکھتا ہے۔ مدت سے اُس کا نام جلا ہوا منارہ یا ستون سماق (ترکی میں چمبرلی تاش) مشہور ہوگیا ہے۔ پہلے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آگ سے اُس کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ اور دوسرے نام کی وجہ یہ ہے کہ پُورا منارہ سنگ سماق کا ہے۔ اسی قسم کے پتھر کے آٹھ مُدوّر ٹکڑے دس دس فیٹ بلندی کے اس منارے میں ایک کے اوپر ایک رکھے ہوئے ہیں۔ اور اِن ٹکڑوں کو پیتل کی بہت چکلی اور دبیز پٹی سے باندھا ہے جو منارے کے گرد اس طرح لپٹی ہوئی ہے جیسے کسی ستون پر پھولوں کی بیل چڑھی ہو۔ اسیطرح پتھر کے ٹکڑوں کو جوڑ کر یہ منارہ ایک سنگ مرمر کی نشست پر جس کی بلندی ۱۹ فیٹ کی ہے قائم کیا گیا ہے۔ اور یہ نشست خود ۱۹ فیٹ بلندی کے ایک چبوترے پر قائم ہے۔ اِس چبوترے کے چاروں طرف بہت خوبصورت سیڑھیاں بنی تھیں چبوترے کے اندر کہا جاتا ہے کہ بہت سے پرانے تبرکات رکھے تھے۔ معلوم نہیں کہ فی الواقع ایسا ہی تھا یا محض روایت ہی روایت ہے۔ بہرکیف مشہور یہ ہے کہ اِن تبرکات میں ایک تو مریم مگدلینی کا سپید سنگین صندوقچہ تھا اور دو صلیبیں تھیں جن پر جناب مسیح کے مصلوب ہونے کے وقت دو بدکاروں کو مصلوب کیا گیا تھا۔ اِن ہی تبرکات میں وہ تیشہ تھا جس سے عہد اوّلین کے درختوں سے لکڑیاں کاٹ کر حضرت نوحؑ نے اپنی کشتی تیار کی تھی۔ اور اِسی صحبت اغیار میں رومائے قدیمہ کا پیلاڈیوم (یعنی بُتان پاسبان کا مجموعہ) تھا جو کیپی ٹول واقع روما کی پہاڑی سے اُٹھا کر اس اجنبی زمین میں لایا گیا تھا۔ منارے کے پایے پر اس مضمون کا ایک کتبہ تھا کہ "اے مسیح حاکم اور مالک اِس دنیا کے۔ میں اِس فرمانبردار شہر کو مع اپنے عصار حکومت اور روما کی سطوت کے تیری حفاظت میں سونپتا ہوں۔ اُس کو ہر نقصان سے محفوظ رکھ اور اُس کی ہر مشکل کو حل کر۔"

منارے کی چوٹی پر سُورج کے دیوتا اپولو کا ایک بڑا عالیشان پیتل کا بُت نصب تھا۔ یہ بت ایتھنز کے شہر سے سرقہ کیا گیا تھا جہاں وہ مشہور بُت تراش فیدیاس کی صنعت کا اصلی نمونہ سمجھا جاتا تھا۔ مگر اِس بُت میں منارے پر نصب ہونے سے ۲۷۰ پہلے ایک بہت ہی ناروا تبدیلی کی گئی تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ اپولو کا چہرہ اُس پر سے اُتار کر قسطنطین کا چہرہ بنا کر لگا دیا گیا تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ اِس زمانے کے

بُت تراشوں میں اتنی لیاقت نہ تھی کہ وہ شہنشاہ کے لائق اُس کا بُت تیار کر سکتے۔ پھر یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اور بھی کسی بُت کو نہیں خاصکر اپولو کے بُت کو تن سے سر جدا ہونے کی مشتبہ عزت بخشی گئی۔ کیونکہ عیسائی ہونے سے پہلے قسطنطین تمام بتوں میں اپولو ہی کو سب سے زیادہ پرستش اور عبادت کے لائق سمجھتا تھا۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ سب سے پہلے عیسائی شہنشاہ کو یہ بات کیونکر گوارا ہو گئی کہ خاص ایسے شہر میں جس کی شہرت اُسی کے نام سے دنیا میں ہوئی۔ ضروری تھی۔ ایک ایسا بُت اُس کی یادگار میں نصب کیا جاوے جس سے بُت پرستی کی صدہا حکایات و روایات منسوب تھیں۔ اس بُت پر جو عبارت کندہ تھی وہ بھی بُت پرستوں کی اصلاح کے لیئے تھی۔ یعنی "قسطنطین کو سورج کی طرح چمکتا ہوا" لکھا تھا۔ بُت کے سر کے گرد جو سورج کی کرن کا ہالہ تھا وہ بھی خاص بُت پرستوں کا نشان تھا۔ مگر قسطنطین نے ان دونوں باتوں میں سے کسی پر بھی حرف گیری نہ کی۔ اپولو کے اصلی بُت کے داہنے ہاتھ میں یونان کے بُت تراش نے ایک برچھا اور بائیں ہاتھ کی ہتیلی پر ایک کرہ رکھا تھا۔ اب اس کرہ پر ایک صلیب رکھدی گئی اور دیکھئے کہ سورج کا دیوتا (اپولو) بدل کر قسطنطین ہو گیا اور کوہ اولمپس کے خداؤں میں سے سب سے چمکتا ہوا خدا زمین پر مسیح کا دست و بازو بن گیا۔ قسطنطین کی شکل اختیار کرتے ہی یہ بُت وہ ہو گیا جس کی صدہا برس تک بے انتہا تعظیم کی گئی گھوڑے کا سوار قریب آتے ہی گھوڑے سے اُتر پڑتا تھا۔ اور ہر ماہ ستمبر کی پہلی تاریخ کو اسی بُت کے قدموں کے نیچے شہنشاہ و بطریق۔ اساقفہ و قسیس جمع ہوتے تھے کہ شہنشاہ کی تعریف میں سرود بجائیں اور اُس کے لیئے دعائیں مانگیں اس بُت کا آخر کار کیا حشر ہوا اسکا حال مختصر یہ ہے کہ ۴۷۷ء عیسوی میں ہاتھ کا کرہ جس پر صلیب بنی تھی ایک زلزلے کے صدمے سے نیچے گر گیا ۵۴۱ء عیسوی میں برچھے کی قسمت بھی اسی طرح پھوٹی۔ ۱۱۰۵ء عیسوی میں پورا بُت منارے کی چوٹی سے زمین پر بڑی مہیب آواز کے ساتھ گرا اور کئی آدمی دب کر مر گئے۔ اس واقعے کے بعد منارے کی چوٹی پر ایک صلیب تیار کر کے نصب کر دی گئی۔ لیکن آگ کے شعلوں اور زمانے کے غارتگر ہاتھوں نے اس منارے کی شکل اب اس درجہ بگاڑ دی ہے کہ اس کا پہچاننا بھی مشکل ہے ؎

اوگستیوم کے قریب ہی سے قصر شہنشاہی کا عالیشان سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ اِس قصر کو اور محلوں سے تمیز کرنے کے لیئے قصر کبیر کہا جاتا تھا۔ یہ قصر حقیقت میں بادشاہی محلوں کا ایک مجموعہ تھا جو نہایت وسیع رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ ہر قسم کی ضروریات جو بادشاہوں کو پیش آتی ہیں اُس میں موجود تھیں۔ گویا شہر کے اندر ایک دوسرا شہر آباد تھا۔ ہر چہار طرف سے فصیلوں اور بُرجوں سے محفوظ کیا گیا تھا۔ اُس میں شہنشاہوں کی سکونت کے مکانات باغات۔ گرجا۔ بارکیں۔ حوض و حمام موجود تھے۔ اور جب تک **قصر بالاکرنی** میں جو شہر کے دوسرے حصے میں تھا قسطنطنیہ کے بادشاہوں نے سکونت اختیار نہیں کی اسی قصر کبیر کی چار دیواری میں شہنشاہوں نے اپنے لیئے نئے نئے محل تیار کرائے یا سابق کے محلوں میں ترمیم کی۔ زمانہ مابعد میں یہ قصر متعدد عمارتوں کا ایک ایسا مجموعہ ہو گیا جن میں باہمی تعلق تھا۔ ان مختلف عمارتوں میں بعض کے نام یہ تھے۔ **کریسو ترک لینون۔ تری کونکن۔ دافنی۔ کالسے۔ بوکولیون۔ مانا ورا**۔ ایک عمارت کا نام دافنی اس وجہ سے تھا کہ اِس عمارت میں باغ **دافنی** سے جو **انطاکیہ** میں واقع تھا ایک مشہور کاہن کا ستون لاکر نصب کیا گیا تھا۔ ان میں ایک عمارت ایسی تھی جو **قسطنطین** کے وقت سے چلی آتی تھی۔ اس کا نام "محل سماق" تھا۔ اس کی چھت مخروطی شکل کی سنگ سماق کی تھی اور یہ پتھر خاص اہتمام سے **روما** سے لایا گیا تھا۔ یہ عمارت مستوراتِ شاہی کی آسائش کیلئے خاص اوقات میں مخصوص تھی یعنی بیگمات شاہی زمانۂ حمل میں ہر وقت کی فکر و پریشانی سے بچنے کے لیئے یہاں چلی آتی تھیں۔ جو بچّے اِس محل میں پیدا ہوتے تھے اُنکو **پورفا یروجنیتی** یعنی محل سماق میں پیدا ہونے والے یا سماقی کہتے تھے۔ ان بچّوں نے جوان ہو کر **بیزنطیہ** کی تاریخ میں بڑے بڑے کارنمایاں کیئے ہیں۔

۲۷۳ **قسطنطین** نے سطح زمین کے اوپر ہی عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ بعض سطح زمین سے نیچے بھی تعمیر کرائیں۔ نئے شہر کے موقعے میں اگر کچھ عیب تھا تو صرف یہ تھا کہ اُس میں پانی کے قدرتی چشمے بہت کم تھے۔ اس لیئے پانی پختہ نہروں کے ذریعے سے شہر میں لاکر حوضوں میں جمع کیا جاتا تھا اور پھر وہاں سے تمام شہر میں تقسیم ہوتا تھا۔ یہ حوض یا پانی کے خزانے بہت اونچے ستونوں یا پایوں پر قائم کیئے گئے تھے۔ بعض حوض چھوٹے تھے اور بعض حوض اتنے بڑے تھے کہ اُن کے بنوانے میں بڑی دولت صرف ہوئی ہوگی۔ ان میں دو سب سے بڑے حوض

جو اس وقت تک سولہ سو برس سے موجود ہیں بالکل درست حالت میں ہیں۔ انہیں ایک حوض فیلوک سینوس کا بنوایا ہوا ہے جس کو ترکی زبان میں "بن بیر درک" یا ہزار و یک ستون کہتے ہیں۔ یہ پانی کا بڑا خزانہ چودہ چودہ سنگین پیل پایوں کی سولہ صفوں پر قائم ہے۔ ہر ایک پایے کو اس طرح قائم کیا ہے کہ تین ستون ایک کے اوپر ایک اٹھارہ اٹھارہ فیٹ کے کھڑے کیے ہیں۔ گویا ایک پیل پایے کی مجموعی بلندی ۵۴ فیٹ کی ہے سب سے نیچے کے اور کسی قدر بیچ کے ستون مدت سے مٹی میں دب گئے ہیں فیلوک سینوس جس کا نام اس رفیع الشان عمارت کی وجہ سے ہمیشہ کو زندہ ہو گیا روما سے خاص شہنشاہ کی طلبی پر قسطنطنیہ آیا تھا۔ یہاں آکر شہنشاہ کو خوش کرنے کے لیے اور خلق کی حاجت روائی کے شوق میں اس حوض کی تعمیر میں کثرت سے اپنا روپیہ صرف کیا۔ شہر کے اور لوگوں سے بھی اس تعمیر کے لیے چندہ لیا گیا۔ اور جس طرح آجکل چندہ مانگنے کے وقت مذبذب طبیعتوں کو یہ سنا کر ابھارا جاتا ہے کہ آپکا نام نامی بنیاد کے پتھر پر کندہ کرایا جائے گا اور لوگ اس معصوم شوقِ نمود میں تھیلیوں کا منہ کھول دیتے ہیں اسی طرح اس زمانے میں بھی ہوا کیونکہ ان ستونوں پر ایسے ہی چندہ دینے والوں کے نام کہیں کہیں ابھی تک پڑھے جاتے ہیں۔ مسٹر گروور جنھوں نے ان پانی کے خزانوں کا ذکر بہت ہی خوبی و تفصیل سے لکھا ہے لکھتے ہیں کہ یہ نام یونانی حروف میں کندہ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "جس قدر کتبے دیکھنے میں آتے ہیں وہ سب یونانی زبان میں ہیں۔ بانیِ شہر نے اس شہر کو دوسرا روما بنانا چاہا تھا مگر تمام کتبوں کا یونانی زبان میں ہونا ثابت کرتا ہے کہ رومانی خصوصیتیں اس شہر میں بہت کم پیدا ہو سکیں"۔ دوسرا بڑا حوض شہنشاہی حوض کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی تعمیر قسطنطین نے شروع کی تھی اور شہنشاہ جسٹی نیان نے اپنے عہد میں اس کی درستی کی اس حوض کو آجکل ترکی زبان میں "یری بطن سرائے" یا زمیں دوز عمارت کہتے ہیں (غالباً یہ کہیں کسی نشیب کی زمین یا وادی میں واقع ہے)۔ یہ پانی کا خزانہ ۳۳۶ ستونوں پر قائم ہے۔ ایک ستون سے دوسرے ستون میں بارہ بارہ فیٹ کا فاصلہ ہے۔ اور ستونوں کی صفیں ۲۸ ہیں۔ حوض کا طول ۳۹۰ فیٹ کا اور عرض ۱۷۴ فیٹ کا ہے اور نہر والنس سے اُس میں اب تک پانی اسی طرح آتا ہے جیسے کہ پہلے دن آیا تھا۔

قسطنطنیہ کی شان و شوکت زیادہ تر اُس کے گرجاؤں اور ہپو دروم یعنے

۲۷۴

گھڑ دوڑ کے میدان سے تھی۔ گرجاؤں کا مختصر حال یہ ہے کہ شنت سوفایا کا گرجا جو مشہور عالم
ہے (اور جو آجکل مسجد ایا صوفیہ ہے) یہ قسطنطین کا بنوایا ہوا نہیں ہے بلکہ شہنشاہ جستی نیان
کی تعمیرات سے ہے۔ قسطن طین نے بھی ایک گرجا اسی نام کا بنوایا تھا جس پر خود اُس نے
اور اُس کے بعد اکثر شہنشاہوں نے بہت دولت صرف کی تھی لیکن یہ گرجا نیکا کے
ہنگامے میں جل کر خاک ہو گیا۔ یہ ہنگامہ وہ تھا جس نے آدھے شہر کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا تھا۔
قسطنطین نے اس گرجا کو اس نیت سے نہیں بنوایا تھا کہ وہ شہر کا سب سے بڑا گرجا یعنی
مطرانی کلیسا سمجھا جاوے۔ مطرانی کلیسا اُس نے علیحدہ تیار کرایا تھا۔ مگر وہ سوفوس (عقل)
کے نام سے نہیں بلکہ ایرینی (امن دخیر) کے نام سے موسوم ہوا تھا۔ اُس کا نام
شنت سوفایا (یعنی معبد عقل الٰہی) نہ تھا بلکہ شنت ایرینی (یعنی معبد امن خداوندی)
تھا۔ نیکا کے ہنگامے میں شنت ایرینی کا گرجا بھی جل گیا۔ مگر جستی نیان نے اُسکو
ازسر نو تیار کرایا۔ یہ گرجا وہ تھا جو بطریق کے زیر انتظام تھا۔ اور اُس کو بطریقی کلیسا
کہا جاتا تھا۔ کیونکہ اس میں پیش نمازی کی خدمت خاص بطریق کو حاصل تھی۔ قسیسوں
کی کوئی علیحدہ جماعت اس کلیسا کی ملازمت میں نہ تھی۔ سنہ ۳۲۵ عیسوی میں اسی شنت ایرینی
کے گرجا میں قربانگاہ کے نیچے اسکندر بطریق قسطنطنیہ نے شبانہ روز خدا سے دعا مانگی تھی
کہ مجھ میں اور اریوس میں کسی ایک کو پسند کر لے۔ اس کا جواب یا جس کو جواب
سمجھا گیا منارۂ قسطنطین کے نیچے خدا کی طرف سے ملا۔ اسی گرجا میں پچاس برس ۲۷۵
کے بعد سنہ ۳۸۱ عیسوی میں اریوسی مناظرہ خاتمہ کو پہنچا اور یہ ہی وہ گرجا تھا جہاں قطعی فیصلہ
سنایا گیا کہ روح القدس فضیلت میں باپ اور بیٹے کے برابر ہے۔ اور یہ ہی ایک
گرجا زمانۂ بیزنطیہ کا یاد دلانیوالا شہر کے اُس حصے میں باقی ہے جس کو سرالیو کہتے
ہیں۔ ترکوں کی فتح کے زمانے سے وہ بطور ایک حربی عجائب خانے کے استعمال
ہوتا ہے۔ اُس کی دیواروں پر طرح طرح کے زرہ بکتر۔ خود و چار آئینے۔ گرز و نیزے
اور پرانے وقتوں کی تلواریں نصب ہیں اور نیچے فرش پر آجکل کی بندوقیں اور نلیں
آراستہ ہیں اور وہ عمارت جس کو امن وسلامتی کا گھر کہا جاتا تھا اور امن وسلامتی بھی
وہ جو انسان کے دائرۂ ادراک سے خارج تھی اب سامانِ جنگ و پیکار کا مخزن ہے۔
مسٹر گروونر اُس کے تاریخی حالات کا خلاصہ ایک ہی فقرے میں خوب لکھ گئے ہیں

گرشینت ایرینی ایک عظیم الشان آتشدان کا سنگین فرش ہے جس پر خدا کا دیا ہوا مذہب اور دنیا کی فتوحات و ہزیمتیں سب راکھ کا ڈھیر ہو کر ٹھنڈی پڑی ہیں"

قسطنطنیہ کا ایک اور گرجا بھی قابلِ ذکر ہے۔ یہ گرجا وہ ہے جس کو **قسطنطین** نے **ثالوث مقدس** کے نام سے موسوم کیا تھا۔ مگر یہ نام بہت جلد "حوارئین قدسیہ" کے نام سے بدل گیا۔ کیونکہ اس کے قربانگاہ پر **پولوس** کے خدا ترس ساتھی **تموتی**، **اندراس** و **لوقہ** کی ہڈیاں۔ **ماتھیاس** شہید کا لاشہ یعقوب برادرِ مسیح اور **یوحنا** کا سر رکھا تھا۔ یہ تبرکات اس درجہ وقیع تھے کہ گرجا کا نام "کلیسائے ثالوث" سے "کلیسائے حوارئین" ہو گیا۔ اسی گرجا کے منبر سے **یوحنا کری سوستم** نے ملکہ **یودوشیا** کی تکفیر کی تھی۔ لیکن اس کی شہرت کا اصلی باعث یہ ہوا کہ وہ صدہا برس تک شاہانِ قسطنطنیہ کا گورستان رہا۔ سوائے مسلط خاندان شاہی یا مشرقی کلیسا کے عمائد کے اور کسی کا جنازہ وہاں دفن نہیں ہو سکتا تھا۔ شہنشاہ **اوگستوس** نے جس طرح **مارس** کے میدان میں ایک عالیشان مقبرہ بنوایا تھا اسی طرح **قسطنطین** نے اس گرجا کے دروازے پر مقابر کے لیئے ایک عمارت بنوائی۔ جب اس میں جگہ نہیں رہی تو شہنشاہ **جسٹی نیان** نے دوسری عمارت اسی غرض سے تیار کرائی۔ ہر ایک تاجدار جس طرح زندگی میں پر تکلف لباس پہنتا اور سر پر تاج رکھتا تھا وہ ہی شان مرنے پر بھی قائم رکھی جاتی تھی۔ اور اُس کی قبر پر سنگ مرمر کا ایک خوشنما تعویذ یا تابوت نما عمارت ہوتی تھی۔ غرض دنیا کی تاریخ میں کوئی دوسرا گرجا ایسا نظر نہیں آتا جہاں اس کثرت سے بادشاہوں اور اکابرِ دین عیسوی کی خاک دبی ہو۔ ان مقابر سے علیحدہ شہنشاہِ **جولیان** کا مقبرہ تھا جو عیسائی مذہب چھوڑ کر بُت پرست ہو گیا تھا۔ اسی طرح چار شہنشاہوں کے مقبرے جو ایریوسی عقائد کے پابند تھے سب سے علیحدہ تھے۔ یہ لوگ گویا دینداروں کی صحبت سے خارج تھے اور اُن کو صدر مقام سے اس قدر دور کہ جس قدر دُور کسی شہنشاہ کو دفن کرنا ممکن تھا دفن کیا تھا۔ ان مقبروں کو ترکوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ یہ **اطالیہ** کے عیسائی مغرب کے قزاق تھے جو مسلمانوں سے صلیبی لڑائیاں لڑنے اُٹھے تھے مگر رستے میں اُتر کر قسطنطنیہ کے متبرک مقامات کو لوٹنے لگے اور اُن میں جس قدر قیمتی سامان رکھا تھا وہ لے لیا اور صدہا برس سے ہڈیاں اپنی اپنی لحد میں آرام سے

۲۷۶

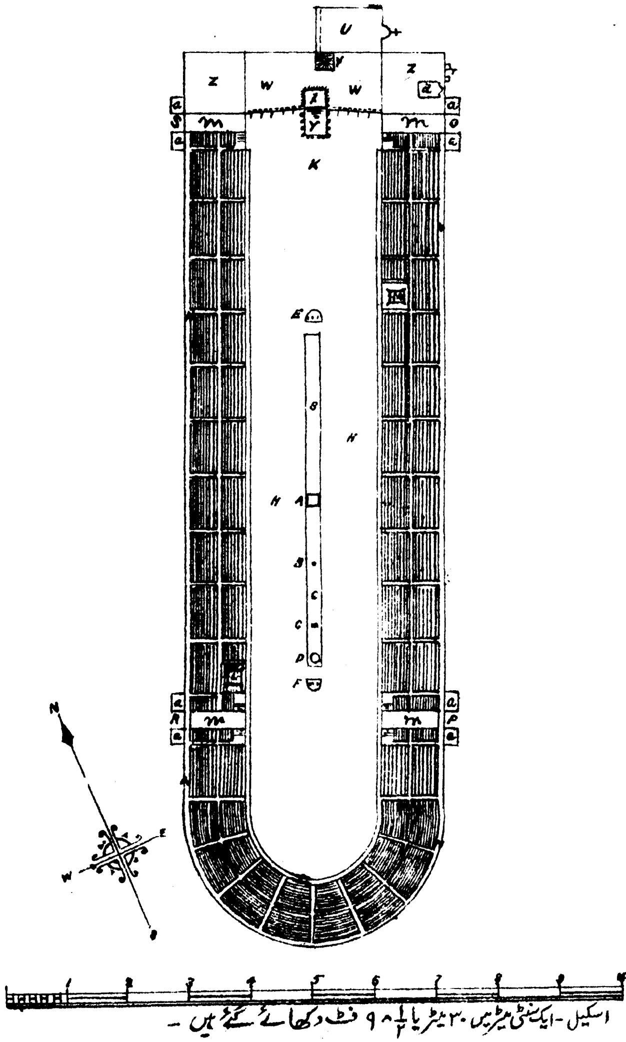
پڑی تھیں اُن کو کھود کر باہر پھینک دیا ؛

اب ہم گرجاؤں کے ذکر سے فارغ ہوکر ہپودروم کا ذکر کرتے ہیں جو ہر طرح کے کھیل تماشوں۔ فوجی کرتبوں اور ورزشوں کے لئے ایک بہت وسیع وعالیشان عمارت تھی۔ ترکی زبان میں اس مقام کو اتمیدان (اسپ میدان) کہتے ہیں جو یونانی لفظ ہپودروم کا لفظی ترجمہ ہے۔ اِس عمارت اور اُس کے وسیع میدان کی پچھلی شان وشوکت اب کچھ باقی نہیں ہے۔ اُس کے اصلی رقبے کا تہائی حصہ بھی اب نظر نہیں آتا۔ اِس وقت وہ محض فوج کے قواعد کرنے کا ایک میدان ہے جس کے چاروں طرف مکانات بنے ہوئے ہیں۔ لیکن اُس کے احاطے میں اصلی عمارت کی اب صرف تین چیزیں باقی ہیں۔ اور یہ دنیا کے آثارِ قدیمہ میں بڑی قابل قدر چیزیں ہیں جن کو دیکھ کر اُن کی شوکت ماضی کی کہانیاں یاد آجاتی ہیں۔ اِن تین بڑی یادگاروں میں ایک تو مصری لاٹھ ہے۔ ایک سانپوں والا ستون ہے۔ اور ایک اور بوسیدہ کھمبا یا منارہ ہے جس کی صورت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوا کا جھونکا آتے ہی گر پڑے گا۔ ان تینوں ستونوں کے موقع سے دیوارِ اسپینا کا پتا بھی چلتا ہے جو سنگ مرمر کی ایک چوڑی مگر بہت نیچی دیوار تھی جس کے گرد گھوڑوں کے رتھ آندھی کی طرح دوڑائے جاتے تھے۔ مصر والی لاٹھ پرانی عمارت کے بالکل وسط میں تھی اور صورت عمارت کی یہ تھی کہ گویا دو سیدھے اور لمبے ضلعوں یا خطوط متوازیہ کو ایک طرف گولائی دیکر ملا دیا ہے۔ مصری لاٹھ سے گولائی کے بیچ تک ۱۹۶ فیٹ کا اور دونوں ضلعوں کا درمیانی فصل ۳۹۵ فیٹ کا تھا۔ اس حساب سے کل عمارت کا طول تقریباً ۱۴۰۰ فیٹ اور عرض تقریباً ۴۰۰ فیٹ تھا۔ عرض وطول میں یہ ہی ایک اور ساڑھے تین کی نسبت روما کے اسپ میدان میں بھی تھی جس کو میک سیموس نے بنوایا تھا۔ یہ عمارت طول میں شمال شمال مشرق کی سمت رکھتی تھی اور اوگستیوم کی عمارت سے ہم ردیف تھی۔ ۲۰۳ سنہ عیسوی میں شہنشاہِ سے ویروس نے اس عمارت کو شروع کیا تھا۔ یہ اِسی شہنشاہ کا نتیجہ فکر تھا کہ عمارت کا نقشہ ایسے وسیع پیمانے پر تیار ہوا۔ مگر سے ویروس اُس کو ختم نہ کر سکا اور تقریباً سوا سو برس تک تعمیر ناتمام پڑی رہی ؛

اب عمارت کی کسی قدر تفصیل سنیئے۔ شمال کی جانب دونوں ضلعوں کے

۲۷۷

قسطنطین



اسکیل - ایک سنٹی میٹر میں ۳۰ میٹر یا ۹۸½ فٹ دکھائے گئے ہیں -

خانے پر ایک بڑا مرتفع دو منزلہ مکان تھا جس نے دونوں ضلعوں کو ملا دیا تھا۔ نیچے کی منزل کے برآمدے اونچے اونچے ستونوں پر قائم تھے۔ اور ایک چار دیواری کے اندر جس کے دروازے بھی تھے یہ عمارت واقع تھی۔ نیچے کی منزل میں اصطبل اور مودی خانے تھے جن کو رومانی لوگ **کارسیریز** اور یونانی لوگ **منگانا** کہتے تھے۔ اوپر کی منزل نہایت عالیشان تھی۔ اس میں ایک بڑا درباری کمرہ تھا جس کے وسط سے ایک دوسری عمارت کمرے کی سطح سے کسی قدر بلند ستونوں پر قائم تھی۔ اس کو **کاتھسما** (شہ نشین) کہتے تھے۔ **کاتھسما** سے کچھ آگے کو نکلا ہوا وہ مقام تھا جہاں شہنشاہ کا تخت رکھا رہتا تھا۔ جس وقت شہنشاہ اس تخت پر بیٹھتا تھا تو نیچے دربار کے کمرے میں اراکین سلطنت اور فوج خاصہ کی نشست ہوتی تھی۔ تخت کے مقام سے کچھ آگے مگر کسی قدر نیچی سطح پر ایک چبوترہ تھا جس کی چھت ستونوں پر قائم تھی۔ اس مقام کو **پی** کہتے تھے۔ یہاں شہنشاہ کے علم بردار کھڑے ہوتے تھے۔ یہ پوری دو منزلہ عمارت عرض میں ۳۰۰ فیٹ تھی۔ اوپر کی منزل میں شہنشاہ کے قیام کے لئے متعدد کمرے نہایت پرتکلف سامان سے آراستہ رہتے تھے۔ یہ منزل اس قدر عالیشان تھی کہ اُس کو محل کہا جاتا تھا۔ اس کے عقب میں **سنٹ اسٹیفن** کا گرجا تھا۔ اس گرجا سے ایک چکردار زینے کے ذریعے سے **کاتھسما** تک پہنچنے کا راستہ رکھا گیا تھا۔ جب کبھی شہنشاہ **ہپودروم** کی سیر کو آتا تھا تو اس گرجا میں بھی حاضر ہوتا تھا۔ اس زینے میں شہنشاہ سے کم درجے کا آدمی اگر قدم رکھتا تھا تو سمجھا جاتا تھا کہ زمین ناپاک ہو گئی۔ اس محل سے نیچے ہپودروم کا صحن جس میں کنارے کنارے تماشائیوں کے بیٹھنے کے درجے بنے تھے اور بیچ میں گھوڑوں اور رتھوں کے دوڑانے کی جگہ تھی بخوبی نظر آتا تھا۔ مگر باوجود اس کے یہ محل ہپودروم کی اصلی عمارت سے بالکل بے تعلق تھا۔ کیونکہ جہاں ہپودروم کے دونوں لمبے ضلعے ختم ہوتے تھے وہاں سے محل تک دونو طرف فقط دیوار کھچی تھی۔ اب دونوں ضلعوں اور بیچ کی گولائی پر جو پہلی صف تماشائیوں کی نشست کی تھی وہ صحن سے تیرہ فیٹ اونچی تھی۔ اس صف اول کو **پولیوتیکون** یا **پودیوم** کہتے تھے۔ اس میں صرف معززین بیٹھتے تھے۔ اس صف کی پشت پر اور صفیں درجہ بدرجہ اونچی ہوتی گئی تھیں۔ بیچ میں جا بجا نیچے کی صفوں سے اوپر کی صفوں میں جانے کے لئے راستے چھوڑ دیئے گئے تھے۔ سب سے اونچی صف سے ملا ہوا ایک عریض راستہ تھا جو ایک ضلع کی ابتدا سے دوسرے ضلع کی انتہا تک اوپر ہی اوپر چلا گیا تھا۔ یہ چوٹی کا راستہ سطح زمین

۲۷۸

سے ۴۰ فیٹ اونچا تھا۔ اِس کا فرش سنگِ مرمر کا تھا اور تمام صفوں میں نشست کی چوکیاں بھی سنگِ مرمر کی تھیں۔ ایک صف کو دوسری صف سے خشتی محرابیں بنا کر اونچا قائم کیا تھا۔ اِس عظیم الشان تماشاگاہ میں اسّی ہزار آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ نہایت آسائش و آرام کی موجود تھی۔ اب ذرا تصور سے کام لیجئے تو ان ہزارہا تماشائیوں کے شور و غل کی اُڑتی صدائیں صدیوں کی منزلیں طے کر کے اِس وقت بھی کانوں میں آتی معلوم ہوتی ہیں۔ صدہا برس تک سیر و تماشے کے لئے لوگ اِس تماشاگاہ میں بیٹھے جس کا آج ایک پتھر بھی دوسرے پتھر پر قائم نہیں مسٹر گروونر نے اِس عمارت کی نسبت خوب کہا ہے کہ "کوئی تماشہ خانہ کوئی قصرِ شاہی۔ کوئی عالیشان عمارت اِس وقت دنیا میں ایسی موجود نہیں ہے جس کی چوٹی پر ایسا خوشنما راستہ سیر کے لئے بنا ہو۔ اگر عمارت کو اندر سے دیکھئے تو جاہ و حشم کے سامان شہنشاہوں اور قیصروں کے جلسے۔ رعایا کے کھیل تماشے ہیں۔ اور باہر کی طرف نظر ڈالیئے تو ایک بے نظیر شہر کی بے شمار رفیع الشان عمارتوں کا منظر سامنے آتا ہے جو کچھ اوپر پانچ سو برس تک نہایت پر تکلف نہایت شائستہ بلکہ دنیا کا ایک ہی پر تکلف اور شائستہ شہر تھا۔ اسی بلند مقام سے ذرا اور نظر بڑھا کر دیکھئے تو خلیج **بوسفورس** جہازوں سے پٹا پڑا ہے۔ اِس خلیج کے پیچ و خم اور پیچ و خم میں اُس کے ساحلوں کی خوشنمائی۔ بحرِ **مارمورہ** میں چھوٹے چھوٹے سرسبز جزیروں کی کثرت جیسے زیور میں زمرد جڑے ہوں اور پھر اُس کے حاشیئے پر ایشیا کے خوبصورت ساحل اور اِن سے آگے **ارگان تھوتیوس** کے پہاڑوں کا طولانی سلسلہ اور بتھی **نیا** میں کوہِ **اولمپس** کی برفانی چوٹیاں سورج کی کرن میں بجلیوں کی طرح تڑپتی ایک ایسی تصویر نظر کے سامنے لاتی تھیں جو انسان کے ہاتھ کا بنایا ہوا کوئی دوسرا شہر پیش نہیں کر سکتا تھا۔"

۲۷۹

ہپوڈروم کے وسطِ صحن میں طولاً **اسپینا** تھا۔ یہ سنگِ مرمر کی چار فیٹ اونچی اور چھ سو فیٹ لمبی دیوار تھی۔ دیوار کے شمالی سرے پر جہاں سے تخت کا سامنا پڑتا تھا کھیلوں میں اُس فریق کے جیتنے یا ہارنے کا مقام تھا جس کو تاریخ میں فریقِ ازرق (نیلا) لکھا جاتا ہے۔ اور دوسرے سرے پر اُس فریق کا پالا تھا جس کو فریقِ اخضر (ہرا) کہتے تھے۔ اِس سنگِ مرمر کی دیوار پر نہایت خوبصورت اور اونچے ستون نصب تھے۔ انھی میں وہ تین ستون ہیں جن کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں۔ اِن میں مصر والی لاٹھ بادشاہِ مصر **تومیس سوم**

کے زمانے کی ہے۔ قسطنطین اُس کو مصر سے قسطنطنیہ میں لایا اور جس قدر صدیاں اب اُسکو
قسطنطنیہ میں قائم ہوئے گذری ہیں اِس سے کہیں زیادہ مصر میں گذر چکی تھیں قسطنطین
جس وقت اُس کو اپنے شہر میں لایا تو کوئی معمار یا مہندس اُس کو موقع پر نصب نہ کر سکا۔ اور
وہ برسوں تک زمین سے ایک سرا کچھ اُٹھا ہوا یونہی پڑی رہی۔ حتیٰ کہ ۳۸۱ء میں شہر پروکلس
کے حاکم نے اُس کو اُٹھوا کر سیدھا کرایا اور تانبے کے مکعب پایے اُس کے نیچے دیکر اُسکو
ٹھیک طور پر نصب کرایا۔ دوسرا ستون جو بہت بوسیدہ حالت میں ہے قسطنطین
کے بہت بعد کا ہے۔ اُس کو قسطنطین ہشتم نے جو محل سماق میں پیدا ہوا تھا نصب کرایا
تھا۔ یہ ستون ایک زمانے میں دھوپ میں بہت چمکا کرتا تھا کیونکہ اُس پر صیقل کئے ہوئے
پیتل کی تختیاں منڈھی ہوئی تھیں۔ تیسرا ستون بَل کھائے ہوئے سانپوں والا تھا جو
ڈیلفای کے مندر سے یہاں لایا گیا تھا۔ اِس کا قصہ ایسا عجیب ہے کہ بار بار بیان ۲۸۰
کرنے سے بھی اُس کا لطف کم نہیں ہوتا۔ یہ ستون یونانیوں نے جنگ پلاتیا کو فتح کرنے کی
خوشی میں تیار کیا تھا۔ جنگ پلاتیہ وہ معرکہ تھا جس میں یونان کے لوگوں نے شہنشاہِ ایران
زرکسیز کی فوجوں کو اپنے ملک سے ایسا پس پا کیا تھا کہ پھر اُن کی ہمت یونان پر حملہ کرنے کی
نہیں ہوئی۔ اِس ستون کو کورنتھیا کے پیتل سے بنا کر اپولو کے مندر پر چڑھایا تھا۔ اس پر
یونان کی اکتیس (۳۱) ریاستوں کے نام کندہ ہیں جنھوں نے مل کر اپنی ملک کی آزادی قائم رکھی
تھی۔ ان میں کسی قدر جلی حرفوں میں تینیا والوں کا نام کھدا ہے۔ مورخ ہیرودوتس لکھتا ہے
کہ ان لوگوں نے یونان کی ریاستوں پر اس بات کو قطعی ثابت کر دیا تھا کہ اُن کا نام
اِس یادگار پر خصوصیت کے ساتھ کندہ ہونا چاہئے۔ اس عجیب و غریب ستون کی تاریخ
پانچویں صدی قبل مسیح کے آغاز سے شروع ہوتی ہے اور اُسی وقت سے ہر درجے اور
زمانے کے یونانی اور رومانی مورخوں نے اُس کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ اٹھارویں صدی
کے شروع تک سانپوں کے سر اِس ستون پر موجود تھے۔ اب یہ سر موجود نہیں ہیں مگر باوجود
اِس بگڑی ہوئی صورت کے پرانے زمانے کی کوئی یادگار اِس سے زیادہ دلچسپ نہیں ہے
کیونکہ یونان و ایران قدیم کے بڑے بڑے ناموروں سے جیسے کہ یونان میں پاسے نیاس
اور تھمسٹوکلیز اور ایران میں زرکسیز اور ماردونیاس گذرے تھے اُسکو تعلق
ہے۔ پھر یہ خصوصیت اور زیادہ ہے کہ سلطنت یونانیہ کے سب سے متبرک مقام یعنی

دیلفای کے ہیکل الشمس میں سات سو برس تک وہ نصب رہ چکا تھا۔ یہاں اُس کی چوٹی پر سونے کی ایک چوکی رکھی تھی جس پر دیلفای کی کاہنہ بیٹھ کر یونانی ریاستوں کی بابت جو ہدایتیں یا خبریں نازک وقتوں میں غیب سے ملتی تھیں اُن کو سناتی تھی۔ یہ ستون اندر سے کھوکلا ہے۔ بالکل ممکن ہے کہ جس وقت کاہنہ پر خاص کیفیت طاری ہوتی تھی تو اِسی کھوکلے ستون سے جیسا کہ فرض کیا جاتا ہے بے خود کرنے والی دھونیاں اُس کے دماغ تک پہنچائی جاتی ہوں۔ جس وقت مقدونیہ کے بادشاہ فلپ اور یونانیوں میں لڑائیاں شروع ہوئیں تو اِس ستون پر جو سونے کی چوکی جڑی تھی وہ چوری ہوگئی۔ جب قسطنطین اُسکو دیلفای سے قسطنطنیہ میں لایا تو ایک نئی چوکی سونے کی اُس کے واسطے تیار کرائی گئی۔ یہ ستون اب تک صدہا برس کے گرم و سرد کے بعد بھی اُسی چبوترے پر قائم ہے جس پر قسطنطین نے اُس کو قائم کیا تھا۔ مگر چبوترہ اب اتمیدان کی سطح سے کئی فیٹ نشیب میں ہے۔ عیسائی اور ترک سب اُس کو ایک متبرک چیز خیال کرتے ہیں۔ اور پرانے وقتوں کی چیزوں میں خواہ وہ کسی متروک مذہب ہی کی کیوں نہوں جو اسرار مخفی سمجھے جاتے ہیں اور بالعموم اُن کا لحاظ کیا جاتا ہے ان ہی کے سبب سے یہ ستون اب تک قائم چلا آتا ہے ؎

ہیپودروم کے چار بڑے دروازے تھے۔ ازرقی (نیلے) فریق کا دروازہ ہودی خانوں کے قریب مغربی سمت میں تھا۔ اور اُس کے سامنے ہی اخضری (ہرے) فریق کا دروازہ تھا۔ دوسرے سرے پر جہاں سے گولائی شروع ہوتی تھی، مشرقی جانب ایک دروازہ تھا جس کا منحوس نام "مُردوں کا دروازہ" تھا۔ اسکے محاذ میں ایک دروازہ اور تھا جس کا نام تحقیق نہیں۔ ازرقی فریق جو بادشاہی فریق سمجھا جاتا تھا اُس کے دروازے سے تمام شاہی جلوس اِس عمارت میں داخل ہوا کرتے تھے ؎

ہیپودروم کی شکل جو اندر سے تھی وہ ابھی بیان ہو چکی ہے۔ باہر سے عمارت کی رفعت و خوشنمائی کا حال مسٹر گروسنر نے خوب لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"دیواریں اینٹ کی تھیں۔ محرابیں اور درجو کورنتھی وضع کے تھے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلے گئے تھے۔ دیکھنے والا ایک طرف کھڑا ہو تو

۲۸۱

حد نظر تک محرابوں اور ستونوں کی صفیں نظر آتی تھیں۔ سنہ ۱۵۲۹ عیسوی تک ۷ ستون اپنے
اصلی قاعدوں پر نصب تھے۔ گیلیوس جس نے ان ستونوں کو دیکھا تھا لکھتا
۲۸۲
ہے کہ ان کا قطر ۳ ۱۱/۱۲ فیٹ کا تھا اور ہر ایک کی بلندی ۲۸ فیٹ کی تھی۔ اور
ستونوں کی بیٹھک اور اوپر کا تاج اگر دونوں شامل کیے جائیں، تو بلندی میں ۵ فیٹ
اور بڑھ جاتے تھے۔ ایک ستون کا فصل دوسرے ستون سے ۱۱ فیٹ کا تھا۔ پس
اگر بیچ کے راستوں اور برجوں اور دونوں ضلعوں کے سرے پر جو دو منزلہ عمارت تھی
ان سب کو چھوڑ دیا جاوے تو اس حساب سے دونوں ضلعوں اور گولائی میں ۲۶۰
ستون ہوں گے۔ اگر کوئی شخص اِس عمارت کا باہر باہر چکر لگانا چاہتا تو اُس کو
۳۰۱۵ فیٹ چلنا پڑتا اور اِس چکر میں ہر وقت چالیس فیٹ کی بلند عمارت
اُس کے سر پر ہوتی۔ کچھ عجب نہیں کہ سلطان سلیمان کے زمانے تک اِس عمارت
کے پتھر اور اینٹیں، گرے ہوئے ستون اور سنگ مرمر کے ٹکڑے اتنے باقی رہوں کہ
مسجد سلیمانیہ کی خوش نما عمارت میں وہ کام آسکے ہوں۔

ہپوڈروم کی یہ شان و رفعت تو باہر سے تھی۔ اُس کے اندر بھی دنیا کے
عجائبات یعنی فن بت تراشی کے بے مثل نمونے انسان کے کمالِ صنعت کے شاہد
موجود تھے۔ جس جس فن سے قسطنطین کی طبیعت کو مناسبت تھی اُس کے اُستادوں
کی بہتر سے بہتر چیزیں جہاں کہیں ملیں وہاں سے اُٹھوا منگوائیں۔ سینٹ جیروم
نے سچ لکھا ہے کہ "قسطنطین نے دنیا کا زیور اتار کر اُس کو ننگا کر دیا۔" روما کی
زیب و زینت کے لیے بھی ایک زمانے میں اُس کے فتح یاب حاکموں اور افسروں
نے یہ ہی کیا تھا۔ اب یہ نوبت پہنچی کہ روما میں جو نادر چیزیں کسی قدر باقی رہ گئی
تھیں وہ بھی اُٹھ کر قسطنطنیہ میں آنے لگیں۔ یونان کا خطہ ابھی تک یادگار چیزوں کا مخزن
سمجھا جاتا تھا۔ سانپوں والے ستون کا ذکر تو ہو چکا ہے جو ڈیلفائی سے قسطنطنیہ
میں لایا گیا تھا۔ لیکن مورخوں نے اس کے ساتھ اور بہت سے مشہور استادوں
کی بنائی ہوئی چیزوں کا نام بھی لیا ہے جو ہپوڈروم کی دیوار، اسپینا اور بالائی راستہ
۲۸۳
پر آراستہ تھیں۔ مثلاً اِن میں پیتل کا ایک عقاب تھا۔ کہ پنجوں میں ایک مار پیچیدہ
کو پکڑے پر پھیلا کر اُڑنے کو ہے۔ پالی سی نیوس کے ہاتھ کا ایک بت ہرکولیز کا

تھا جس کے قد و قامت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پاؤں سے گھٹنے تک اٹھارہ فیٹ کا فاصلہ تھا۔ ایک پیتل کا گدھا اور اُس کا ہانکنے والا تھا۔ قیصر اوگسٹس نے اِس بُت کی صرف ایک نقل شہر نیکوپولس کے لئے منظور کی تھی جو خود اِس شہنشاہ نے ایکتیوم کے کنارے آباد کیا تھا۔ ایک بُت زہر دیئے ہوئے بیل کا تھا۔ ایک بُت مست ہاتھی کا تھا۔ ایک جگہ ایک بڑی قد آور عورت کا بُت تھا جو اپنے ہاتھوں میں ایک گھوڑے اور سوار کو پکڑے ہوئے تھی۔ اس گھوڑے اور سوار کا قد و قامت معمولی گھوڑے اور آدمی کے برابر تھا۔ ایک کیپلی دونیا والا خنزیر تھا۔ آٹھ پردار شیر تھے جن کا چہرہ انسان کا سا تھا۔ اور سب میں عجیب و غریب چیز لائی سی پس کے سنگین گھوڑے تھے۔ شاید ہی دنیا میں کہیں پتھر کے گھوڑوں کی داستان ایسی عجیب ہو جیسے ان گھوڑوں کی ہے۔ یہ گھوڑے پہلے کورنتھ کے ایک مندر پر لگائے گئے تھے جس وقت میمی نوس نے کورنتھ کو آگ لگادی تو ان گھوڑوں کو مندر سے اُکھاڑ کر روما میں لے آیا۔ اور یہاں دارالشورت (سینات) کی عمارت پر اُن کو نصب کردیا۔ نیرو شہنشاہ روما نے اُن کو وہاں سے اکھاڑا اور اپنی فتوحات کی یادگار میں جو دروازہ تیار کرایا تھا اُن پر اُن کو لگادیا۔ اس کے بعد شہنشاہ تراجن نے اُن کو اپنے بابِ فتح پر نصب کیا۔ اِس کارروائی کے لئے تراجن کے پاس بہ نسبت نیرو کے زیادہ معقول وجہ تھی۔ جب قسطنطین کا زمانہ آیا تو اُس نے روما سے اُن کو قسطنطنیہ میں منگوالیا۔ یہاں نوسونو برس رہنے کے بعد وہ پھر ایطالیہ کو روانہ کئے گئے۔ یہاں بُڈھے وندولو نے دعوے کیا کہ یہ گھوڑے اُس کے مالِ غنیمت کا ایک حصہ ہیں چنانچہ یہ گھوڑے وینس کے شہر کو دیدیئے گئے۔ یہاں چھ سو برس تک رہنے کے بعد نپولین بادشاہِ فرانس کی نظر اُن پر پڑی۔ اور وہ اُن کو وینس سے پیرس میں لے آیا۔ اور یہاں اپنے بابِ فتح پر اُس کو نصب کیا جب نپولین کی قوت کو زوال ہوا تو پیرس کے لوگ مجبور کئے گئے کہ گھوڑوں کو وینس واپس کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور مرقس کے گرجا کی بلند پیشانی پر یہ گھوڑے اب تک ہوا میں پیترا بدلے کھڑے ہیں۔

اب ہم نے مختصر طور پر ان تمام عالیشان عمارتوں کو بیان کردیا جو قسطنطین نے

اپنے دارالحکومت میں بنوائی تھیں۔ اور اُن نادر اور عمدہ صنعت کی چیزوں کا حال بھی لکھدیا جن سے اُس نے اپنے شہر کو آراستہ کیا تھا۔ قسطنطین نے اِس شہر کو بہت جلد تیار کرایا تھا۔ کودینوس لکھتا ہے کہ پہلا پتھر رکھنے کے بعد گیارہ مہینے کے اندر شہر تیار ہوگیا اور ۱۱ مئی ۳۹۰ء کو ہپودروم کی عمارت میں اُس کی افتتاحی رسم بھی ہوگئی۔ مگر اِس بیان کو تسلیم کرنا بہت مشکل ہے۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ شہر چار برس میں تیار ہوا تھا۔ یہ بھی کچھ کم تعجب خیز نہیں۔ کودینوس نے ایک جگہ یہ قصہ لکھا ہے کہ بعض بڑے درجے کے ملازمین سلطنت کسی سرکاری کام کو روما سے باہر گئے ہوئے تھے۔ مگر اُن کے اہل وعیال مکانات و اسباب وغیرہ سب چیزیں روما میں تھیں۔ قسطنطین نے فوراً اُن کے لئے قسطنطنیہ میں اُسی وضع و شکل کے مکان جیسے کہ روما میں وہ رکھتے تھے بنوائے اور اُن کے اہل وعیال کو روما سے اُٹھا کر اِن نئے مکانوں میں آباد کر دیا۔ جب یہ لوگ سرکاری کام سے واپس آئے تو قسطنطنیہ میں اپنے مکانات اور بال بچوں کو دیکھ کر سخت حیرت میں گئے۔ اِس بیان کو پڑھنے میں اِس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ کودینوس بہت معتبر مورخوں میں نہیں ہے۔ مگر اِس میں کلام نہیں کہ قسطنطین نے روما کے بڑے آدمیوں کو جہاں تک ممکن ہوا ترغیب دی کہ وہ روما کی جگہ قسطنطنیہ کو اپنا وطن بنائیں۔ چنانچہ اُس نے ایک فرمان بھی اِس مضمون کا جاری کیا تھا کہ کوئی رومانی رئیس جو ایشیا کو چک میں مقیم ہوگا اُس کو دارالحکومت میں اُس وقت تک قدم رکھنے کی اجازت نہ ہوگی جب تک کہ اپنا ذاتی مکان قسطنطنیہ میں نہ بنوائے۔ پیٹر اعظم نے جس وقت سینٹ پیٹرز برگ آباد کیا تھا تو اُس نے بھی ایسا ہی حکم جاری کیا تھا۔ اور اپنے مکان کی ایک کھڑکی یورپ کی طرف کھولی تھی۔ قسطنطین نے مصری غلے کے جہازوں کا رُخ روما سے بدل کر قسطنطنیہ کی جانب کر دیا۔ غلہ اور تیل۔ بلکہ شراب اور روپیہ بھی مفت بڑی دریادلی سے نئے شہر کے رہنے والوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔



چودھواں باب

ایریوس اور اثاناشیوس

مجمع نیقیہ کے برخاست ہوتے ہی کلیسا کے لئے امن و آسایش کا زمانہ آگیا۔ بُت پرستوں کے ظلم و ستم کا خاتمہ ہو کر دینِ عیسوی کو قسطنطین کی ذات میں اُس کا سب سے بڑا حامی و مددگار تو مل ہی چکا تھا اب ایک عقیدہ متفقہ بھی قرار پا گیا جس نے مذہب کی تمام دقیق باتوں کو ایک مستحکم بنیاد پر قائم کر دیا۔ اہلِ بدعت کی محض تکفیر ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ اُن کے مُنہ بھی بند کر دیئے گئے تھے۔ مغربی ملکوں سے تو چنداں بحث نہ تھی کیونکہ وہاں یہ جھگڑے پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن مشرقی ملکوں کی حالت بھی ہر طرح سے تسلی و اطمینان کی ہو گئی۔ قسطنطین اب ایسا خوش رہتا تھا کہ گویا کوئی بڑی لڑائی جیت چکا ہے۔ اور رعایا بھی سمجھ رہی تھی کہ زمین پر آسمانی بادشاہت ابھی سے اُتر آئی ہے۔[1] چنانچہ جس وقت آرمینیہ والے جرجیس افروزندہ کا لڑکا ارسطاسیس نیقیہ کی مجلس سے واپس ہو کر باپ سے ملا اور اُس کے سامنے مجلس کے طے کردہ عقیدے کو بیان کیا تو جرجیس بے اختیار پکار اُٹھا "ہاں۔ ہاں۔ ہم جلال دیتے ہیں اُس کو جو وقت اور زمانے سے پہلے تھا اِس طور پر کہ ایمان رکھتے ہیں ثالوثِ مقدس اور باپ اور بیٹے اور رُوح القدس کی وحدتِ الوہیت پر اب اور آیندہ۔ ہمیشہ کے لیے۔ آنے والے زمانوں میں اور زمانوں میں"۔

۲۸۶ علاوہ اس کے ایریوسیوں کے خلاف شہنشاہ کے سخت فرامین یوسی بیوس اور تھیوگ نِس کا جلاوطن کیا جانا۔ بطریق اسکندریہ کی موت پر اثاناشیوس کا منتخب ہونا۔ اِن سب باتوں نے جاثلیقی فریق کا پہلو صرف ملکِ مصر ہی میں نہیں بلکہ تمام

---

[1] "حیاتِ قسطنطین" ۳۔ باب ۴

ممالک شرقیہ میں نہایت مستحکم کردیا نیقیہ سے واپسی پر بطریق اسکندریہ اسکندروس کا انتقال چند ماہ کے اندر ۳۲۶ء عیسوی کے اوائل میں ہوگیا۔ بیان ہوا ہے کہ مرتے وقت اُس نے پیشینگوئی کی تھی کہ میری جگہ اثاناشیوس منتخب کیا جائیگا اور اُس کو بہت سختیاں اُٹھانی پڑیں گی۔ مرنے سے کچھ پہلے اُسنے اثاناشیوس کو پکارا۔ اثاناشیوس اتفاق سے اُس وقت موجود نہ تھا بلکہ مصر سے کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ ایک دوسرا شخص اسی نام کا اسکندروس کے قریب آیا۔ مگر بطریق گو جاں بلب تھا دھوکے میں نہ آیا اور مُنہ پھیر کر کہنے لگا کہ "اثاناشیوس تو سمجھتا ہے کہ مجھ سے بھاگ گیا ہے۔ نہیں نہ تو قصداً ایسا کریگا اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے"۔ غرض کہ اسکندروس کے مرنے پر اثاناشیوس بطریق اسکندریہ کے عہدے پر منتخب کرلیا گیا۔ یہاں اُن قصوں کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو دشمنوں نے اثاناشیوس کے انتخاب کو ناجائز قرار دینے کے لیئے مشہور کیئے۔ اِس انتخاب کے جواز میں اور اِس امر میں کہ اسکندریہ کے لوگ بالعموم اس انتخاب کو پسند کرتے تھے شبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جس وقت اساقفہ گرجا میں بیٹھے اِس انتخاب کے متعلق گفتگو کرتے تھے تو اُس وقت گرجا سے باہر خلقت برابر یہ ہی پکارے جاتی تھی کہ "ہم کو تو ہمارا پاک و پرہیزگار۔ نیک بخت و فروتن اثاناشیوس چاہیئے"۔ انتخاب باتفاق کلی نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ بعض رائے دینے والے اِس خیال میں تھے کہ ایریوسی اِس معاملے میں بالکل ہی مغلوب ہوگئے ہیں اُن کے ساتھ کسی قدر رواداری رکھنی ضروری ہے۔ مگر زیادہ تر لوگوں کو اِس کا مطلق خیال نہ تھا۔ انھوں نے تو اپنے نزدیک اثاناشیوس کو منتخب کرکے مرقس حواری کے تخت پر اپنی طرف سے بہتر سے بہتر مقابلہ کرنیوالا پادری بٹھا دیا تھا۔ اور یہ بات عقل کی بھی تھی کیونکہ مذہبی رواداری کے معنی چوتھی صدی عیسوی میں کسی شخص کی سمجھ میں ٹھیک ٹھیک نہ آتے تھے؛

خلاصہ یہ کہ کلیسا میں یہ امن و آسایش کا زمانہ کچھ اوپر دو برس تک قائم رہا۔ مگر اِس زمانے میں کیا کیا واقعات پیش آئے اِس کا حال بجز اِس کے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ ایریوس اور یوسی بیوس اور تھیوگ نس جو جلاوطن کردیئے گئے تھے واپس بلالیئے گئے ایریوس کی جلاوطنی کیلیشیا کی ہوئی تھی۔ یہ حکم بعد کو جزواً منسوخ کیا گیا یعنی ایریوس

۲۸۷

کی نقل و حرکت پر صرف اتنی روک رکھی گئی کہ اسکندریہ میں داخل نہ ہو اور جہاں جی چاہے جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایریوس کی نسبت جلاوطنی سے واپسی کا حکم یوسی بیوس اور تھیوگ نس کی واپسی سے پہلے جاری ہوا یا بعد؟ سقراطیس نے ایک قصہ نقل کیا ہے جو یوسی بیوس اور تھیوگ نس نے چند مقتدر اساقفہ کے نام اِس مضمون کا لکھا تھا کہ جس حالت میں ایریوس کی نسبت جلاوطنی منسوخ کی گئی ہے تو ہم لوگوں کی واپسی کے لئے بھی شہنشاہ کی خدمت میں سفارش کی جاوے۔ اِس خط کا ایک حصہ حسبِ ذیل تھا:-

"ہوموا وسیون کے مسئلے پر نظر تعمق سے غور کرنیکے بعد ہم نے قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ امن قائم رکھیں گے۔ ہم کو کسی بدعت نے گمراہ نہیں کیا ہے۔ ہم نے کلیسا کے حق میں جو بات بہتر سمجھی تھی اُس کو ظاہر کر کے عقیدے پر اپنے دستخط کئے تھے۔ لیکن جب ایریوس پر فتوے تکفیر دیا گیا تو اِس فتوے پر دستخط کرنے سے ہم نے انکار کیا۔ اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ ہم کو عقیدے میں کوئی سقم معلوم ہوا تھا بلکہ اس کا خاص سبب یہ تھا کہ ہم ایریوس کو اِس قسم کا آدمی نہ سمجھ سکتے تھے جس قسم کا وہ مجلس نیقیہ کے سامنے بیان کیا گیا تھا۔ کیونکہ جو خطوط ایریوس کے ہمارے پاس آئے تھے اور جو تقریریں ہم نے اُس کی زبان سے سنی تھیں اُن سے ہم نے اُس کی طبیعت کا کچھ اور ہی اندازہ کیا تھا۔"

اِس خط کی صحت پر بہت کچھ بحث ہوئی ہے۔ کیونکہ اِس بیان کے سوا اور کوئی شہادت نام کو بھی اس بات کی موجود نہیں ہے کہ ایریوس کو یوسی بیوس اور تھیوگ نس سے پہلے جلاوطنی سے واپس بلا لیا گیا تھا۔ دیگر نہج سے بھی یہ امر خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے۔ قسطنطین حال ہی میں ایک فرمان اِس مضمون کا جاری کر چکا تھا کہ اگر کوئی شخص ایریوس کی کسی تحریر یا تصنیف کو چھپائیگا یا فوراً حکام کے حوالے نہ کریگا تاکہ وہ جلا دی جاوے تو ایسے شخص کو سزائے موت دی جائے گی۔ پس قیاس یہ چاہتا ہے کہ یوسی بیوس نیکومیدی کی واپسی کے بعد ایریوس کی نسبت حکم جلاوطنی کی تنسیخ یا ترمیم کی گئی۔ سقراطیس کی تاریخ میں بہت سے خطوط ایسے نقل کئے گئے ہیں جنکی صحت مشتبہ ہے۔ اور بعض تو اُن میں یقینی جعلی ہیں۔ اِن جعلی خطوط میں ایک بڑا خط وہ ہے جس میں قسطنطین نے جلاوطن ایریوس کی ذات پر سختی سے حملہ کیا ہے اور

۲۸۸

اُس کی نسبت بہت سخت و مکروہ الفاظ لکھے ہیں۔ اِس خط کا وہ حصّہ جو زشت کلامی کے لحاظ سے نہایت ہی سخت ہے یہاں نقل کرتے ہیں:-

"ذرا دیکھئے اور غور سے سنیئے کہ ایریوس کس طرح چیخ رہا ہے۔ سانپ نے ایسا گہرا دانت مارا ہے کہ شدت درد سے تڑپ رہا ہے۔ اُسکے رگوں اور گوشت و پوست میں زہر پھیل چکا ہے۔ جس کی وجہ سے تشنج کے دورے اُٹھ رہے ہیں۔ دیکھئے اس کا تمام جسم بیماری و غلاظت۔ تکلیف و خوف سے کیسا زرد و لاغر ہو گیا ہے کس طرح ہزار ہا خبیث بلاؤں نے جمٹ کر اُس کو بالکل خشک کر دیا ہے۔ اُس کے سر کے میلے کچیلے پھوٹے اور اُلجھے بال کیسے خوفناک معلوم ہوتے ہیں۔ سر سے پاؤں تک نیم جاں نظر آتا ہے۔ چہرہ خشک و زرد ہو کر مُردوں کی مثل ہو گیا ہے۔ دیکھئے غصہ و غرور وحشت و جنون نے اُس کا کیا درجہ کیا ہے کہ صورت سے ایک وحشی و صحرائی جانور معلوم ہوتا ہے۔ جن خطروں میں وہ مبتلا ہے اُن کی بھی تو اُس کو خبر نہیں۔ بلکہ خوش ہے اور کہتا پھرتا ہے کہ "میں تو خوشی سے اپنے آپے سے باہر ہوں"۔ کبھی کہتا ہے کہ "دیکھئے میں ناچتا اور اُچھلتا ہوں"۔ کبھی کہتا ہے کہ "دیکھئے میں تو آسمان کو اُڑتا ہوں۔ کوئی لڑکا بھی ایسا خوش و بشاش نہ ہو گا جیسا کہ میں ہوں"۔

یہ مہمل اور پاگلوں کی سی بڑ قسطنطین کے قلم کی نہیں ہو سکتی۔ اُس کے معمولی ۲۸۹ طرز تحریر سے بھی اس عبارت کو کسی قسم کی مناسبت نہیں۔ اِس خط کی تمہید بھی اِس بیہودہ خیال سے ہوئی ہے کہ "خدا کے کلام کا جو شرح کرنے والا یا ترجمان خبیث ہو وہ حقیقت میں شیطان کی تصویر بلکہ اُس کا مُتنّے ہوتا ہے"۔ یہ فقرہ ایسا ہے کہ ہم محض اُسی کی بنیاد پر قسطنطین کو اِس خط کی تحریر سے بری کرتے ہیں۔ بلکہ اُس کا مصنف کسی ایسے گمنام دبے نشان پادری کو قرار دیتے ہیں جو چاہتا تھا کہ ایمان رکھنے والوں کی طبیعت میں روحانی قوت اور روحانی ہراس ایک ہی وقت میں پیدا کیا جاوے۔

قسطنطین کی طبیعت میں اب ایک انقلاب واقع ہوا۔ یا تو اب تک وہ ایریوسی عقائد اور اُن کے ماننے والوں کا دشمن تھا یا طبیعت کچھ ایسی بدلی کہ وہ اُن پر مہربان ہو گیا۔ اِس تبدیلی کے اسباب دریافت کرنے میں زیادہ تر قیاسات سے کام لینا پڑتا ہے۔ سوزومن لکھتا ہے کہ شہنشاہ کی بہن قسطنطیہ اِس تبدیلی کی وجہ ہوئی۔ اِس شہزادی پر غیب سے یہ امر ظاہر ہوا کہ جن اساقفہ کو جلا وطن کیا گیا ہے

سچا دین اُن ہی کا تھا۔ اِس لیئے اُن کے ساتھ بے انصافی ہوئی ہے۔ سوزومن لکھتا ہے
کہ یہ قصہ ایریوسیوں میں عام طور پر مشہور تھا اور جب شہزادی کو غیب سے اِس بے انصافی کا حال
معلوم ہوا تو اُس نے اپنے بھائی پر زور ڈالنا شروع کیا جس کی طبیعت پہلے ہی سے ایسی
باتوں کا جلد اثر قبول کر لیتی تھی نتیجہ اس کوشش کا یہ ہوا کہ یوسی بیوس اور تھیوگنس
دونوں جلا وطنی سے واپس بلا لیئے گئے جس وقت یہ لوگ قسطنطین کے سامنے حاضر ہوئے
تو اُس نے پوچھا کہ نیقیہ کے جس عقیدے پر آپ صاحبوں نے دستخط کیئے تھے اُس پر اب بھی
آپ قائم ہیں۔ اسقفوں نے جواب دیا کہ ہم نے عقیدے کو ایمان سے نہیں بلکہ اس خوف سے
مان لیا تھا کہ کہیں آپ ہمارے آپس کے اختلاف سے بیزار ہو کر پھر بت پرستی اختیار
نہ کر لیں۔ اِس کُل حکایت سے یہ عام خیال پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ قسطنطین کے دربار
میں ایریوسیوں کی بڑی سفارش کرنے والی اُس کی بہن تھی۔ یوسی بیوس نیکومیدی
سے اِس شہزادی کو ایک مدت سے عقیدت تھی۔ کیونکہ شوہر کی زندگی میں وہ برسوں تک
نیکومیدیا کے قصر شاہی میں ملکہ کی حیثیت سے رہی تھی۔ اس لیئے یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ ایریوسی مناظرہ
شروع ہونے سے پہلے ہی ذی علم یوسی بیوس نے ملکہ قسطنطنیہ کی طبیعت میں دخل پیدا کر لیا تھا۔ ۲۹۰
بہرکیف قسطنطین کی طبیعت بدل دی گئی۔ اور نتیجہ اس قصے کا یہ نکلا کہ سنہ ۳۲۹ عیسوی میں
ایریوسی اور یوسی بیوسی فریق کو شہنشاہ کے دربار میں سب سے زیادہ رسوخ حاصل ہو گیا اب
انھوں نے شہنشاہ کے دل پر جمانا شروع کیا کہ اُن کا فریق حق بجانب ہے اور وہ لوگ جن کے
عقائد میں انتہا درجے کی سختی ہے اور ایمان والوں کے لیئے شدید آزمائشیں پیش کرتے ہیں
وہ سب بطریق اسکندریہ کے پیرو ہیں عقیدۂ نیقیہ یا اُس کے قریب قریب کسی عقیدے کو
قبول کرنا شہنشاہ پر ظاہر کر کے اب وہ بڑی ہوشیاری و ذہانت سے اثاناشیوس کے درپے
ہوئے کہ اُسکو کسی طرح نیچا دکھائیں۔ یہ نہیں معلوم کہ اِس کارروائی میں اُن کا طریقۂ عمل کیا تھا
اتنا البتہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مجمع نیقیہ کی برخاستگی کے بعد قسطنطین کی تمام زندگی میں اُس کے
بڑے معتمد پادری یعنی ہوسیوس اسقف قرطبہ کا ذکر کہیں سننے میں نہیں آتا۔ سنہ ۳۲۶ عیسوی کے
موسم گرما میں خاص روما کے شہر میں شاہی خاندان میں قتل کے افسوسناک واقعات پیش
آئے تھے۔ ممکن ہے کہ ہوسیوس اِس موقع پر اپنے غصے اور نفرت کو
نہ چھپا سکا ہو اور وہ شہنشاہ سے اور اُس کی حرکتوں سے ناراض ہو کر ہسپانیہ

چلا گیا ہو اور وہاں کلیسا کی خدمت کے علاوہ اور کسی چیز سے بحث نہ رکھی ہو۔ مگر ہوسیوس
کے برعکس **یوسی بیوس** اسقف **نیکومیدیا** نے شہنشاہ کے ان کاموں کو بہت اچھی
نظر سے نہیں دیکھا اور شہنشاہ کی پشیمانی رفع کرنے کے لیئے ہر طرح کی تسلی و دلاسا دیا اور توبہ
اور استغفار کی بھی زیادہ فرمایش نہیں کی۔ اور اس طریقے سے شہنشاہ کو اپنے اوپر مہربان کرلیا۔
بہرکیف یہ جو کچھ بھی ہو جس وقت **یوسی بیوس** کو دربار میں پورا رسوخ ہوگیا تو پھر
اُس نے اُن لوگوں سے مقابلہ شروع کیا جنھوں نے نیقیہ میں اُس کو مغلوب کیا تھا۔
سب سے پہلا نشانہ **یوستاتھیوس** اسقف انطاکیہ کو بنایا۔ **یوسی بیوس** نیکومیدی ۲۹۱
و **قیساروی** دونوں مع چند اسقفوں کے یروشلم کو جا رہے تھے کہ راستے میں انطاکیہ
سے گزر ہوا اور وہاں انھوں نے **یوستاتھیوس** پر بدعت و عیاشی و ظلم کا الزام عاید
کیا۔ یہ الزام صحیح تھے یا غلط اس سے بحث نہیں مگر جو عدالت ان کے تصفیے کے لیئے
بیٹھی وہ پہلے ہی سے ملزم کی دشمن تھی۔ چنانچہ اُس نے **یوستاتھیوس** کو کلیسا کی خدمت
سے خارج اور جلاوطن کیئے جانے کا حکم دیا۔ اس حکم سے انطاکیہ کے باشندوں میں سخت
برہمی ہوئی۔ مگر مجبور رہے ؛

چند اور اسقفوں کو بھی اسی قسم کی سزائیں دلوا کر اب ان دونوں **یوسی بیوس** نے
ایک اور موٹا شکار ڈھونڈا یعنے **اثاناشیوس** بطریق اسکندریہ پر وار کرنے شروع کیئے۔ مصر میں
فرقہ **ملی تیوس** سے جو **اثاناشیوس** کا مخالف چلا آتا تھا سازش کرلی اور اس فرقے نے اسکندریہ
میں **اثاناشیوس** کے برخلاف الزام دینے کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ اور اس طریقے سے
نیکومیدی اور **قیساروی** دونوں نے ایریوس کی طرف سے بطریق اسکندریہ کا مقابلہ شروع کردیا
اور **اثاناشیوس** کو لکھا کہ نیقیہ کی مجلس میں **ایریوس** کے عقائد کی نسبت نہایت غلط باتیں بیان
کی گئی تھیں اور اب **اثاناشیوس** کو لازم ہے کہ **ایریوس** کو کلیسا میں داخل ہونے کی اجازت دے
اثاناشیوس نے اس درخواست کو قطعی نامنظور کیا اور لکھا کہ **ایریوس** نے مذہب عیسوی میں
ایک نہایت مضر بدعت پیدا کر کے خلل ڈالا ہے اور اُس کی تکفیر کلیسا کی مجلس عمومی سے
ہوچکی پس ایسی صورت میں ایریوس کو کلیسا میں داخل ہونے کی اجازت ہرگز نہیں
ہوسکتی۔ اس جواب پر **ایریوس** اور **یوسی بیوس** نے **قسطنطین** سے فریاد
کی۔ اس سے پہلے **قسطنطین** **ایریوس** کو دربار میں بلا کر اُس کے حال پر

نظر لطف رکھنے اور اُس کو اسکندریہ واپس جانے کی اجازت دینے کا وعدہ کرچکا تھا۔ اب ایریوس کی فریاد سنتے ہی اُس نے فوراً اثاناشیوس کو حکم بھیجا کہ ایریوس کلیسا میں داخل کیا جاوے۔ اثاناشیوس نے بربنائے ایمان اِس حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔ شہنشاہ کو اِس پر غصہ آیا اور اُس نے لکھا کہ اگر اثاناشیوس گرجا کا دروازہ ہر ایک اندر آنے والے کے لیئے کھُلا نہ رکھیگا تو ایک افسر بھیج کر اُس کو کلیسا ہی سے نہیں بلکہ اسکندریہ سے باہر نکلوا دیا جائیگا۔ قسطنطین کے خاص الفاظ یہ تھے۔ "چونکہ اب تم کو ہمارا حکم معلوم ہوگیا ہے اس لیئے خیال رکھو کہ جو شخص کلیسا میں آنا چاہے اُس کو بلا مزاحمت اندر آنے دو۔ اگر میں نے سُنا کہ تم نے کسی کو عبادت میں شریک ہونے سے روکا یا کسی پر گرجا کے دروازے بند کیئے تو پھر میں فوراً کسی کو بھیج کر تم کو اسکندریہ سے باہر نکلوا دونگا۔" اثاناشیوس شہنشاہ کی اِس دھمکی سے بالکل نہیں ڈرا اور کہلا بھیجا کہ صادق الایمان اور بدعتی ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتے۔ اِس جواب کے بعد شہنشاہ نے بھی کوئی افسر نہ بھیجا۔

اب بطریق پر بہتانوں کی طومار بندھنے لگے۔ کثرت سے الزام لگائے گئے۔ منجملہ اُن کے ایک الزام یہ تھا کہ اُس نے مصر کے لوگوں پر اپنی طرف سے محصول لگایا تاکہ جو روپیہ اس طرح حاصل ہو اُس سے ایک قسم کا سوتی کپڑا جسکو اسٹیکاریہ کہتے تھے اپنے کلیسا کے واسطے مول لے۔ ایک الزام یہ تھا کہ اُس نے ایک شخص مکاریوس نامی کو بہکایا کہ وہ عشاء ربانی کی میز اور اُس کا متبرک پیالہ توڑ ڈالے۔ ایک الزام یہ لگایا گیا کہ اُس نے فرقہ ملی تیوس کے ایک اسقف کو جسکا نام آرسی نیوس تھا مروا ڈالا ہے۔ مگر یہ اُسقف اِس الزام کے بعد زندہ و تندرست مل گیا۔ اسیطرح اور بہت سے سنگین مگر غلط الزام اثاناشیوس پر لگائے گئے۔ مخالفوں کا حال یہ تھا کہ دشمنی سے تھکنا یا اپنی کسی غلطی پر نادم ہونا نہ جانتے تھے۔ مصالحت تو چیز دیگر تھی۔ جب ایک الزام کی صفائی کر لی جاتی تھی تو دوسرا الزام قائم کر دیتے تھے۔ زمانہ وہ تھا کہ یوسی بیوس ہر وقت قسطنطین کے دربار میں موجود رہتا تھا۔ اور شہنشاہ سے کہتا تھا کہ جب دھواں اِس قدر اُٹھ رہا ہے تو آگ بھی ضرور کہیں موجود ہوگی بہتر ہو کہ اثاناشیوس کو اِن الزاموں سے اپنی صفائی کرنے کا باضابطہ حکم دیا جاوے

۲۹۲

تاکہ یہ جھگڑے بڑھتے بڑھتے کلیسا کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں قسطنطین نے ان باتوں سے متاثر ہو کر ۳۳۴ سنہ عیسوی میں ایک مذہبی کونسل قائم کرکے اُس کے اجلاس کا مقام قیساریہ کو قرار دیا۔ یہ مزید ثبوت اس بات کا ہے کہ یوسی بیوس نیکومیدی اور یوسی بیوس قیساردی دونوں مل کر اثناناشیوس کے خلاف کارروائی کرتے تھے۔ مگر یہ کونسل کسی وجہ سے جو مورخوں نے بیان نہیں کی ایک سال تک اپنا اجلاس نہ کر سکی۔ ایک سال کے بعد جب وہ اجلاس کے لئے تیار ہوئی تو اثناناشیوس نے حاضری سے انکار کیا۔ غرض ۳۳۵ سنہ عیسوی سے پہلے اثناناشیوس کسی کونسل کے اجلاس پر حاضر نہ ہوا۔ اس سنہ میں البتہ وہ صور کے شہر میں اساقفہ کے اجلاس پر حاضر ہو گیا۔

اثناناشیوس اسکندریہ سے پچاس نائبوں اور معتمدوں کو ساتھ لے کر اس سفر کو اُٹھا تھا جس وقت صور کی کونسل کے سامنے آیا تو دیکھا کہ اجلاس میں اُس کے پُرانے پُرانے دشمنوں میں سے لوگ بکثرت موجود ہیں اور سب کی نظر میں ایسی پھری ہیں کہ جو الزامات پہلے غلط ثابت ہو چکے تھے اب پھر فردِ جرائم میں اُن کو شامل کر لیا ہے۔ سب سے پہلے یہ اعتراض ہوا کہ ملزم کا اسکندروس بطریق سابق کی جگہ منتخب ہونا خلافِ ضابطہ تھا۔ آئین کلیسا کے مطابق نہ تھا۔ اس الزام کے بعد ملزم پر بدکاری کا جرم لگایا گیا۔ اور یہ کہ اُس نے ملی تیوس کے چند اسقفوں و قسیسوں پر ظلم کیئے تھے۔ اور ان سب الزاموں سے بڑھ کر "مردے کا ہاتھ" اور "ٹوٹے ہوئے پیالے" کا قصہ چھیڑا گیا۔ یہ قصے رفع دفع ہو چکے بعد اسوقت از سرِ نو اُٹھائے گئے اور اُن پر اسطرح بحث کی گئی کہ گویا اُن کی پہلے کبھی تردید نہیں ہوئی تھی۔ مردے کے ہاتھ والے الزام پر اثناناشیوس کے دشمنوں کو تھوڑی دیر کے لیئے دم بخود ہو جانا پڑا۔ اور اثناناشیوس کو پوری کامیابی ہوئی۔ الزام دینے والوں نے دفعتہً آدمی کا ایک کٹا ہوا ہاتھ بالکل خشک و سیاہ اجلاس پر پیش کیا۔ تمام لوگ اِس سوکھے ہوئے مُردہ ہاتھ کو دیکھ کر کانپ اُٹھے۔ مستغیثوں نے بیان کیا کہ یہ ہاتھ آرسی نیوس اسقف کا ہے۔ مدت سے اُس کا کچھ پتا نہ چلتا تھا مگر اب تلاش کے بعد معلوم ہوا کہ اثناناشیوس نے اُس کو قتل کروا دیا اور مقتول کا ایک ہاتھ یہ موجود ہے۔ اثناناشیوس نے اتنا سن کر پوچھا کہ اس مجمع میں کوئی شخص ایسا ہے جس کو آرسی نیوس کی

شکل یا وجود [illegible] سے لوگ [illegible] اُس کی شکل و صورت سے خوب واقف
[illegible] اثنا ناشیوس [illegible] ایک [illegible] نے اپنے مُنہ کو چھپائے
قریب [illegible] جب وہ قریب آیا تو اُس سے کہا کہ سر اونچا
کر [illegible] اونچا کیا اور سب نے اُس کا چہرہ دیکھا تو سوائے
آرسی نیوس کے وہ کوئی اور نہ تھا۔ اب اثنا ناشیوس نے پہلے اُس کی ایک
ہاتھ کی آستین اُتاری اور پھر دوسرے ہاتھ کی۔ اور بہت آہستہ لہجے میں
حاضرین سے پوچھا کہ "کیا خدا نے کسی آدمی کو دو سے بھی زیادہ ہاتھ دئے ہیں"
یہ عجیب ماجرا دیکھ کر دشمن چُپ ہو گئے۔ لیکن بہت ہی تھوڑی دیر کو کیونکہ فوراً ہی　۲۹۴
اُن میں سے ایک شخص جو اوروں سے زیادہ ہوشیار تھا بول اُٹھا کہ "لوگو یہ سب
جادو کی باتیں اور شیطانی کام ہیں۔ یہ آدمی آرسی نیوس نہیں ہے بلکہ آدمی ہی نہیں ہے دست بندی
ہے۔ اثنا ناشیوس بڑا ساحر ہے اور سحر کے زور سے اُس نے یہ صورت پیدا کی ہے۔"
ان برجستہ فقروں سے مجلس کو یقین ہو گیا کہ فی الواقع اثنا ناشیوس نے جادو کے زور
سے آرسی نیوس کی شکل کا ایک آدمی پیدا کر دیا ہے۔ اِس پر تمام حاضرین ایسے
برہم ہوئے کہ اثنا ناشیوس کی اُسی دم بُری گت کر دیتے لیکن دایونیسیوس افسرِ شاہی
جس کو قسطنطین نے اپنا قائم مقام بنا کر کونسل میں بھیجا تھا اس حالت سے خبردار ہو گیا
اور اُس نے فوراً اثنا ناشیوس کو مجلس سے باہر نکال کر جہاز پر سوار کرا دیا تاکہ اُس پر کوئی حملہ نہ کر سکے۔

باوجود ان فقروں کے اثنا ناشیوس کے خلاف تائیدی شہادت اُس قدر کم تھی کہ
اُس پر کسی جرم کو ثابت کر دینے کی ہمت کونسل کو نہیں ہوئی لیکن چونکہ ممبرانِ کونسل نہیں
چاہتے تھے کہ ملزم کی قطعی بریت کی جائے اس لئے انھوں نے تحقیقات کی غرض سے ایک
جماعت مقرر کی تاکہ وہ مصر جا کر نواحِ میریوٹس میں پیالے کے توڑنے کے معاملے میں لوگوں
کی شہادت قلمبند کرے۔ اس تحقیقات کے لئے چھ آدمی منتخب ہوئے اور اُن کا انتخاب ایک
پوشیدہ اجلاس میں اُس فریق نے کیا جو اثنا ناشیوس کا مخالف تھا۔ اثنا ناشیوس نے
اس انتخاب پر اعتراض کیا مگر کسی نے نہ سنا اب یہ چھ آدمی جہاز پر سوار ہو کر مصر آئے کہ
لوگوں سے دریافت حال کریں مگر اثنا ناشیوس بھی بڑی ہمت کا آدمی تھا۔ اُس نے مصمم قصد
کر لیا کہ قسطنطنیہ جا کر شہنشاہ سے خود ملاقات کرے اور اپنا انصاف چاہے۔ چنانچہ وہ قسطنطنیہ پہنچا۔ اور

ایک دن قسطنطین کو گھوڑے پر سوار شہر سے گذرتے دیکھ کر راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اس کے بعد جو کچھ ہوا اُس کا حال قسطنطین نے خود اپنے ایک خط میں جو اسقف صور کو لکھا تھا بہت صراحت سے بیان کیا ہے۔ قسطنطین کی عبارت یہ ہے:۔

٢٩٥

"میں گھوڑے پر سوار اپنے نام والے شہر یعنی قسطنطنیہ کو واپس آرہا تھا کہ اثاناشیوس اسقف اپنے چند ہمراہیوں کو لئے میرا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ یہ ماجرا دیکھکر میں حیران ہوا اور خدا میرا گواہ ہے جو سب کا ناظر ہے کہ میں نے بالکل نہیں پہچانا کہ یہ کون شخص ہے۔ لیکن میرے چند ہمرکاب ملازموں نے فوراً حال دریافت کر کے ضروری باتوں سے مجکو آگاہ کیا۔ میں نے اثاناشیوس کو ملاقات کی اجازت نہیں دی گو وہ برابر مُصر رہا اور اب بہت بے باکی سے جو اس سے پہلے اُس سے ظاہر نہیں ہوئی تھی کہنے لگا کہ فقط اتنی درخواست ہے کہ اسقفِ صور یعنی آپ کو قسطنطنیہ میں طلب کیا جاوے تاکہ آپ کی موجودگی میں وہ اُن بے انصافیوں کی شکایت کر سکے جو اُسکے ساتھ ہوئی ہیں"۔

اِس جسارت سے جس قدر کامیابی اثاناشیوس کو ہونی چاہئے تھی وہ ہوئی۔ قسطنطین نے دائیونیسوس سے جس کو اپنا قائم مقام کر کے بھیجا تھا صور والی کونسل کی کیفیت دریافت کی اور جب معلوم ہوا کہ یہ کونسل انصاف کرنا نہ جانتی تھی بلکہ محض انصاف کی نقل اُتارتی تھی تو اس نے جملہ مجوزان کونسل کو خط اس حکم کا بھیجا کہ صور سے قسطنطنیہ میں حاضر ہوں۔ لیکن یہ حکم اُن تک پہنچنے نہ پایا تھا کہ میریوٹس میں جو تحقیقات ہو رہی تھی اُس کا نتیجہ کونسل کو موصول ہو گیا اور اُس کی بنا پر کونسل نے بکثرت رائے اثاناشیوس کو تقصیروار قرار دیدیا اور ملی تیوسی فریق کے عیسائیوں کی نسبت لکھا کہ اُن کا عقیدہ مذہب جاثلیق سے بالکل مطابق ہے۔ اسکے بعد ممبران کونسل صور سے یروشلم میں ایک گرجا کے جلسہ افتتاح میں شرکت کے لئے آئے۔ اور وہاں پہنچ کر ایریوس کی نسبت یہ حکم جاری کرادیا کہ وہ مذہب جاثلیق کا سچا پیرو ہے اور کلیسا سے اُس کا تعلق بالکل بجا و درست ہے۔ شہنشاہ کا خط جس وقت کونسل کے ممبروں کو پہنچا تو اُس کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ وہ کونسل کی کارروائی سے خوش نہیں ہے۔ یہ خط کونسل کی بے قاعدگی اور بدنظمی کے عنوان سے شروع ہوا تھا۔

غرض اِس خط کے پہنچتے ہی اِس کونسل کے چھ اسقف جن میں دونوں یوسی بیوس بھی شامل تھے قسطنطنیہ روانہ ہوگئے۔ یہاں پہنچ کر اِن لوگوں نے اپنا رنگ بدل دیا۔ یہ دیکھ کر کہ پہلے جس قدر الزام اثنا ناشیوس کے خلاف اُٹھائے گئے تھے وہ سب فی الواقع غلط نکلے اب اُنھوں نے ایک نیا الزام ایسا پیدا کیا جس پر شہنشاہ کو بھی خاص توجہ کرنی پڑی وہ الزام یہ تھا کہ اثنا ناشیوس نے غلے کے جہازوں کو قسطنطنیہ جانے سے روکا۔ مصر کا ملک روما اور قسطنطنیہ دونوں کے لئے اناج کی سب سے بڑی منڈی تھا۔ مصر سے قسطنطنیہ میں ٹھیک وقت پر غلے کا پہنچنا نہایت ضروری تھا کیونکہ اگر غلہ دیر میں پہنچتا تھا تو وہاں نقض امن ہونے کا اندیشہ ہوجاتا تھا۔ اثنا ناشیوس نے اس الزام کے جواب میں عرض کیا کہ مُلّہ کے جہازوں کو روکنا تو کیسا اُس کے تو خیال میں بھی یہ بات کبھی نہیں آئی۔ وہ تو محض گرجا کا ایک مسکین پادری ہے۔ اور پھر بالکل تنگدست و مفلس جس کو سیاست کا شوق ہے نہ سازش کا۔ دشمن نے اس کا جواب یہ دیا کہ وہ مفلس نہیں بلکہ بڑا دولتمند ہے اور اسکندریہ میں جس قدر مفسد رہتے ہیں اُن پر اُسی کا حکم چلتا ہے۔ قسطنطین ان باتوں سے ایسا تنگ ہوا کہ اُس نے گھبرا کر مقدمے کا فیصلہ کردیا اور اثنا ناشیوس کو جلاوطن کر کے دار الحکومت گال یعنی تریویز کے شہر میں بھیج دیا۔ ۳۳۶ء عیسوی میں وہ تریویز میں پہنچا شہنشاہ کے لڑکے قسطنطین نے جو اس وقت قیصر مغرب تھا اور تریویز میں اپنا مستقر رکھتا تھا اُس کی بڑی خاطر و مدارات کی۔ اِسی سے معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ نے اثنا ناشیوس کو کوئی خطرناک سیاسی دشمن نہیں سمجھا تھا بلکہ صرف مذہبی طبقوں میں امن و امان پیدا کرنے کے لئے اُس کو جلاوطن کر دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ قسطنطین اب مذہبی مناظروں اور مناظرہ کرنے والوں سے جن کا سلسلہ ختم ہی نہ ہوتا تھا بہت تنگ آگیا تھا۔

اثنا ناشیوس کی جلاوطنی یوسی بیوس نیکومیدی و قیساروی اور ایریوس کے لئے بڑی بازی جیتنی تھی۔ اسکندریہ کا بطریق جب بیچ سے اس طرح ہٹا دیا گیا تو اُن کو قوی امید ہوگئی کہ دربار اب ہمیشہ ہمارا ہی ساتھ دیگا۔ اور کل اطراف مشرق میں اُن کا پہلو بہت مضبوط ہوجائیگا۔ پس ایریوس نہایت خوش خوش برسوں کے بعد اسکندریہ میں آیا۔ لیکن اُس کے آتے ہی پھر ایک شورش

۲۹۰
۲۹

برپا ہوگئی۔ جاثلیقی گروہ اپنے بطریق کا باوجود اُس کی جلاوطنی کے ہر حال میں وفادار رہا۔ اور اسکندریہ میں فتنے برپا ہوتے رہے۔ تسنت انطونی نے بار بار قسطنطین کو لکھا کہ اثاناشیوس کو واپس بلا لیا جاوے لیکن قسطنطین نے اپنے حکم کو بدلنا نہ چاہا۔ مگر فرقۂ ملی تیوسی کی زیادتیوں کو روکا اور اُن کے سرگروہ یحیٰی ارکفٹ کو اسکندریہ سے شہر بدر کر دیا۔ اور ایریوس کو بھی اسکندریہ سے قسطنطنیہ میں طلب کر لیا شہنشاہ کو ایریوس کی طرف سے پھر کچھ بے اطمینانی سی ہوئی۔ چنانچہ اُس نے ایریوس کو اپنے سامنے بلوایا اور چھوٹتے ہی پوچھا "کیا تم مذہب جاثلیق پر ایمان رکھتے ہو۔؟ کیا حقیقت میں تمہارا اعتبار کر لیا جاوے۔؟ کیا دراصل تم سچے دین کے ماننے والوں میں ہو؟۔ ایریوس نے بحلف عرض کیا کہ میں سچے دین کا ماننے والا ہوں۔ اور اپنا عقیدہ بھی شہنشاہ کو سُنایا۔ اِس کے بعد شہنشاہ نے سوال کیا کہ کیا تم نے اُن غلطیوں سے توبہ کی ہے جن پر تم اسکندریہ میں اعتقاد رکھتے تھے۔ "کیا تم خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہہ سکتے ہو کہ اُن غلطیوں کو تم نے چھوڑ دیا ہے۔" ایریوس نے قسم کھائی کہ میں نے اُن غلطیوں کو ترک کر دیا ہے۔ اِس پر شہنشاہ کو اُس کی طرف سے اطمینان ہو گیا اور اُس نے ایریوس کو رخصت کیا۔ اور کہا کہ "اگر اب بھی تمہارا ایمان واقعی درست نہیں ہے تو خدا تم کو ان جھوٹی قسموں کی سزا دیگا۔"

یہ کُل بیان اثاناشیوس کا ہے۔ اور اُسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اِس واقعے کے تفصیلی حالات اُس نے مکاریوس قسیس سے سُنے تھے جو موقع پر موجود تھا اور اِس واقعہ کا عینی گواہ تھا۔ سقراطیس اتنا لکھ کر کہ ایریوس نے شہنشاہ کے سامنے ایک عقیدہ لکھ کر اُس پر دستخط کئے تھے'۔ اِس عامیانہ قصے کے بیان کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے کہ ایریوس نے اپنے اصلی عقیدے کو ایک کاغذ پر لکھ کر بغل میں دبا رکھا تھا اور جب اُس نے یہ قسم کھائی کہ جو عقیدہ اُس نے لکھا ہے وہ اُس کے ساتھ ہے تو یہ قسم جھوٹی نہیں ہوگی۔ شہنشاہ سے گفتگو کے بعد اُس نے درخواست کی کہ قسطنطنیہ کے کلیسا میں اُس کو داخل ہونے کی اجازت دی جاوے تاکہ سب لوگوں پر اُس کا جاثلیق ہونا ثابت ہو جاوے۔ قسطنطین نے اِس پر بطریق قسطنطنیہ اسکندر کو حکم دیا کہ ایریوس کو

۲۹۸

کلیسا میں داخل کیا جاوے۔ اسکندر کی عمر اس وقت ۹۸ برس کی تھی۔ بہت ہی سن رسیدہ اور کمزور تھا۔ مگر اپنے ایمان پر مضبوط تھا۔ اُس نے شہنشاہ کو صاف جواب دے دیا کہ میرا ایمان گوارا نہیں کر سکتا کہ میں ایسے شخص کو عشاء ربانی کی برکت دوں جس کو میں نفاق و بدعت کا سب سے بڑا بانی سمجھتا ہوں۔ یروشلم میں چند اسقفوں نے بیٹھ کر اُسکی نسبت جو چاہے سو فیصلہ کیا ہو لیکن میں اپنا خیال نہیں بدل سکتا۔ سقراطیس لکھتا ہے[۱] کہ اسکندر کو اپنے عہدے سے معزول ہو جانے کی مطلق پرواہ نہ تھی۔ اگر خوف تھا تو اس بات کا تھا کہ اصولِ مذہب جن کا وہ اپنے تئیں محافظ خیال کرتا تھا کسی خرابی میں نہ پڑ جائیں۔ یہ سن رسیدہ بطریق اپنے گرجا میں جو شنت ایرینی کا گرجا تھا چلا گیا۔ اور دروازہ بند کر کے قربانگاہ کے سامنے کئی شبانہ روز دعا کرتا ہوا سجدے میں پڑا رہا۔ اور بار بار یہی جملہ زبان پر تھا کہ "اے خدا اگر ایریوس کا ایمان درست ہے تو مجھکو زندہ نہ رکھ کہ میں اُس کو گرجا میں آکر عشاء مقدس کی برکت لیتے ہوئے دیکھوں۔ اور اگر میرا ایمان درست ہے اور ایریوس کا غلط تو پھر ایریوس ملحد اپنے الحاد کی سزا کو پہنچے"۔

بڈھا بطریق اس دعا میں معروف تھا کہ اُس کا اور ایریوس کا انصاف کیا جاوے اور کسی ظاہری نشانی سے یہ انصاف آشکارا ہو کہ وہ وقت قریب آگیا جب کہ ایریوس گرجا میں جا کر عشاء ربانی میں شریک ہو۔ ایریوس شاہی محل سے ایرینی کے گرجا کی طرف چلا۔ سقراطیس لکھتا ہے کہ محل سے جس وقت چلا تو ایک بڑا گروہ یوسی بوس کے فریق کا اُس کے ساتھ تھا۔ ناف شہر سے اُس کا گذر ہوا۔ تمام خلقت کی نظریں اُسکی طرف جمی تھیں۔ وہ اس وقت بہت خوش تھا کیونکہ دل کے سب ارمان پورے ہوئے تھے۔ مگر اب وہ وقت بھی آگیا تھا کہ اُس پر پوری ضرب پڑے۔ شاہی چوک میں سنگِ سماق والے منارے تک پہنچا تھا کہ دفعتاً طبیعت بگڑی۔ ایک جائے ضرور قریب تھا۔ فوراً وہاں گیا۔ مگر جب دیر تک باہر نہ آیا تو ہمراہی پریشان ہوئے۔ زیادہ انتظار نہ کر سکے۔ گھبرا کر اندر گئے تو دیکھا کہ ایریوس مُردہ پڑا ہے۔ بدن کا کل خون نکل گیا ہے اور امعاء پھٹ کر باہر نکل آئی ہیں۔ گویا موت کی صورت وہی ہے جس صورت سے

۲۹۹

---

[۱] سقراطیس ۔ ۱ ، ۳۷ ؛

خون کے کیفیت میں یہودہ باغی مرا تھا۔ اِس ناگہانی موت کے مشہور ہوتے ہی شہر میں لوگوں کی عجیب حالت ہوئی۔ نہ صرف اسکندریہ بطریق نے بلکہ جاثلیقوں کے ہر اعلیٰ اور ادنیٰ نے اس خوفناک موت کو خدا کی جانب سے اپنی بددعاؤں کا نتیجہ سمجھا۔ بیان ہوا ہے کہ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی ہزارہا لوگ خدا کا شکر کرنے گرجاؤں میں حاضر ہوئے۔ اور رات کے وقت شہر کے گرجاؤں میں اس طرح روشنی کی گئی کہ گویا کوئی بڑا تہوار آیا ہے "

قسطنطین ہمیشہ سے وہم پرست تھا۔ اُس کے دل پر بھی اِس موت کا عجب اثر ہوا۔ اشاناشیوس لکھتا ہے کہ شہنشاہ سنتے ہی سکتہ کے عالم میں رہ گیا۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ اب اُس کو پورا یقین ہو گیا کہ ایریوس نے اُس کو دھوکا دیا تھا۔ اور یہ سزا اُس کو جھوٹی قسم کھانے کی ملی ہے۔ یوسی بیوس کے فریق کو سخت ندامت و مایوسی ہوئی۔ اِس فریق کے بعض لوگوں نے تو یہ کہا کہ ایریوس کو دشمنوں نے زہر دیا ہے۔ بعض نے کہا کہ اُس پر جادو کیا گیا تھا۔ کسی نے محض بیماری کو موت کی وجہ قرار دیا۔ بہرکیف پرانے زمانے کے لوگوں کا اتفاق رائے اِسی پر ہوا کہ خدا نے ناراض ہو کر اُس کو ایسی سخت موت سے مرنے کی سزا دی۔ اس خیال کے ماننے والے پرانے ہی زمانے میں نہ تھے بلکہ اب تک موجود ہیں۔ چنانچہ کارڈینل نیومین فرماتے ہیں۔

"اِن حالات پر جب کوئی صاحب فکر غور کریگا تو یہی کہیگا کہ یہ اُس قوتِ کاملہ کی ایک دست اندازی تھی جس کے ذریعے سے تدبیر الٰہی انسان کے قلب پر ہر حال میں روشن کرتی رہتی ہے اور خود عقلِ انسانی بھی اُسکو پہلے سے مانے ہوئی ہے کہ انسان کے اعمال سے خدا غافل نہیں ہے۔ جن کا قول ہے کہ ایسی دست اندازی خدا کا شیوہ نہیں تو پھر اُن کو کہنا پڑے گا کہ ایسے واقعات جن کو بالعموم غیر معمولی یا ناگہانی حوادث کہا جاتا ہے خدا کے کسی فیصلے کا نتیجہ ہوتے ہیں "

لیکن یہ مضمون وہ ہے جس سے یہاں بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے مقصد کے لئے جو بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ ایریوس کی موت

سے قسطنطنیہ کے مذہبی فریقوں اور اُن کے باہمی اختلافات میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ اس موت سے یوسی بیوس نیکومیدی کے مرتبے و عزت میں کچھ کمی ہوئی۔ وہ برابر امور دینی میں قسطنطین کا صلاح کار و معتمد رہا۔

۳۰۱

پندرھواں باب

قسطنطین کی موت اور اُسکے خصائص

اس میں کلام نہیں کہ قسطنطین کی عمر جس قدر بڑھتی گئی اُس کی نیت اور اطوار میں فرق آتا گیا۔ رعایا کو جو تعلق اُس کے ساتھ پہلے تھا اُس میں بھی کمی ہوتی گئی۔ یہ کمی حکومت کے طول پکڑنے کی صورت میں اکثر پیش آیا کرتی ہے اور فی نفسہ کوئی بڑی چیز نہیں ہے۔ لیکن ان مضامین پر عہد نویس مورخوں سے جو شہادتیں بکثرت ملتی ہیں اُن کو نظر انداز کرنا مشکل ہے۔ یوسی بیوس بھی جس کو شہنشاہ کی ہر ایک بات قابل تعریف معلوم ہوتی ہے ایک جگہ لکھ گیا ہے[۱] کہ بد دیانت لوگوں نے شہنشاہ کی خداترسی و کشادہ دستی سے اکثر ناجائز نفع اُٹھایا۔ اس عیسائی مورخ نے بہت سی باتیں شہنشاہ کی خوبیاں سمجھ کر اپنی کتاب میں لکھی ہیں لیکن یہی باتیں بُت پرستوں کے نزدیک قابل الزام ٹھہریں۔ مثلاً وہ لکھتا ہے کہ جب کبھی شہنشاہ دیوانی کا کوئی مقدمہ سنتا تھا تو ہارنے والے فریق کا نقصان اپنی جیب سے ادا کر دیتا تھا اور اس میں یہ اصول مدنظر تھا کہ شہنشاہ کے اجلاس سے ہارنے اور جیتنے والے دونوں کو یکساں خوش و مطمئن ہو کر رخصت ہونا چاہئے۔ مگر یہ اصول وہ ہے جس سے بڑے سے بڑا خزانہ بھی قلیل عرصے میں خالی ہو سکتا ہے۔ اوریلیوس وکٹر نے ایک قول نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطین کی نسبت اُس کے زمانے کے عام لوگوں کا کیا خیال تھا۔ وہ قول یہ تھا کہ قسطنطین اپنی حکومت کے

۳۰۲

پہلے دس برس میں تو شاہانہ اوصاف و خوبیوں کا نمونہ کامل بنا رہا۔ اس کے بعد بارہ برس تک اُس کی کیفیت ایک رہزن اور لٹیرے کی سی رہی اور اخیر دس برس میں اُس کی مثال ایک نوعمر کی سی ہو گئی جو مفت کی دولت ورثہ میں پاکر فضول خرچی

[۱] حیات قسطنطین۔ ۴، ۵۴ و

اختیار کرتا ہے۔ لوگوں نے ہجو سے اُس کا نام تراکالا رکھ دیا تھا۔ بظاہر اسکی وجہ تسمیہ یہ ہی معلوم ہوتی ہے کہ اُس کی گردن چھوٹی اور فربہ تھی۔ مگر اوریلیوس وکٹر نے کسی طرح اس نام کے معنی "مسخرے" کے لئے ہیں ؎

زوسیموس[1] نے بصراحت قسطنطین پر یہ الزام رکھا کہ اُس نے سلطنت کا روپیہ فضول عمارتوں پر لگا کر برباد کیا۔ زوسیموس چونکہ بت پرست تھا اس لئے گرجاؤں پر روپیہ لگانے کو وہ دولت کا برباد کرنا سمجھتا تھا۔ لیکن یہ امر یقینی ہے کہ سلطنت کی مالی حالت اس بات کی مقتضی نہ تھی کہ رومانی قلمرو کے ہر حصے میں بڑے بڑے گرجاؤں کی تعمیر پر بے دریغ روپیہ اُٹھایا جاتا۔ اگر اُس روپے کا اندازہ کیا جاوے جو اور شہروں کو چھوڑ کر خاص روما۔ قسطنطنیہ۔ یروشلم۔ بیت اللحم۔ ماٹری۔ انطاکیہ میں گرجاؤں پر صرف ہوا اور اس بات کو بھی یاد رکھا جاوے کہ پادریوں کو ہر جگہ تعمیر کا کام جاری رکھنے کی ہدایت کی جاتی تھی اور والیانِ ملک کو بھی احکام جاری ہوتے رہتے تھے کہ اپنے علاقوں کی آمدنی سے گرجاؤں کو معقول وظائف دیتے رہیں تو پھر بت پرست محصول ادا کرنے والوں کی شکایتیں ہرگز بے جا نہ تھیں۔ قسطنطین کو گرجا بنوانے کا شوق ایسا ہی تھا جیسے ہمارے زمانے میں باویریا کے مجنوط الحواس بادشاہ لڈوگ کو محل بنانے کا خبط تھا۔ پھر شوقِ تعمیر کا حصر کچھ معمولی گرجاؤں ہی پر نہ تھا۔ بلکہ روما کے شہر میں ایک بڑی عالیشان عمارت جس کو بازیلیکا کہتے تھے تیار کرائی۔ حالانکہ روما وہ شہر تھا جہاں قسطنطین کا گذر شاذونادر ہی ہوتا تھا۔ خاص قسطنطنیہ میں کروڑوں روپیہ ایسے کاموں میں صرف کر دیا جس سے ایک پھوٹے بادام کی بھی آمدنی نہ تھی درآنحالیکہ زراعت وتجارت کی ترقی کے لئے روپئے کی اشد ضرورت تھی۔ زوسیموس نے صرف ایک فقرے میں کہ "قسطنطین نے محض دولت لٹا کر عزت پیدا کرنی چاہی" قسطنطین کے خلاف اپنے تمام اعتراضوں کو جمع کر دیا ہے[2]۔ علاوہ اس اسراف کے وہ بیکار اور نالائق لوگوں کو جن پر کسی طرح مہربان

---

[1] حیات قسطنطین ۲ ' ۳۲ و ۳۵ ؎ [2] ایضاً ۲ ' ۳۸ ؎

ہو جاتا تھا بہت روپیہ دیدیتا تھا اور اُن کو سکھاتا تھا کہ اپنا لالچی منہ پھاڑے رکھیں۔ زوسیموس جس زمانے میں اپنی تاریخ لکھ رہا تھا اُسی زمانے کی نسبت لکھتا ہے کہ "جس طریقے سے آجکل سلطنت کی دولت رائگاں و برباد ہو رہی ہے اس کا تخم دراصل قسطنطین بو گیا ہے۔" اِس مورخ کا خلاصۂ کلام اِس بارے میں یہ ہے کہ "قسطنطین نے جس قدر کام کئے اپنے ہی نفس کے خوش کرنے کے لئے کئے"[1]۔

قسطنطین کی طبیعت کا حال زوسیموس سے بھی بڑھکر اُسکے ایک دشمن کے قلم سے نکلا ہے۔ یہ حال ایک نہایت ہی عجیب و دلچسپ کتاب میں بیان ہوا ہے جو شہنشاہ جولیان کی تصنیف سے ہے اور جس کا نام قیاصرہ ہے۔ جولیان کو قسطنطین اعظم کے نام سے نفرت تھی۔ وہ قسطنطین کو کافر ہی نہیں بلکہ کفر سمجھتا تھا کیونکہ اُس نے رومانیوں کے پرانے مذہب کو چھوڑ کر عیسائی مذہب اختیار کیا تھا۔ چنانچہ اپنی کتاب میں جہاں اولمپس کے دیوتاؤں کے بھرے دربار میں قسطنطین کو پیش کرتا ہے تو اس قدر افراط سے اصلی غرض یہ ہوتی ہے کہ اُسکی ہنسی اُڑائے اور دیوتاؤں کے سامنے اُس کو ذلیل کرے۔ قسطنطین کا ذکر شروع کرتے ہی لکھتا ہے کہ اس شہنشاہ نے لڑائیاں بہت دیکھی تھیں لیکن پھر عیش و عشرت نے اُس کو آرام طلب بنا دیا[2]۔ جولیان نے دیوتاؤں کے اس دربار کی جو کیفیت لکھی ہے اُس کو ملاحظہ کیجئے۔ اولمپس کے تمام چھوٹے بڑے دیوتا ایک دربار میں بیٹھے کسی مشورے میں مصروف ہیں اور دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ جن کو دیوتاؤں کا رتبہ حاصل ہو چکا ہے دربار میں شرکت کے لئے آرہے ہیں۔ جولیان ایک ایک شہنشاہ کا نام لیکر دیوتاؤں سے اُس شہنشاہ کی تعریف کرتا ہے اور جس دیوتا سے اُس کی طبیعت کو مناسب پاتا ہے اُس کے قریب اُس کو بٹھا دیتا ہے۔ لیکن جب قسطنطین کی نوبت آتی ہے تو کسی دیوتا سے اُس کی طبیعت کو مناسب نہیں پاتا اور نہ کوئی دیوتا اُس کو اپنے حلقۂ نیازمندی میں لینا پسند کرتا ہے۔ پس کسی قدر تامل کے بعد قسطنطین

۳۰۴

[1] حیات قسطنطین جلد ۲ صـــ ۳۲ [2] ایضاً باب ۱۵

خود دوڑ کر عیش و عشرت کی دیبی کے پاس چلا جاتا ہے۔ یہ دیبی اُس کو گلے سے لگا کر اپنا محبوب بناتی ہے اور نہایت پر تکلف لباس پہنا کر اپنی بہن فضول خرچی کے حوالے کر دیتی ہے۔ غرض عیش پرستی اور اسراف کے متعلق قسطنطین کی یہ ہجو ملیح نہایت ہی کاری تھی اور تیر زہ سے نکل کر ٹھیک اپنے ہدف پر پہنچا تھا۔

قسطنطین شہنشاہ جولیان کے بزرگوں میں تھا۔ جولیان بڑا زاہد درویش صفت تھا مگر پھر بھی اپنے بزرگ کی ہجو سے باز نہ آیا۔ اور اگر کہیں وہ سمجھ لیتا کہ دنیا قسطنطین کو قسطنطین اعظم کہیگی تو اور زیادہ مضحکہ کرتا۔ لکھتا ہے کہ غیر قوموں پر قسطنطین کی فتوحات محض ایک مسخرا پن تھیں قسطنطین دیوانہ تھا۔ اُس کو ماہِ فلک سے عشق تھا۔ اور نیم مجنون شہنشاہ کلادیوس کی طرح وہ بھی اپنے محل کے عالیشان برآمدے میں کھڑے ہو کر آسمان کی ملکہ یعنی ماہ سے عاجزی کرتا تھا کہ جس طرح اینڈیمیون کے پاس آسمان سے اتر کر وہ چلی آئی تھی اسی طرح میرے پاس بھی چلی آئے۔ جولیان نے ایک تقریر اپنی طرف سے لکھ کر قسطنطین کی زبان سے ادا کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ قسطنطین دعوے کرتا ہے کہ میں مقدونیہ کے اسکندر اعظم سے بھی بڑھکر مرد میدان ہوں کیونکہ وہ صرف ایشیا کے لوگوں سے لڑا تھا اور میں رومانیوں و جرمانیوں اور سیتھیا والوں سے بھی طاقت آزمائی کر چکا ہوں۔ بلکہ جولیس سیزر اور شہنشاہِ اوگستوس سے بھی بڑھ کر ہوں کیونکہ وہ بُرے لوگوں سے لڑے تھے اور میں اچھے لوگوں سے لڑا۔ اور ان ہی تاجداروں سے نہیں بلکہ شہنشاہ تراجن سے بھی بڑھکر لڑنیوالا ہوں۔ کیونکہ تراجن نے نئی چیزیں حاصل کیں اور میں نے اُن چیزوں کو حاصل کیا جن پر سے قبضہ جاتا رہا تھا۔ اور جس چیز سے قبضہ اُٹھ گیا ہو اُس کو حاصل کرنا ایسی چیز کے حاصل کرنے سے دشوار ہے جس پر کبھی قبضہ نہ رہا ہو۔ اس عجیب تقریر کو اولمپس کے دیوتاؤں نے خوب ہنس ہنس کر سنا۔ اور ہرمیز جو دربار میں موجود تھا حکیم سقراط کی طرح قسطنطین سے سوال کرنے لگا کہ "وہ کیا چیز ہے جس کو تم سب سے اعلیٰ سمجھتے ہو۔" قسطنطین نے جواب دیا "حصولِ دولت۔ تاکہ خوب دریادلی سے دوسروں کو روپیہ دیا جائے اور جس قدر اپنے یا اپنے دوستوں کے ارمان ہوں وہ نکالے جائیں۔"

یہ جواب گویا اُس کی فضول خرچی کا ثبوت تھا۔ جولیان نے بھی اور معترضوں کی طرح قسطنطین کے اسی عیب پر زیادہ زور دیا ہے۔ عشرت پسندی و اسراف اپنا شوق پورا کرنے کے لئے سلطنت کے مالیہ کو ایسے عورتوں کے سے سامانِ جاہ وحشم پر صرف کرنا جو رومانی مزاج وطبیعت کے خلاف ہوں۔ یا بیکار عمارتوں پر اُس کو ضائع کرنا یا طامع و نا اہل لوگوں پر اُس کو لٹا دینا یہی وہ باتیں تھیں جن کو وہ قسطنطین کی طبیعت کا نہایت مذموم پہلو تصور کرتا تھا۔ جولیان کی کتاب میں دربارِ اولمپس کا نشہ باز مسخرہ سائی لینوس جس وقت کسی کو فضیحت کرتا تھا اور جب وہ فضیحت بالخصوص کسی اخلاقی مسئلے کی نسبت ہوتی تھی تو سننے والوں کے پیٹ میں بل پڑ پڑ جاتے تھے۔ یہی مسخرہ قسطنطین سے کہتا ہے کہ آپ نے تو واقعی ایسی زندگی بسر کی ہے جو کسی باورچی یا کسی امیرزادی کی خادمہ کے لئے زیادہ موزوں تھی۔ بلاشبہ ان اعتراضوں میں اتنی سچائی ضرور تھی کہ سلطنت کے شوخ طبع یونانی جن کے خوش کرنے کو جولیان نے قلم فرسائی کی تھی اِن طنز آمیز لطیفوں کا پورا لُطف اُٹھاتے تھے۔

۳۰۶ لیکن ہم کو اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ جولیان نے جو کچھ مذمت قسطنطین کی کی ہے یا زوسیموس نے جو کچھ اُس کے خلاف لکھا ہے اُس پر کسی دلیل کو قائم کرکے بحث کو طول نہ دیں۔ اِس میں شک نہیں کہ ان لوگوں کی تحریریں قسطنطین کی طبیعت کا سب سے قبیح پہلو دکھاتی ہیں یعنی یہ کہ وہ عیش و عشرت کا بندہ اور تکلفات و تجملات کا غلام تھا۔ اور یہ بھی یقینی ہے کہ جس شخص نے طیش میں آکر ایسے جور و ستم کئے ہوں جو ۳۲۶ء عیسوی میں روما کے شہر میں وقوع پذیر ہوئے تھے تو پھر اُس کی طبیعت اپنے اصلی رنگ پر نہیں آسکتی تھی۔ جوان بیٹے اور بیوی کو قتل کرکے اپنے سینے پر گناہوں کی ایک سِل رکھ لی تھی۔ یہ مظلوم تو صرف دو ہی تھے باقی جن لوگوں کو اُس نے قتل کیا اُن کی فہرست بہت بڑی تھی۔ اِس میں اُس کا خُسر امیک سیمیان اور اُس کا بہنوئی لائی سی نیوس اور لائی سی نیوس کا معصوم لڑکا لائی سی نیانیوس ایک دوسرا بہنوئی قیصر باسوس اور اور بہت سے لوگ شامل تھے۔ جن میں بعض لوگ امورِ ملکی کی بنا پر قتل ہوئے تھے۔ مارکس اوریلیس

نے تین سو برس پہلے ایک جگہ یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ "فاتح ہی کو زیادہ دن دیکھنے نصیب ہوا کرتے ہیں"۔ یہ خیال بالکل درست ہے۔ لیکن اِس زیادہ مدت میں جب فاتح کو اپنے مقتولوں میں سے بعض کے ساتھ جھوٹے وعدے کرنے اور ایمان دیکر قول و قرار سے پھر جانا بار بار یاد آتا ہے تو ندامت و پشیمانی سے دل میں ٹیسیں اُٹھا کرتی ہیں قسطنطین کی عیسویت بھی ایسی عیسویت نہ تھی جو انسان کے ہر فعل میں اپنا اثر پہنچا چکی ہو۔ اور کل زندگی پر حاوی ہو گئی ہو۔ اور اگر فرض کیا کہ ایسا تھا بھی تو کم سے کم اِس بات کو ضرور تسلیم کرنا پڑیگا کہ اُس کی عمر میں ایسے زمانے آتے رہے جبکہ خدا کی رحمت نے اپنا سایہ اُس کے سر سے اُٹھا لیا تھا۔

نظر بحالت مجموعی **یوتروپیوس** کا یہ جملہ جس کو ابھی نقل کر چکے ہیں کہ قسطنطین کی جس قدر عمر بڑھتی گئی اُس کی نیت اور اطوار میں فرق آتا گیا بالکل درست ہے۔ اِس لائق اور خلاصہ نویس مصنف نے قسطنطین کے خصائص کے متعلق مدلل خیالات ظاہر کئے ہیں جو یہاں لکھنے کے قابل ہیں[1]

"شروع زمانۂ حکومت میں قسطنطین ایسا اچھا بادشاہ تھا کہ بہتر سے بہتر بادشاہوں سے مقابلہ کرنے پر بھی کسی سے کم نہ رہتا تھا۔ لیکن اخیر زمانۂ حکومت میں وہ ایسے بادشاہوں کی مثل ہو گیا جن کی خوبیاں اور برائیاں درجۂ اوسط کی ہوتی ہیں۔ ذہنی اور جسمانی دونوں حیثیتوں سے اُس میں بے شمار خوبیاں تھیں اور یہ خوبیاں سب پر ظاہر تھیں۔ لڑائیاں جیت کر نام پیدا کرنے کا بے حد شائق تھا۔ لڑائیوں میں اُسکی قسمت ہمیشہ اچھی رہی تھی مگر اُس کی کوشش اور تن دہی سے زیادہ تھی.... تمام فنون جن کی ترقی زمانۂ امن سے متعلق ہوئی ہے اور ہر قسم کے علوم جو شائستہ زندگی کا زیور ہیں اُن کا وہ بڑا مربی و دوست تھا۔ سخاوت و مروت سے ہر ایک کو اپنا گرویدہ رکھنا چاہتا تھا۔ اور کبھی اپنے دوستوں کی عزت و دولت کو ترقی دینے سے دریغ نہ کرتا تھا"۔

۳

قسطنطین کی طبیعت کا یہ اندازہ اوریلیوس وکتر کے بیان سے

---

[1] یوتروپیوس - ۱۰، ۷

بہت سی باتوں میں مشابہ ہے۔ اِس مصنف نے لکھا ہے کہ لڑائیوں کے متعلق قسطنطین ہمیشہ قسمت ور رہا۔ تعریف کا ہمیشہ بھوکا رہتا تھا۔ مگر مختلف قسم کے کاموں میں اُس کی لیاقت و ذہانت۔ علوم و فنون کا شوق۔ ہر شخص کی شکایت کو کان دھر کر سننا۔ وفود کی عرضداشتوں پر غور کر کے جواب دینا۔ یہ سب باتیں حقیقت میں تعریف و توصیف کی مستحق تھیں۔

ہم نے اوپر اس مطلب کو ظاہر کیا ہے کہ قسطنطین جس قدر اپنی عمر ختم کرنیکے قریب آتا گیا اس کی نیت خراب ہوتی گئی۔ اِس کا سب سے بڑا ثبوت اِس واقعے سے ظاہر ہے کہ ۳۳۵ء عیسوی میں اُس نے تمام رومانی سلطنت کو اپنے ورثا میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم کے معنی یہ تھے کہ نظامِ حکومت کے متعلق عمر بھر جس لیاقت اور خوبی سے کام کیا تھا اُس کو آخری عمر میں اپنے ہی ہاتھوں سے غارت کر دیا۔ کیونکہ اِس تقسیم سے سیاست کا وہ ربط و اتحاد بالکل زائل ہو گیا۔ جس کو ڈائیوک لیشن کی طرزِ حکومت کے شکستہ آثار سے بڑی جد و جہد کے بعد قائم کیا تھا۔

یوسی بیوس نے ایک ہی فقرے میں جس قدر سچی بات تھی وہ کہدی ہے۔ لکھتا ہے کہ قسطنطین نے اس تقسیم کی غرض سے کل سلطنت کو ایسا سمجھا گویا وہ اُسی کے باپ دادا کی جائداد ہے جس کو اپنے خاندان والوں میں تقسیم کرنے بیٹھ گیا ہے۔ بیٹوں اور بھتیجوں کو ملک تقسیم کرنے میں جس قدر دل سے متوجہ ہوا کبھی رعایا کی سلامتی اور ترقی کے لئے ایسی توجہ نہیں کی کرسپوس کو مرے ہوئے اِس وقت نو برس گذرے تھے۔ ملکہ فاستہ کے بطن سے جو تین لڑکے تھے وہ ابھی تک نوعمر تھے۔ اِن میں سب سے بڑا لڑکا اس وقت اکیس برس کا تھا۔ یوسی بیوس لکھتا ہے کہ اِن لڑکوں کی تعلیم و تربیت بہت غور سے ہوئی تھی۔ فن سپہ گری کے تمام کمالات اُن کو سکھائے گئے تھے سیاست و قانون سکھانے کے لئے خاص معلم و اتالیق مقرر ہوئے تھے۔ مذہبی تعلیم کی نگرانی خود قسطنطین نے اپنے ذمے لی تھی۔ اور "اُن کے سینے میں خدا کی تعظیم و طاعت کا بیج بویا تھا۔ اور اُس خدائے قادر کی معرفت اُن کو سکھائی تھی۔

۳۰۸

جو سب کا مالک ہے۔ اور اُن کے دل میں یہ بات بٹھادی تھی کہ زہد و پارسائی دولت بلکہ حکومت و بادشاہی سے بھی زیادہ عزت کے قابل چیزیں ہیں۔" اُس تعلیم کی عمدگی میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ یوسی بیوس نے بار بار لکھا ہے کہ یہ تینوں شہزادے جن کو ایک موقع پر اُس نے "ثالوث شاہی" کے لقب سے یاد کیا ہے۔ "خودداری و شرمساری۔ پارسائی و پرہیزگاری کا کامل نمونہ تھے"۔ مگر بدقسمتی دیکھئے کہ جب یہ شہزادے بڑے ہوئے تو انھوں نے اپنی نسبت لڑکپن کی عمدہ توقعات اور یوسی بیوس کی تعریفوں کو قطعاً غلط ثابت کر دیا۔ ہم کو یوسی بیوس کے اس بیان سے انکار نہیں کہ ان شہزادوں کی تعلیم و تربیت میں قسطنطین نے حتی الامکان کوشش کی لیکن سب سے بڑی بدقسمتی لڑکوں کی یہ تھی کہ خود باپ کی سیاسی کامیابیاں اس عیب کا ثبوت دے رہی تھیں کہ دنیا حاصل کرنے میں ایمان سے بحث نہ رکھنی جس قدر مفید ہے وہ خدا کی تعظیم و طاعت اور سچی پارسائی نہیں ہے؛

۳۰۹

اِس ملکی تقسیم میں سب سے بڑے شہزادے قسطنطین کو قیصر مغرب کے لقب کے ساتھ ملک گال۔ برطانیہ اور ہسپانیہ دئے گئے۔ دوسرے شہزادے یعنی قسطنطیوس کو مشرق کے زرخیز و شاداب ملک عطا ہوئے جن میں مصر و شام اور ایشیائے کوچک کے وہ علاقے جو ساحل سے ملحق تھے شامل تھے۔ سب سے چھوٹے شہزادے قونس طنس کو اطالیہ۔ ایلیریہ اور افریقیہ کے ملک دئے گئے۔ اس تقسیم کے بعد کچھ علاقے ایسے بچ گئے جو ایک لڑکی کے جہیز میں دئے جا سکتے تھے۔ جس لڑکی کو یہ علاقے دئے گئے اُس کا نام قسطنطینہ تھا۔ یہ قسطنطین اور ملکہ فاستہ کی تینوں لڑکیوں میں سب سے بڑی لڑکی تھی۔ اور اُس کی شادی اُس کے سوتیلے چچا کے لڑکے انی بالیانوس سے ہوئی تھی۔ انی بالیانوس کا باپ قسطن طیوس کلورس کا فرزند تھیودورا کے بطن سے تھا۔ چونکہ انی بالیانوس کو اب قسطنطین کی دامادی کی عزت ملی تھی اس لئے ایک نیا خطاب نوبلس سیمس کا وضع کیا گیا۔ اور اُس کے لئے ایک ریاست صوبجات پونٹس۔ کپادوسیہ اور آرمینیہ کوچک کو شامل کر کے قائم کی گئی۔ مورخ گبن نے بہت ہی تعجب سے لکھا ہے کہ رومانی علمداری میں متعدد رومانی شہزادے ہر زمانے اور عہد میں گذرے مگر ان سب میں صرف انی بالیانوس

ایسا شہزادہ تھا جس کو ریکس (بادشاہ) کا خطاب حاصل ہوا۔ یہ خطاب شہنشاہی تمغوں پر اب تک کندہ نظر آتا ہے اور عہد نویس مورخوں نے بھی اس واقعے کی تصدیق کی ہے لیکن باوجود ایسی بین شہادت کے گبن کو اس کی صحت تسلیم نہیں لیکن ہمارے نزدیک گبن کو اس کی صحت میں شبہ کرنے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ صدہا برس تک پونٹس۔ کپادوسیہ اور آرمینیہ کوچک کے علاقے ایک ہی بادشاہ کے زیر حکومت رہے تھے۔ پس ایسی ریاست کو بادشاہی قرار دیکر اس کے رئیس کو بادشاہ کہنے میں قسطنطین نے محض اس رعایت کو ملحوظ رکھا کہ جس رعایا پر انی بالیانوس کو حکومت کرنی تھی اس کے دستور کے مطابق منہ نشین حکومت کو بادشاہ کے لقب سے پکارا جاوے۔ انی بالیانوس اپنے باپ کا منجھلا بیٹا تھا۔ اس کا بڑا بھائی جس کا نام دالماتیوس تھا تھریس اور مقدونیہ کا جس میں کمی پوری کرنے کو یونان بھی شامل کر دیا تھا۔ قیصر مقرر ہوا۔ اس قیصر کا کام بہت مشکل تھا۔ کیونکہ اس کے ذمے اس سرحد کی حفاظت تھی جہاں سے قوطہ کی قومیں رومانی عملداری پر حملہ کیا کرتی تھیں پس ایسے منصب پر مقرر ہونے سے کسی قدر قیاس ہو سکتا ہے کہ دالماتیوس جو ۳۳۳ء عیسوی میں کونسل بھی رہ چکا تھا اپنی سپاہیانہ قابلیتوں کا ثبوت پہلے سے دے چکا ہوگا۔[1]

۳۱۰

لیکن اب سوال یہ ہے کہ یہ تقسیم کس حد تک فی الواقع ایک تقسیم تھی اور یہ واقعہ کہ شہنشاہ قسطنطین کی ماتحتی سے قیاصرہ آزاد تھے اس کے فی الحقیقت کیا معنی تھے۔ یوسی بیوس لکھتا ہے کہ ہر ایک قیصر کے پاس پورا قیصری عملہ تھا۔ یعنی اس کا دربار جدا تھا۔ جو چھوٹے پیمانے پر دربار قسطنطنیہ کی بجنسہ تصویر تھا۔ ہر ایک قیصر کا لشکر۔ فوج خاصہ۔ کمک کے لئے جمعیت جدا ہوتی تھی۔ اور ان کے افسروں کو شہنشاہ وفاداری و کمال فن کے اعتبار سے منتخب کیا کرتا تھا۔ اس وقت کی ملکی تقسیم سے یہ خیال نہیں ہو سکتا تھا کہ قسطنطین سلطنت سے دست بردار ہونے کی فکر میں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو جشن بست سالہ کے موقع پر سلطنت کا کام چھوڑ دیتا۔ قیاس غالب یہ ہی ہے کہ وہ اپنے اختیارات شہنشاہی میں کسی قسم کی کمی کرنی نہیں

---

[1] "حیات قسطنطین"۔ ۴ ، ۵۱ ؛

چاہتا تھا۔ گو اس قدر گوارا کر لیا تھا کہ اپنے انتظامی اختیارات دوسروں کو تفویض
کر دے مگر نگرانی اپنی رکھے۔ پس قسطنطین کے قیاصرہ حقیقت میں نائب السلطنت
۳۱۱ کا درجہ رکھتے تھے۔ گو اس کا سمجھنا دشوار ہے کہ جب چار با اختیار پریطوری پریفکٹ
(امرائے عساکر) موجود تھے تو اُن کے اختیارات میں بغیر ترمیم کئے یہ نیا انتظام کیونکر
چل سکتا تھا۔ مگر یہ تقسیم سلطنت کے نفع کے لئے نہ تھی۔ اُس سے صرف شہزادوں کا
نفع متصور تھا۔ اور نہ یہ تقسیم ایسی تھی جو مدت تک قائم رہ سکتی تھی۔ قسطنطین کی آنکھیں
بند ہوتے ہی بدنظمی و خانہ جنگی کا پیدا ہونا لازمی تھا جیسا کہ فی الحقیقت ظہور میں آیا۔
کوئی شہادت اس بات کی نہیں ملتی کہ مرتے وقت شہنشاہ نے اپنی جگہ کی نسبت
کسی قسم کی وصیت کی ہو کہ وہ کس کو دی جائے۔ قسطنطنیہ کا شہر جس علاقے میں تھا
وہ دالماتیوس کے انتظام میں تھا۔ یہ کسی طرح عقل میں نہیں آسکتا تھا کہ
قسطنطین کے تینوں لڑکے اس بات کو گوارا کرلیں گے کہ سلطنت کا پایہ تخت
اُن کے چچازاد بھائی کے قبضے میں رہے۔ پس ۳۳۵ سنہ عیسوی والی تقسیم پہلے ہی سے
خبر دیتی تھی کہ آگے چل کر خانہ جنگی اور بدنظمی کا دور دورہ ہوگا۔ دایوکلیشن کا انتظام حکومت
تو اس وجہ سے ناقابل عمل ثابت ہوا تھا کہ اُس میں ایک فرزند کی قدرتی خواہش
کا کہ وہ اپنے باپ کا جانشین ہو پورا لحاظ نہیں کیا گیا تھا مگر اب قسطنطین کے
نظامِ حکومت میں اس سے بھی بڑھ کر سقم نکلا کیونکہ یہ امر بالکل یقینی تھا کہ سلطنت کے
پانچ حصہ داروں میں سے قسطنطین کے تینوں لڑکے اپنے دونوں چچازاد بھائیوں کو
غاصب سمجھ کر اُن کے مقابلے پر ہتھیار اُٹھالیں گے۔ اور اُن کو مغلوب کرنے کے
بعد پھر تینوں سگے بھائی آپس میں لڑنا شروع کریں گے یہاں تک کہ لڑ مر کر صرف
ایک باقی رہ جائے۔

قسطنطین کا دورِ حکومت اب ختم ہونیکو تھا۔ ۳۳۶ سنہ میں اُس نے جشن سی سالہ
کیا۔ درباریوں نے مبارکباد دی کہ شہنشاہ اوگستوس سے لیکر ابتک سوائے اُسکے
کسی شہنشاہ نے اتنی مدت حکومت نہیں کی۔ اُس کے داہنے ہاتھ میں اگر درازی حکومت
تھی تو بائیں ہاتھ میں فتح و نصرت۔ اس جشن کا ایک بڑا واقعہ یہ تھا کہ حال ہی میں کنیسۂ انستاسیس
۳۱ (بیداروں کے گرجا) کی تعمیر ختم ہوئی تھی۔ اس گرجا کا مقام وہ تھا جہاں حضرتِ مسیح کا مرقد

بتایا جاتا تھا۔ اس سے پہلے باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ اس سال مذہبی مناقشے بڑے زور شور پر تھے۔ ایریوس کی ہولناک موت بھی اسی سال کا واقعہ تھی۔ اور قسطنطین کی زندگی کے اخیر چند سال اس وجہ سے بہت بے لُطف گذرے تھے کہ باوجود ہزار کوشش کے کلیسا میں اتحاد کی صورت کا پیدا ہونا ہنوز دُور کا خیال تھا۔

یوسی بیوس لکھتا ہے[1] کہ اسی زمانے میں جب قسطنطین بیمار پڑا تو اُس نے پہلے قسطنطنیہ کے گرم حماموں میں غسل کر کے مرض کو دفع کرنا چاہا۔ مگر جب اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا تو سمندر پار دریپانم کے شہر میں آیا جس کو ملکہ ہیلینہ کی یادگار میں اب ہیلینوپولس کہا جاتا تھا۔ یہاں مرض نے اور زیادتی پکڑی اور لوسیان شہید کے گرجا میں خاص طور پر شہنشاہ کی صحت یابی کے لئے دعا کی گئی۔

لیکن قسطنطین کو یقین ہو گیا تھا کہ اب موت قریب ہے۔ اور وہ وقت بھی آگیا ہے کہ کلیسا میں باضابطہ داخل ہونا چاہئے تا کہ زندگی میں جس قدر گناہ کئے ہیں اُن سے معافی مل جائے۔ پس گرجا کے سنگین فرش پر گھٹنے ٹیک کر کھڑا ہوا اور جس قدر گناہ زندگی میں کئے تھے ان کا اقرار پادری کے سامنے کیا۔ پادری نے اُس کو معافی کی برکت دی اور اس طرح کیٹی کیومن (مبتدی) کا درجہ اُس کو حاصل ہو گیا۔ پھر ہیلینوپولس سے نیکومیدیا کا سفر اختیار کیا اور جب قصر شاہی میں پہنچا جو نیکومیدیا کے مضافات میں تھا تو چند اسقفوں کو طلب کیا اور اپنے عقائد اُنکے سامنے بیان کئے اور کہا کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ جس کے آنے کی ایک مدت سے تمنا تھی اور جس کے لئے ہمیشہ دعائیں مانگا کرتا تھا یعنی اب مجکو وہ چیز ملنے والی ہے جس سے حیات جاوید حاصل ہوتی ہے۔ مجکو آرزو تھی کہ یردن کے دریا میں اصطباغ پاتا لیکن خدا کی مرضی نہ تھی اور اُس کی مرضی میں کسی کو چارہ نہیں۔ کچھ دیر تک پادریوں کو یقین دلاتا رہا کہ یردن میں اصطباغ لینے کا خیال محض خیال ہی نہ تھا بلکہ واقعی مصمم قصد یہ ہی تھا۔ اور اگر اب صحت پھر نصیب ہوئی تو زندگی کے اُن قواعد و آئین کا مطلقاً پابند رہوں گا جو خدا کو پسند ہیں۔

۳۲۳

[1] حیات قسطنطین ۴ء ۶۱

اس کے بعد یوسی بیوس نیکومیدی نے شہنشاہ کو اصطباغ دیا۔ قسطنطین نہایت سپید لباس پہنے ایک سپید بستر پر پڑا تھا۔ ارغوانی لباس شاہی ہمیشہ پہنتا تھا۔ لیکن اب اُس کو مرتے دم تک ہاتھ نہ لگایا۔ اصطباغ پانیکے بعد بہت خوش ہوکر کہا کہ حقیقت میں اب معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی برکت مجکو ملی ہے۔ اور رائس کے نور سے دل روشن ہوا ہے۔ اِس حالت میں جب امرائے لشکر آخری ملاقات کو آئے اور یہ دیکھ کر کہ اب آقا کا دیدار پھر نصیب نہ ہوگا رونے لگے تو شہنشاہ نے اُن کی تسلی کی اور کہا کہ اب مجکو یقین ہے کہ بارگاہ خداوندی سے حیاتِ ابدی پانے کا مستحق قرار پایا ہوں۔ اب جو کچھ باقی ہے وہ یہ ہے کہ خدا کے روبرو حاضر ہونیکا جو سفر درپیش ہے وہ کسی طرح جلد طے ہو۔ قسطنطین اب موت کا منتظر اور آرزومند رہنے لگا چنانچہ یہ آرزو جلد پوری ہوئی۔ ۲۲ مئی ۳۳۷ء عیسوی کو قسطنطین اِس دنیا سے رخصت ہوا۔

سونے کے تابوت میں نعش رکھ کر تابوت پر شاہی چادر ارغوانی رنگ کی ڈالی گئی۔ اور اس طرح سے جنازہ نیکومیدیا سے قسطنطنیہ میں لائے۔ اور یہاں قصر شاہی کے اُس کمرے میں جہاں شہنشاہ کا تخت رہتا تھا تابوت رکھ دیا گیا اور اِس شان سے رکھا گیا کہ گویا شہنشاہ زندہ ہے اور پورے جاہ و حشم کے ساتھ دربار کر رہا ہے۔ بڑے بڑے رئیس وامیر فوج کے اعلیٰ عہدہ دار شبانہ روز تابوت شاہی پر پہرا دیتے تھے۔ یوسی بیوس لکھتا ہے مرنے پر بھی قسطنطین شہنشاہ ہی معلوم ہوتا تھا۔ جس طرح زندگی میں لوگ آداب شاہی بجا لا کر شہنشاہ کی حضور میں شرف یاب ہوتے تھے اس وقت بھی حاضر ہونے والے وہ ہی آداب و مراسم ادا کرتے تھے۔ موت کے وقت کوئی فرزند قریب نہ تھا کہ عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتا۔ مرض نے کسی بات کی مہلت نہ دی تھی اور بہت جلد خطرناک صورت اختیار کر کے مریض کا خاتمہ کر دیا تھا۔ شہزادوں کو بلانے کی نوبت تک نہ آسکی۔ کوئی خاص انتظام اس خیال سے کہ اب موت قریب ہے نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس کا فیصلہ کہ قیصروں میں کون سا قیصر سب کا افسر ہوگا غالباً تینوں لڑکوں اور دونوں بھتیجوں کی رائے پر چھوڑ دیا تھا۔ باپ کے مرنیکے بعد منجھلا لڑکا یعنی قسطنطیوس سب سے پہلے قسطنطنیہ میں پہنچا۔ اور آتے ہی باپ کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہوگیا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ روما کی مجلس سیاست

۳۱۴

(سینات) نے درخواست کی کہ جنازہ قدیم دارالسلطنت میں دفن کیا جاوے۔ اسی
غرض سے ایک وفد روانہ کیا کہ اِس آخری عزت سے اُن کے شہر کو محروم نہ رکھا جاوے۔
لیکن قسطنطین کی خاص وصیت تھی کہ قسطنطنیہ میں "رسولانِ قدسیہ" کے گرجا میں
اُس کو دفن کیا جاوے۔ جہاں ایک خوبصورت مقبرہ پہلے ہی سے اپنے لئے تیار
کرالیا تھا۔ پس مقامِ دفن کے متعلق کسی تذبذب کی ضرورت نہ تھی۔ فوجی احتشام کے
ساتھ محل سے جنازہ اٹھا کر گرجا میں لائے۔ قسطن طیوس جنازے کے ساتھ تنہا
ماتمی تھا۔ ابھی پادریوں نے موسیقی کی صداؤں کے ساتھ میت کے لیے دعا شروع نہیں
کی تھی کہ قسطن طیوس اور اُس کے ہمراہی افسرانِ فوج گرجا سے باہر چلے آئے۔
چونکہ قسطن طیوس ایسا عیسائی نہ تھا جس کو اصطباغ مل چکا ہو اس لیے وہ آخری
رسوم ادا ہونے کے وقت جنازے کے قریب نہیں رہ سکتا تھا۔ غرض کلیسا کے
اسقفوں اور ملک کی عیسائی رعایا نے اِس بڑے شہنشاہ کو دفن کیا۔ یہ ہی وہ لوگ
تھے جن کا قسطن طین بڑا سرپرست رہ چکا تھا اور اُن کے لیے ایسے حقوق قائم کر گیا
تھا جن کے لیے ان کو مرتے دم تک شکر گزار رہنا چاہیے تھا۔ ٹکسال میں سکہ تیار
ہوا جس میں ایک طرف شہنشاہ کی تصویر تھی کہ چہرے پر نقاب پڑا ہے اور دوسری
۳۱۵
طرف ایک تصویر میں شہنشاہ چار گھوڑوں کے رتھ پر سوار ہے اور بادلوں سے ایک
دستِ غیب رتھ کی طرف بڑھا ہے کہ رتھ کو کھینچ کر آسمان پر لیجائے۔ یہ تصویر اِس قسم کی
تھی کہ نہ عیسائی اُس سے بُرا مان سکتے تھے اور نہ بُت پرست۔ عیسائیوں کے نزدیک تو
وہ تصویر اِس واقعے کی تھی کہ ایلیاہ نبی بگولے میں ہو کر آسمان کو اُڑتے ہیں اور بُت پرستوں
کے لیے وہ ایک ایسے موقعے کا مرقع تھا جس میں دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ مرنیکے بعد
(نعوذ باللہ) خدائی کے رتبے کو پہنچائے جاتے ہیں۔ ہاتھ جو بادلوں سے نکلا ہوا تھا
وہ عیسائیوں کے خدا کا ہاتھ بھی ہو سکتا تھا اور بُت پرستوں کے دیوتا جوپیٹر کا بھی۔

قسطن طین کے حالاتِ اصطباغ۔ موت اور دفن ہم نے یوسی بیوس
کی کتاب سے لکھے ہیں۔ اب اِس مضمون کے متعلق ایک بڑی بات یہ کہنی ہے
کہ شہنشاہ کو ایک ایسے اسقف نے اصطباغ دیا تھا جو اریوسی عقیدے کا پادری
تھا۔ یہ واقعہ اثناتاشیوس کے فریق کو اور زمانہ مابعد میں جاثلیقی مورخوں کو نہایت ہی

افسوس ناک اور قابل زاری معلوم ہوا ہے۔ اور اُن کی طبیعت اِس کے متعلق ہمیشہ سراسیمہ اور متفکر رہی ہے۔ یہ امر ہمیشہ اُن کے سخت صدمے اور کوفت کا موجب رہا کہ اُن کے سرپرست اور مددگار شہنشاہ کو زُمرۂ اہلِ ایمان میں ایک ایسے شخص کے ذریعے سے شامل ہونا پڑا جو بدعتی تھا۔ اور اُن کے بطریق یعنی **اثنا ناشیوس کا بھی** جانی دشمن تھا۔ لیکن مجبور ہو کر بالکل خلافِ عادت صبر و شکیب کے ساتھ سب نے متفق الرائے ہو کر اس واقعہ پر بہت کچھ خاموشی اختیار کی اور شہنشاہ کے عیبوں کو نہیں بلکہ اُس کی خوبیوں اور نیکیوں کو یاد کرتے رہے ؛

اب اِس مضمون کے متعلق ایک سوال اور پوچھنا ہے۔ اور وہ یہ کہ قسطنطین نے کلیسا میں باضابطہ طریقے پر داخل ہونیکو ایسے وقت تک کیوں ملتوی رکھا جب تک کہ سفرِ آخرت کے لیئے بالکل ہی پا در رکاب نہ ہو جائے۔ مذہب عیسوی کے عقائد میں وہ ہرگز کمزور نہ تھا۔ اور نہ وہ ایسا شخص تھا جس کے دل کو وسوسے اور شکوک پریشاں رکھیں اور نہ اِس کا گمان ہو سکتا تھا کہ عقائدِ بُت پرستی کی طرف وہ پھر عود کریگا۔ عمر کے اخیر چند سال میں البتہ وہ مقلدانِ ایریوس و اثنا ناشیوس کی شورشوں سے پریشان ہو گیا تھا مگر اُس کی طبیعت ایسی تھی کہ کوئی ہوشیار پادری جس نے اُس کا اعتماد حاصل کر لیا ہو اُس پر اپنا قابو رکھ سکتا تھا۔ جس زمانے تک ہوسیوس قرطبی اس کے ساتھ رہا قسطنطین ہمیشہ جاثلیقی گروہ کا طرفدار رہا۔ جب ہوسیوس کو تقرب حاصل نہ رہا تو یوسی بیوس نیکومیدی نے اُس کی جگہ لی۔ اور قسطنطین کو ایریوسیوں کی طرف نظرِ التفات ہو گئی۔ بہرکیف کسی حالت میں بھی یہ نوبت نہ آئی کہ اُس کے عیسائی ہونے میں شبہ ہو جاتا۔ غرض جب اُس کا عیسائی ہونا ایک واقعی امر تھا تو پھر کیا وجہ ہوئی کہ وہ کلیسا میں باضابطہ طریقے سے پہلے ہی شامل نہ ہوا۔ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اصطباغ سے چونکہ فوراً پچھلے گناہ معاف ہو جاتے تھے اِس لیئے بالکل اخیر وقت میں اِس رسم کو ادا کرنا چاہا تاکہ عاقبت میں قدم رکھتے ہی نجات کا دروازہ کھلا ملے۔ یا یہ کہ ہمیشہ کی راحت حاصل کرنیکے لیئے کلیسا میں داخل ہونیکو ایسے وقت تک ملتوی رکھا کہ جس کے بعد گناہ کرنا ممکن نہ ہو؟ بعض مورخوں نے یہ ہی وجہ آخری وقت میں اصطباغ لینے کی بیان کی ہے۔ اگر حقیقت میں یہ ہی وجہ تھی تو وہ بہت خوب نہ تھی۔ اور بالکل ممکن ہے کہ

۳۱۶

دراصل یہی وجہ ہو۔ یوسی بیوس کی تحریر سے نکلتا ہے کہ جب قسطن طین نے دیکھا کہ پیغامِ اجل آپہنچا تو پھر اصطباغ لینے کے ارادے کو زیادہ ملتوی نہ رکھ سکا۔ لیکن پھر یہ بیان کہ دریائے یردن میں اصطباغ لینے کا ارادہ مدت سے تھا اِس خیال کی نفی کرتا ہے کہ محض موت کے قریب پہنچنے سے مجبوراً اصطباغ لیا۔ ممکن ہے کہ یہ التوا اِس خیال سے بھی ہو کہ بُت پرست رعایا سے بالکل ہی مغائرت پیدا کرنی گوارا نہ تھی۔ اور ایسے بُت پرستوں کا خیال اِس ارادے کی تکمیل میں مانع تھا جن کا تعصب بڑھا ہوا تھا اور جو یہ دیکھتے ہی سخت برہم ہو جاتے کہ وہ شہنشاہ جو اُن کا خاص پونتف یعنے سب سے بڑا کاہن و مذہبی پیشوا مانا جاتا تھا وہ عیسوی مذہب کا ایک اصطباغ رسیدہ رکن ہو گیا۔ بہرکیف یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔ البتہ قسطن طین کی مذہبی زندگی اور مذہبی حکمتِ عملی پر زیادہ غور کیا جاوے تو اِس بارے میں ضرور کوئی رائے وثوق کے ساتھ قائم کی جا سکتی ہے؛ ۳۱۷

یوسی بیوس شہنشاہ کی روزانہ زندگی کے مذہبی اوقات کو اس طرح دکھاتا ہے کہ گویا وہ کوئی بڑا عابد و زاہد عیسائی درویش تھا۔ لکھتا ہے کہ شہنشاہ ہر روز تخلیہ کر کے عبادت و مراقبے میں مشغول ہوتا تھا۔ انجیل ہاتھ میں لے کر اپنے درباریوں کے سامنے وعظ کہتا تھا۔ اور اِس شغل سے بہت مسرور ہوتا تھا۔ پہلے ایسے مذہب کے عیوب بیان کرتا تھا جس میں کثرت سے خدا مانے جاتے ہوں۔ پھر بُت پرستوں کے باطل مذہب کو ایک دھوکا اور اخفائے عصیاں کا ایک ذریعہ ثابت کر کے خدا کی یگانہ و یکتا حکومت اور اُس کے حکمت کے کاموں اور اعمالِ انسانی کے متعلق اُنکی جزا و سزا کی تعلیم و تلقین کرتا تھا۔ اور اخیر میں اِس جملے پر تقریر ختم کرتا تھا کہ "اِس تمام دنیا کی حکومت خدا نے مجھ ہی کو سونپی ہے۔" ظاہر ہے کہ اِس قسم کی تقریریں مختصر نہ ہوتی ہونگی لیکن قسطن طین جہاں عبادت و مراقبے میں زیادہ وقت صرف کرتا تھا اِس قسم کی تقریروں کو بھی طول دینا پسند کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ یوسی بیوس کسی مسئلے پر ایک بڑی طولانی تحریر پڑھ رہا تھا قسطن طین کھڑے ہو کر برابر سنتا رہا یوسی بیوس گو پادری تھا مگر آدابِ شاہی سے واقف تھا۔ عرض کرنے لگا کہ شہنشاہ اب زیادہ کھڑے رہنے کی تکلیف نہ کریں۔ قسطن طین نے کہا کہ میں نے کل مضمون کو از اول تا آخر

سننے کا قصد کرلیا ہے۔ اِس قدر شناسی پر یوسی بیوس دل میں تو فخرو خوش ہوا
مگر افسوس کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑا کہ مضمون بہت طول ہو گیا ہے۔ اہلِ دربار جو اِس
موقع پر حاضر تھے وہ سمجھتے تھے کہ بھلا یہ مضمون کب ختم ہونے والا ہے۔ مگر اُن کا
فرض تھا کہ سُنے جاویں۔ موقع پر تعریف کریں اور جو خیالات بیان ہوں اُن سے
متاثر معلوم ہوں۔ ایک مرتبہ ایسی ہی ایک صحبت میں قسطن طین نے زمین پر
ایک تابوت کا نقشہ بنایا اور اُس کے عرض و طول کا اندازہ کر کے سامعین سے
کہنے لگا کہ حرص دنیا سے پرہیز کرو اور یاد رکھو کہ یہی چار ہاتھ لمبی زمین سب سے بڑی
جائداد ہوگی جس کی توقع مرنے کے بعد ہوسکتی ہے۔ اور ممکن ہے کہ اگر کہیں دفن
ہونیکی نوبت نہ آئی جل کر خاک ہو گئے یا سمندر میں ڈوب کر مر گئے تو یہ بھی نصیب نہو۔
حریص و طامع ہونیکا الزام قسطن طین پر کسی نے نہیں رکھا البتہ اُس کا مسرف و فضول خرچ
ہونا سب سے بڑا عیب سمجھا گیا ہے۔ اور ہم کو خوف ہے کہ قسطنطین کا شمار اُن لوگوں میں
ہوگا جو ایسے گناہوں کی مذمت کر کے جن کو خود نہیں کرنا چاہتے ایسے گناہوں کو روا
کر دیتے ہیں جن کے ارتکاب کے خود شائق ہوتے ہیں۔"

قسطن طین نے تمام قلمرو میں حکم جاری کر دیا تھا کہ ہر ایک اسقف اپنے
گرجا میں عبادت کے وقت اُس کے لئے دعائے خیر مانگے۔ اپنی تصویر سکوں پر
اِس طرح بنوائی کہ آسمان کی طرف نظر اٹھائے کھڑا ہے۔ محلوں کے دروازوں پر
بھی اِس ہیئت سے اپنی تصویریں منبت کاری میں بنوائیں کہ خدا کے سامنے کھڑا
دعا مانگتا ہے۔ یہ سب حکایتیں دلچسپ ہیں لیکن ہماری رائے میں تو یوسی بیوس
کی کتاب کے وہ حصے زیادہ پسند کے قابل ہیں جن میں یہ مصنف محتاجوں اور مفلسوں
یتیموں اور بیواؤں کے ساتھ شہنشاہ کا دریا دلی سے سلوک کرنا بیان کرتا ہے یا اُسکی
رحمدلی کی تعریف کرتا ہے جو بعض صورتوں میں اپنی حد سے گذر کر قابل اعتراض ہو جاتی
تھی۔ یا جہاں اُس کی طبیعت کی بڑی خوبی یہ بتائی ہے کہ اُس کو مخلوقِ خدا کے ساتھ
محبت تھی۔ یہ نیکی البتہ وہ تھی جس کو کوئی رہبانی اپنی طبیعت میں پیدا کر کے اُس کو
پوری قوت سے بہت کم ظاہر ہونے دیتا تھا۔

قسطن طین کی کل زندگی اِس بات کی گواہی دیتی ہے کہ عیسائی مذہب کو

اُس نے سچی نیت اور ایمان سے قبول کیا تھا۔ جس شوق و سرگرمی سے تمام سلطنت میں گرجا بنوائے اُس کا حال اوپر آچکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ روما میں شنت اگنیز اور شنت یوحنا (لاتیران) کے گرجا بھی اُسی نے بنوائے تھے اور ایک اور گرجا بھی تیار کرایا تھا جس کے موقع پر اب شنت پطرس کا گرجا ہے۔ قسطنطنیہ میں رسولوں کا اور شنت ایرینی اور شنت سوفایا کے گرجا بنوائے اور یروشلم میں انس تاسیس کا گرجا تعمیر کرایا۔ یہ گرجا اُس کی سی سالہ حکومت کی سب سے بڑی یادگار تھا۔ انطاکیہ۔ نیکومیدیا اور بہت سے شہروں میں عیسوی مذہب کے نفع کے لئے خزانوں کے مُنہ کھول دیئے۔ گرجاؤں کی تعمیر کے ساتھ اس کا خیال بھی رکھا کہ انجیلیں بھی اُن میں موجود ہوں۔ چنانچہ یوسی بیوس نے شہنشاہ کا ایک خط اپنے نام کا نقل کیا ہے[1] جس میں انجیلوں کے پچاس نسخوں کی فرمایش تھی کہ بہت جلد تیار کرائے جاویں۔ ایک حکم عام اس مضمون کا جاری کیا تھا کہ خداوند یسوع مسیح کا دن (یعنی اتوار) تمام سلطنت کی حدود میں ہر جگہ منایا جاوے۔ اور عیسائی سپاہیوں کے لئے ایسی سہولت پیدا کی جاوے کہ وہ گرجا میں جا کر نماز میں شریک ہوسکیں مسیح کا مبارک دن (یعنی اتوار) قسطنطین کے بت پرست سپاہی بھی مناتے تھے۔ اس موقع پر یہ لوگ "آسمان کے بادشاہ" کے سامنے دعا کرتے تھے اور اُس کو اپنا محافظ و حاجت روا اور فتح کا دینے والا کہکر خطاب کرتے تھے۔ اس دعا کی عبارت یہ تھی :۔

"اے آسمان کے بادشاہ تجھ ہی کو ہم خدا جانتے ہیں۔ تجھ ہی کو ہم بادشاہ مانتے ہیں۔ تجھ ہی کو اپنا معاون اور حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں۔ تجھ سے ہم کو فتوحات ہوتی ہیں۔ تیری ہی مدد سے ہم اپنے دشمنوں پر غالب رہتے ہیں۔ جو نعمتیں تو نے دے رکھی ہیں اُن کا شکر کرتے ہیں اور ایسی ہی اور نعمتیں پانے کے امیدوار ہیں ہم سب تیرے ہی دریوزہ گر ہیں۔ اور ہم تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ ہمارے شہنشاہ قسطنطین اور اُس کے نیک بخت لڑکوں کو ہمیشہ اپنی اماں میں رکھ تاکہ وہ مدت تک سلامتی و اقبال کے ساتھ حکومت کریں۔"

۳۱۹

---

[1] "حیات قسطنطین" ۴ ، ۳۶ ۔

اس آسمانی بادشاہ سے دعا مانگنے کے لئے جب کسی بُت پرست کو ہدایت ہوتی تھی تو اُس کو عذر نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ اگر بہت ہی پکا بت پرست ہوا تو بھی سمجھ لیتا تھا کہ اِس دعا کا مخاطب **جوپیٹر** ہے۔ **قسطنطین** بھی اس امید میں رہتا (۳۲۰) تھا کہ یہ دعا کچھ دیر پیچ میں آسمانی بادشاہ کے پاس رُک کر ایک ہی جھونکے میں عرشِ عظیم پر جہاں اصلی خدا کا تخت بچھا ہے پہنچ جائے گی **قسطنطین** نے اس بات کا خاص اہتمام کیا تھا کہ سپاہی چاہے عیسائی ہو یا بت پرست مگر اُس کی ڈھال پر صلیب کا نشان ضرور بنا ہو کیونکہ وہ صلیب کو ایسا نشان سمجھتا تھا جس سے ہمیشہ فتح ہوتی ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ رومانیوں کے قدیم مذہب بُت پرستی کی نسبت **قسطنطین** کا کیا خیال تھا۔ سب سے پہلے **یوسی بیوس** نے جو کچھ اِس مضمون پر لکھا ہے اُس پر غور کرنا چاہیئے۔ ایک جگہ لکھتا[1] ہے کہ تمام سلطنت میں اور کُل رعایا پر خواہ فوجی ہو یا غیر فوجی بُت پرستی کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے اور بتوں پر قربانیاں چڑھانے کی سخت ممانعت کی گئی تھی۔ ایک دوسرے موقع پر لکھتا[2] ہے کہ اذنِ عام کر دیا گیا کہ کوئی شخص بتوں کے سامنے قربانی نہ کرے۔ اور غیب کی خبریں دینے کا جو مذموم طریقہ چلا آتا[3] ہے وہ بھی بند کیا جائے۔ لکڑی کی مُورتیں پرستش کے لئے کہیں نہ رکھی جاویں اور پوشیدہ طریقے سے مذہبی رسوم ادا نہ کی جاویں۔ تماشا گاہوں میں تیغ بازوں کے خونی تماشے یکقلم بند کیئے جاویں تاکہ ایسی خونریزیوں سے ہر ایک شہر پاک رہے۔"
ایک اور موقع[4] پر یہی مصنف لکھتا ہے کہ قسطنطین نے بُت پرستوں کی تمام جاہلانہ رسموں اور حرکتوں کا قطعی انسداد کر دیا۔ اور حتی الامکان علاقوں اور صوبوں پر عیسائی حاکم مقرر کئے۔ اور ایسے لوگوں کے تقرر سے پرہیز کیا جن کے خیالات یونانی یعنے بُت پرستی کے ہوتے تھے اور جو بتوں پر قربانیاں چڑھانی پسند کرتے تھے۔ ایک حکم یہ دیا گیا کہ اساقفہ کے اجلاس سے جو احکام کسی علاقے میں جاری ہوں اُن میں حکام ملکی کسی قسم کی دست اندازی نہ کریں۔ کیونکہ شہنشاہ کی نظر میں خدا کا ایک قسیس بہ نسبت عدالت کے ایک جج کے زیادہ قابل عزت ہے۔ **یوسی بیوس** نے یہ بھی لکھا[5] ہے کہ قسطنطنیہ کا شہر ہر قسم کی (۳۲۱)

---

[1] حیات قسطنطین ۴، ۲۳؛ [2] ایضاً باب ۲۵؛ [3] ایضاً باب ۴۵؛ [4] ایضاً باب ۲۷؛

بُت پرستی سے خواہ کسی شکل وصورت میں ہو بالکل پاک تھا۔ اور کبھی اُس کی زمین بتوں پر قربانی کے خون یا بخورات سے ناپاک نہیں ہوئی۔ غرض اس مصنف کی کتاب پڑھنے کے بعد ذہن پر یہی اثر ہوتا ہے کہ بُت پرستی فی الواقع بالکل مسدود کر دی گئی تھی اور اِس مذہب کی کسی رسم کا ادا کرنا ایک جُرم قانونی ہو گیا تھا۔

لیکن حالت حقیقت میں یہ نہ تھی۔ یوسی بیوس کی عادت میں داخل ہے کہ پہلے تو ایک بات مبالغے سے کہہ جاتا ہے اور پھر خود ہی کوئی بات ایسی بیان کرتا ہے جس سے اُس کی نفی ہو جاتی ہے۔ اِنسدادِ بُت پرستی میں مبالغہ کر کے قسطنطین کا ایک فرمان بجنسہ نقل کرتا ہے جس میں تمام مشرقی علاقوں کے حکام کو بالکل صاف لفظوں میں ہدایت ہوئی ہے کہ ہر شخص اپنے مذہب میں آزاد سمجھا جائے۔ اور مذہبی رواداری کا اطلاق تمام رعایا پر ہے۔ اِس فرمان میں البتہ قسطنطین نے اپنی رعایا کو نصیحت کی ہے کہ وہ عیسائی مذہب قبول کرے لیکن اس پر کسی کو مجبور کرنا منظور نہ تھا۔ اس فرمان کے چند جملے یہ تھے۔ ”کوئی شخص مذہب کے معاملے میں اپنے ہمسایہ سے مزاحم نہ ہو۔“ ”جس بات کو کسی کی روح چاہے اُس پر اُس کو عمل کرنے دو۔“[1] یہ فرمان لائی سی نیوس کی شکست کے بعد جاری ہوا تھا۔ اور اُس کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اُس میں قسطنطین نے اپنے عیسائی ہونے کا اعلان بڑے جوش وخروش سے کیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ ”یہ میرا قطعی دین و ایمان ہے کہ میری روح اور میری جان اور جو کچھ میرے دل کے پوشیدہ پردوں میں ہے وہ سب اُسی خدا کا عطیہ ہے جو سب سے بالا و برتر ہے۔ پس اے خدا میں تیری محبت اور تیرے خوف سے اپنی جان تجھ پر وقف کرتا ہوں[2]۔ کیونکہ میں تیرے نام کی پرستش اور تیرے جلال و جبروت کی عظمت کرنیوالا ہوں جن کا ثبوت طرح طرح سے ظاہر ہو کر میرے ایمان کی تقویت کا باعث ہوا ہے۔“

لیکن سوال یہ ہے کہ جس مذہبی رواداری کا ذکر اوپر آیا ہے کیا۔ اُس پر قسطنطین ہمیشہ قائم رہا اور ہمیشہ اسی دعا میں مصروف رہا کہ اُس کی رعایا کو

---

[1] حیاتِ قسطنطین۔ ۲، ۵۶۔ [2] ایضاً باب ۵۵۔

خدائے برحق کی سچی معرفت نصیب ہو؛ ہمارا خیال یہ ہے کہ جس حد تک مذہبی رواداری کا اصول بیان کیا گیا تھا اس حد تک اُس پر وہ قائم نہیں رہا۔ اور نہ ایک ایسے شخص سے یہ بات ممکن تھی جو اپنا پہلا مذہب چھوڑ کر جوشِ عقیدت سے دوسرا مذہب اختیار کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ جس وقت پہلے مذہب پر نظرِ لطف نہ رہی تو پھر وہ ہاتھ بھی جو اُس کی حفاظت کرتا تھا سُست پڑ گیا۔ مگر باوجود اس کے اپنے تمام دَورِ حکومت میں قسطنطین اس بات کو نہ بھول سکا کہ گو اُس کے عیسائی ہونے سے ہزار ہا بُت پرست عیسائی ہو گئے لیکن زیادہ تر رعایا برابر بُت پرست رہی۔ پس احتیاط لازم آئی کہ اس کثیر التعداد رعایا پر مذہب تبدیل کرنے کے لیے زیادہ زور نہ ڈالا جائے۔ اور نہ پرانے مذہب کے متعصب لوگوں کو چھیڑ کر اس نوبت کو پہنچایا جائے کہ مایوسی اُن کے دل سے ہر طرح کا خوف مٹا دے۔ یہ ہم پڑھ چکے ہیں کہ قسطنطین جس وقت روما میں مقیم تھا تو جشنِ بست سالہ کے موقع پر فوج سوارہ کے جلوس میں شریک نہیں ہوا تھا۔ اور ایک موقع پر اپنا مجسمہ بت خانے میں رکھنا بھی نامنظور کیا تھا۔ مگر باوجود اس کے قسطنطین بُت پرستوں کے دین کا سب سے بڑا پیشوا یعنی کاہن کبیر (پونتی فکس میک سیمس) مانا جاتا تھا۔ یہ خطاب وہ تھا جس کو تمام عمر اُس نے اپنے نام سے علیٰحدہ نہیں کیا۔ قسطنطین کے بعد بھی شہنشاہوں کے نام کے ساتھ یہ خطاب لگا رہا۔ شہنشاہ گریشیان کے زمانے میں البتہ جب پادریوں نے بہت غل مچایا تو عیسائی شہنشاہوں نے اس خطاب کو ترک کر دیا۔ بعض مورخوں نے حیرت ظاہر کی ہے کہ قسطنطین ایسا راسخ الایمان عیسائی ہو کر بُت پرستوں کا پیشوائے مذہب کیونکر بنا رہا۔ بعض اربابِ تاریخ نے اِس کو محض ایک مجبوری قرار دے کر معذرت سی کی ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس خطاب کو ترک نہ کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ قسطنطین جہاں ایک پکا عیسائی تھا وہاں ایک دور اندیش صاحبِ تدبیر بھی تھا۔ اگر وہ اِس منصب بُت پرستی سے اجتناب کرتا تو پھر اِس منصب کا کسی ایسے شخص کو مل جانا ممکن تھا جو سلطنت کے حق میں خطرناک ثابت ہوتا۔ مگر اِس منصب کو اپنے قبضے میں رکھ کر اُس کے فرائض سے غفلت کرنی اور اسکی خدمتوں کو بھی ادا نہ کرنا یہاں تک کہ جو لباس اُس کے لیے مخصوص تھا اُس کو بھی

کبھی نہ پہننا ان باتوں نے جس طرح اِس منصب کے اثر و اقتدار کو زائل کیا وہ اُس سے علیحدگی اختیار کرنے میں ممکن نہ تھا۔ علاوہ اس کے شہنشاہوں کے خطابات اکثر بہت کم معنی رکھتے ہیں۔ والتیر کے لطیفے سے ہر شخص واقف ہے کہ جب اُس نے "مقدس رومانی شہنشاہی" کا جملہ پڑھا تو کہنے لگا کہ یہ سلطنت نہ تو مقدس ہے۔ نہ رومانی[1] ہے اور نہ شہنشاہی ہے۔ اسی طرح جب کیلے کا مقام فرانس کے قبضے سے نکل کر انگلستان کے قبضے میں آیا تو برطانیۂ عظمیٰ کے نشانِ شاہی میں سوسن کے پھولوں کی تصویر جو فرانس کا شاہی نشان تھا اضافہ کی گئی۔ حالانکہ صرف ایک مقام پر قبضہ ہو جانے سے فرانس کی شاہی پر کیا دعوے ہو سکتا تھا۔ اسی طرح بادشاہ انگلستان کے سکے پر اب تک "ایف"۔ "ڈی" کے حروف لکھے جاتے ہیں جن سے مراد "حامیِ دین" ہے۔ یہ خطاب مذہب جاثلیق کے سب سے بڑے امام یعنے پاپائے رومانے ہنری ہشتم شاہِ انگلستان کو اس صلے میں دیا تھا کہ شاہِ موصوف نے لوتھر کے رد میں ایک کتاب لکھی تھی۔ (لوتھر مذہب جاثلیق کا دشمن تھا)۔ گویا حامی دین کا خطاب دین جاثلیق کی حمایت کے صلے میں دیا گیا تھا لیکن انگلستان کے بادشاہ اس وقت پروٹسٹنٹ مذہب رکھتے ہیں (جو مذہب جاثلیق سے اختلاف رکھتا ہے اور جس کی ابتدا لوتھر سے ہوئی ہے) پس حامی دین کے خطاب کو اس صورت میں پروٹسٹنٹ بادشاہوں کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رہی۔ مگر نام کے ساتھ اب بھی موجود ہے۔ اسیطرح شاہانِ پرتگال کے نام کے ساتھ "مالک ہمہ انڈیز" کا جملہ لکھا جاتا ہے (یعنی تمام جزائر شرق الہند کا بادشاہ) حالانکہ یہ واقعہ نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان خطابوں کی دراصل کوئی وقعت نہیں ہے۔ جو کچھ وقعت ہے وہ کاموں کی ہے۔ قسطنطین کے ہوا خواہ جن کو کلیسا سے تعلق تھا شاید اُس کے خطاب چیف پونٹف (کاہن کبیر) پر ناخوش ہوتے ہوں مگر خود قسطنطین کے دل پر اس خطاب کا کوئی ناگوار اثر ایسا نہیں ہوا تھا جیسا کہ بعد کو اسی قسم کے

[1] اس میں ایک لطیفہ یہ بھی ہے کہ نام نہاد "مقدس رومانی شہنشاہی" میں اسوقت روما بھی شامل نہ تھا بلکہ صرف جرمنی شامل تھا اور جس سلطنت کو رومانی کہا گیا تھا فی الحقیقت وہ جرمانی سلطنت تھی ۔

ایک مقدمے میں انگلستان کے بادشاہ جیمس ثانی پر ہوا۔ شاہان انگلستان پروٹسٹنٹ مذہب رکھتے ہیں اور انگلش چرچ یعنی کلیسائے انگلستان کے افسر اعلیٰ ہونیکا خطاب اُن کو ملتا ہے۔ لیکن جس وقت بادشاہ جیمس نے پروٹسٹنٹ مذہب چھوڑکر جاثلیقی مذہب اختیار کیا تو پھر اُس کے ایمان کو گوارا نہ ہوا کہ وہ افسر کلیسائے انگلستان پکارا جائے۔ چنانچہ اس کے بارے میں اُس نے اپنے مشیروں سے رائے لی۔ ان لوگوں نے اس بات کو تو تسلیم کیا کہ جب بادشاہ پروٹسٹنٹ نہ رہا تو انگریزی کلیسا کی افسری ایک مہمل بات ہے۔ لیکن باوجود اس کے یہ اجتماع ضدین اُن کو اس درجہ مضر معلوم نہیں ہوا جس قدر کہ اِس خطاب سے واقعی دست برداری خطرناک نظر آئی ہے۔

قسطن طین نے اپنی رعایا کو عیسائی مذہب کی طرف راغب رکھنے میں ایسی ہی ہوشیاری سے کام لیا جو ایک سیاسی مدبر کو زیبا تھی۔ اور ہمیشہ خیال رکھا کہ اس کام میں کسی طرح کی سیاسی شورش نہ اُٹھنے پاوے۔ بیان ہوا ہے کہ اُس نے بُت پرستی کی ایسی رسوم کو جو فحش اور ناپاک تھیں پاکیزگی اور اخلاق کے خلاف سمجھ کر بند کرا دیا۔ مثلاً ہیلیوپولس اور افاکہ کے شہروں میں جو ہیاکل فنیشیا والوں کے تھے اور جہاں وینس دیبی کی پرستش ہوتی تھی اور نہایت بے شرمی سے بدکاریاں کی جاتی تھیں اُنکو منہدم کرا دیا۔ یہی درجہ ایسکولاپیوس کے ہیکل کا ایجی آئی کے شہر میں ہوا۔ اور اسی طرح مصر میں ایک بے شرم جماعت کاہنوں کی قتل کر دی گئی جو دریائے نیل کی پرستش کرتی تھی۔ لیکن یوسی بیوس کی ان چند مثالوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بت پرستوں پر عام طور سے قسطن طین نے کوئی ظلم یا جبر کیا۔ یوسی بیوس کا غیر معتبر ہونا ایک مشہور بات ہے۔ بہت صاف لفظوں میں لکھ گیا ہے کہ قسطن طین نے قطعی ارادہ کر لیا تھا کہ اپنے دار الحکومت کو بُت پرستی سے پاک رکھے تاکہ اُس کی چاردیواری میں کسی باطل دیوتا کا کوئی بت یا قربانگاہ نظر نہ آئے۔ لیکن اسکے ساتھ یوسی بیوس ہی سے یہ اطلاع بھی ملتی ہے کہ سوپاتر فلسفی شہر قسطنطنیہ کے افتتاح کے وقت جلسے میں موجود تھا۔ اِس جلسے میں عیسوی طریقے سے خدا کے

۲۲۴

لہ حیات قسطنطین ۔ ۳، ۴۸ ۔ ۴، ۲۵ ؛

نام پر شہر کا افتتاح ہوا تھا۔ اس فلسفی پر ایک زمانے میں قسطنطین بہت مہربان تھا۔ گو بعد کو وہ حاکم شہر ابلابوس کی شکایت پر وہ قتل کر دیا گیا۔ شکایت یہ تھی کہ مصر سے غلے کے جہازوں کو جادو کے زور سے روک کر قسطنطنیہ تک دیر میں پہنچنے دیا۔ یہ بھی دریافت ہوتا ہے کہ کی بیلی اور فورتوتا کے بُت خانے شہر کے اندر موجود تھے۔ زوسیموس لکھتا ہے کہ شہنشاہ نے خود ایک بُت خانہ اور اُس کا احاطہ دایوس کیوری کیسٹر اور پولکس دیوتاؤں کے لیے بنوایا تھا۔ روما میں کونکورڈ کا بت خانہ قسطنطین کے آخری زمانہ حکومت میں از سر نو تعمیر کیا گیا تھا۔ کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک سال کے کانسلون نے اپنے اپنے دیوتاؤں کے لئے علٰحدہ علٰحدہ قربانگاہ اسی بُت خانے میں بنوائے۔ فتح کی دیبی کا مشہور مذبح جس کے متعلق چوتھی صدی عیسوی کے اواخر میں شہنشاہ والنتی نیان کے زمانے میں بڑے زور شور سے بحث ہوئی تھی اِس وقت موجود تھا۔ اور مشرقی سلطنت کے دو بڑے عیسائی شہروں میں یعنی انطاکیہ اور اسکندریہ میں اپولو اور سیرالیس کی پرستش اُنکے ۳۲۵ بُت خانوں میں جاری تھی ؛

اس میں شبہ نہیں کہ ایسے اضلاع میں جہاں عیسائیوں کی کثرت تھی اور بُت پرستی کے ماننے والے کچھ پُرجوش نہ تھے وہاں کبھی کبھی بُتوں اور بُتخانوں کو خراب کیا جاتا تھا خاصکر ایسے علاقوں میں جہاں کا حاکم عیسائی ہوتا تھا۔ بُتخانوں کے زیورات چوری جاتے تھے اور اُن کے خزانے لوٹ لیئے جاتے تھے۔ اور کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا تھا۔ لیکن بُت پرست اس سے پہلے عیسائیوں پر وہ وہ ظلم توڑ چکے تھے کہ جب عیسائیوں کے لیے انتقام لینے کا وقت آیا تو پھر یہ فطرتِ بشری سے باہر تھا کہ ضبط سے کام لیا جاتا۔ جب تک عیسائیوں کی زیادتی سے کسی طرح نقضِ امن نہ ہوتا تھا حکامِ وقت ایسی باتوں کی طرف سے بے پروائی ظاہر کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ بُت پرستی اِسوقت جاں کنی کی حالت میں تھی۔ پانی سے سر اونچا رکھنے کی بہت کوشش کرتی تھی مگر نیچے بیٹھنا ضروری تھا۔ اب خاتمے کو پہنچنے میں دیر نہ لگی۔ البتہ ایسے مقامات کی حالت دوسری تھی جہاں بڑے بڑے ہیکل موجود تھے اور اُن کے اوقاف بھی بڑے بڑے تھے اور اُن کے

خدام بھی قابو یافتہ تھے۔ اور ہر وقت اپنے حقوق کی حفاظت کے لیئے آستینیں چڑھائے رہتے تھے۔ یہ خیال کرنا سخت غلطی ہے کہ قسطن طین نے بُت پرستی سے کوئی لڑائی باندھ رکھی تھی۔ یہ ہرگز نہ تھا۔ پادریوں پر مہربان ہونیکے معنی صرف یہ تھے کہ عیسائیوں کے پیشوایانِ دین کو بھی اُسی درجۂ عزت تک پہنچا دیا جاوے جو بُت پرستوں کے کاہنوں کو حاصل تھا۔ بُت پرستوں کی انجمنوں یا مدارس وغیرہ کے حقوق میں کمی نہیں کی۔ ایسے کتبے موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطین نے بُت پرستوں کی بعض انجمنوں کو خود قائم کیا اور یہ انجمنیں قسطن طین کے نام سے مشہور ہوئیں۔ خلاصہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ جس پُرانے مذہب کی امداد سلطنت کی طرف سے ہوتی تھی اور اُس کو اوقاف بھی سلطنت کی جانب سے ملے ہوئے تھے اُسی کے زمرے میں ایک نیا مذہب یعنی عیسائی مذہب بھی شامل کر دیا گیا تھا۔

۳۲۶ اس نئے مذہب پر قسطن طین کی خاص توجہ رہی۔ مگر اس خاص توجہ سے پُرانے مذہب کو مٹانے کے لیئے کوئی عملی طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ قسطن طین چاہتا تھا کہ اپنی مثال پیش کر کے تمام دنیا کو عیسائی کر لے۔ لیکن اس کام میں نہ تو اُس کو کامیابی ہوئی اور نہ اس کام کے لیئے اُس نے جبر و اکراہ سے کام لیا۔ تمام دَورِ حکومت میں اُس کا مذہبی مسلک یہ ہی رہا کہ تمام مذہبوں کے ساتھ رواداری کا اصول برتے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ قسطن طین سے پچاس برس کے بعد سیماکوس نے لکھا کہ قسطن طین دونوں مذہبوں کو مانتا تھا۔

ایک شکل البتہ مستثنےٰ تھی وہ یہ کہ قسطن طین نے بُت پرستی سے طلسم و سحر۔ کہانت و تفاؤل کے طریقے قطعی مٹانے کی کوشش کی۔ مگر اُس سے پہلے اور شہنشاہ بھی جن کا بُت پرست ہونا ظاہر تھا ایسی ہی کوشش کر چکے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ جادو کرنا یا غیب کی خبریں معلوم کرنا مذہب بُت پرستی کی کوئی جزلا ینفک نہ تھا۔ بلکہ اِن باتوں کی نسبت بعض وقت یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ سلطنت کو نقصان پہنچانے کے لیئے بھی عمل میں لائی جا سکتی ہیں۔ اور وہ شہنشاہ کی جان و حکومت کو بھی معرضِ خطر میں ڈال سکتی ہیں اس لیئے اُن کا انسداد مناسب تھا۔ عام لوگوں کو بھی اس طرف رغبت نہ تھی کہ وہ اعمالِ سحر سے ظلماتی قوتوں کو

دنیا کی ہلاکت پر آمادہ کریں۔ کیونکہ بالعموم اعتقاد یہ تھا کہ جو دیوتا انسان کے حق میں عادل و مہربان ہیں اُن کو جادو و سحر کی خفیہ رسموں سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ پس ساحروں اور فال پیشہ لوگوں کے خلاف احکام جاری کرنے سے قسطنطین کو دوگونہ مسرت حاصل ہوتی تھی۔ ایک اس وجہ سے کہ عیسائی تھا اور دوسرے اِس وجہ سے کہ سلطنت کا مالک اور فرمانروا تھا۔ جادوگر اور شعبدہ باز۔ لوگوں کو عجائبات دکھایا کرتے تھے اور ہر شہر میں اُن کی کثرت تھی۔ اُنکے خلاف کسی کارروائی سے سلطنت کے قدیم مذہب پر کوئی حملہ نہ ہوتا تھا۔ جو فال نکالنے والے یا غیب کی خبریں دینے والے سرکاری طور پر مقرر تھے اُن سے بحث نہ تھی۔ کوئی خوش اعتقاد بُت پرست اگر کسی کاہنہ سے غیب کی باتیں پوچھنی چاہتا تھا تو اُس سے کسی قسم کی بازپرس نہ ہوتی تھی۔ چونکہ اس وقت تمام دنیا اوہام پرستی میں مبتلا تھی جس سے خود قسطنطین بھی مستثنیٰ نہ تھا۔ اس لیے جن لوگوں نے شوقیہ سحر کے فن میں مہارت پیدا کی تھی اُن کو اچھے کاموں کے لیے سحر سے کام لینے کی اجازت تھی۔ مثلاً اگر کسی مریض کو تندرست کرنا ہوا یا فصل کو برف و باراں سے محفوظ رکھنے کی ضرورت ہوئی تو اُس وقت سحر سے مدد لینے کی ممانعت نہ تھی۔ خود قسطنطین اور اُس کے اسقفوں کا یہ حال تھا کہ اُن کے نزدیک رحمت کے فرشتے جو برکتیں لاتے تھے اُن کے آنے کی خوشی اس درجہ ہوتی تھی جس درجہ جادوگروں کا خوف طاری رہتا تھا کہ کہیں رسّی کھول کر شیطان کو پیچھے نہ لگا دیں۔ خدا کی برکتوں کی تو صبر و توکل کے ساتھ صرف امید ہی امید ہوتی تھی مگر جادو کے عمل سے نقصان پہنچنے کا خوف ہر وقت دل پر چھایا رہتا تھا۔ جو لوگ شوقیہ غیب بینی کا شغل کرتے تھے اُن کو بند کرنے میں قسطنطین کو کامیابی نہیں ہوئی۔ سنہ ۳۵۸ عیسوی میں قسطنطین کے جانشین نے حکم دیا کہ غیب سے خبریں لینے کا سلسلہ بالکل مسدود کیا جاوے۔ لیکن آیندہ کی خبریں معلوم کرنے کا شوق انسان کی طبیعت میں ایسا بیٹھا ہوا تھا کہ نہ وہ کسی قانون سے رُکتا تھا اور نہ کسی مذہب سے۔

بہرکیف اخلاقی بنیاد پر چند ہیکلوں کو جہاں فحش رسمیں ہوتی تھیں بند کر دینا یا سحر و طلسم کے پیشہ وروں کو اُن کے پیشے سے روک دینا اُس فرمان کے مقابلے میں کچھ حقیقت نہ رکھتا تھا جو سنہ ۳۲۵ عیسوی میں تیغ بازوں کے خونی تماشوں کے بند کرنے کے متعلق قسطنطین نے جاری کیا۔ اِس فرمان میں محکوم ہوا کہ جس

۳۲۷

حالت میں کہ ملک میں ہر جگہ امن و اماں ہو۔ ہر شخص اپنے گھر میں آسودہ و خوش ہو یہ امر ہمارے مزاج اور طبیعت کے بالکل خلاف ہے کہ تماشا گاہوں میں خونریزی کے تماشے دکھلائے جاویں۔ پس حکم دیا جاتا ہے کہ آیندہ سے تمام ایسے مجرم جن کو تلواریں دے کر تماشا گاہوں میں لڑوایا جاتا ہے وہ سب مشقت کے لیئے کانوں پر بھیجے جاویں تاکہ اُن کو اُن کے جرائم کی سزا بغیر خونریزی کے ملے "۔ لیکن حکم کا جاری کرنا ایک چیز ہے اور اُس کی تعمیل دوسری چیز ہے۔ یہ دریافت نہیں ہوتا کہ حکم جاری ہونیکے بعد اُس کی تعمیل پر بھی تاکید کی گئی یا نہیں۔ مگر اِس قدر ضرور دریافت ہوتا ہے کہ قسطن طین کے جانشینوں نے اِس فرمان کی مطلق پرواہ نہیں کی کیونکہ سیماکوس کے زمانے میں یہ ہی خونی تماشے خوب زور و شور سے ہوا کرتے تھے۔ اِس شہنشاہ نے شمشیر بازوں اور عجیب و غریب صحرائی جانوروں کی تلاش میں دنیا کا کوئی گوشہ باقی نہ رکھا قسطنطین اِن تماشوں کو جفاکاری کے تماشے کہا کرتا تھا جب تک شہنشاہ ہنوریوس کا زمانہ نہیں آیا تماشا گاہوں میں آدمیوں کے قتل و خون کے تماشے بند نہوئے ؎

۳۲۸ خلاصہ یہ کہ قسطن طین کے مذہبی خیالات کے بارے میں سب سے قرینِ عقل قیاس یہ ہے کہ وہ ایک سچا اور خوش اعتقاد عیسائی تھا۔ خود اُس کے اقوال سے کہ جن میں عیسائی ہونیکا اقرار اُس نے بہت گرمجوشی سے کیا ہے اور اُس کے اعمال سے اِس بات کا بخوبی ثبوت ملتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ بہت سے مورّخ لکھتے ہیں کہ اُس کو مذہب کی مطلق پروا نہ تھی۔ بعض مورّخ لکھتے ہیں کہ اُس کو ہر ایک مذہب میں امرِ حق نظر آجاتا تھا اور یہ اُس کی طبیعت کا بڑا وصف تھا۔ مثلاً پروفیسر بیوری لکھتا ہے کہ "شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطن طین کا مذہب ایک قسم کی توحید پرستی تھا جس میں تمام مذہبوں کے فرق مٹتے نظر آتے ہیں۔ معبودِ عالم کا وجود اُس کو شمس و متھراس اور بنی اسرائیل کے خدا میں ایک ہی سا نظر آتا تھا"۔ ہماری رائے میں اگر یہ کیفیت قسطن طین کے باپ قسطن طیوس کلورس سے منسوب کی جاتی تو فی الواقع درست ہوتی اور خود قسطن طین کی بھی یہ ہی کیفیت ماکسن تیوس کے زوالِ حکومت تک رہ چکی تھی۔ نویں ستایش نامے میں ایک عبارت ہے جو اِسی قسم کے خیالات رکھنے والے کے قلم سے نکلی ہے۔ یہ عبارت یہاں نقل کرنیکے قابل ہے کیونکہ اُسمیں

شہنشاہ قسطنطین کے لئے "رب الارباب یا معبودِ اکبر" سے دعا مانگی گئی ہے۔ عبارت حسب ذیل ہے:۔

"پس ہم دعا کرتے ہیں اور تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ ہمارے بادشاہ کو ابدالآباد تک سلامت رکھ۔ تو ہی پروردگار ہے تمام عالم کا۔ تیرے نام اتنے ہیں کہ جتنی قومیں پیدا کرکے تو نے اُن کو زبانیں دی ہیں۔ ہم نہیں بتا سکتے کہ تیرا کونسا نام لے کر تجھ کو پکاریں۔ اور نہ ہم یہ بتا سکتے ہیں کہ تو کوئی ربانی قوت یا طبیعت ہے جو تمام کائنات میں ساری اور عناصر میں حلول کئے ہے اور حرکت کرتی ہے اپنی ہی تحریک سے بلاواسطہ کسی خارجی قوت کے۔ یا تو کوئی قوتِ عظیم الشان ہے جو عرش سے بھی بالاتر کسی مقام پر ہے اور فضائے عالم کے سب سے اونچے کنگورے سے اپنے کاموں کو نیچے دیکھ رہی ہے۔"

۳۲۹

اس قسم کا پروردگار یا معبود فلسفیوں کے قلب کو مطمئن کرسکتا تھا۔ لیکن جس خدا کی پرستش قسطنطین نے اپنے زمانۂ حکومت میں کی تھی وہ یہ نہ تھا۔ اگر وہ مذہب کی طرف سے بالخصوص عیسائی مذہب کی طرف سے بے پرواہ ہوتا یا اگر اُس کی یہ کوشش ہوتی کہ دو مقابل کے مذہبوں کو ایک ہی نظر سے دیکھے تو کبھی پادریوں کو اپنا ہر وقت کا مشیر وصلاح کار نہ بناتا۔ اور نہ ایسے احکام وفرامین جس کا اوپر ذکر ہوا ہے جاری کرتا۔ اور نہ مجرموں کو سزائے صلیب دینی بند کرتا اور نہ یہودیوں کو عیسائی غلام رکھنے کی ممانعت کرتا اور نہ بار بار تمام دنیا کے سامنے مسیح پر اپنا ایمان واعتقاد رکھنا ظاہر کرتا۔ اور نہ سلطنت کا اس قدر روپیہ بڑے بڑے گرجاؤں کی تعمیر پر صرف کرتا۔ اور نہ کبھی صبر وتحمل سے دو ناشتی فرقے کی بحثوں اور ایریوس اور اثاناشیوس کے مناظروں کو سُنتا۔ اور نہ کبھی نیقیہ کی مجلس مقرر کرکے اُس کا صدر نشین بنتا۔ اور نہ شہنشاہِ ایران سے غیر رومانی عیسائی رعایا کی سفارش میں لجاجت اختیار کرتا۔ اِس میں شبہ نہیں کہ قسطنطین وہم پرست تھا۔ مذہب میں عقلیات کو چھوڑ کر جسمانیات پر بہت توجہ کرتا تھا۔ اور دنیا میں اپنے کامیاب رہنے کو عیسائی مذہب کے برحق ہونے کا ثبوت سمجھتا تھا۔ لیکن یہ امر کہ اُسنے خلوص نیت اور سچے دل سے عیسائی مذہب قبول کیا ہر طرح پر ظاہر ہے اور باوجود اُن سخت گناہوں کے جنھوں نے اُس کی نیک نامی وشہرت کو داغ لگایا وہ عیسائی کہلائے جانے کے حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ عیسائی اُس کے لیے ایسا لقب تھا جس کو

بقولِ شفت اغسطین وہ خوش ہوکر فخر کیا کرتا تھا۔ اور جو امید اور بھروسا اپنے دل میں مسیح پر رکھتا تھا وہ ہر وقت اُس کے ساتھ تھا؛

۳۳۰

سولھواں باب

سلطنت اور عیسائی مذہب

قسطنطینِ اعظم نے نظمِ حکومت اُسی طرز پر چلایا جس طرز پر دائیوکلیشن اُس کو قائم کر گیا تھا۔ ان دونوں شہنشاہوں کے جانشینوں نے بعض امور میں کچھ نئی نئی باتیں پیدا کیں۔ لیکن شہنشاہی طرزِ حکومت جو گیارہ سو برس تک سلطنت کے مشرقی حصے میں قائم رہا اُس کے بانی یہی دونوں شہنشاہ تھے۔ اِن ہی دونوں شہنشاہوں کی نسبت یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ مملکتِ رومانی کو اگر اُنھوں نے ایک نئی عمر نہیں بخشی تو کم از کم ایک نئی قوت اور تحریک تو اُس میں ضرور پیدا کر دی۔ اب ہم مختصر طور پر اُن سیاسی اصلاحات کا ذکر کرتے ہیں جو نظمِ حکومت کے قریب قریب ہر شعبے میں اِن دونوں شاہانِ معظم سے عمل میں آئیں۔

یہ تو ہم پڑھ چکے ہیں کہ فرمانروائے سلطنت کی حیثیت بہ نسبت سابق کے اب بہت بدل گئی تھی۔ اب وہ ایک رومانی امپراطور یعنے مالکِ جنگ و پیکار یا سلطنت کا سب سے اعلیٰ مبارز نہیں رہا تھا بلکہ مخلوں کا بادشاہ ہو گیا تھا۔ ایک مشرقی تخت نشین حکومت کے تکلفات اُس میں پیدا ہو گئے تھے۔ عوام کی نظر سے پوشیدہ رہتا تھا۔ سونے اور جواہرات سے مرصع لباس پہنتا تھا اور ہر چہار طرف جاہ و حشم کے سامان موجود رہتے تھے۔ رعایا کو تعلیم ہوتی تھی کہ شہنشاہ کا خیال جب دل میں یا ذکر زبان پر آوے تو اُس کو انسان سے بڑھ کر معظم و محترم سمجھے اور جب لوگ اُس کے حضور میں حاضر ہوں تو نہایت ادب سے زمین پر گھٹنے ٹیکتے ہوئے آگے بڑھیں۔ اور بادشاہ کی ذات سے جس قدر چیزیں متعلق ہوں ان کو انتہا درجے کا متبرک و مقدس خیال کریں۔ شہنشاہ کا ذکر جب کیا جاتا تھا تو مبالغہ بڑھتے بڑھتے تمسخر کے درجے کو پہنچ جاتا تھا۔ خوشامد ایسی شکل اختیار کرتی تھی کہ کسی کو خوش

۳۳۱

نہ آتی تھی نزاریوس ایک جگہ تعریف میں مبالغہ کرتا ہے کہ "شہنشاہ کا دل حسناتِ کاملہ کا ایک سر بفلک گنبد یا حیرت افزا آستانہ تھا جب شہنشاہ کے ذکر یا اُس سے خطاب کرنیکے لئے اس قسم کی عبارت یا انشاء استعمال کی جاتی ہو تو پھر ظاہر ہے کہ وہ سادگی جو حکومتِ جمہوریہ کے زمانے میں یا کم از کم شہنشاہ دومیشیان کے دَور تک موجود تھی اب اُس کا نام ونشان باقی نہ تھا مختصر یہ کہ شہنشاہ اب تمام جزئیات سلطنت کا مختار کامل اور بادشاہ مطلق العنان تھا۔ اور اُس کے دل کا ارادہ اور زبان کا اشارہ ہی ملک کا قانون و آئین تھا؛

دربار شہنشاہی سے متعلق جس قدر امراء و عمائد و منتظمین حکومت کے سررشتے و محکمے اعلیٰ سے لیکر ادنیٰ تک تمام جزئیات میں مکمل موجود تھے اُن کا افسر و سرتاج بھی شہنشاہ ہی تھا۔ انتظام کی غرض سے تمام قلمرو کی حکومت چار بڑے فرمانرواؤں میں جنکو پریطوریان پریفکت کہتے تھے تقسیم کی گئی تھی۔ ہر ایک پریفکت اپنی اپنی اقلیم میں بہ ماتحتی شہنشاہ اختیارات کامل رکھتا تھا۔ دائیوک لیشن نے سلطنت کی ارضی تقسیم ۱۲ علاقوں میں کی تھی۔ ہر علاقے کو ڈائیوسیس کہتے تھے۔ یہ بارہ ڈائیوسیس ۹۶ صوبوں یعنی پروونس میں تقسیم ہوئے تھے۔ قسطنطین نے اس تقسیمِ ارضی کو قائم رکھا۔ لیکن انتظامِ حکومت کی غرض سے تمام قلمرو کو چار اقلیموں میں تقسیم کر کے ہر اقلیم پر ایک پریفکت مقرر کیا جس اقلیم پر پریفکت کے اختیارات ہوتے تھے اُس کو پریفکتری کہتے تھے۔ تفصیل ان پریفکتریوں کی یہ تھی کہ ایک پریفکتری ممالکِ شرقیہ کی اور یانت کے نام سے تھی۔ ایک پریفکتری ایلیریا کی۔ ایک ایطالیہ کی اور ایک گال کی تھی۔ پریفکت اور شہنشاہ میں جو تعلق تھا اُس کی نسبت یوسی بیوس لکھتا ہے کہ یہ تعلق ایسا ہی تھا جیسا کہ فرزندِ ربانی اور پدرِ ازلی میں ہے۔ ہر اقلیم کا پریفکت ارغوانی لباسِ شاہی پہنتا تھا مگر گھٹنوں سے نیچا نہ ہوتا تھا قسطنطین کے زمانے میں غالباً لباس کی یہ وضع نہیں رہی تھی۔ یہ چاروں والیان اقالیم یعنی پریفکت گھوڑوں کے اونچے اونچے رتھوں پر سوار ہوتے تھے اور اُن کے نشاناتِ منصب میں ایک تو بہت بڑی چاندی کی دوات اور ایک بہت بڑا سونے کا قلمدان تقریباً سوا من وزن کا ہوتا تھا بجز اس کمی کے کہ فوج پر کوئی اختیار نہ تھا باقی جملہ امور میں اُن کے اختیارات کی انتہا نہ تھی۔ ہر ایک پریفکت کا خزانہ جدا ہوتا تھا جس میں پریفکتری کا مالیہ پہلے جمع ہو کر پھر خزانہ عامرہ میں بھیجا جاتا تھا۔ ہر ایک پریفکتری میں جس قدر

۳۳۲

علاقے (ڈائیوسیس) شامل ہوتے تھے اُن کے حاکموں پر جن کو ویکار کہتے تھے
پریفکٹ کو پورے اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ اِن ویکاروں کا تقرر پریفکٹ
کے اختیار میں نہ تھا بلکہ شہنشاہ کی جانب سے پریفکٹ کی سفارش پر ہوا کرتا تھا
ہر ایک پریفکٹ کو اپنی پریفکٹری میں عدالتِ اپیل کے اختیارات بھی حاصل تھے
اور قسطنطین کا خاص حکم تھا کہ پریفکٹ کے فیصلے کا اپیل شہنشاہ کے اجلاس پر نہ ہو۔
پریفکٹوں کو فرامین جاری کرنے کے اختیارات بھی ایک حد تک حاصل تھے۔ غرض اُن کا
مرتبہ بجز اس کمی کے کہ فوج پر اختیار نہ رکھتے تھے مملکتِ چین کے وسیع صوبوں کے حاکموں
سے بہت مشابہ تھا ؛

چاروں پریفکٹوں کی ماتحتی میں بارہ ڈائیوسیس کے حکام یعنی ویکار
تھے۔ ۱۲ ڈائیوسیس کے نام یہ تھے۔ اڈریانس۔ پونٹیکا۔ ایشیانہ۔ تھریسیا۔
میسیا۔ پانونیہ۔ برطانیہ۔ گالیہ۔ ویئی نن سیس۔ اٹالیہ۔ ہسپانیہ۔
افریقہ۔ مصر کی حالت سب سے جدا تھی۔ حاکم مصر اوریانت کی پریفکٹری
کے تحت میں تھا۔ اور اُس کو شہنشاہ خود نامزد و مقرر کرتا تھا۔ بارہ ویکاروں کی ماتحتی
میں صوبہ جات (پروونس) کے حاکم ہوتے تھے۔ پروونسوں کی تعداد ہمیشہ بڑھتی رہتی
تھی۔ اِس وجہ سے نہیں کہ نئے ملک فتح ہو کر سلطنت میں وسعت ہوتی تھی بلکہ خود اِن
پروونسوں میں تقسیم در تقسیم ہوتی رہتی تھی۔ پروونسوں کے حاکموں کے نام طرح طرح
کے تھے۔ کسی کسی پروونس میں ان کو ریکٹر یا کوریکٹر کہتے تھے۔ اکثر صوبوں میں
اُن کا لقب پریسیڈیس ہوتا تھا اور خال خال صوبوں میں جو زیادہ وقعت رکھتے تھے
اُن کو کانسلر کہتے تھے۔ ہر ایک ایسے حاکم کے نیچے اہلکاروں کا ایک انبوہ کثیر ہوتا تھا　۳۳۲
اور یہی انتظام درجۂ ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک کے سر رشتوں و محکموں میں جاری تھا۔
خود مختار بادشاہوں کو مجبوری ہوتی ہے کہ ماتحتوں کی ایک با اختیار و تربیت یافتہ
جماعت (بیوروکریسی) کے ذریعے سے ملک پر حکومت کریں۔ اور یہ سلسلہ حکامِ با اختیار
کا ایک ایسے پھیلاؤ کا بھاری چٹان ہوتا ہے جس کے بوجھ میں محصول دینے والی
رعایا دبی مرتی ہے کیونکہ اس عظیم الشان انتظام کی عمارت کو سنبھالے رکھنا ان ہی
غریبوں کا کام ہوتا ہے ؛

اسی طرح قصرِ شاہی اور دربار کے متعلق ایک طولانی سلسلہ عہدہ داروں اور اہلکاروں کا تھا۔ ان میں سب سے بڑا عہدہ دار گرینڈ چیمبرلین یعنی خلوتگاہِ قیصری کا مہتممِ اعلیٰ ہوتا تھا۔ اس کے بعد معتمدوں و میر منشیوں سے لیکر داروغۂ صفائی تک صدہا لوگ ملازم ہوتے تھے۔ ہر عہدہ دار کا میلانِ خاطر یہی تھا کہ چند ماتحت اہلکار رکھ کر اپنے منصب کو ایک پورے سررشتے کی صورت دے۔ اور خود افسر بن کر ماتحتوں پر حکومت کرے۔ قسطنطین کا مسلکِ سیاسی شہنشاہ اوگسٹوس کی مثل تھا کہ ماتحتوں کی تعداد بڑھانے کے لیے نئے نئے عہدے پیدا کئے جاویں تاکہ ایک کثیر جماعت ایسے لوگوں کی ہر وقت موجود رہے جو شہنشاہ کو اپنا مربی و سرپرست جانتی ہو[1]۔

امورِ سلطنت کے انتظام میں ایک مجلس سیاسی شہنشاہ کی مشیر و صلاح کار رہتی تھی۔ اس مجلس کا نام کنسس توریوم پرنسی پس تھا۔ اور اُس کے ارکان میں چاروں پریفکٹ شامل ہوتے تھے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ایک رکن کوئیسٹر ہوتا تھا جس کے اختیارات سکریٹری آف اسٹیٹ (معتمدِ مملکت) کے سے ہوتے تھے۔ ایک میجسٹر او فیسوریوم یعنی وزیر پولس (کوتوالی) ہوتا تھا۔ ایک مہتمم خلوتگاہ۔ دو وزراء خزانۂ شاہی کے اور دو وزراء صیغۂ جنگ کے ہوتے تھے۔ وزراء خزانہ میں سے ایک کو افسر صیغۂ انعامات سرکاری اور دوسرے کو افسر جیب خاص کہتے تھے۔ اور دونوں کو کومس کا خطاب ہوتا تھا۔ ان دونوں عہدوں میں ایسا فرق تھا جیسے کہ پہلے زمانے میں ایراریم اور فسکس میں تھا یعنی ایک کو خزانۂ عامرہ سے اور دوسرے کو شہنشاہ کے خزانۂ خاص سے تعلق ہوتا تھا۔ وزراء جنگ میں سے ایک کی ماتحتی میں سلطنت کی کُل پیدل فوج تھی اور ایک کی ماتحتی میں فوج سوارہ۔ ان دونوں وزیروں کے ذمے عدالتی خدمات بھی تھیں یعنی وہ ایسے مقدمات فوجی میں جن میں سلطنت مدعی یا مدعا علیہ کی حیثیت رکھتی تھی عدالتِ مرافعِ اولیٰ کے اختیارات رکھتے تھے۔

۳۳۴

روما میں اب تک حکامِ منتظم جن کو کانسل کہتے تھے مقرر ہوا کرتے تھے۔ ان کا تقرر ایک سال کے لئے ہوتا تھا اور اس سال کے سرکاری کاغذات پر تاریخ ان ہی کی

[1] "حیاتِ قسطنطین" ۴، ۱۔

تاریخ ملازمت کے حساب سے ڈالی جاتی تھی اور سال کا نام بھی ان ہی کے نام پر ہوتا تھا۔ اس زمانے میں اُن کے ملکی اختیارات سلب ہو چکے تھے لیکن اُن کے منصب کی عزت برابر قائم تھی۔ گو یہ عزت عہدے کی خدمات کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اُس سامانِ نمائش کی وجہ سے تھی جو اُس منصب سے متعلق ہمیشہ سے چلا آتا تھا۔ منصب کانسل کے حاصل کرنے کی تمنا ایسے لوگوں کو نہیں ہوتی تھی جو نمایاں قابلیت اور ہمت کے لوگ ہوتے تھے بلکہ اُس کے خواستگار ظاہر پرست اور خودبین ہوا کرتے تھے۔ منصب پریتور کی قدر بھی اب پہلے سے کم ہو گئی تھی کیونکہ یہ منصب جس کو دیا جاتا تھا اُس کے ذمے تماشا گاہوں میں تماشوں کا اہتمام بھی ہوتا تھا۔ اس اہتمام میں پریتور کو اپنی جیب خاص سے بھی بہت روپیہ صرف کرنا پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض حالتوں میں وہ بالکل تنگدست ہو جاتا تھا۔ قسطنطین جب سلطنت کا مالک ہوا تو پریتوروں کی تعداد کم ہوتے ہوتے صرف دو رہ گئی۔ مگر اُس نے اس تعداد کو اپنے زمانے میں بڑھا کر آٹھ تک پہنچا دیا۔ اس اضافے سے خرچ میں جو کچھ زیادتی ہوئی اُس کا کچھ خیال نہیں کیا کیونکہ اُس کی عادت تھی کہ جس بات میں شان و شوکت پیدا ہوتی ہو پھر اُس پر بے دریغ دولت صرف کرنے میں مطلق تامل نہ کرتا تھا۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ قسطنطین کے زمانے میں قسطنطنیہ میں کانسل اور پریتور مقرر ہوتے تھے یا نہیں۔ اربن پریفکٹ یعنی ناظم شہر کا تقرر قسطنطنیہ میں قسطنطین کی موت کے ۲۰ برس بعد ہوا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قسطنطین نے اپنے دارالامارت میں روما کے تمام سرکاری عہدوں کی پوری نقل نہیں اتاری تھی۔ حالانکہ بعض وقت مورخ لکھ گئے ہیں کہ قسطنطنیہ میں ملازمت کے جتنے بالکل روما کے انداز پر تھے۔ بہرکیف جو کام قسطنطین سے اپنے دارالحکومت کے متعلق ختم نہیں ہوئے تھے اُن کو اُس کے جانشینوں نے اختتام کو پہنچایا۔

۳۳۵

اب ہم سینٹ (سینات) یعنی مجلس مشورت اور اُس کے طبقۂ ارکین یعنے سینٹی ٹوریل اوڈر کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ان اعزازی مراتب و مدارج کو بیان کرتے ہیں جن میں قسطنطین اور اُس کے جانشین کچھ نہ کچھ ہمیشہ اضافہ کرتے رہے۔ مجلس مشورت کے ارکان دو قسم کے ہوتے تھے ایک وہ جو دارالمشورت میں کرسی رکھتے تھے اور ایک وہ جن کو یہ درجہ محض اعزازی طور پر حاصل ہوتا تھا۔ قسطنطنیہ کی مجلس جو روما کی مجلس کے نمونے پر قائم کی گئی تھی سیاسی اختیارات بہت کم یا بالکل نہ رکھتی تھی۔ اُس کی خدمات

میں ایک بڑی خدمت یہ تھی کہ جس قدر احکام و فرامین شہنشاہ کی جانب سے نافذ ہوں اُن کو ایک کتاب پر چڑھالے ۔ باقی خدمات اُس کی محض رسمی اور اعزازی تھیں۔ اِس مجلس کا اعزازی رکن ہونا ہر چشموں میں ایک عزت کی بات تھی ۔ اور ہر شخص خواہ سلطنت کے کسی حصے میں رہتا ہو اعزازی رکن ہوسکتا تھا۔ مجلس میں ایک مرتبہ رکن واقعی رہنے کے بعد یہ اعزازی درجہ مل جاتا تھا۔ اور اس طرح یہ طبقہ موجودہ اور سابق کے عہدہ داران اعلیٰ کا ایک مجموعہ تھا اُن کو بڑے بڑے خطابات حاصل ہوتے تھے ۔ مگر اس کے ساتھ ہی اُن کو محصول بھی بہ نسبت اور لوگوں کے زیادہ ادا کرنے پڑتے تھے ۔ گویا اپنے خطابات کی بھاری قیمت دینی پڑتی تھی ۔
اکابر سلطنت کی نسبت جو تعظیمی جملے بولے جاتے تھے وہ قابل ذکر ہیں۔ شہنشاہ کو خطاب کرتے وقت جو جملہ کہتے تھے اُس کے معنی ہوتے تھے۔ "**یور میجسٹی** یعنی اعلیٰحضرت ۔ یا **یور ایٹرنٹی** یعنی حضرتِ جاودانی۔ یا **یور دیوی نتی** یعنی حضرتِ خداوندی ۔ شاہی خاندان کے لوگوں کو **نوبلیس سیمی** یعنی شرافت پناہ یا اشرف الاشراف کہکر پکارتے تھے۔ بعض اراکین مجلس کو جن میں بڑے عالی رتبہ لوگ شامل ہوتے تھے ۔ **کلاری سیمی** یعنے عالی مرتبت کہتے تھے ۔ جو لوگ اِن سے کم درجے کے محض اعزازی رکن ہوتے تھے اُن کو **پرفکتی سیمی** یعنے کامل یا **اگریگیجی** یعنی ممتاز کہکر خطاب کرتے تھے ۔ پرفکتی سیمی کا درجہ اگریگیجی سے بڑھا ہوا تھا۔ **قسطنطین** کے زمانے کے خطابات اِسی ترتیب سے تھے۔ ۳۳۰
مگر اُن کی تعداد بڑھتی جاتی تھی جس قدر سرکاری خزانے میں روپے کی ضرورت بڑھتی اُسی قدر ان خطابوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ۔ مثلاً **کلاری سیمی** کا خطاب اُن کو ملتا تھا جو **پرفکتی سیمی** اور **اگریگیجی** کا خطاب حاصل کر چکتے تھے ۔ اب ان دونوں سے اونچے درجے کے دو خطاب **ایلسٹریس** اور **اسپکٹابلیس** کے قرار پائے ۔ اور اس طرح اوپر کے دو خطاب دو درجے اور اونچے ہوگئے ؛

غرض اکابر سلطنت کے مراتب و خطابات یہ تھے جو اوپر بیان ہوئے ۔ ملکی اور فوجی حکام میں جس قدر فرق رکھا گیا تھا اُس کا پتہ جمہوری ریاست اور شروع کی شہنشاہی میں مطلق نہیں چلتا ۔ سلطنت کی کل فوجی طاقت کے دو حصے کئے گئے تھے ۔ (۱) ایک حصے میں وہ فوجیں تھیں جو مستقل طور پر سرحدوں پر رہتی تھیں ۔ (۲) دوسرے حصے میں وہ فوجیں تھیں جو ملک کے اندرا انتظام کے لئے رہتی تھیں ۔ پہلی قسم کی فوج کو لیمیتانی

یعنی سرحدی یا ریپارنسیس یعنی ساحل کی محافظ فوج کہتے تھے۔ یہ دوسرا انتظام زیادہ تر دریائے رائن اور دریائے ڈینیوب کی فوجوں کے لیے مستعمل تھا۔ یہ تمام فوجیں مستقل لشکر گاہوں یا قلعوں اور حصاروں میں رہتی تھیں۔ یہ لشکر گاہ و حصار بڑھتے بڑھتے رفتہ رفتہ پورے شہر بن جاتے تھے۔ جس حصہ سلطنت میں جو فوج مقیم ہوئی تھی اُس کو دوسرے حصے میں شاذ و نادر ہی تبدیل کیا جاتا تھا چنانچہ جس لشکر گاہ میں باپ سپاہی ہوتا تھا اُسی میں اُس کے لڑکے اور پوتوں کے لڑکے فن سپہ گری سیکھ کر فوجی خدمت ادا کرتے تھے۔ سرحدی سپاہی کی میعادِ ملازمت ۲۴ سال کی رکھی گئی تھی۔ لیمیتانی محض سپاہی نہ ہوتے تھے بلکہ کاشتکاری بھی کرتے تھے۔ اور اُن کا بجنسہ وہ حال تھا جیسے کہ آج کل روس کے مشرقی صوبوں میں نوآباد سپاہیوں کا ہے۔ جو فوج ملک کے اندر رہتی تھی اُس کو نیو میری کہتے تھے۔ اس کے سپاہی ۲۰ برس نوکری کرتے تھے۔ ان میں پالاٹینی فوج وہ تھی جس کو قدیم فوج پریٹوریان کا جانشین سمجھنا چاہئے۔ یہ فوج بہت سی رجمنٹوں میں تقسیم ہوئی تھی۔ جن میں بعض کو اسکولاریا بعض کو پروٹکٹوریز اور بعض کو دومیس تیکی کہتے تھے۔ یہ شہنشاہ کی فوج خاصہ تھی جس سے شہنشاہ کی ذات کی حفاظت اُس کے سپرد تھی۔ اندرونی فوجوں کے اکثر حصے کومیٹا ٹینسیز کہلائے جاتے تھے۔ یہ فوجیں اکثر قلعوں میں رہتی تھیں جو ملک کے اندر واقع تھے۔ مورخ زوسیموس نے صحیح یا غلط قسطنطین پر اعتراض کیا ہے کہ اُس نے سرحدی سپاہیوں کو اندرونی فوجوں میں داخل کر کے سرحدی فوجوں کو کمزور کر دیا۔ سلطنت کی تمام فوجوں پر جو اختیارات پہلے شہنشاہ اور اُس کے دو وزراء جنگ کو حاصل تھے وہ چوتھی صدی کے خاتمے کے قریب ۳۵ کمانڈروں کو دے گئے جن کا خطاب ڈیوک اور کاونٹ ہوتا تھا۔ کاونٹ کا درجہ ڈیوک سے زیادہ تھا۔ ان کمانڈروں میں سے تین ۳ برطانیہ میں۔ چھ ۶ گال میں۔ ایک ایک ہسپانیہ اور اطالیہ میں۔ چار افریقہ میں۔ تین ۳ مصر میں۔ آٹھ ایشیا و شام میں اور نو ۹ دریائے ڈینیوب اور رائن کے شمالی اور جنوبی مقامات پر مقرر تھے؛

فوجی انتظام کا یہ عظیم الشان سلسلہ تھا جس کے اخراجات کا بار محصول ادا کرنے والی رعایا اور صیغہ واصلات ملکی (فینانس) پر پڑتا تھا۔ واصلات ملکی کے جمع و خرچ کے طریقے بھی اچھے نہ تھے اور روپیہ بہت ضائع کیا جاتا تھا۔ آمدنی کا

سب سے بڑا ذریعہ ہمیشہ سے محصولِ اراضی تھا جس کو کیپی تاشیوتیرنیا کہتے تھے۔
اس محصول کا پرانا نام تری بیوتم سولی تھا۔ قابضانِ اراضی (پوزیسر) کو کسی نہ کسی طرح
وہ دولت پیدا کرنی پڑتی تھی جس کے بل بوتے پر سلطنت چل رہی تھی۔ ڈائیوکلیشن نے
پرانے طریقۂ مردم شماری میں ترمیم کی تھی۔ اور شاہی خزانے کی آمدنی بڑھانے کے لئے
کُل عملداری کا بندوبستِ اراضی از سرِ نو کیا تھا۔ اور اس میں اس قدر احتیاط کی گئی
تھی کہ کسی علاقے یا صوبے کی ایک ایکڑ زمین بھی ایسی نہ تھی جو فہرست پر نہ آگئی ہو۔
قابلِ محصول اراضی کی ایک خاص مقدار کو حساب کی غرض سے اکائی قرار دیا تھا
اور ہر ایسی اکائی پر جس کو جوگم یا کیپیٹ کہتے تھے تقریباً ایک لاکھ سیس تریس ۳۳۸
یا ایک ہزار اوری (سکہ طلائی) بطور مالگذاری دینا پڑتے تھے۔ اکائی کی زمین ہر قسم
کی اراضی پر مشتمل ہوسکتی تھی مثلاً اکائی میں اراضی قابلِ کاشت اور اراضی واسطے
چرائی اور اراضی جنگلات سب شامل ہوسکتی تھیں۔ لیکن اُن کی مالیت کا اندازہ
ایک مقررہ شرح پر کیا جاتا تھا مثلاً ایسی زمین کے پانچ ایکڑ جس پر انگور پیدا ہوتا ہو زرعی
اراضی درجہ اول کے ۲۰ ایکڑ اور اراضی درجہ دوم کے ۴۰ ایکڑ اور اراضی درجہ سوم کے ۶۰ ایکڑ
کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ تشخیص مالگزاری سے ایک چپہ زمین کا باقی نہ بچا تھا۔ یہاں تک کہ اُوپر
اور بنجر اور جنگل کی پتھریلی زمین پر بھی محصول لگا دیا گیا تھا۔ اور ایسی ناکارہ اراضی کے ڈیڑھ سو ایکڑ
مالگزاری کی غرض سے ایک اِکائی سمجھے جاتے تھے۔ شہنشاہ اور اُس کے وزرارِ خزانہ
ہر سال تخمینہ کرتے تھے کہ معمولی اخراجاتِ سلطنت کے لئے کس قدر روپیہ کی ضرورت ہوگی
جس وقت ایک رقم تخمیناً معین کر دی جاتی تھی تو پھر ہر ایک علاقے میں اُس کی اطلاع
دی جاتی تھی۔ اور تمام شہروں کی سیاسی مجلسوں (سیناتوں) اور میونسپل کیورا کو معلوم
ہوجاتا تھا کہ اُن کو کس قدر روپیہ دینا ہوگا۔ ہر ایک شہر اور ضلع کو آگاہ کر دیا جاتا تھا کہ اُنکے
رقبے میں کتنے ہزار اکائیاں اراضی کی موجود ہیں۔ ہر شہر اور ضلع کی انتظامی مجلسوں کی ذمہ داری
ہوتی تھی کہ اِکائیوں کے مطابق مالگزاری جمع کرکے سرکار میں داخل کریں۔ میونسپل کیورا
(بلدیہ) کے ممبر بڑے بڑے دولتمند زمیندار ہوتے تھے۔ اِن کا کام یہ تھا کہ اپنے ذمے اور
دوسروں کے ذمے جس قدر مالگذاری ہو اُس کو جمع کریں۔ اگر اِن زمینداروں میں کوئی شخص
نادار ہوگیا تو باقی زمیندار اپنی جیب سے اُس کا روپیہ بھرتے تھے۔ اس طرح مقدور والوں کو

بے مقدوروں کی طرف سے روپیہ دینا پڑتا تھا۔ اس کا بڑا اہتمام تھا کہ کوئی شخص سرکاری مالگذاری سے بچ کر کہیں نکل نہ جاوے۔ چنانچہ زمینداروں کو بغیر حاکم کی اجازت کے اپنے علاقوں سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ ان لوگوں کو نہ فوج میں اور نہ کسی ملکی صیغے میں ملازمت مل سکتی تھی۔ جس وقت معلوم ہوا کہ مالگذاری اور محصولوں سے بچنے کے لئے بہت لوگ پادری بننے شروع ہو گئے ہیں تو حکم جاری ہوا کہ کوئی پادری نہ بننے پاوے۔ غرض جہاں ایک مرتبہ کسی شخص کی حیثیت زمیندار کی ہو گئی پھر وہ ہمیشہ زمیندار ہی رہتا تھا۔

۳۳۹

خلاصہ یہ کہ اس سخت محصول بندی سے صوبجات کے زمیندار اور چھوٹے کاشتکار بالکل ہی فنا ہو گئے۔ ہر دسویں یا پندرھویں برس زمین کی پیمائش کر کے نئی شرح سے محصول لگایا جاتا تھا۔ اس کے متعلق چند افسر ہوتے جن کو ولیفسور کہتے تھے۔ ان کے مقرر کئے جانے کی غرض یہ ہوتی تھی کہ رعایا پر تشخیص مالگذاری اس قدر زیادہ نہ ہونے پاوے کہ وہ بالکل ہی تنگ دست و محتاج ہو جاوے۔ لیکن تجدید بندوبست سے پہلے دو چار فصلیں پے در پے خراب ہونے سے رعایا بالکل مفلس ہو سکتی تھی۔ ولیفسور کا عہدہ بھی بیکار و فضول تھا۔ البتہ اگر صدر مقام کے حکام میں اس کی کچھ رسائی ہوئی تو وہ اپنی خدمت اچھی طرح انجام دے سکتا تھا ورنہ اس کا عدم وجود برابر تھا۔ قسطنطین کے زمانے میں بالخصوص اس کے آخری دور حکومت میں اس بات کی شہادت بکثرت موجود ہے کہ صوبجات کے گورنر جس طرح چاہتے تھے رعایا کو لوٹتے تھے بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کو اجازت تھی کہ جس طرح چاہیں رعایا پر جبر کریں۔ یہ خرابی اس درجہ بڑھی کہ سنہ ۳۳۱ عیسوی میں قسطنطین نے رشوت و تغلب بند کرنے کے لیے خاص طور پر احکام جاری کئے۔ ایمیانوس مارسیلی نوس نے ایک فقرہ لکھا ہے جس کا مطلب ہے کہ قسطنطین نے تو اپنے آوردوں کو فقط اتنا ہی سکھایا تھا کہ طمع سے ہر وقت منہ پھاڑے رکھیں مگر شہزادہ قسطنطیوس نے باپ کے آوردوں کو رعایا کا خون پلا پلا کر خوب فربہ کر دیا[ف۵]۔ ظاہر ہے کہ اس سخت محصول نے رعایا پر بڑی سختیاں پیدا کی تھیں۔ ہر ایک علاقے میں جس قدر

ف۵ جلد ۱۶؛ - باب ۸ و ۱۲ ؛

سرمایہ یا پس انداز لوگوں کے پاس تھا وہ سب ختم ہوگیا اور کاشتکار بالکل تباہ ہو چلے۔ ہر ایک ضلع پر سرکاری باقی نکلنے لگی۔ اگر شہنشاہ نے کسی علاقے کی رعایا کا دل رکھنا چاہا تو یہ باقی معاف کردی جاتی تھی ؛

۳۴۰ غرض کہ ملکی واصلات اور خرچ کا جو طریقہ جاری تھا اور جہاں تک اُس کا تعلق اراضی کی بابت مالگذاری سے تھا اُس کے وضع کئے جانے کی غرض صرف یہی معلوم ہوتی تھی کہ ہر ایک علاقے کی دولت بالکل کھینچ لی جاوے۔ اِس سختی کی وجہ سے رعایا میں جات بندی کا طریقہ نکل آیا۔ اور اِس طریقے کی سختیاں خزانۂ شاہی کی ضروریات کے مطابق بڑھتی گئیں۔ اور آزاد کاشتکار جو پہلے کسی کے غلام تھے نہ نوکر بالکل ہی بگڑنے لگے جب مفلسی بڑھی تو امیروں کے غلام نہیں تو ادنیٰ رعیت بنکر کاشتکاری کرنے لگے۔ اور پھر یہ ادنیٰ پیشہ اُن کی جات ہوگئی۔ یہ کاشتکار گو غلام نہ تھے لیکن اپنی نقل وحرکت پر قدرت نہ رکھتے تھے۔ جس وقت ان غریبوں کا حقِ ملکیت زمین سے اُٹھ گیا تو پھر وہ دوسروں کے نوکر اور بندے ہوگئے۔ اس حال میں جو کچھ زمین سے پیدا کرتے تھے یا جس قدر اُن کے مویشی بڑھتے تھے اُس کا ایک مقررہ حصہ مالک کو دیتے تھے۔ اِس کے علاوہ جہاں کہیں مالک کی سکونت ہوتی تھی وہاں جاکر چند مقررہ ایام تک بیگاریں کام کرتے تھے۔ غرض اِن کاشتکاروں کی حالت جن کو کونونس کہتے تھے رفتہ رفتہ ایسے غلاموں کی ہوگئی جن کو پوری آزادی نہ ملی ہو بلکہ غلامی اور آزادی کی درمیانی حالت میں ہوں دوسرے لفظوں میں یہ سمجھئے کہ اب وہ محض سرف رہ گئے تھے یعنی ایسے کاشتکار ہوگئے تھے جن کا تعلق کسی طرح زمین سے جس پر وہ کاشت کرتے تھے جدا نہیں ہوسکتا تھا۔ گویا زمین کے ساتھ اشیاءِ غیر منقولہ میں اُن کا بھی شمار تھا۔ ان کاشتکاروں کی نسبت لکھا جاتا تھا کہ "وہ زمین کے ساتھ شامل ہیں"۔ اِن غریبوں کو اپنی حالت کے بہتر کرنے یا اپنی اولاد کی مدد کرنے کا مطلق موقع حاصل نہ رہا تھا۔ صرف ایک صورت اِس حالت سے نجات کی تھی اور وہ یہ تھی کہیں فوج میں بھرتی ہو جاویں ؛

زمین کے محصول کے علاوہ اور بہت سے محصول ادا کرنے پڑتے تھے۔ کیونکہ اصول یہ قرار پایا تھا کہ ہر شخص اور ہر چیز سے کچھ نہ کچھ وصول ہونا چاہیئے۔

قسطنطین نے جو بڑی جماعت خطاب رکھنے والے امیروں اور رئیسوں کی پیدا کی تھی وہ بھی محصولوں سے بری نہ تھی۔ مجلس مشورت (سینات) کے ہر ایک رکن کو خواہ وہ رکن واقعی ہو یا اعزازی اپنے کُل مال پر محصول دینا پڑتا تھا۔ اس محصول کو فولس سیناتوریا کہتے تھے یعنی "تحویلِ اراکین مشورت" ایک محصول اور تھا جو ان امیروں سے لیا جاتا تھا۔ اس کو اورم اوبلاٹی کیوم کہتے تھے۔ یہ محصول ایک قسم کا نذرانہ تھا جو اپنی خوشی سے دیا جاتا تھا۔ پھر بھی اُس کا ادا کرنا ضروری اور اکثر ناگوار تھا۔ اراکین مجلس میں سے ہر شخص کے نام حکم جاری ہو سکتا تھا کہ دار الحکومت میں حاضر ہو کر پریتور کی خدمت بجالائے اور خوب دولت صرف کر کے سب کو ضیافت دے۔ چنانچہ جب کسی خطرناک عہدہ دارِ سابق کی خبر لینی منظور ہوتی تھی تو حکام بالادست اسی اختیار سے کام لیکر اُس کی حیثیت بگاڑ دیتے تھے۔ اسی قسم کا ایک دوسرا محصول تھا جو اپنی خوشی سے خاص شہنشاہ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا۔ اس کو اورم کورونا ریوم کہتے تھے۔ اس کی تعداد ایک ہزار یا دو ہزار سکہ طلائی کے برابر ہوتی تھی۔ ہر جشن یا تہوار کے موقع پر ہر ایک بڑے شہر کو یہ رقم شہنشاہ کی خدمت میں بطور نذر کے پیش کرنی ہوتی تھی۔ شاذ جب کوئی شہنشاہ پانچ برس یا دس برس حکومت کر کے جشنِ پنج سالہ یا دہ سالہ کرتا تھا تو یہ نذر پیش کی جاتی تھی۔ ہر پانچویں برس ایک چندہ جس کو لسترالیس کولاتیو کہتے تھے دُکاندار اور صراف اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ادا کرتے تھے۔ یہ محصول یا چندہ کریسا گیرم یعنی "سونے چاندی" کے نام سے مشہور تھا۔ اور "اراکین مجلس سینات کی تحویل" کی طرح بعض مورخوں کے قول کے مطابق یہ بھی قسطنطین کی ایجاد سے تھا۔ زوسیموس نے جہاں قسطنطین کے طریقہ و اصلاحاتِ ملکی کے متعلق اعتراض کیا ہے وہاں اس بات کی سخت شکایت کی ہے کہ افسرانِ مال کی دست درازیوں سے کسی شخص کو مفر نہیں ہے۔ درباریوں سے لیکر بھکاریوں تک اُن کے ہاتھوں نالاں ہیں۔ جہاں کہیں لوگوں کو محصول ادا کرنا ہوتا ہے وہاں ایک کہرام مچ جاتا ہے۔ اور سوائے رونے اور پیٹنے۔ فریاد و فغاں کے اور کچھ نہیں سُنائی دیتا۔ جو لوگ محصول دینے میں لیت و لعل کرتے ہیں اُن کے لئے تازیانہ کی سزا مقرر کی گئی ہے۔

۱۴۳ء

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس خوف سے باپ اپنی بیٹیوں کو اور مائیں اپنے بیٹوں کو مجبور ہو کر فروخت کر دیتی ہیں۔ ان سب محصولوں کے علاوہ ایک محصول کیپی تا تشیو اسیو مانا تھا۔ یہ محصول ہر ایک مزدور سے لیا جاتا تھا۔ ایک پُرانا پانچ فیصدی والا محصول وراثت کی بابت تھا۔ محصولاتِ سائر (چُنگی) پورتوریا کا سلسلہ بھی بڑا طول طویل تھا۔ بہت سے محصول ایسے تھے جو براہِ راست رعایا سے وصول نہیں کئے جاتے تھے مگر لے دیکر اُن کا بار بھی رعایا ہی پر پڑتا تھا۔ مورخوں نے ان محصولوں کے بارے میں رعایا کی مصیبتوں کے نہایت دردناک حالات لکھے ہیں۔ شاید اُن کو بالکل باور کر لینا درست نہو۔ کیونکہ درباری شعرا نے رعایا کی مرفہ الحالی کے جو حالات بڑی خوش بیانی سے لکھے ہیں اُن پر بھی ہم کو غور کرنا ہے تاکہ کسی شہنشاہ کے ساتھ کوئی بے انصافی نہو۔ نزاریوس نہایت روشن الفاظ میں لکھتا ہے کہ قسطنطین نے دارالحکومت سے باہر تمام قلمرو کو امن و عافیت کی حالت میں رکھا اور خاص دارالحکومت میں بڑی آسودہ حالی اور رونق پیدا کی۔ اُس کے زمانے میں فصلیں اچھی ہوتی تھیں اور کھانے پینے کی چیزوں میں ارزانی رہتی تھی[1]۔ یوسی بیوس نے بار بار عام رعایا اور فوجوں کی آسودگی اور اطمینان کے حالات لکھے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ اُن کی زندگی افسرانِ مال کے خوف میں بسر نہیں ہوتی بلکہ وہ ہمیشہ شہنشاہ کی فیاضیوں سے مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ رعایا کی تنگ دستی اور مصیبت کی دردناک تصویر اس آسودگی اور خوشحالی کی مسرت خیز تصویر سے زیادہ قرین صحت و اصلیت ہے۔ اور یہ کہ آگے چل کر جس طرح سلطنت کا دیوالہ نکلا جس کا نقصان مغربی حصے میں بہ نسبت مشرقی حصے کے زیادہ نمایاں طریقے پر محسوس ہوا وہ دائیوکلیشن اور قسطنطین کی مالی بدنظمیوں کا نتیجہ تھا جن کے ذریعے سے رعایا پر سختیاں کر کے روپیہ وصول کیا جاتا تھا۔ اور پھر اس روپیہ کو بیجا مصارف میں اڑا دیا جاتا تھا۔ یہ خرابی بہت کچھ اُس قدیم رومانی طریقۂ انتظام کا بھی نتیجہ کہی جا سکتی ہے جس میں محصولوں کے جمع کرنے والے مجوّزِ و جج کے اختیارات بھی رکھتے تھے۔ یعنے یہ کہ

۳۴۲

[1] "قدیم قصائد مدحیہ" - ۱۰، ۳۸ ؛

انتظامی اور عدالتی اختیارات ایک ہی شخص کو ایک ہی وقت میں حاصل ہوتے تھے۔
صرف یہی ایک خرابی نہ تھی جو سلطنت کی تحلیلِ اجزاء کا باعث ہوئی
بلکہ اور چیزیں بھی اسی نتیجے کے لئے اپنا عمل کر رہی تھیں جن کا مختصر سا حال یہاں
بیان کرتے ہیں۔ اِن میں ایک خرابی غلامی کا رواج تھا جس کے نتائج بدصدیوں
سے جمع ہوتے چلے آئے تھے۔ اگر اِس خرابی میں اِس زمانے میں کسی قدر کمی
اِس وجہ سے ہو چلی تھی کہ غلام کثرت سے دستیاب ہو سکتے تھے تو ایک
دوسری خرابی اُس سے بھی بدتر پیدا ہو گئی تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ زمیندار جو پہلے
اپنی زمینوں کے مالک اور آزاد تھے اب اُن کا درجہ کولونس کا رہ گیا تھا
یعنی اُن کی آزادی اور حقوق میں اِس درجہ کمی ہوئی تھی کہ قریب قریب غلامی کی نوبت کو
پہنچ گئے تھے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ غلاموں کی کمی سے جو کچھ نفع ہوا تھا اُس سے بڑھ کر
یہ نقصان ہوا کہ رعایا کا ایک حصہ آزادی سے محروم ہو گیا۔ آبادی میں زیادتی تو درکنار جا بجا
کمی ہوتی جاتی تھی جس کا حکام نے یہ خطرناک علاج کیا کہ جہاں کمی ہوئی وہاں غیر قوموں کو بلا کر
آباد کرنا شروع کیا۔ زمینیں بیکار پڑی تھیں۔ نہ اُن کی درستی کے لئے روپیہ تھا اور نہ مزدور۔
اس سے پہلے ایک باب میں ذکر آ چکا ہے کہ یہ غیر قوم والے ملک میں بکثرت آباد کر دئے گئے
تھے۔ ان کی تعداد درجنوں میں نہ تھی جیسا کہ بعض مورخوں نے لکھا ہے بلکہ سیکڑوں اور
ہزاروں پر نوبت پہنچی تھی۔ اور غیر اقوام کو ملک میں بسانے کی غرض جو بیان ہوئی ہے وہ
یہ تھی کہ "رومانیوں پر سخت محصولوں کا جو بار ہے وہ اُن کی محنت و مشقت سے ہلکا
ہو جائیگا اور رومانیوں کو فوجی خدمتوں سے بھی کسی قدر سبکدوشی ہوگی"۔ اصل وجہ ان غیر قوموں
سے محنت لینے کی یہی تھی۔ یہ خیال بعد کو پیدا ہوا تھا کہ جرمانی اور قوطی لوگ سلطنت کی
حدود سے باہر جس قدر خوفناک ہیں ویسے سلطنت کے اندر نہیں ہیں۔ اور گویا اُن کو
سرحد پر اِس مصلحت سے آباد کیا تھا کہ جب اُن کے ہم قوم سلطنت پر چڑھ کر آئینگے
تو حملے کا پورا زور ان ہی نو آباد لوگوں پر ٹوٹیگا۔ مگر جرمانی اور قوطا کے قوی عنصر کو
سلطنت میں شامل کر دینا اجزائے سلطنت کی تحلیل کا واقعی سبب ہو گیا۔ اگرچہ
سلطنت کے اندرونی حصوں میں جہاں کہیں جرمانی اور قوطا آباد کئے گئے تھے
کاروبار کے لحاظ سے ادنیٰ درجہ رکھتے تھے یعنی مزدور و کاشتکار تھے لیکن شہنشاہی

۳۴۳

فوجوں میں وہ اعلیٰ درجہ کے سپاہی سمجھے جاتے تھے۔ اِس زمانے سے سو برس پہلے تاسیتوس نے گال کے ایک سپاہی کی زبانی یہ جملہ نقل کیا تھا کہ "غیر قوم کے سوار و پیدل اب رومانی لشکر کی جان ہیں"۔ یہ فقرہ اُس وقت ایک غرور کا کلمہ معلوم ہوتا تھا لیکن اب اُس کے صحیح ہونے میں کلام نہ تھا۔ یہ اجنبی لوگ جب سلطنت میں آباد ہوئے تو اپنے ساتھ آزادی و حُرّیت کا وہ جوش بھی لائے جو شہنشاہوں کی مطلق العنانی کی بالکل ضد تھا ؛

علاوہ اِن اسباب کے ایک اور قوی ترسبب جس سے سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا مذہب عیسوی تھا۔ اِس نے روحانی یعنی مذہب کی حکومت کو جسمانی یعنی بادشاہ کی حکومت سے جدا کر دیا۔ اور ایک نیا خیال یہ پیدا کر دیا کہ سب سے زبردست قانون خدا کا ہے جو دنیا کے ہر ایک قانون پر سبقت و فضیلت رکھتا ہے۔ کلیسا کا سلطنت سے جدا حیثیت رکھ کر زور پکڑنا اور اِس بات کا مدعی ہونا کہ اخلاقی اعتبار سے اُس کے احکام کا ماننا سب سے زیادہ لازمی و ضروری ہے ایک نئی قوت تھی جو عیسوی مذہب کے ظاہر ہوتے ہی پیدا ہو گئی۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ اِس قوت نے سلطنت کی اُس طاقت کو کم کر دیا جو دشمنوں کے مقابلے کے لئے اس میں پہلے موجود تھی۔ کیونکہ اِس مذہب کی وجہ سے اندرونی فتنہ و فساد برپا ہونے لگے۔ سلطنت کے مغربی حصے میں روما کے زوال تک عیسائیوں اور بت پرستوں میں سخت عداوت رہی اور اسی طرح کلیسا کے مختلف فرقوں میں باہمی عداوت صدہا برس تک مشرقی اور مغربی ملکوں میں جاری رہی۔ سلطنت کے لئے یہ سب باتیں ضعف و انحطاط کا سامان تھیں۔ اِس میں کس کو کلام ہے کہ فرانس میں جو خونریز و ہولناک کشمکش کیتھولک (جاثلیق) اور ہیوگوناٹ (پروٹسٹنٹ) میں ہوئی اُس نے فرانس کی ترقی کو کس قدر پیچھے ہٹا دیا۔ اور باہر کے دشمنوں کے مقابلے میں اُس کو کس قدر کمزور کر دیا۔ یہی حالت رومانی سلطنت کی ہوئی۔ کیونکہ جس سلطنت میں آپس میں پھوٹ پڑ جائے وہ باہر کے غنیم کا مقابلہ اچھی طرح نہیں کر سکتی۔ آپس کے جھگڑوں میں طاقت کا وہ حصہ صرف ہو جاتا ہے جس سے دشمن پر وار کرنے میں کام لینا ہوتا ہے ؛

۔ مذہب عیسوی نے ہمیشہ قومی امتیاز و تفاخر کو مٹا کر سب کو ایک سطح پر لانا چاہا۔ گو قوموں کے باہمی فرق کو نہ وہ کبھی کلیتہً مٹا سکا اور نہ کبھی مٹا سکیگا لیکن اُسکی کوشش ہمیشہ یہی رہیگی۔ مگر یہ کوشش وہ تھی جو یونانی اور رومانی طبیعت اور مذاق کے برعکس تھی۔ اگرچہ سلطنت کے باشندوں میں بالخصوصیت وطن انسانی ہمدردی و دلسوزی کی طرف توجہ ہوچلی تھی۔ لیکن یہہ ہمدردی کا خیال اُن لوگوں کے ساتھ پیدا نہیں ہوا تھا جو سلطنت کی حدود سے باہر رہتے تھے۔ اور جن کو نہ صرف یونانی اور رومانی بلکہ کلت اور آئیبیری قوم کے لوگ بھی جنہوں نے اِس قدر رومانی شایستگی سیکھ لی تھی کہ وہ سطحی نہ رہی تھی وحشی خیال کرتے تھے۔ ہمارا یہ کہنا کہ مذہب عیسوی میں رومانی سلطنت کے شیرازے کو منتشر کرنے کی قوت موجود تھی کسی بُرے معنوں میں نہ سمجھا جاوے۔ کیونکہ جہاں اس میں تحلیل کی قوت تھی وہاں اتصال کا مادہ بھی تھا۔ اگر سلطنت کی ترکیب میں ضعف پیدا کیا تو اُس کے ساتھ ہی بہت سی اجنبی قوموں کو متحد کر کے اُن میں ایک نئی طاقت بھی پیدا کر دی۔ سرحدوں کے ٹوٹتے ہی سلطنت کے مغربی حصے میں جرمانی قومیں گھس پڑیں۔ یہ قومیں ایک حد تک عیسائی ہو چکی تھیں۔ اِن کا شمار بھی صلیب و مسیح کی پرستش کرنے والوں میں تھا۔ اور یہ واقعہ ایسا تھا جس نے وحشیوں کے دل اتنے سخت نہ رکھے کہ وہ آتے ہی سب کا خون کر ڈالیں۔ یہ عیسوی مذہب ہی تھا جس نے ان کے حملوں کی وحشت و خونریزی میں کمی کر دی۔ یہ حملہ آور قومیں اکثر ایریوسی طریقے کا عیسوی مذہب رکھتی تھیں۔ گو یہ سمجھنا دشوار ہے کہ وحشی و جاہل جرمانی جو دریائے رائن کے اُس پار سے آتے تھے ایک حرف بھی اُن مناظروں کا سمجھ سکتے ہوں جن کا تعلق یونان کی فلسفہ و الہیات سے تھا مگر جب جاثلیقی اور ایریوسی لڑتے تھے تو جرمانی بھی اپنے تیر کی نوک کو زہر میں بجھا کر زہ پر رکھتا تھا۔ امیانوس مارسی لیانوس لکھتا ہے کہ "میں نے آج تک صحرائے درندوں کو بھی آپس میں ایسا دشمن نہیں پایا جیسا کہ عیسائیوں کو عیسائیوں کا دشمن دیکھا[1]۔" جرمانی اور قوطی جن ملکوں کو فتح کرتے تھے اُن ہی میں آباد ہو جاتے تھے اور یہ بالکل واقعہ ہے کہ ضرورت کے مطابق کچھ رد و بدل کر کے وہ اپنے مفتوحوں کا تمدن اختیار کر لیتے تھے اُنھوں نے

۳۴۵

---

[1] ۲۷ ' ۵ ' ۲

رومانی تمدن کو غارت کرکے اپنا تمدن اس طرح قائم نہیں کیا جیسا کہ آئندہ زمانے میں ترکوں اور اقصائے مغرب کی قوموں نے عمل میں آیا۔ پس اگر عیسائی مذہب میں یہ قوت تھی کہ وہ سلطنت کو کمزور کردے تو اُس کے ساتھ اُس میں یہ مادہ بھی موجود تھا کہ غیروں کی چیزوں کو قبول کرکے اپنا بنالے۔ اور یہ مادہ اُس قوت سے کچھ کم قابل لحاظ نہ تھا۔ رومانی سلطنت بہ حیثیت ایک عالمگیر طاقت ہونے کے مدت سے بلندی سے پستی میں گر رہی تھی۔ عیسوی مذہب نے اتنا ضرور کیا کہ اُس کے گرنے کی رفتار کو تیز کردیا۔ اور یہ عیسوی مذہب پر ایک الزام تصور ہوا ؛

لیکن اس سے بھی بڑھکر الزام عیسوی مذہب پر لگائے گئے ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ اُس نے سلطنت کی آبادی کم کردی جو سیاسی اعتبار سے ایک بڑی خرابی تھی۔ اس الزام سے مسیحی مذہب کی صفائی بخوبی نہیں ہوسکتی۔ مسیحی مذہب کا نام لیکر بہت سے طریقوں پر جو فی الحقیقت سلطنت کے حق میں مضر تھے بڑے جوش و خروش سے وعظ ہونے لگے جن کا ذکر صبر کے ساتھ کرنا ضرور دشوار ہو جاتا اگر ہم اس بات کو بھول جاتے کہ جب مرض سخت ہوتا ہے تو اُس کا علاج بھی سخت کیا جاتا ہے۔ کسی شخص کو انکار نہیں ہوسکتا کہ رومانی سلطنت میں خاص کر اُس کے مشرقی حصے میں لوگوں کے اطوار بگڑ کر کس درجہ طبیعتیں مسخ ہوگئی تھیں اور کیسی بے شرمی و بدکاری عموماً پھیل گئی تھی۔ اگر قوم کا بحیثیت مجموعی کوئی ایمان تھا تو اُس کی قوتِ احساس بالکل زائل ہو چکی تھی۔ اب اُس کے لبوں پر مہر سکوت تھی۔ کوئی نیک ہدایت اُس سے ظاہر نہ ہوتی تھی۔ نیک بخت اور پاکیزہ طبیعتیں نازک مزاج بن کر الگ ہو بیٹھی تھیں۔ تمام خرابیوں کو گوارا کرکے مطلق ہاتھ پاؤں نہ ہلاتی تھیں۔ پس اشد ضرورت تھی کہ کوئی تحریک اِن خرابیوں کے رفع کرنیکے لئے ظاہر ہو۔ آخرکار وہ تحریک ظاہر ہوئی اور مسیحی دین کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ لیکن اِس دین کے ماننے والوں میں بہت لوگ ایسے تھے کہ جن گناہوں میں دنیا مبتلا تھی اُن کو جتا کر خود دنیا چھوڑ بیٹھے تھے۔ اور گوشہ نشین ہوکر رہبانیت اختیار کی تھی۔ رہبانیت بھی ایسی سخت جس میں انسان کی فطری کمزوریوں کا لحاظ

کرتا تو چیز دیگر تھا قدرتی ضرورتوں کو بھی جو انسان کے ساتھ لگی ہیں قطعی ترک کرنیکی کوشش کرتے تھے۔ ان لوگوں میں جن کے مزاج میں سختی بڑھی ہوئی تھی اتنا تو ضرور مانا جاتا تھا کہ ازدواج ایک قابل عزت چیز ہے۔ لیکن تجرّد کی خوبیوں کے بیان کرنے میں بحدِ نہایت مبالغہ کرتے تھے۔ اور گو خود اُس پر عمل نہو لیکن دوسروں کو سمجھانے میں جس قدر بلاغت و فصاحت میں کمال پیدا کیا تھا وہ سب اسی مضمون پر صرف کیا جاتا تھا۔ کوئی شخص بلا افسوس اُس تکلیف و اذیت کا اندازہ نہیں کرسکتا تھا جو صدہا بلکہ ہزارہا مردوں اور عورتوں کو اس رہبانیت کی وجہ سے اٹھانی پڑیں جو اگر بالکل نئی نہ تھی تو کم از کم سختی میں پہلے سے بڑھی ہوئی تھی۔ سلطنت اور ملکوں کو ان مردوں اور عورتوں کی خدمات کی واقعی ضرورت تھی اور بہت خوب ہوتا کہ ملک ان کی خدمتوں سے مستفید ہوتا۔ لیکن ان لوگوں نے دنیا کے تعلقات سے کنارہ کیا اور تنہائی کے گوشوں میں جا بیٹھے جہاں انھوں نے یہ نہیں سیکھا کہ اپنے بھائی انسان کی مدد کس طرح کرتے ہیں بلکہ اِس خود غرضانہ حیرانی و پریشانی میں کہ کس طرح خود عذاب آخرت سے بچ جاویں اپنا خاتمہ کر دیا۔ ان کو سوائے اپنی روحانی نجات کے اور کسی چیز سے بحث نہیں رہی تھی۔ یہ سمجھ میں آنا مشکل ہے کہ وہ وحشی صفت تارک الدنیا عیسائی جو لیبیہ کے کوہساروں و ریگزاروں میں جا بسے تھے وہ کس طرح اپنی نظروں میں یا دوسرے کی نظروں میں یا خدا کی نظروں میں اچھے اتر سکتے تھے۔ سائیمون اسٹی لائی ٹیز کا ایک بیل پایے کی چوٹی پر ہفتوں تک گھٹنے ٹیکے بیداری و فاقہ کشی کے ساتھ حالت دعا میں مصروف رہنا ہمیشہ سے مہملات کی ایک عجیب و غریب مثال سمجھی جائیگی۔ شاید خدا کے نیک بندے سائیمون کی اس حالتِ زار کو رحم کی نگاہ سے دیکھیں لیکن اُن لوگوں کو ہمیشہ نظر تحقیر سے دیکھیں گے جو سائیمون کی اِس مجنونانہ برداشتِ اذیت کو طاعتِ الٰہی سمجھتے ہیں۔ اس قسم کی شدید و وارفتہ طبیعتوں سے جو غیر ضروری تکلیفیں اور مصیبتیں پیدا ہوتی ہیں اُن کا اندازہ کرنا غیر ممکن ہے اُن کو خود کسی قسم کا افسوس نہوتا تھا اور گھر کے گھر ویران کر دیتے تھے۔ زود اعتقاد مردوں

۳۴۷

اور عورتوں کے دلوں میں خوف پیدا کر کے اِس سعی لاحاصل میں کہ اُن کی ارواح کو خدا کی حضور میں حاضر ہونے کے لیئے درست کریں ان کی طبیعتوں کو بالکل خراب و ناکارہ کر دیتے تھے۔ اِن عیسائی راہبوں کا شمار بھی اُن سناسیوں میں ہے جن کے بدن پر سوائے ہڈی اور چمڑے کے کچھ نہیں ہوتا اور جو ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کُل راستہ زمین پر لوٹتے اور کروٹیں بدلتے اِس امید میں طے کرتے ہیں کہ کسی رحم دل مگر غیر ذمہ دار دیوتا کو اپنے اوپر مہربان کر لیں گے۔ اسمیں ہرگز کلام نہیں کہ خدا کا حکم بجالانا انسان کا سب سے پہلا فرض ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جمہور اور سلطنت کے متعلق جو فرائض انسان کے رکھے گئے ہیں اُن سے غفلت کی جائے۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ زیادہ تر عیسائی ایسے تھے جنھوں نے گھر بار چھوڑ کر رہبانیت اختیار کی۔ نہیں بلکہ ایسے عیسائیوں کی تعداد ہمیشہ زیادہ رہی جن کو یہ راہب مذہب میں کمزور سمجھتے تھے۔ اور اس میں مطلق شبہ نہیں کہ قسیسوں اور اُن لوگوں میں جو ان قسیسوں کی مذہبی نگرانی میں تھے زیادہ تر لوگ اس خیال کے تھے کہ ایک حد سے زیادہ اعلیٰ درجے کی زندگی کی جگہ ایک معتدل طریقے کی زندگی بسر کریں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ رومانی طبیعت جس کو دنیا کے کاروبار سے زیادہ تعلق تھا اُس نے مشرقی رہبانیت کی سختی میں ایک کمی کی صورت نکالی۔ یعنی رومانی راہب مرد ہوں یا عورت تارک الدنیا تو ضرور رہے لیکن اُنھوں نے آبادی میں سکونت رکھی اور بیماروں کی خدمت اور گمراہوں کو عذاب آخرت سے بچانیکی خدمت اپنے ذمے لی۔ یہ رُہبانیت مصر کی رہبانیت سے جس میں دنیا چھوڑ کر صحرا نشینی اختیار کی جاتی تھی بالکل مختلف تھی۔ رومانی راہبوں نے اُس رحمدل سامری کی طرح نیک کام کیئے جس کا ذکر لوقا کی کتاب میں آیا ہے۔ اور اُن کا شمار نیک اعمال شہریوں میں ہوا۔ خدا کی مخلوق میں رہکر اُس کے ساتھ سلوک کرتے رہے۔ صحرائے لیبیہ کے راہبوں کو قسطنطین کے بعض ایسے شہنشاہوں نے جن کے عیسائی ہونے میں کسی کو شبہ نہ تھا بدگمانی کی نظر سے دیکھا۔ شہنشاہ والنس نے صحرا نشینی کو سیاسی خدمات سے بری رہنے کا حیلہ سمجھ کر راہبوں کو شہر میں واپس آنیکا حکم جاری کیا۔ شہنشاہ تھیودوسیوس نے یہ حملہ طنزاً

۳۴۸

بڑی ہوشیاری سے کہا تھا کہ "جب ان لوگوں نے قصداً صحرا میں رہنا پسند کیا ہے تو پھر میں بھی خبر رکھونگا کہ جہاں ہیں وہیں رہیں"۔ لیکن ہمکو اس کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں کے مذہبی عقائد یا اعمال محض اُن کی سختی کی وجہ سے گمنامی سے شہرت کی روشنی میں آجاتے ہیں اُن کے اثر و اقتدار کو بیان کرنے میں مبالغہ کرنا آسان ہے۔ پس تجرد کے معاملے میں جو ہدایتیں ان انتہا پسند لوگوں سے پہنچیں اُس کا کوئی معتد بہ اثر ایسا نہیں جس کی طرف خاص توجہ کی جائے۔ جیروم اور امبروس جیسے علماء عیسویت نے بھی اس مضمون پر اپنی تحریروں میں بہت زور دیا اور کوشش کی کہ عیسائی ازدواج سے پرہیز کریں لیکن یہ امر فطرت انسانی کے خلاف تھا۔ جیروم نے کنواری لڑکیوں کے نام جنھوں نے خدا کی راہ میں ہمیشہ کا کنوارپنا اختیار کر لیا تھا خطوط لکھے اور اُن میں دوشیزگی کی حالت کو قائم رکھنے کی ہدایت بہت ہی صاف صاف لفظوں میں کی۔ یہ صاف گوئی اس لیے اختیار کی تھی کہ وہ انسان کی کمزوریوں اور بالخصوص عورتوں کی طبیعت سے واقف تھا کہ وہ جلد غلطی پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ لیکن باوجود اس کے جیروم کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کو اپنی تعلیم کی کامیابی میں بہت شبہ تھا۔ تاہم جس وقت کلیسا نے یہ رائے ظاہر کر دی کہ لوگ ازدواج سے باز رہیں تو مذہب عیسوی پر یہ الزام ثابت ہو گیا کہ وہ اس معاملہ خاص میں انسان کی صحیح معاشرت اور سیاسی فرائض کے خلاف عمل کرنا چاہتا ہے۔ ۳۴۹

اس کے ساتھ اس کا خیال بھی رہنا چاہیئے کہ ازدواج سے پرہیز کرنا اور اُس کی ذمہ داریوں سے بچنا رومانی سلطنت میں کوئی نئی بات نہ تھی۔ صدہا برس سے سلطنت کو خوف تھا کہ بڑے طبقوں میں بالخصوص یہ خیال قوت پکڑتا جاتا ہے کہ شادی کر کے اہل و عیال کا بوجھ اپنی گردن پر لینا درست نہیں۔ چنانچہ رعایا کے اسی میلان طبیعت کو بدلنے کے لیے سلطنت کی جانب سے خاص خاص انعام و محصولات سے معافیوں کے وعدے ہوئے تاکہ لوگ صاحب اولاد ہونے سے پرہیز نہ کریں۔ اگر کوئی مرد تین بچے پیش کرتا تھا جو اُس کی اولاد ہوتے تھے تو وہ مستحق انعام کا سمجھا جاتا تھا۔ طلاق کو روکا جاتا تھا۔ جن لوگوں کی بیویاں مر گئی تھیں یا جو مجرد تھے

اور شادی سے انکار کرتے تھے تاکہ غیر ذمہ داری اور آزادی کا لطف ہاتھ سے نہ جاسے اُن پر زائد محصول لگائے گئے۔ اِس قسم کے احکام اِس اصول پر مبنی تھے کہ انسانی معاشرت کا یہ ایک لازمی فرض ہے کہ انسان شادی کرکے ملک کی خدمت کے لیئے اولاد پیدا کرے۔ چنانچہ دربار کے ایک خوش بیان شاعر نے لکھا تھا کہ "قوم کی اولاد سلطنت کی بیج ہے۔ یہی وہ کیاری ہے جہاں سے نئے پودے تیار ہو کر دُور دُور کے باغوں میں لگائے جاتے ہیں۔ یہی وہ باغ جوانی ہے جہاں سے افواج رومانی کے لیئے شجاعت و مردانگی کے چشمے جاری ہوتے ہیں[1]" لیکن لوگوں کو لاولد رہنے میں ایسی آسائش معلوم ہوتی تھی کہ گو شہنشاہ **جولیان** نے اس مضمون کے متعلق بہت سے فرامین جاری کیئے مگر کسی نے کچھ پروا نہ کی۔ **تاسی تیوس** ان فرامین کی نسبت لکھتا ہے کہ اُن میں مرض کا علاج مرض سے بھی بدتر بتایا گیا تھا جس نیت سے ایک دنیا سے متنفر آدمی یا زناکار بت پرست بدنی پاکیزگی حاصل رکھنی چاہتا تھا وہ ایک عیسائی کی نیت سے بالکل مختلف ہوتی تھی۔ مگر حیرت کا مقام ہے کہ اِس بدنی طہارت کو حاصل رکھنے کے لیئے طریقہ دونوں نے ایک ہی سا اختیار کیا تھا یعنی شادی کرنے سے بیزاری ظاہر کرتے تھے[2]۔

۳۵۰

عیسوی مذہب پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ اُس نے لوگوں کو فوجی ملازمت اختیار کرنے سے باز رکھا۔ اور فنِ سپہ گری کو بھی بُری نظر سے دیکھا۔ ایک حد تک یہ الزام صحیح ہے۔ عیسوی مذہب اُس وقت بھی اور اب بھی خدا کی طرف سے امن و سلامتی کا ایک وعدہ سمجھا جاتا ہے۔ پس اصولاً وہ ہر حال میں جنگ و پیکار کا مخالف ہے۔ عیسائیوں کے ایک بڑے فریق نے ہمیشہ یہی رائے ظاہر کی ہے کہ وجہ مخاصمت خواہ کیسی ہی سخت ہو اور حق بات خواہ کتنی ہی اپنی طرف ہو لیکن مبارزت سے پرہیز کرنا ہر حال میں لازمی ہے۔ اِس رائے میں اُس وقت بہت زور تھا جبکہ رومانی سلطنت بت پرست تھی اور جبکہ ایک عیسائی سپاہی کے لیئے ممکن نہ تھا کہ وہ **روما** کے قربانگاہوں پر بتوں کی نیاز و نذر نہ چڑھاسے

[1] "قدیم قصائد"۔ ۶، ۲؛ [2] تاسی تیوس "اخبار"۔ ۳، ۲۵؛

اور روما کے دیوتاؤں اور شہنشاہ کی پرستش نہ کرے۔ بغیر اس کے فوجی ملازمت
میں رہنا غیر ممکن تھا۔ سینیکا کا یہ قول کہ تمام رومانی فوجوں کو بت پرستی کی پابندی
لازمی ہے بالکل درست تھا۔ ہر لشکرگاہ میں جہاں سالار فوج کا خیمہ ہوتا تھا
وہاں مستقل طور پر ایک قربانگاہ بنا دیا جاتا تھا۔ یہاں فوجیوں کو نذر چڑھانی پڑتی
تھی۔ جب یہ حالت تھی تو ظاہر ہے کہ رومانی عیسائی فوجی خدمت کو بہت ہی نفرت
کی نظر سے دیکھتے ہونگے۔ علاوہ اس کے اس زمانے میں عیسائی مذہب اختیار
کرنے کی ممانعت تھی اور اس مذہب کے ساتھ کسی قسم کی رواداری بھی ظاہر
نہ کی جاتی تھی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ شروع زمانے کے علماء مسیحی کی تحریروں میں فوجی ملازمت
اختیار کرنے کو بہت مذموم سمجھا گیا تھا۔ اور یہ ہی سبب تھا کہ ایسے عیسائیوں میں
جو فوجی ملازمت کے زمانے میں عیسائی ہوئے تھے مذہب کے لیئے جان دینے کے
واقعات زیادہ تر پیش آئے۔ لیکن یہ حالت اُس وقت بدل گئی جبکہ خود شہنشاہ
نے عیسائی دین قبول کر لیا۔ اور فوج کے عیسائیوں کو ایسے شہنشاہ کی اطاعت
کا حلف لینا پڑا جو کلیسا کا دشمن نہیں بلکہ دوست تھا۔ اب پادریوں نے بھی اپنا
پہلو بدلا۔ اور اس پر وہ مجبور بھی تھے۔ چنانچہ آرل کی مجلس میں گال کے
اسقفوں نے اس مضمون کا ایک قاعدہ مرتب کیا کہ اگر کوئی عیسائی سپاہی
زمانۂ امن میں اپنے ہتیار اتار پھینکے گا تو وہ کلیسا سے خارج کر دیا جائے گا۔
آجکل کی طرح اُس وقت بھی ایسے عیسائی موجود تھے جو کسی حالت میں لڑائی
کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ ان میں زیادہ تر لوگ ایسے تھے کہ گو فوجی پیشے کو برا
جانتے تھے مگر اس کی ضرورت سے بھی آگاہ تھے۔ مگر خود فوجی ملازمت
میں داخل ہونے سے قطعی پرہیز کرتے تھے۔ موجودہ زمانے کی طرح اُس وقت
بھی ایسے لوگوں کی کثرت تھی جو سمجھتے تھے کہ سلطنت کی سلامتی اسی میں ہے
کہ فوجی طاقت میں وہ کسی سے کم نہ ہو۔ مگر اس کے ساتھ دعا مانگتے تھے کہ جب
نزاع میں اس طاقت سے کام لینا پڑے اُس میں امر حق اُن ہی کی جانب
ہو۔ ترتولیان نے عیسائیوں کے لیئے یہ خطرناک اصول قرار دیا تھا کہ
فن سیاست سے عیسائیوں کو کسی قسم کی دلچسپی نہیں رکھنی چاہیئے۔ اور یہ کہ

عیسائیوں کا کوئی خاص ملک نہیں ہے۔ اور یہ کہ مسیح نے جس وقت پطرس کی کمر سے تلوار بند ہوا دی تو پھر سب قوموں کو حکم دیدیا کہ ہتیار اتار کر رکھدیں۔ لیکن عیسائیوں کے تعلقات جس قدر دنیوی معاملات یا سلطنت کے ساتھ تھے اُن کی صحیح حالت کا بیان کرنے والا ترتولیان نہیں ہے بلکہ اغسطین ہے جس کے خیالات حقیقت میں وسیع تھے۔ چنانچہ جس وقت خوف زدہ عیسائیوں نے اُس سے پوچھا کہ کیا ہم سپاہی بن کر خدا کی خدمت ادا کرسکتے ہیں تو اُس نے جواب دیا کہ انسان اپنے خدا اور شہنشاہ کی خدمت ہر وقت بجا لاسکتا ہے خواہ اس خدمت کا ادا کرنا کسی لشکر میں ہو یا کہیں اور ۔

وہ عیسائی جو خوفِ خدا رکھتے تھے اپنی زندگی فوجی خدمت میں بھی بغیر ایمان کے خسارہ کے بسر کرتے تھے۔ لیکن رومانی فوجوں میں غیر ملکوں اور قوموں کے لوگ اس کثرت سے بھر گئے تھے کہ عیسائیوں کے لیئے فوج میں کوئی اچھی صحبت نہ رہی تھی۔ باوجودیکہ صلیب ہر ایک رومانی فوج کا نشان تھا پھر بھی زیادہ عقیدتمند عیسائیوں نے فوج کی ملازمت گوارا نہیں کی۔ مگر اس کے ساتھ عیسائی مذہب پر یہ الزام لگایا جاتا ہے میں داخل ہے کہ اُس نے رومانی دنیا کو ہتیار لگانے پر پس و پیش میں ڈال دیا اگر اس قسم کا پس و پیش لوگوں میں تھا بھی تو وہ بہت پُرانا تھا۔ یعنی اُس کی ابتدا اُس زمانے سے ہوئی تھی جبکہ رومانی سلطنت کی ترکیب جمہوری تھی۔ مسیحی مذہب نے اس پرانے خیال میں اب کسی قدر زیادتی ضرور پیدا کردی ۔

عیسائیت اِس الزام سے بھی بری ہوسکتی ہے کہ اُس نے رومانیوں کے فنون اور ادبی علوم میں انحطاط پیدا کیا۔ یہ انحطاط عیسائیت کا کام نہ تھا بلکہ بہت پہلے سے چلا آتا تھا۔ شہنشاہ اوگستوس کے زمانے کے شعرائے باکمال کے وقت سے لیکر شاہی خاندان انتونائین کے زمانے تک نثر کے لکھنے والوں میں کمی ہوتی گئی۔ اور تیسری صدی میں کسی بڑے ادیب یا صاحب فن کا نام دیکھنے میں نہیں آتا۔ ادبی تصانیف ہوتی تھیں مگر کسی میں اصلیت کا نام نہ رہا تھا محض پچھلوں کی نقالی کی جاتی تھی۔ سوسائٹی میں علم دوست ہونے کی ایک ظاہری صورت رہ گئی تھی۔ نحوی و بلیغ پیدا ہوتے رہے۔ علم زندہ رہا۔ مرا نہیں۔ لیکن جہاں تک

نتیجے پر غور کیا جاتا ہے اس زمانے میں عمدہ تصنیفات کا قحط رہا۔ عیسائیت اس کی ذمہ دار نہیں کہ بت پرستوں کی قوت متخیلہ ضعیف ہوگئی تھی مگر اُس کی جوابدہ ضرور ہے کہ خود کوئی علمی کارنامہ نہ دکھلایا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ روما کی شاعری کا حصر بت پرستی کے قصص و تلمیحات پر تھا اور جس وقت تک بت پرستی کو سیاسی عروج رہا عیسائیوں کو اُس کے ادب سے پرہیز کرنا پڑا۔ جو لوگ جوپیٹر کو ایک باطل دیوتا بلکہ شیطان سمجھتے تھے۔ جنکے نزدیک اپولو کا نور گمراہوں کو مبتلائے عصیاں کرنے میں ظلمت سے بھی بدتر تھا جن کے نزدیک ڈیانہ دیبی کی نفاست میثر وا کی شاہانہ بزرگی۔ وینس کا حسن۔ سیریز کی فیاضی سب دھوکے کی ٹٹیاں تھیں جن کے پردہ میں گناہ کیے جاتے تھے اور جن میں ایمان کا خطرہ تھا اُن کو پرانے بت پرست شاعروں کی سحر بیانی اور ان کی زبان کا حسنِ دلفریب ایسا خوفناک معلوم ہوا کہ اُنھوں نے اپنے بچوں کے ہاتھوں میں ایسی تصنیفات کو دنیا یا خود اُن کے لطف سے متمتع ہونیکو اپنے اعتقاد و ایمان کے خلاف سمجھا۔ اس بارہ میں عیسائیوں کو الزام دینا مشکل ہے۔ خود اس زمانے میں یہ حال ہے کہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک (جاثلیق) ایک دوسرے کی ادبی تصنیفات سے عمداً لاعلم رہنا پسند کرتے ہیں بت پرستوں کی بھی یہی کیفیت تھی کہ جس طرح عیسائی ان کی شاعری کے لطف سے ناواقف رہنا چاہتے تھے وہ بھی عیسائیوں کی کتبِ مقدسہ کا علم حاصل کرنا پسند نہ کرتے تھے۔

بہر کیف اس بحث کو زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں۔ تعلیم کا انحصار قدیم یونانی اور رومانی علمِ ادب پر تھا اور ان کے سوا کوئی اور چیز بھی جس پر تعلیم کا دارومدار ہو موجود نہ تھی۔ عیسائی مصنفوں میں جو سب سے بڑھ کر کاملِ فن گذرے ہیں اُن کی تصنیفات کے ہر صفحہ سے ظاہر ہے کہ بت پرست شاعروں کے کلام کا اُن پر کس قدر اثر تھا۔ جروم نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ اُس کے پاس آیا ہے اور ملامت کرتا ہے کہ تو سسرو کے کلام پر کیوں جان دیتا ہے۔ اَغسطین اُن آنسوؤں پر افسوس کرتا ہے جو زوالِ ترائے کے دردناک حالات کو پڑھ کر اُس کی آنکھوں سے نکلے تھے درآنحالیکہ اُس کے دل پر وہ مسیح ابن اللہ کی اذیتوں اور تکلیفوں کا واقعہ سن کر کچھ بھی اثر نہ ہوا تھا۔ اسیطرح

امبروس کی تحریر میں شاعر ورجل کے اشعار و مصرعے یا جملے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ورجل کا رنگ اس عیسائی مصنف کی تحریر میں اتنا سرایت کر گیا ہے کہ وہ اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ لکٹن تیوس باوجودیکہ بت پرستوں کا جانی دشمن تھا جس وقت اُن کے حق میں بد دعا کرتا ہے تو سسرو کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ غرض اُس زمانے کے تعلیم یافتہ اور شائستہ مذاق عیسائی بُت پرستی کو جو چاہے سو کہیں لیکن بُت پرست شعرائے قدیم کے اثر سے باہر نہیں ہو سکتے تھے۔ ایسے سادہ لوح متعصب عیسائی بھی موجود تھے جن کو بت پرستوں کے کتب خانے جلا دینے میں لطف آتا تھا۔ اور سمجھتے تھے کہ یہ دھونی وہ ہے جو خدا کی نظروں میں سب سے پسندیدہ ہے۔ بہت سے عیسائی ایسے تھے جو بُت پرستوں کے علوم سے ناواقف ہونے پر فخر کرتے تھے۔ اور جہاں تک مذہب اجازت دیتا تھا اس جہل کو علم سے بہتر جانتے تھے۔ بُت پرستوں کے مقابلے میں جب عیسائیوں کی طبیعت کا اندازہ کیا جاتا ہے تو یہی دریافت ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو علوم و فنون کی تعلیم کی طرف رغبت نہ تھی۔ اور دنیا میں جس کتاب کو فی الحقیقت وہ پڑھنے کے قابل سمجھتے تھے وہ صرف انجیل تھی۔ چوتھی صدی عیسوی کے قریب ختم علوم و فنون کی طرف خاص توجہ ہوئی اور اس زمانے کے مشہور عیسائی عالموں میں اوسیونیوس۔ پالی نوس (ساکن نولا) پرودنتی یوس اور کلادیون گذرے۔ یہ علمی توجہ خاص عیسائیوں کی تحریک سے ہوئی تھی۔ اوسونیوس نے بت پرستوں کی تصنیفات کو اپنا نمونہ قرار دیا۔ پرودنتی یوس کی پاکیزہ نظمیں جو دعا کی صورت میں ہیں کلام میں اصلیت کا رنگ رکھتی ہیں۔ اور وہ لاطینی ادب میں ایک قیمتی اضافہ تھیں۔ کلادیون کا طرز اپنا تھا۔ مسٹر میکیل لاطینی ادب کی تاریخ[1] میں لکھتے ہیں "کہ کلادیون قدیم رومانی ادیبوں میں آخر تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ قدیم زمانے کا ایک بڑا قادر الکلام شاعر اور ادیب بھی تھا۔ اُس کی شاعری کو چاہے چوتھی صدی کی شاعری سمجھ لیجئے چاہے سولھویں صدی کی" مگر رومانی علوم کا اس طرح یکلخت سرسبز ہونا ایسا تھا جیسے گُل ہونے سے پہلے چراغ

۳۵

[1] "تاریخ ادبیات لاطینیہ" جلد ۳ ۔ باب ۷ ۔

کی لو تیز ہو جاتی ہے۔ ہم اس معنی کر عیسائیت کے بہت شکر گذار ہیں کہ اُس نے لاطینی زبان کو محفوظ رکھا لیکن اس بارے میں کہ ادبیات کی خدمت کس نے کی بُت پرستوں کے مقابلے میں ہم عیسائیت کے بہت کم ممنون ہیں جس نے بُت پرستی کو غارت کیا تھا۔ پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی میں روما کے قدیم ادبی ذخیروں کو خاک گمنامی سے برآمد کیا گیا اور اُن کی تعلیم پھر شروع کی گئی۔ اور اسطرح ایک مُردہ چیز کو پھر زندہ کر کے اُس کو ایک نئی زندگی بخشی گئی ؛

۳۵۵

عیسوی مذہب اور اُس کے اثر کی نسبت جو رومانی سلطنت پر اُس نے پہنچایا بہت سے اعتراض ہوئے ہیں۔ لیکن واقعات کے اعتبار سے یہ اعتراض سخت ہیں۔ اور سختی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بُت پرستی کے مقابلے میں جن لوگوں نے عیسوی مذہب کی حمایت کی تھی انھوں نے بُت پرستی کی نسبت بہت سی بُری باتیں اپنی طرف سے فرض کر لی تھیں۔ اس لئے عیسائیت پر بھی سخت اعتراض ہوئے۔ لیکن اگر اُس کل زمانے پر جس کے حالات اس کتاب میں لکھے گئے ہیں اچھی طرح غور کیا جائے گا تو پھر اُن اسباب کا سمجھنا دشوار نہ ہو گا جنھوں نے بالآخر بُت پرستی پر عیسوی مذہب کو غالب کر دیا۔ اور جب بُت پرستی کو زوال ہوا تو کس طرح قوموں نے اس زوال کو صبر و شکر کے ساتھ گوارا کر لیا۔ وجہ یہ تھی کہ دنیا فرسودہ ہو چلی تھی۔ پُرانے خیالات اپنی عمر ختم کر چکے تھے۔ شکوک و شبہات نے دل و دماغ بیکار کر دیا تھا۔ خوں ریزیوں اور لڑائیوں سے ہاتھ پاؤں خستہ ہو گئے تھے اور خدا کی مخلوق اُس آنے والے سیلاب بلا سے خوف زدہ ہو رہی تھی جس نے ایک صدی بھی گذرنے نہ پائی تھی کہ سلطنت کے مغربی حصے کو اپنی موجوں میں غرق کر دیا۔ حکمتِ یونان کے مذاہب فلسفہ دفترِ پارینہ ہو چکے تھے یہاں تک کہ قدیم دیوتاؤں کے سر بھی گویا سپید ہو گئے تھے۔ ہر چیز اپنا وقت پورا کر کے بے حس و حرکت پڑی تھی۔ خلقِ خدا منتظر تھی کہ کسیطرح دل کو چین نصیب ہو۔ کوئی اچھی امید بندھے۔ اور یہ چیزیں اُس وقت صرف عیسوی مذہب ہی بے چین دلوں کو پیش کر سکتا تھا۔ گو عیسائیت سے وہ تازگی و سرور۔ سادگی و صفائی جو شروع میں اُس کو حاصل تھیں رخصت ہو چکی تھیں لیکن

انسان کے دل کو تسلی دینے کا مادہ اُس میں اب تک عجیب و غریب کمال کے ساتھ موجود تھا۔ اور ایسی دنیا کو جس کی فہم رسا تحقیق کرتے کرتے پریشان اور جس کی زبان سوال کرتے کرتے تھک گئی تھی اُس نے تسلی و تسکین کا جواب دیا مگر اس کے ساتھ ہی دعوے کیا کہ یہی جواب امر حق ہے۔ پُرانی باتیں بھی جو طبیعت کا خمیر ہو چکی تھیں دل سے بالکل نہ نکلیں اور یہ ہی وہ باتیں تھیں جو وقتاً فوقتاً مسیحی دین میں اختلاف کا موجب ہوتی رہیں۔ مگر اُن کو نہایت بے رحمی اور ظلم سے دبا یا گیا اور انسان کو آزادیِ خیال کی برکت بڑی گراں قیمت دیکر ایک ہزار برس کے بعد مول لینی پڑی۔ یہ وقت تھا جبکہ دنیا کو معلوم ہوا کہ جو مذہب پہلے کسی وقت میں نجات کا بخشنے والا تھا اب وہ ہی ایک جابر و جفا کار ہے۔ باوجود اس کے بہت کم لوگ اِس میں شبہ کرتے ہیں کہ مسیحی کلیسا کی فتح اُس وقت نسلِ انسان کے حق میں ایک بڑی برکت تھی۔ رومانی سلطنت کا زوال ایک یقینی امر تھا اور یہ زوال ایسا تھا کہ اگر اِس کا اطمینان ہو جاتا کہ رومانی تمدن دنیا سے بالکل نہ مٹیگا اور گذری ہوئی نسلوں کے کارنامے بالکل غارت نہ ہوں گے تو پھر اُس کے آنے کی خواہش رکھنی مناسب تھی ؎

۳۵

تمت

اشاریہ

(ضروری اطلاع یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

الف

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)



(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

د

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)



(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

ز

س

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

ک

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

گ

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

ل

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

ی

(یہاں جو صفحات درج ہوئے ہیں وہ کتاب میں حاشیہ کے صفحات ہیں نہ کہ پیشانی کے)

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۵	۵	ایبوئلیا	ایکوئلیا
〃	۲۱	دکتر	وکتر
۱۶	۲	لای۔ل	لایعقل
۲۸	۱۴	اڈگزبرگ	اوگزبرگ
۲۹	۶	رہبروک لیز	ہیروک لیز
۱۳۷	۶	چوتھی مرتبہ	پہلی مرتبہ
۱۴۳	۵	پرورستش	پرستش
۱۵۶	۱۲	یل	بل
۲۰۵	۴	منصف	مصنف
۲۲۷	۲۰	فتوہٗ تکفیر	فتوئ تکفیر
۲۲۹	۵	ـہ	ـہ
۲۴۴	۳	خوبوں	خوبیوں
۲۵۵	۱۰	منحلہ	منجملہ
۲۶۳	۱۴	بہت عمدہ چیزوں	بہت عمدہ صنعت کی چیزوں
۳۱۵	۲	ایلایوس	ابلادیوس

تمت